بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حکیم الامت

حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیر فہم قرآن

(حصہ اول)

سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبد الواحد مدظلہ العالی

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریات قرآن

۱۰-۷ الحمد مینشن، ناظم آباد نمبر ۳

کراچی [illegible]

سُوْرَةُ الفَاتِحَة

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿٢﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿٣﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿٤﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿٥﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ﴿٦﴾ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ ﴿٧﴾

ترجمہ: سب تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جو ہے پالنے والا سارے جہان کا، بے حد مہربان نہایت رحم والا، مالک روز جزا کا۔ تیری ہی ہم بندگی کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔ بتا ہم کو راہ سیدھی، راہ ان لوگوں کی فضل فرمایا تو نے جن پر نہ ان کی غصہ کیا گیا جن پر اور نہ گمراہوں کی۔

تفسیر: (سب تعریفیں) عمدہ سے عمدہ اول سے آخر تک جو ہوئی ہیں اور جو ہوں گی (اللہ ہی کے لائق ہیں) کیونکہ ہر نعمت اور ہر چیز کا پیدا کرنے والا اور عطا کرنے والا وہی ہے خواہ بلا واسطہ عطا فرمائے یا

بواسطہ جیسے دھوپ کی وجہ سے اگر کسی کو حرارت یا روشنی حاصل ہوتی ہے تو وہ اصل میں سورج کا فیض ہے لیکن خود سورج اللہ تعالیٰ کا پیدا کیا ہوا ہے اور پھر یہی نہیں بلکہ وہ تو ایسا ہے (جو) پیدا کرنے کے بعد (سارے عالم کی) خواہ وہ عالم جن وانس ہو، عالم حیوانات ہو، عالم نباتات ہو یا عالم جمادات ہو، عالم دنیا ہو یا عالم آخرت ہو سب کی (پرورش کرنے والا ہے) کہ ہر ہر فرد اور نوع کی درجہ بدرجہ تمام ضروریات پوری کر کے اس کو کمال تک پہنچاتا ہے تاکہ انسان ان میں غور و فکر بھی کر سکے اور ان سے نفع بھی اٹھا سکے اور اپنی غرض تخلیق یعنی عبادت کو پورا کر سکے جو کہ اللہ تعالیٰ کی انتہائی عظمت کو پیش نظر رکھ کر اس کے سامنے انتہائی درجے کی عاجزی و تذلل اختیار کرنے کو کہتے ہیں کہ آدمی اس کے سامنے اپنی جان، اپنے مال اور اپنی عزت سب کو پیش کر دے اور اللہ تعالیٰ نے یہ سارا نظام ربوبیت و پرورش اس لئے بنایا ہے کہ وہ (بے حد مہربان ہے) دنیا میں کافر و مسلم سب انسانوں کو اپنی عبادت گزاری کے اسباب دکھاتا ہے اور مہیا کرتا ہے۔ پھر جو لوگ اس کی عبادت گزاری کرتے ہیں کہ اس کو پہچانتے ہیں، اس کی عبادت کرتے ہیں اور اس کے رسولوں کے ذریعے آئی ہوئی ہدایت پر عمل کرتے ہیں ان پر وہ آخرت میں بھی (نہایت رحم والا ہے) لیکن کون عبادت گزاری کرتا ہے اور کون نہیں اس کے علی الاعلان فیصلہ کے لئے اس نے ایک دن مقرر کر رکھا ہے اور وہ اس جزا کے دن کا مالک ہے)۔ جب بندوں نے اللہ تعالیٰ کی ذات اور مذکورہ صفات کو جان لیا اور یہ بھی جان لیا کہ ان کی غرض تخلیق اپنے رب کی عبادت ہے اور بندے سراپا عاجز ہیں جو دنیوی پرورش کی طرح روحانی پرورش میں بھی اللہ تعالیٰ کے محتاج ہیں تو ان کو چاہئے کہ وہ اپنی احتیاج کو سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے یوں گزارش کریں کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی غرض تخلیق کو پہچان لیا اور اس کے موافق (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور) نہ صرف اس پر قائم رہنے کے لئے بلکہ اپنے ہر کام میں (تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) لہذا (ہم کو سیدھی راہ بتا) بھی اور اس پر قائم بھی رکھ اور وہ راہ ہے (ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے فضل فرمایا) جو کہ قرآن پاک کی آیت اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ کے مطابق انبیاء صدیقین، شہداء اور صالحین ہیں کہ (جن پر نہ تیرا غصہ ہوا) جیسا کہ یہود پر ہوا کیونکہ انہوں نے اللہ کے احکام جان لینے کے بعد حق سے روگردانی کی (اور نہ وہ گمراہ ہوئے) جیسا کہ نصاری گمراہ ہوئے کہ انہوں نے حق کی پوری تحقیق نہیں کی جب کہ راہ ہدایت چھوڑنے کی یہی دو وجہیں ہوتی ہیں۔

فائدہ:

استعانت یعنی کسی دوسرے سے مدد مانگنا اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنا بندوں کی قدرت میں ہو۔ مثلاً یہ کہ میرا کپڑا سی دو یا

میری گاڑی ٹھیک کر دو وغیرہ۔ ایسے کاموں میں ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی مدد مانگنا اصل ہے کہ وہ اسباب کو ہمارے مطلوب کے موافق کر دیں۔

2-ان کاموں میں مدد مانگنا جن کو پورا کرنے کی قدرت بندوں میں نہیں ہوتی صرف اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت سے وہ ہو سکتے ہیں مثلاً کسی مریض کو شفا ہونا کسی کے لئے اولاد ہونا رزق میں کشادگی ہونا قدرتی طور پر بارش ہونا وغیرہ۔ ایسے کاموں کیلئے صرف اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا جا سکتا ہے اور اسی سے مدد طلب کی جا سکتی ہے۔ ان امور میں اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی مخلوق سے مدد طلب کرنے کی صرف یہ صورت ہو سکتی ہے کہ اس سے اللہ تعالیٰ سے دعا کرنے کی درخواست کی جائے۔

مخلوق سے خواہ وہ کتنا ہی بڑا بزرگ ہو اگر خود اس کام کو پورا کرنے کی درخواست کی تو (i) اگر اس عقیدہ سے ہو کہ اللہ تعالیٰ کی طرح وہ بھی مستقل طور پر لوگوں کے کام پورا کرنے کی قدرت رکھتا ہے۔ خواہ از خود یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے تو یہ کفر و شرک ہے۔ (ii) اور اگر یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کو یہ کام پورا کرنے کی قدرت دی ہے اگرچہ مستقل نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ چاہیں تو اس کو روک دیں۔ یہ فسقیہ شرک ہے جو اگرچہ کفر نہیں لیکن گمراہی ہے اور باعث عذاب ہے۔ (iii) اور اگر ایسا کوئی بد عقیدہ نہ ہو پھر بھی کسی مخلوق سے اس کا سوال کر بیٹھے مثلاً کسی ڈاکٹر سے کہے کہ مجھے تندرست کر دو تو اگرچہ اس طرح کہنا مناسب تو نہیں لیکن یہ کفر و گمراہی نہیں بلکہ عقیدہ کے صحیح ہوتے ہوئے یہ سمجھا جائے گا کہ اس کی مراد یہ ہے کہ وہ ڈاکٹر جو خود ایک سبب کے درجہ میں ہے اپنا کام پورے اہتمام سے کرے۔

سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃ

ربط: سورہ فاتحہ سے سورت بقرہ کا ربط یہ ہے کہ اس میں راہ ہدایت کی درخواست کی گئی تھی اور اس میں اس درخواست کی منظوری ہے کہ یہ کتاب ہدایت ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ﴿۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ ۚ وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ يُوْقِنُوْنَ ﴿۴﴾ اُولٰٓئِكَ عَلٰى هُدًى مِّنْ رَّبِّهِمْ ۗ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۵﴾

ترجمہ: اس کتاب میں کچھ شک نہیں۔ راہ بتانے والی ہے ڈرنے والوں کو، جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر اور قائم رکھتے ہیں نماز کو اور جو ہم نے روزی دی ہے ان کو، اس میں سے خرچ کرتے ہیں، اور وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں اس پر کہ جو کچھ نازل کیا گیا تیری طرف اور اس پر کہ جو کچھ نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور آخرت پر بھی وہ یقین رکھتے ہیں، وہی لوگ ہیں ہدایت پر جو ان کے پروردگار کی طرف سے ہے اور وہی ہیں کامیابی پانے والے۔

تفسیر: الٓمّٓ ؁ یہ حروف مقطعات کہلاتے ہیں۔ ان حروف کے معانی کی عام لوگوں کو اطلاع

نہیں دی گئی۔ ہو سکتا ہے رسول اللہ ﷺ کو بتادیئے گئے ہوں کیونکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے امت کو اہتمام کے ساتھ وہی باتیں بتائی ہیں جن کے نہ جاننے سے دین میں کوئی حرج واقع ہوتا ہو۔ جب ان کے معانی ہمیں نہیں بتائے گئے تو معلوم ہوا کہ ان کو نہ جاننے سے ہمارے دین میں کوئی نقص اور حرج واقع نہیں ہوا اور ہمارے لئے ان حروف کے معنی جانے بغیر ان پر ایمان رکھنا کافی ہے۔ (یہ کتاب ایسی ہے جس) کے من جانب اللہ ہونے (میں کوئی شبہ نہیں) اگرچہ کوئی نافہم اس میں شبہ رکھتا ہو، کیونکہ یقینی بات کسی کے شبہ کرنے کے باوجود بھی حقیقت میں یقینی ہی رہتی ہے۔ اور فائدہ حاصل کرنے کے اعتبار سے (راہ بتانے والی ہے خدا سے ڈرنے والوں کو) **مومنین کی صفات** (جو یقین رکھتے ہیں چھپی ہوئی چیزوں پر) یعنی جو چیزیں ان کے حواس وعقل سے پوشیدہ ہیں صرف اللہ و رسول ﷺ کے فرمانے سے ان کو صحیح مان لیتے ہیں۔ غیب ان چیزوں کو بھی کہتے ہیں کہ جن کو معلوم کرنے کی کوئی حسی یا عقلی یا نقلی دلیل نہ ہو۔ ان کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہوتا ہے۔ یہاں یہ غیب مراد نہیں ہے کیونکہ یہاں جو چیزیں مراد ہیں مثلاً جنت، دوزخ اور فرشتے وغیرہ ان کا علم تو اللہ اور اس کے رسول کے بتانے سے ہو گیا۔ (اور قائم رکھتے ہیں نماز کو) یعنی اس کو پابندی کے ساتھ اس کے وقت میں پورے شرائط وارکان کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ (اور جو کچھ ہم نے ان کو دیا ہے اس میں سے) نیک کاموں میں (خرچ کرتے ہیں اور وہ لوگ ایسے ہیں کہ یقین رکھتے ہیں اس کتاب پر بھی جو آپ کی طرف اتاری گئی ہے اور ان کتابوں پر بھی جو آپ سے پہلے اتاری جاچکی ہیں) مطلب یہ ہے کہ ان کا ایمان قرآن پر بھی ہے اور پہلی کتابوں پر بھی اور ایمان سچا ماننے کو کہتے ہیں عمل کرنا دوسری بات ہے، جتنی کتابیں اللہ نے پہلے انبیاء پر نازل فرمائی ہیں ان کو سچا ماننا فرض اور شرط ایمان ہے، یعنی یہ سمجھے کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے نازل فرمائی تھیں وہ صحیح ہیں خود غرض لوگوں نے جو اس میں تبدیل و تحریف کی ہے وہ غلط ہے، رہ گیا عمل سو وہ صرف قرآن پر ہو گا، پہلی کتابیں سب منسوخ ہو گئیں، ان پر عمل جائز نہیں۔ (اور یہ لوگ پورے کامیاب ہیں) یعنی ایسے لوگوں کو دنیا میں تو یہ نعمت ملی کہ راہ حق ملی اور آخرت میں ہر طرح کی کامیابی ان کے لئے ہے۔

ربط: یہاں تک ان لوگوں کا ذکر تھا جو زبان اور دل سے قرآن اور دین کو مانتے ہیں۔ آگے ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں جو نہ زبان سے مانتے تھے نہ دل سے۔ ایسے لوگ قرآن کی اصطلاح میں کافر کہلاتے ہیں۔ کافروں کی خصلتیں بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا سَوَاءٌ عَلَيْهِمْ ءَأَنذَرْتَهُمْ أَمْ لَمْ تُنذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُونَ ۝٦

خَتَمَ اللَّهُ عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ وَعَلَىٰ سَمْعِهِمْ ۖ وَعَلَىٰ أَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۖ

وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيمٌ ۝٧

ترجمہ: بیشک جو لوگ کافر ہو چکے برآبر ہے ان کے حق میں تو ڈرائے یا نہ ڈرائے، وہ ایمان نہ لائیں گے، مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر۔ اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (بیشک جو لوگ کافر ہو چکے ہیں برابر ہے ان کے حق میں خواہ آپ ان کو ڈرائیں یا نہ ڈرائیں، وہ ایمان نہ لائیں گے) یہ بات ان کافروں کے متعلق ہے جن کی نسبت خدا تعالیٰ کو معلوم ہے کہ ان کا خاتمہ کفر پر ہوگا، عام کافر مراد نہیں کیونکہ ان میں بہت سے لوگ بعد میں مسلمان ہو گئے (بند لگا دیا ہے اللہ نے ان کے دلوں پر اور ان کے کانوں پر، اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے، اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے)

ربط: کافروں کا بیان ختم ہوا۔ آگے ان لوگوں کا ذکر ہے جو کسی مصلحت یا دباؤ کے سبب زبان سے مانتے تھے مگر دل سے بالکل نہ مانتے تھے۔ ایسے لوگوں کو منافق کہا جاتا ہے۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ

الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَمَا

يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۹﴾ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ

فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ﴿۱۰﴾

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِى الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿۱۱﴾

اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ

اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ اَلَآ اِنَّهُمْ

هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳﴾ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا

وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ﴿۱۴﴾

اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِىْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۵﴾ اُولٰٓئِكَ

الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا

مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۶﴾ مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِى اسْتَوْقَدَ نَارًا فَلَمَّآ اَضَآءَتْ

مَا حَوْلَهٗ ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِىْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ ﴿۱۷﴾

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ ﴿۱۸﴾ اَوْ كَصَيِّبٍ مِّنَ السَّمَآءِ فِيْهِ ظُلُمٰتٌ وَّرَعْدٌ وَّبَرْقٌ ۚ يَجْعَلُوْنَ اَصَابِعَهُمْ فِيْٓ اٰذَانِهِمْ مِّنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۭ وَاللّٰهُ مُحِيْطٌۢ بِالْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ اَبْصَارَھُمْ ۭ كُلَّمَآ اَضَاۗءَ لَھُمْ مَّشَوْا فِيْهِ ڎ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَاَبْصَارِهِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۰﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض ایسے ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ ایمان والے نہیں چال بازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے اور دراصل کسی کو دھوکہ نہیں دیتے مگر اپنے آپ کو اور شعور نہیں رکھتے، ان کے دلوں میں بیماری ہے پھر بڑھادی اللہ نے ان کی بیماری اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے اس وجہ سے کہ جھوٹ کہتے تھے۔ اور جب کہا جاتا ہے ان کو فساد نہ کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں، جان لو بے شک وہی ہیں فساد کرنے والے لیکن نہیں سمجھتے، اور جب کہا جاتا ہے ان کو ایمان لاؤ جیسا ایمان لائے اور لوگ، تو کہتے ہیں کیا ہم ایمان لائیں جیسا ایمان لائے بے وقوف، جان لو بے شک وہی ہیں بے وقوف لیکن نہیں جانتے۔ اور جب ملاقات کرتے ہیں وہ مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہا ہوتے ہیں اپنے شیطانوں کے پاس تو کہتے ہیں کہ بیشک ہم تمہارے ساتھ ہیں ہم تو ہنسی اڑاتے ہیں (یعنی مسلمانوں کی)۔ اللہ ہنسی اڑاتا ہے ان کی اور ڈھیل دیتا ہے ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران ہیں، یہ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی گمراہی ہدایت کے بدلے سو نفع بخش نہ ہوئی ان کی تجارت اور نہ ہوئے راہ پانے والے، ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی پھر جب روشن کر دیا آگ نے اس کے آس پاس کو تو زائل کر دی اللہ نے ان کی روشنی اور چھوڑ دیا ان کو اندھیروں میں کہ کچھ نہیں دیکھتے، بہرے ہیں گونگے ہیں اندھے ہیں سو وہ نہیں لوٹیں گے یا ان کی مثال ایسی ہے جیسے زور کی بارش پڑ رہی ہو آسمان سے اس میں اندھیرے ہیں اور گرج اور بجلی بھی ہے، دیتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں مارے کڑک کے موت کے ڈر سے اور اللہ احاطہ میں لئے ہوئے کافروں کو۔ قریب ہے کہ بجلی اچک لے ان کی آنکھیں۔ جب چمکتی ہے ان پر تو چلنے لگتے ہیں اس کی روشنی میں اور جب اندھیرا ہوتا ہے ان پر تو کھڑے رہ جاتے

ہیں اور اگر چاہتا اللہ تو لے جاتا ان کے کان اور آنکھیں بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اور لوگوں میں بعض ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں ہم ایمان لائے اللہ پر اور آخری دن پر حالانکہ وہ بالکل ایمان والے نہیں) بلکہ (چالبازی کرتے ہیں اللہ سے اور ان لوگوں سے جو ایمان لا چکے ہیں اور واقع میں کسی کے ساتھ بھی چالبازی نہیں کرتے سوائے اپنی ذات کے) اور اس چالبازی کا انجام بد خود اپنے ہی کو بھگتنا پڑے گا (مگر وہ اس کا شعور نہیں رکھتے۔ ان کے دلوں میں بڑا مرض ہے) ان کی بداعتقادی کا اور مسلمانوں کی ترقی دیکھ کر حسد میں جلنے کا اور ہر وقت اپنے کفر کے ظاہر ہو جانے کی فکر و خلجان کا (سو مسلمانوں کو مزید ترقی دے کر (اور بھی بڑھا دیا اللہ نے ان کا مرض اور ان کے لئے دردناک سزا ہے اس وجہ سے کہ وہ جھوٹ بولا کرتے تھے یعنی ایمان کا جھوٹا دعویٰ کیا کرتے تھے اور جب) ان کی دورخی روش سے فتنے فساد واقع ہونے لگے اور خیر خواہ فہمائش کرتے کہ ایسی کارروائی تو موجب فساد ہوا کرتی ہے لہذا تم اس کو چھوڑ دو اور (ان سے کہا جاتا ہے کہ فساد مت کرو زمین میں تو کہتے ہیں ہم تو اصلاح ہی کرنے والے ہیں) یعنی اپنے آپ کو بجائے مفسد کے مصلح بتاتے ہیں اور اپنے فساد ہی کو اصلاح سمجھتے ہیں۔ (یاد رکھو بے شک یہی لوگ مفسد ہیں لیکن وہ اس کا شعور نہیں رکھتے) یہ تو ان کی جہالت اور غباوت کا بیان ہے کہ اپنے عیب ہی کو ہنر سمجھتے ہیں، آگے دوسری جہالت کا بیان ہے کہ دوسروں کے ہنر کو یعنی ایمان خالص کو عیب اور حقیر سمجھتے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم بھی ایسا ہی ایمان لے آؤ جیسا ایمان لائے ہیں اور لوگ، تو کہتے ہیں کہ کیا ہم ایمان لائیں گے جیسا ایمان لے آئے ہیں یہ بے وقوف، یاد رکھو کہ بیشک یہی ہیں بے وقوف لیکن اس کا علم نہیں رکھتے) یہ منافق ایسی کھلی ہوئی بات بظاہر غریب مسلمانوں کے سامنے کر لیتے ہوں گے جن سے ان کو کوئی اندیشہ نہ تھا، ورنہ عام طور پر تو وہ اپنے کفر کو چھپاتے پھرتے تھے۔ (اور جب ملتے ہیں وہ منافقین ان لوگوں سے جو ایمان لائے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے ہیں اور جب خلوت میں پہنچتے ہیں اپنے شریر سرداروں کے پاس تو کہتے ہیں کہ ہم بے شک تمہارے ساتھ ہیں۔ ہم تو) مسلمانوں سے (صرف استہزاء کیا کرتے ہیں) یعنی ہم مسلمانوں سے بطور تمسخر کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں ورنہ ہم تو تمہارے ہم مشرب ہیں، آگے ان کے استہزاء کا جواب ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی استہزاء کر رہے ہیں ان کے ساتھ اور ڈھیل دیتے چلے جاتے ہیں ان کو کہ وہ اپنی سرکشی میں حیران و سرگرداں ہو رہے ہیں) اللہ کا استہزاء یہی ہے کہ ان کو مہلت دی جا رہی ہے جب وہ کفر میں خوب کامل ہو جائیں اور جرم سنگین ہو جائے اس وقت اچانک پکڑ لئے جائیں گے، چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ فعل ان کے استہزاء کے مقابلہ میں تھا اس لئے اس کو استہزاء کے عنوان سے تعبیر کر دیا گیا (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے گمراہی لے لی بجائے ہدایت کے تو نفع بخش نہ ہوئی ان کی یہ تجارت اور نہ یہ ٹھیک طریقہ پر چلے) یعنی ان کو تجارت کا سلیقہ نہ ہوا کہ ہدایت جیسی قیمتی چیز کے بدلہ میں گمراہی لے لی۔ (ان کی حالت اس شخص کی حالت کے مشابہ ہے جس

نے کہیں آگ جلائی ہو پھر جب روشن کر دیا ہو اس آگ نے اس شخص کے گرداگرد کی سب چیزوں کو ایسی حالت میں سلب کر لیا ہو اللہ تعالیٰ نے ان کی) یعنی آگ جلانے والے اور اس کے ساتھیوں کی (روشنی کو اور چھوڑ دیا ہو ان کو اندھیروں میں کہ کچھ دیکھتے بھالتے نہ ہوں) تو جس طرح یہ شخص اور اس کے ساتھی روشنی کے بعد اندھیرے میں رہ گئے اسی طرح منافقین حق واضح ہو کر سامنے آ جانے کے بعد گمراہی کے اندھیرے میں جا پھنسے اور جس طرح آگ جلانے والوں کی آنکھ، کان، زبان، اندھیرے میں بیکار ہو گئے، اسی طرح گمراہی کے اندھیرے میں پھنس کر ان کی یہ حالت ہو گئی کہ گویا وہ (بہرے، ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں سو یہ اب رجوع نہ کریں گے) یعنی وہ حق سے بہت دور ہو گئے ہیں کہ ان کے کان حق بات سننے کے قابل نہ رہے، ان کی زبان حق بات کہنے کے لائق نہ رہی اور آنکھیں راہ حق دیکھنے کے کام کی نہ رہیں اس لئے اب ان کے حق کی طرف رجوع ہونے کی کیا امید ہے۔ یہ مثال تو ان منافقین کی تھی جو خوب دل کھول کر کفر پر جمے ہوئے ہیں، کبھی ایمان کا دھیان بھی دل میں نہیں آتا تھا اس لئے بالکل اندھیروں میں رہ جانے والوں کے مشابہ قرار دئے گئے، آگے منافقین کے اس گروہ کی مثال ہے جو فی الواقع تردد میں تھے، کبھی کبھی اسلام کی حقانیت دیکھ کر اس کی طرف مائل ہونے لگتے، پھر جب اغراض نفسانی کا غلبہ ہوتا تو یہ میلان بدل جاتا تھا (یا ان منافقوں کی ایسی مثال ہے جیسے آسمان کی طرف سے بارش ہو اس میں اندھیرا بھی ہو اور گرج و برق بھی ہو جو لوگ اس بارش میں چل رہے ہیں وہ ٹھونسے رہتے ہیں اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں کڑک کے سبب اندیشہ موت سے اور اللہ تعالیٰ احاطہ میں لئے ہوئے ہے کافروں کو، برق کی یہ حالت ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ ابھی ان کی بینائی اس نے اچک لی جہاں ذرا ان کے لئے بجلی کی چمک ہوئی تو اس کی روشنی میں چلنا شروع کر دیا، اور جب ان پر تاریکی ہوئی پھر کھڑے کے کھڑے رہ گئے اور اگر اللہ تعالیٰ ارادہ کرتے تو ان کے کان اور آنکھ سب سلب کر لیتے بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہیں) تو جس طرح یہ لوگ طوفان بادو باراں میں کبھی چلنے سے رہ جاتے ہیں کبھی موقع پا کر آگے چلنے لگتے ہیں یہی حال ان متردد منافقین کا ہے کہ کبھی غلبہ اسلام کے آثار میں نور اسلام کی جھلک کو دیکھ کر ادھر کو بڑھنے لگتے ہیں اور کبھی خود غرضی کے اندھیرے میں پڑ کر پھر حق سے رک جاتے ہیں۔

ربط: یہاں تک تینوں قسم کی جماعتوں کا بیان ہو چکا۔ اب سب کو خطاب میں جمع کر کے وہ کام بتایا جاتا ہے جس کو پورا کرنے کے لئے یہ مقدس کتاب نازل کی گئی ہے جس کے دو اصول ہیں توحید اور تصدیق رسالت۔ پہلے توحید کا مضمون ارشاد ہوتا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِىْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۲۱﴾ الَّذِىْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا

وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۪ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

ترجمہ: اے لوگو بندگی کرو اپنے رب کی جس نے پیدا کیا تم کو اور ان کو جو تم سے پہلے تھے شاید کہ تم بچ جاؤ، جس نے بنایا واسطے تمہارے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت اور اتارا آسمان سے پانی پھر نکالے اس سے میوے تمہارے کھانے کے واسطے سو نہ ٹھہراؤ کسی کو اللہ کے مقابل اور تم تو جانتے ہو۔

تفسیر: (اے لوگو! عبادت اختیار کرو اپنے پروردگار کی جس نے تم کو پیدا کیا اور ان لوگوں کو بھی جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں عجب نہیں کہ تم دوزخ سے بچ جاؤ) شاہی محاورہ میں عجب نہیں کا لفظ وعدہ کے موقع پر بولا جاتا ہے (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے بنایا تمہارے لئے زمین کو فرش اور آسمان کو چھت اور برسایا آسمان سے پانی، پھر پردہ عدم سے نکالا بذریعہ اس پانی کے پھلوں سے غذا کو تم لوگوں کے واسطے تو اب مت ٹھہراؤ اللہ پاک کے مقابل اور تم تو جانتے بوجھتے ہو) کہ یہ تمام تصرفات خدا تعالیٰ کے سوا کوئی کرنے والا نہیں، پھر خدا کے مقابلہ میں دوسری چیزوں کو معبود بنانا کیسے درست ہو سکتا ہے۔

ربط: آگے رسالت کا مسئلہ بیان فرماتے ہیں۔ یہ بات قابل لحاظ ہے کہ نبوت کی صاف اور بے غبار دلیل معجزہ ہوا کرتا ہے اس لئے رسول اللہ ﷺ کو بھی بے شمار معجزے عطا ہوئے جن میں سے سب سے بڑا معجزہ قرآن پاک ہے کیونکہ یہ نبوت کے اثبات کی بڑی دلیل ہے۔ اس کے معجزہ ہونے میں مخالفین کو یہ شبہ تھا کہ شاید اس کو رسول اللہ ﷺ خود تصنیف کر لیا کرتے ہوں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس شبہ کو اگلی آیت میں دور فرماتے ہیں تاکہ اس کا معجزہ ہونا ثابت ہو جائے پھر نبوت پر قطعی دلیل بن سکے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِىْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ ۪ وَادْعُوْا شُهَدَآءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا وَلَنْ تَفْعَلُوْا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىْ وَقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ ۚۖ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور اگر تم شک میں ہو اس کلام میں جو اتارا ہم نے اپنے بندے پر تو لے آؤ ایک سورت اس جیسی اور بلا لو اپنے حمایتیوں کو اللہ کے سوا اگر تم سچے ہو، پھر اگر ایسا نہ کر سکو اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر بچو اس آگ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں تیار کی ہوئی ہے کافروں کے واسطے۔

تفسیر: (اگر تم لوگ کچھ خلجان میں ہو اس کتاب کی نسبت جو ہم نے نازل فرمائی ہے اپنے خاص بندے پر تو اچھا پھر تم بنالاؤ ایک محدود ٹکڑا جو اس کا ہم پلہ ہو) کیونکہ تم بھی عربی زبان جانتے ہو اور اس کی نظم ونثر کے مشاق بھی ہو جب کہ پیغمبر ﷺ نے اس کی کوئی مشق بھی نہیں کی اور جب اس کے باوجود تم قرآن کے ایک ٹکڑے کی بھی مثل نہ بنا سکو تو بشرط انصاف بے تامل ثابت ہو جائے گا کہ یہ معجزہ منجانب اللہ ہے اور آپؐ اللہ کے پیغمبر ہیں (اور بلالو اپنے حمایتیوں کو جو خدا سے الگ الگ تجویز کر رکھے ہیں اگر تم سچے ہو، پھر اگر تم یہ کام نہ کر سکو اور قیامت تک بھی نہ کر سکو گے تو پھر ذرا بچتے رہو دوزخ سے جس کا ایندھن آدمی اور پتھر ہیں، تیار رکھی ہوئی ہے کافروں کے واسطے) یہ سن کر کہ قیامت تک بھی نہ کر سکو گے کیا کچھ جوش وخروش اور پیچ وتاب نہ آیا ہو گا اور کوشش میں کوئی کمی نہ اٹھا رکھی ہو گی۔ پھر عاجز ہو کر بیٹھ رہنا اس بات کی قطعی دلیل ہے کہ قرآن مجید معجزہ ہے۔

ربط: اس آیت میں منکرین قرآن کے لئے وعید مذکور تھی اب آگے تسلیم کرنے والوں کو بشارت سنائی جاتی ہے۔

وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوْا مِنْهَا مِنْ ثَمَرَةٍ رِّزْقًا ۙ قَالُوْا هٰذَا الَّذِيْ رُزِقْنَا مِنْ قَبْلُ ۙ وَاُتُوْا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: اور خوش خبری دے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور اچھے کام کئے کہ ان کے واسطے باغ ہیں کہ بہتی ہیں ان کے نیچے نہریں جب کبھی دیئے جائیں گے وہاں کا کوئی پھل کھانے کو تو کہیں گے یہ تو وہی ہے جو دیئے گئے تھے ہم اس سے پہلے۔ اور وہ دیئے جائیں گے پھل ایک صورت کے اور ان کے لئے وہاں عورتیں ہوں گی پاکیزہ اور وہ وہیں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے۔

تفسیر: (اور خوش خبری سنا دیجئے آپ ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور کام کئے اچھے اس بات کی کہ بے شک ان کے واسطے باغات ہیں کہ چلتی ہوں گی ان کے نیچے سے نہریں جب کبھی دیئے جائیں گے وہ لوگ ان باغوں میں سے کسی پھل کی غذا تو ہر بار میں یہی کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہم کو ملا تھا اس سے پہلے اور ملے گا بھی ان کو دونوں بار کا پھل ملتا جلتا اور ان کے واسطے ان باغوں میں بیویاں ہوں گی پاک صاف کی ہوئی اور وہ لوگ ان باغوں میں ہمیشہ کو بسنے والے ہوں گے) ہر بار میں ملتا جلتا پھل ملنا لطف کے واسطے ہو گا کہ دونوں مرتبہ پھلوں کی صورت ایک سی ہو گی، جس سے وہ سمجھیں گے کہ یہ پہلی ہی قسم کا پھل ہے

مگر کھانے میں مزہ دوسرا ہوگا جس سے حظ و سرور بڑھے گا۔

ربط: یہاں تک قرآن پاک کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوا اور اس کے انکار کرنے پر وعید اور اس کی تصدیق کرنے پر بشارت ذکر ہوئی۔ اب سمجھنا چاہئے کہ دعوی کرنے والے کے ذمہ دو حق ہوتے ہیں۔ ایک اپنے دعوی پر دلیل قائم کرنا دوسرے مخالف کی دلیل کا جواب دینا۔ یہاں قرآن کے کلام الٰہی ہونے کا دعوی کیا گیا اور اس پر یہ دلیل قائم کی کہ تمام افراد بشر اس جیسا بنانے سے عاجز ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ اللہ کا ہی کلام ہے اب بعض مخالف لوگ اس کے کلام الٰہی نہ ہونے پر یہ دلیل دیتے تھے کہ اس میں بہت سی حقیر چیزوں کا ذکر ہے جیسے مکھی، مکڑی کہ بتوں اور بت پرستوں کی مثال بتاتے ہوئے انکا ذکر آیا ہے۔ اگر یہ اللہ کا کلام ہوتا تو ایسی ذلیل اور حقیر چیزوں کا اس میں کیوں ذکر ہوتا اس لئے تقاضا ہوا کہ اب مخالفین کی دلیل کا جواب دیا جائے اور چونکہ اعتراض کرنے والوں نے اعتراض اس انداز سے کیا تھا کہ محمد ﷺ کے رب ایسی چیزوں کے ذکر کرنے سے شرماتے نہیں اس لئے اللہ تعالیٰ نے جواب بھی اسی انداز سے دیا۔ چنانچہ فرماتے ہیں:

إِنَّ اللَّهَ لَا يَسْتَحْيِي أَنْ يَضْرِبَ مَثَلًا مَا بَعُوضَةً فَمَا فَوْقَهَا ۚ

فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا فَيَعْلَمُونَ أَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَبِّهِمْ ۖ

ترجمہ: بے شک اللہ نہیں شرماتا اس بات سے کہ بیان کرے کوئی مثال مچھر کی یا اس چیز کو جو اس سے بڑھ کر ہے سو جو لوگ مومن ہیں وہ یقین جانتے ہیں کہ یہ مثال ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے۔

تفسیر: (ہاں واقعی اللہ تعالیٰ تو نہیں شرماتے کہ بیان کردیں کوئی مثال بھی خواہ مچھر ہو خواہ اس سے بھی بڑھی ہوئی ہو) یعنی حقیر ہونے میں مچھر سے بھی بڑھی ہوئی ہو (سو جو لوگ ایمان لائے ہوئے ہیں) خواہ کچھ ہی ہو (وہ تو یہی یقین کریں گے کہ بیشک یہ مثال بہت ہی موقع کی ہے ان کے رب کی جانب سے) کیونکہ مثال کو اس چیز سے مناسبت ہونی چاہئے جس کی وہ مثال ہے مثال دینے والے کے ساتھ مناسبت ہونا ضروری نہیں اس لئے کہ مثال سے غرض کسی شے کی حالت کی وضاحت کرنا مقصود ہوتا ہے تو جب تک اس شے کے مناسب نہ ہوگی اسکے ذریعے سے اسکی حالت کی وضاحت نہ ہوسکے گی۔ قرآن پاک میں جہاں مکھی، مکڑی کا ذکر آیا ہے وہاں بت پرستی کا لچر ہونا اور بتوں کا عاجز و درماندہ ہونا بیان کیا ہے اس لئے اس کی مثال میں حقیر اور ضعیف چیزوں کا لانا مناسب ہوا۔

وَأَمَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَيَقُولُونَ مَاذَا أَرَادَ اللَّهُ

بِهَٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا وَيَهْدِي بِهِ كَثِيرًا ۚ وَمَا يُضِلُّ

بِهٖۤ اِلَّا الْفٰسِقِیْنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِیْنَ یَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِیْثَاقِهٖ ۪ وَیَقْطَعُوْنَ مَاۤ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ یُّوْصَلَ وَیُفْسِدُوْنَ فِی الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: اور جو کافر ہیں سو کہتے ہیں کیا ارادہ کیا اللہ نے اس مثال سے۔ گمراہ کرتا ہے خدا تعالیٰ اس مثال سے بہت سوں کو اور ہدایت کرتا ہے اس سے بہت سوں کو اور گمراہ نہیں کرتا اس مثال سے مگر بدکاروں کو جو توڑتے ہیں خدا کے معاہدہ کو مضبوط کرنے کے بعد اور قطع کرتے ہیں اس چیز کو کہ حکم دیا اللہ نے اسکے ملانے کا اور فساد کرتے ہیں زمین میں۔ وہی ہیں بڑے خسارے والے

تفسیر: (اور رہ گئے وہ لوگ جو کافر ہو چکے ہیں) سوچاہے کچھ ہی ہو جائے (وہ یوں ہی کہتے رہیں گے کہ وہ کونسا مطلب ہوگا جس کا قصد کیا ہوگا اللہ تعالیٰ نے اس حقیر مثال سے) چونکہ اس مثال سے غرض و مقصد بہت واضح تھا اور وہ کافر بھی اس سے ناواقف نہ تھے اور ان کا یہ سوال محض شرارت کے طور پر تھا اور اس مثال کی حکمت کا انکار کرنا اور اس کا مذاق اڑانا مقصود تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ضدی اور ہٹ دھرم لوگوں کو جواب دینے میں وہ طرز اختیار فرمایا جو ان کے مناسب تھا۔ اس لئے فرماتے ہیں تم یہ پوچھتے ہو کہ ایسی مثالوں کے بیان کرنے سے اللہ تعالیٰ کا کیا مطلب ہے سو ہم سے مطلب سنو، وہ یہ ہے۔ (گمراہ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ اس مثال کی وجہ سے بہتوں کو اور ہدایت کرتے ہیں اس کی وجہ سے بہتوں کو) یعنی اس مثال کا ذاتی اثر تو نفع اور ہدایت ہے مگر چونکہ بعض لوگوں نے اس کو الٹ استعمال کیا اس لئے ان کو ضرر پہنچا اور مزید گمراہی میں پڑے (اور گمراہ نہیں کرتے اللہ تعالیٰ اس مثال سے کسی کو مگر صرف نافرمانی کرنے والوں کو) کہ نافرمانی کی نحوست سے حق طلبی کی عادت نہیں رہتی اور (جو اس معاہدہ کو جو اللہ سے کر چکے تھے) یعنی عہد ازل جس میں سب کی ارواح نے اللہ تعالیٰ کے رب ہونے کا اقرار کیا تھا (اس کے استحکام کے بعد توڑتے ہیں اور قطع کرتے رہتے ہیں ان تعلقات کو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو جوڑنے کا حکم دیا ہے) اس میں تمام تعلقات شرعیہ داخل ہیں خواہ وہ تعلقات ہوں جو بندہ اور خدا کے درمیان ہیں یا وہ جو اس کے اور اقرباء اور رشتہ داروں کے درمیان ہیں اور عام اہل اسلام کے درمیان ہیں اور جو عام انسانوں کے درمیان ہیں (اور فساد کرتے رہتے ہیں زمین میں) کفر و شرک خود بھی فساد ہے اور دوسروں پر ظلم اور ناحق شناسی جو کفر کے لوازم میں سے ہے وہ بھی اس فساد میں شامل ہے (بس یہ لوگ ہیں پورے خسارہ میں پڑنے والے) کہ دنیا کی راحت اور آخرت کی نعمت سب ہاتھ سے دے بیٹھے، کیونکہ حاسد کی دنیوی زندگی بھی ہمیشہ تلخ ہی رہتی ہے۔

ربط: کفار کے شبہ کا جواب دینے کے بعد اب پھر اس مضمون کی طرف رجوع کرتے ہیں جو اس سے اوپر آیت یا ایھاالناس اعبدوا میں توحید کے متعلق ذکر ہوا تھا جس میں توحید کی دلیل بھی دی تھی۔ اب اس دلیل کو دوسرے رنگ میں پھر لائے یعنی جب اللہ تعالیٰ کا مربی اور خالق اور رازق اور محسن ہونے میں یکتا ہونا تم کو دلائل سے ثابت ہو چکا تو پھر

كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ كُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾

ترجمہ: کس طرح ناشکری کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی حالانکہ تم بے جان تھے پھر زندہ کیا تم کو پھر موت دے گا تم کو پھر زندہ کرے گا تم کو پھر اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (بھلا کیوں کر ناشکری کرتے ہو اللہ کے ساتھ) کہ اس کے احسانات کو بھلا دیتے ہو اور غیروں کا کلمہ پڑھتے ہو حالانکہ اس پر واضح دلائل قائم ہیں کہ صرف ایک اللہ ہی مستحق عبادت ہے مثلاً یہ کہ (تم بے جان تھے) یعنی نطفہ میں جان پڑنے سے پہلے (سو تم کو جاندار کیا پھر تم کو موت دیں گے پھر زندہ کریں گے) یعنی قیامت کے دن (پھر انہی کے پاس لے جائے جاؤ گے) یعنی میدان قیامت میں حساب کتاب کے لئے حاضر کئے جاؤ گے۔

ربط: اس کے بعد اپنے کچھ انعام و احسان کا ذکر فرماتے ہیں کہ توحید کے مسئلہ میں اگر دلائل سے کام نہیں لیتے جس میں عقل سے کام لینا پڑتا ہے اور یہ محنت کا کام کون کرے تو اچھا اتنی بات تو غور و فکر کے بغیر بھی سمجھ آتی ہے کہ احسان کرنے والے کا حق ماننا چاہئے اس لئے اللہ تعالیٰ کے انعام و احسان یاد کر کے ہی اس کی طرف رجوع کر لو۔ اس لئے اپنی عام اور خاص نعمتیں یاد دلاتے ہیں۔ پھر نعمتیں دو قسم کی ہوتی ہیں۔ ایک صوری یعنی محسوس جیسے کھانا، پینا، روپیہ، مکان، جائیداد۔ دوسری معنوی جیسے عزت، آبرو، مسرت، علم وغیرہ۔ پہلے صوری اور محسوس عام نعمتیں ذکر کیں پھر معنوی عام نعمتیں ذکر کیں۔

عام محسوس نعمتوں کا بیان

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۚ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

ترجمہ: وہی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے واسطے جو کچھ زمین میں ہے سب، پھر قصد کیا آسمان کی طرف سو ٹھیک کر دیا ان کو سات آسمان اور وہ ہر چیز سے خبر دار ہے۔

تفسیر: (وہ ذات پاک ایسی ہے جس نے پیدا کیا تمہارے فائدہ کے لئے جو کچھ بھی زمین میں موجود ہے سب کا سب) یہ فائدہ عام ہے کھانے پینے کا ہو یا پہننے اور برتنے کا یا نکاح اور روح کو تازگی بخشنے کا یا کسی چیز کو دیکھ کر توحید کے صحیح علم حاصل ہو جانے کا۔ اس سے معلوم ہوا کہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں جس سے انسان کو فائدہ نہ پہنچتا ہو اور اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ ہر چیز کا ہر استعمال حلال ہو، جیسے مہلک زہر بھی انسان کے لئے فائدہ سے خالی نہیں مگر ان کا کھالینا عقلاء کے نزدیک ممنوع ہے (پھر توجہ فرمائی آسمان کی طرف) یعنی اس کی تخلیق و تکمیل کی طرف (تو درست کر کے بنا دیئے ان کو سات آسمان اور وہ تو سب چیزوں کے جاننے والے ہیں۔

عام معنوی نعمت کا بیان: کہ ہم نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو علم کی دولت دی اور ان کو مسجود ملائکہ بنایا اور تم کو ان کی اولاد میں ہونے کا فخر دیا۔ اس سبب سے اس قصہ کو شروع سے ختم تک پورا بیان فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَآءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ؕ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۳۰﴾ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔوْنِىْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ﴿۳۲﴾ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۚ فَلَمَّآ اَنْۢبَاَهُمْ بِاَسْمَآئِهِمْ ۙ قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور جب کہا تیرے رب نے فرشتوں سے بے شک میں بنانے والا ہوں زمین میں ایک نائب کہا فرشتوں نے کیا تو بنائے گا زمین میں اس کو جو فساد کرے گا اس میں اور خون بہائے گا اور ہم تسبیح کرتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے ہیں فرمایا بے شک میں جانتا ہوں اس بات کو جو تم نہیں جانتے۔ اور سکھا دیئے اللہ نے آدم کو نام سب چیزوں کے پھر سامنے کیا ان

سب چیزوں کو فرشتوں کے پھر فرمایا بتاؤ مجھ کو نام ان کے اگر تم سچے ہو، فرشتے بولے پاک ہے تو ہم کو علم نہیں مگر جتنا تو نے ہم کو سکھایا بیشک تو ہے اصل جاننے والا حکمت والا، فرمایا اے آدم بتادے فرشتوں کو ان چیزوں کے نام پھر جب بتادیئے اس نے ان کے نام تو اللہ نے فرمایا کیا نہ کہا تھا میں نے تم کو کہ میں خوب جانتا ہوں چھپی ہوئی چیزیں آسمانوں کی اور زمین کی اور جانتا ہوں جو تم ظاہر کرتے ہو اور جو چھپاتے ہو۔

تفسیر: (اور جس وقت ارشاد فرمایا آپ کے رب نے فرشتوں سے) تاکہ وہ اپنی رائے ظاہر کریں جس میں حکمت و مصلحت تھی ورنہ مشورہ کی حاجت سے تو حق تعالیٰ بالا و برتر ہیں، غرض اللہ تعالیٰ نے فرشوں سے فرمایا کہ (ضرور میں بناؤں گا زمین میں ایک نائب) یعنی وہ میرا نائب ہوگا کہ اپنے احکام شرعیہ کے اجراء و نفاذ کی خدمت اس کے سپرد کروں گا (کہنے لگے کیا آپ پیدا کریں گے زمین میں ایسے لوگوں کو جو فساد کریں گے اس میں اور خوں ریزیاں کریں گے (اور ہم برابر تسبیح کرتے رہتے ہیں بحمد اللہ اور آپ کی پاکی بیان کرتے رہتے ہیں) فرشتوں کی یہ گزارش نہ بطور اعتراض تھی اور نہ اپنا استحقاق جتانے کے لئے تھی بلکہ فرشتوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ جو نئی مخلوق زمین سے بنائی جائے گی ان میں نیک و بد ہر طرح کے لوگ ہوں گے، بعض لوگ اس نیابت کے کام کو اور زیادہ خراب کریں گے، اس لئے نیاز مندانہ عرض کیا کہ ہم سب کے سب ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور گروہ ملائکہ میں کوئی گناہ کرنے والا بھی نہیں، اس لئے کوئی نیا عملہ بڑھانے اور نئی مخلوق پیدا کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے، خصوصاً جب کہ اس نئی مخلوق میں یہ بھی احتمال ہے کہ وہ آپ کی مرضی کے خلاف کام کریں گے جس سے آپ ناراض ہوں۔ ہم ہر خدمت کے لئے حاضر ہیں اور ہماری خدمت آپ کی مرضی کے مطابق ہی ہوگی (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں اس بات کو جس کو تم نہیں جانتے) یعنی جو چیز تمہاری نظر میں بنی آدم کی تخلیق سے مانع ہے کہ ان میں بعض فساد بھی پھیلائیں گے وہی چیز درحقیقت ان کی تخلیق کا اصلی سبب ہے کیونکہ اجراء احکام و انتظام تو جبھی وقوع میں آسکتا ہے جب کوئی اعتدال سے تجاوز کرنے والا بھی ہو، یہ مقصود تم فرمانبرداروں کے جمع ہونے سے پورا نہیں ہو سکتا اور اعتدال سے تجاوز کر جانے والی ایک مخلوق یعنی جنات پہلے سے موجود تھی، اس سے یہ کام کیوں نہ لیا گیا اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کام کے لئے موزوں وہ مخلوق ہو سکتی ہے جس میں شر و فساد کا عنصر موجود تو ہو مگر غالب نہ ہو اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت نسبتاً زیادہ ہو تاکہ اصلاح کی کوششوں کا زیادہ حصہ ضائع نہ ہو جب کہ جنات میں فساد کا عنصر غالب تھا اور اصلاح قبول کرنے کی صلاحیت بہت کمزور تھی اس لئے آدم کی تخلیق تجویز فرمائی۔

یہاں تک یہ تو معلوم ہوا کہ انسان کی تخلیق میں یہ حکمت ہے کہ ان کے ہونے سے اصلاح اور

شریعت کا انتظام حاصل ہو گا گو کوئی مخالف اس قوت و استعداد اور صلاحیت کو جو اس کو کامل مقدار میں عطا ہوئی بے قدری کر کے اس سے نفع نہ اٹھائے مگر سامان کے جمع کر دینے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی۔

اب اس میں فرشتوں کی جانب سے اس احتمال کی گنجائش رہ گئی تھی کہ خیر انسان کو پیدا کر دیا جائے اور ان کی اصلاح کی خدمت ہم کو دیدی جائے اس لئے اب اس بات کو ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ ان آدمیوں کی اصلاح بھی آدمی ہی سے ہو سکتی ہے کیونکہ مصلح کے لئے علم کی ضرورت ہے اور جس خاص علم کی ضرورت ہے وہ ملائکہ کی استعداد سے خارج ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ہر منتظم اور مصلح کے لئے ضروری ہے کہ وہ جس چیز کا انتظام اور اصلاح کرنا چاہے اس چیز کی اصل و حقیقت اور اس کے ہر قسم کے نشیب و فراز سے پورا واقف و ماہر ہو۔ یہی وجہ ہے کہ اگر حاکم اپنی رعایا کی عادات و رسوم و مزاج اور ان کے فائدوں اور نقصان کی باتوں سے واقف نہ ہو تو رعایا کا انتظام درست نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح یہاں خلیفہ خداوندی کو جب انسانی طبائع کی اصلاح کا کام کرنا پڑے گا تو ضروری ہے کہ وہ ان طبائع کی کیفیات اور خصوصیات اور ان کے تغیر و تبدل سے پوری طرح آگاہ ہو۔ یہ تو انسان کی باطنی اصلاح کا انتظام ہوا۔ رہا ظاہری اصلاح کا کام تو شریعت کا یہ کہنا کہ فلاں چیز حرام ہے اور فلاں چیز حلال ہے اس میں بھی ضرورت ہو گی کہ ان چیزوں کے بہت سے حالات و خواص اور منافع و نقصانات معلوم ہوں مثلاً نشہ کی چیز حرام ہے تو اب جو شخص نشہ کی حقیقت اور آثار کو نہ جانتا ہو گا اس کے سامنے کوئی شراب پی کر بدمست بھی ہو جائے تو وہ اس کو تنبیہ اور نہی نہیں کر سکتا کیونکہ وہ عذر کر سکتا ہے کہ مجھ کو نشہ ہی نہیں ہوا اور یہ شخص اس کی تکذیب نہیں کر سکتا۔ بخلاف اس شخص کے جو جانتا ہو کہ نشہ دار چیز کی کیا خاصیت ہے اور اس کے پینے سے کیا حالت ہوتی ہے۔ غرض احوال بشریہ سے جس قدر بشر واقف ہو سکتا ہے ملائکہ یا جن ہرگز واقف نہیں ہو سکتے۔ اس لئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو پیدا کر کے (ان کو علم دے دیا سب چیزوں کے ناموں کا) یعنی سب چیزوں کے نام اور ان کے خواص و آثار سب کا علم آدم کو دیدیا (پھر وہ چیزیں فرشتوں کے روبرو کر دیں پھر فرمایا کہ مجھ کو بتاؤ ان چیزوں کے نام) مع ان کے آثار و خواص کے (اگر تم سچے ہو) اپنے اس قول میں کہ ہم خلافت ارضی کا کام اچھا انجام دے سکیں گے (فرشتوں نے عرض کیا کہ آپ تو پاک ہیں) اس الزام سے کہ آدم علیہ السلام پر اس علم کو ظاہر فرمادیا اور ہم سے پوشیدہ رکھا کیونکہ کسی آیت یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہے کہ آدم علیہ اسلام کو علم اسماء کی تعلیم فرشتوں سے الگ کر کے دی گئی۔ اس سے ظاہر یہ ہے کہ تعلیم تو سب کے سامنے یکساں دی گئی مگر آدم علیہ السلام کی فطرت میں اس علم کے حاصل کر لینے کی صلاحیت تھی انہوں نے حاصل کر لیا، فرشتوں کی طبیعت میں اس کی استعداد اور صلاحیت نہ تھی ان کو یہ علم حاصل نہ ہوا (مگر ہم کو ہی علم نہیں مگر وہی جو کچھ آپ نے ہم کو علم دیا) یعنی جس قدر ہماری پیدائش میں استعداد رکھی ہے اور اس

کے موافق ہم کو علم عطا ہوا اس کے سوا ہم کو دوسرے علم سمجھنے کی قوت نہیں ہے (بیشک آپ بڑے علم والے ہیں) کہ آپ کو سب علوم حاضر ہیں اور ہماری اور آدمیوں کی سب معلومات سے آپ باخبر ہیں (حکمت والے ہیں) کہ جس قدر جس کے لئے مصلحت جانا اسی قدر علم وفہم اس کو عطا فرمایا، اس سے فرشتوں کا یہ اعتراف تو ثابت ہو گیا کہ وہ اس کام سے عاجز ہیں جو نائب کے سپرد کرنا ہے، آگے حق تعالیٰ کو یہ منظور ہوا کہ آدم علیہ السلام میں اس خاص علم کی مناسبت کو فرشتوں کے سامنے آشکارا فرمادیں، اس لئے (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اے آدم تم بتادو ان کو ان چیزوں کے نام) مع حالات وخواص کے (سو جب بتادیئے ان کو آدم علیہ السلام نے ان چیزوں کے نام) اور فرشتے سمجھ گئے کہ آدم علیہ السلام اس علم کے ماہر ہو گئے ہیں تو حق تعالیٰ نے (فرمایا دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ بیشک میں جانتا ہوں آسمانوں کی اور زمین کی تمام پوشیدہ چیزوں کو اور جانتا ہوں جس بات کو تم ظاہر کر دیتے ہو اور جس کو تم دل میں رکھتے ہو)

ربط: پچھلے واقعہ میں جب آدم علیہ السلام کی فضیلت فرشتوں پر ظاہر ہو چکی اور دلائل سے یہ بات ثابت ہو گئی کہ خلافت کی صلاحیت کے لئے جن علوم کی ضرورت ہے وہ سب آدم علیہ السلام کو حاصل تھے اور ملائکہ کو ان میں سے بعض علوم حاصل ہیں اور جنات کو تو ان علوم کا بہت ہی کم حصہ حاصل ہے۔ خاص اس حیثیت سے آدم علیہ السلام تو ملائکہ اور جن دونوں گروہ کے علوم کے جامع ہیں اور ان کا شرف دونوں جماعتوں پر ظاہر ہو گیا۔ اب حق تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس بات کو معاملہ سے بھی ظاہر فرمادیا جائے اور ملائکہ اور جنات سے ان کی کوئی خاص تعظیم کرائی جائے جس سے یہ ظاہر ہو کہ یہ ان دونوں سے کامل ہیں۔

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ أَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے حکم دیا فرشتوں کو کہ سجدہ کرو آدم کو تو سب سجدہ میں گر پڑے مگر ابلیس، اس نے نہ مانا اور تکبر کیا، اور ہو گیا وہ کافروں میں سے

تفسیر: (اور جس وقت حکم دیا ہم نے فرشتوں کو) اور جنات کو بھی جیسا کہ بعض روایات میں حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے اور قرآن مجید میں سوائے ابلیس کے دوسرے جنوں کے مامور بسجدہ ہونے کے ذکر کا اہتمام شاید اس لئے نہ کیا گیا ہو کہ عقلمند لوگ سمجھ ہی جائیں گے کہ فرشتے جو مقرب ہیں جب ان سے آدم علیہ السلام کی تعظیم کرائی گئی تو جن جو ان کے مقابلہ میں کچھ بھی رتبہ نہیں رکھتے اس تعظیم کے ضرور مکلف ہوں گے۔ غرض ان سب کو یہ حکم ہوا (کہ سجدے میں گر جاؤ آدم کے سامنے تو سب سجدہ میں گر پڑے سوائے ابلیس کے کہ اس نے کہنا نہ مانا اور غرور میں آگیا اور ہو گیا کافروں میں سے) کافر اس لئے بنا کہ اس نے حکم الٰہی کے مقابلہ میں تکبر کیا اور اس کے قبول کرنے میں عار کیا اور اس کو حکمت

و مصلحت کے خلاف ٹھہرایا جیسا دوسرے مقام پر اسکا قول ذکر ہے کہ میں آگ سے بنا ہوں اور یہ مٹی سے بنے ہیں اس لئے میں ان سے افضل ہوں اور افضل سے کمتر کی تعظیم کرانا بے موقع ہے۔

آدم علیہ السلام کے قصہ کا تکملہ

وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۳۵﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۳۶﴾

ترجمہ: اور ہم نے کہا اے آدم رہ تو اور تیری بیوی جنت میں اور تم دونوں کھاؤ اس سے جو چاہو جہاں کہیں سے چاہو اور پاس مت جانا اس درخت کے ورنہ تم ہو جاؤ گے ظالم۔ پھر لغزش دی ان کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو نکالا ان کو اس عیش سے کہ جس میں وہ تھے اور ہم نے کہا تم سب اترو تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے اور تمہارے واسطے زمین میں ٹھہرنا ہے اور نفع اٹھانا ہے ایک وقت تک۔

تفسیر: (اور ہم نے حکم دیا کہ اے آدم رہا کرو تم اور تمہاری بیوی) جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے آدم علیہ السلام کی پسلی سے کوئی مادہ لے کر بنا دیا تھا (جنت میں۔ پھر کھاؤ دونوں اس سے جو چاہو جس جگہ سے چاہو اور نزدیک نہ جاؤ اس درخت کے ورنہ تم بھی انہی میں شمار ہو جاؤ گے جو اپنا نقصان کر بیٹھے ہیں) خدا جانے وہ کیا درخت تھا مگر اس کے کھانے سے منع فرما دیا اور پھر آقا کو اختیار ہے کہ اپنے گھر کی چیزوں سے غلام کو جس چیز کے استعمال کرنے کی چاہے اجازت دیدے، اور جس چیز کو چاہے منع کر دے (پس لغزش دیدی آدم و حواء کو شیطان نے اس درخت کی وجہ سے سو برطرف کر کے رہا ان کو اس عیش سے جس میں وہ تھے۔) شیطان انکار سجدہ کے جرم میں ملعون و مردود ہو چکا تھا اور چونکہ یہ زخم اس کو آدم علیہ السلام کی وجہ سے پہنچا تھا اس لئے انکا جانی دشمن ہو گیا تھا۔ جب اس نے دیکھا کہ میں تو یوں مردود کیا گیا اور ان کا یوں اعزاز ہوا ہے اب اس فکر میں لگا کہ کسی طرح آدم کو ان کی بیوی سمیت اس عیش و عشرت سے نکلنا چاہئے۔ غرض یہ آدم علیہ السلام کے پیچھے پڑا اور جس طرح ہو سکا ان کو بہکانا شروع کیا کہ اصل میں اس درخت کی خاصیت یہ ہے کہ اس کے کھانے سے آدمی کو یا تو دائمی زندگی حاصل ہوتی ہے یا وہ فرشتہ بن جاتا ہے مگر جس وقت اللہ تعالیٰ نے تم کو منع کیا تھا اس وقت تمہارے اندر اس کی سہار نہیں تھی کیونکہ استعداد کمزور تھی۔ اب وقت گزرنے کے ساتھ تمہاری استعداد قوی ہو گئی ہے اس لئے اب اس کا

کھانا تمہارے لئے منع نہیں رہا اور اپنی باتوں پر قسمیں بھی کھا گیا۔ چونکہ تاویل بڑی نمکین تھی ادھر اللہ کی قسمیں کھا گیا جس کا نام سن کر اللہ کی محبت رکھنے والے تو گھل ہی جاتے ہیں پھر لالچ دلایا دائمی حیات اور فرشتہ بننے کا اور پھر ممکن ہے آدم علیہ السلام نے اس ظالم کو پہچانا بھی نہ ہو کسی نئی شکل میں ملا ہو یا اس نے ملے بغیر ہی اپنی قوت جنیہ سے ٹیلی پیتھی کی طرح دور سے ہی اثر پہنچایا ہو جس سے آدم علیہ السلام کے خیال میں یہ بات پڑ گئی ہو اور یہ خدشہ بھی نہ ہوا ہو کہ یہ خیال کسی بدخواہ کا پہنچایا ہوا اثر ہے۔ غرض ایسے اسباب جمع ہو گئے تھے کہ اس درخت کے کھانے کو اس وقت ممانعت سے خارج سمجھ گئے اور کھالیا۔ یہ حقیقت ہے لغزش میں آجانے کی۔ الحاصل درخت کا کھانا تھا کہ سب عیش و آرام رخصت ہوا اور اس وقت بہشت سے باہر آنے کا حکم ہوا چنانچہ ارشاد فرماتے ہیں (اور ہم نے کہا نیچے اترو تم میں سے بعضے بعض کے دشمن رہیں گے) یعنی ایک اثر تو ظاہری ہوا کہ یہاں سے زمین پر جاؤ دوسرا اثر باطنی ہے کہ بعضوں میں باہم عداوتیں بھی قائم رہیں گی جس سے زندگی کا لطف بہت کچھ کم ہو جائے گا۔ خطا کے تاویل واجتہاد سے ہونے کے باوجود اس قدر گرفت اس وجہ سے ہے کہ جس شخص میں عقل و فہم زیادہ ہو اور وہ مقرب بھی ہو اس پر ملامت زیادہ ہوتی ہے کہ تم نے زیادہ غور سے کام کیوں نہیں لیا۔ تو یہ گرفت آدم علیہ السلام کے کمال اور ان کی مقبولیت کی دلیل ہے۔ (اور تم کو زمین پر کچھ عرصہ ٹھہرنا ہے اور کام چلانا ہے ایک میعاد معین تک) یعنی وہاں جاکر بھی دوام نہ ملے گا کچھ عرصہ کے بعد وہ گھر بھی چھوڑنا پڑے گا۔

آدم علیہ السلام نے ایسے خطاب و عتاب کہاں سنے تھے نہ ایسے سنگدل تھے کہ اس کی سہار کر جاتے بے چین ہو گئے اور فوراً ہی معافی کی التجا کرنے لگے اور جس طرح کوئی خادم اپنی خطا پر واقعی نادم ہو کر منہ بنا کر ہاتھ جوڑ کر گردن جھکا کر مالک و آقا کے روبرو خاموش کھڑا ہو جاتا ہے اور ہیبت کے مارے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کہے ڈرتا ہے کہ کہیں اپنی ناسمجھی سے کوئی اور بات ایسی نہ نکل جائے جو مالک کو غصہ دلائے یا اپنی خطا کو اس قدر بڑا سمجھتا ہے کہ اس کے لئے معذرت کے الفاظ کافی نہیں ملتے اس وقت آقا کو جوش کرم ہوتا ہے اور مہربان ہو کر کہتا ہے کہ کیا چاہتا ہے کچھ منہ سے تو کہہ۔ وہ جب پھر بھی کچھ نہیں کہتا تو آقا کہتا ہے کہ اچھا عہد کر کہ پھر ایسی حرکت نہ کروں گا۔ خادم اس کی تلقین کے موافق وہی الفاظ عرض کرتا ہے۔ اس پر آقا کہہ دیتا ہے کہ جا معاف کیا پھر مت کرنا غرض اس طرح۔

فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۳۷﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا

وَكَذَّبُوا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصۡحٰبُ النَّارِۚ هُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر سیکھ لئے آدم نے اپنے رب سے چند الفاظ پھر متوجہ ہو گیا اللہ اس پر۔ بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان، ہم نے حکم دیا نیچے جاؤ یہاں سے تم سب، پھر اگر تم کو پہنچے میری طرف سے کوئی ہدایت تو جو پیروی کرے میری ہدایت کی نہ خوف ہو گا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے، اور جو لوگ کافر ہوئے اور جھٹلایا ہماری نشانیوں کو وہ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (بعد ازاں حاصل کر لئے آدم علیہ السلام نے اپنے رب سے چند الفاظ) یعنی معذرت کے کلمات کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ ہی سے حاصل ہوئے تھے، حضرت آدم علیہ السلام کی ندامت پر اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہوئی اور خود ہی معذرت کے الفاظ تلقین فرمادیئے چنانچہ آدم علیہ السلام نے وہ کلمات عرض کئے تو اللہ تعالیٰ نے رحمت کے ساتھ ان پر توجہ فرمائی یعنی توبہ قبول کر لی (بیشک وہی ہیں بڑی توبہ قبول کرنیوالے بڑے مہربان) اور ان کا اور حضرت حواء کی توبہ کا بیان سورہ اعراف میں ہے، قالا ربنا ظلمنا انفسنا یعنی ان دونوں نے درخواست کی کہ اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا جس سے معلوم ہوا کہ وہ بھی توبہ اور قبول توبہ میں آدم علیہ السلام کے ساتھ شریک رہیں، مگر معاف فرمانے کے بعد بھی زمین پر جانے کے حکم کو منسوخ نہیں فرمایا کیونکہ اس میں ہزاروں حکمتیں اور مصلحتیں مضمر تھیں، مثلاً دنیا میں اللہ تعالیٰ کے احکام کو جاری کرنا البتہ اس کا طرز بدل دیا کہ پہلا حکم زمین پر اترنے کا حاکمانہ انداز میں سزا کے طور پر تھا، اب یہ حکم حکیمانہ انداز سے اس طرح ارشاد ہوا قلنا اھبطوا منھا جمیعا الآیہ یعنی (ہم نے حکم فرمایا کہ نیچے جاؤ اس بہشت سے سب کے سب، پھر اگر آئے تمہارے پاس میری طرف سے کسی قسم کی ہدایت) یعنی وحی کے ذریعہ سے شرعی احکام آئیں (سو جو شخص پیروی کرے گا میری اس ہدایت کی تو نہ کچھ اندیشہ ہو گا ان پر اور نہ ایسے لوگ غمگین ہوں گے) یعنی ان پر کوئی خوفناک واقعہ نہ پڑے گا۔ قیامت کے ہولناک واقعات سے ان کا بھی خوف زدہ ہونا اس کے منافی نہیں، جیسا کہ صحیح احادیث میں سب پر ہول اور خوف کا عام ہونا معلوم ہوتا ہے۔ حزن وہ کیفیت ہے جو کسی مضرت و مصیبت کے واقع ہو جانے کے بعد قلب میں پیدا ہوتی ہے جبکہ خوف ہمیشہ مصیبت کے واقع ہونے سے پہلے ہوا کرتا ہے، یہاں حق تعالیٰ نے حزن و خوف دونوں کی نفی فرمادی، کیونکہ ان پر کوئی آفت و کلفت واقع نہ ہو گی جس سے حزن یا خوف ہو، آگے ان لوگوں کا حال بیان کیا ہے جو اس ہدایت کی پیروی نہ کریں فرمایا (اور جو لوگ کفر کریں گے اور تکذیب کریں گے ہمارے احکام کی یہ لوگ ہوں گے دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

ربط: یہاں تک عام معنوی نعمت کا بیان تھا جس کے ضمن میں حضرت آدم علیہ السلام کا پورا قصہ

بیان فرمایا گیا ہے۔ آگے خاص نعمت کا بیان فرماتے ہیں جو خاص اس وقت کے اہل علم کو عطا ہو رہی تھی۔ مشرکین عرب میں تو اہل علم نہ تھے اہل کتاب میں البتہ پڑھے لکھے لوگ موجود تھے ان میں بھی بنی اسرائیل کی کثرت تھی جن پر پشتہا پشت سے انعام واحسان ہوتے آئے تھے اور ان کو حسب ونسب اور ریاست سب طرح کا فخر وامتیاز حاصل تھا اس لئے بنی اسرائیل کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور وہ نعمتیں ان کو یاد دلاتے ہیں تاکہ شرما کر ایمان لائیں۔ اور چونکہ یہ اہل علم تھے ان کے ایمان لانے سے دوسرے عوام پر اچھا اثر پڑے گا اس لئے ان نعمتوں کو پہلے اجمالا یاد دلاتے ہیں پھر اگلے رکوع سے انکا تفصیلی ذکر پارہ کے ختم کے قریب تک چلے گا۔ آخر میں پھر اسی قسم کی عبارت ہوگی کیونکہ قاعدہ ہے کہ جو مقصود اعظم ہوتا ہے کلام کو شروع بھی اسی سے کرتے ہیں اور دلائل وغیرہ قائم کر کے پھر نتیجہ کے طور پر اس کو ختم پر بھی لایا کرتے ہیں۔ سو ارشاد ہے۔

يٰبَنِىٓ اِسۡرَآءِيۡلَ اذۡكُرُوۡا نِعۡمَتِىَ الَّتِىۡٓ اَنۡعَمۡتُ عَلَيۡكُمۡ وَاَوۡفُوۡا بِعَهۡدِىۡٓ اُوۡفِ بِعَهۡدِكُمۡ ۚ وَاِيَّاىَ فَارۡهَبُوۡنِ ﴿۴۰﴾ وَاٰمِنُوۡا بِمَآ اَنۡزَلۡتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمۡ وَلَا تَكُوۡنُوۡٓا اَوَّلَ كَافِرٍۢ بِهٖ ۖ وَلَا تَشۡتَرُوۡا بِاٰيٰتِىۡ ثَمَنًا قَلِيۡلًا وَّاِيَّاىَ فَاتَّقُوۡنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلۡبِسُوا الۡحَـقَّ بِالۡبَاطِلِ وَتَكۡتُمُوا الۡحَـقَّ وَاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میرے وہ احسان جو میں نے تم پر کئے اور تم پورا کرو میرا عہد تو میں پورا کروں تمہارا عہد اور مجھ ہی سے ڈرو، اور مان لو اس کتاب کو جو میں نے اتاری ہے اس حال میں کہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے۔ اور مت ہو سب میں اول منکر اس کے اور نہ لو میرے احکام پر قیمت تھوڑی اور مجھ ہی سے ڈرتے رہو اور مت ملاؤ حق میں ناحق اور مت چھپاؤ حق کو جان بوجھ کر۔

تفسیر: (اے بنی اسرائیل) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد کیونکہ اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب تھا جس کا مطلب ہے اللہ کا بندہ (یاد کرو تم لوگ میرے ان احسانوں کو جو کئے ہیں میں نے تم پر) تاکہ حق نعمت سمجھ کر ایمان لانا تمہارے لئے آسان ہو جائے، آگے اس یاد کرنے کی مراد بتاتے ہیں (اور پورا کرو تم میرے عہد کو) یعنی تم نے جو توریت میں مجھ سے عہد کیا تھا جس کا بیان قرآن کی اس آیت میں ہے وَلَقَدۡ اَخَذَ اللّٰهُ مِيۡثَاقَ بَنِىۡٓ اِسۡرَآءِيۡلَ وَ بَعَثۡنَا مِنۡهُمُ اثۡنَىۡ عَشَرَ نَقِيۡبًا الا یہ یعنی اللہ نے بنی اسرائیل سے عہد لیا (پورا کروں گا میں تمہارے عہد کو) یعنی میں نے جو عہد تم سے کیا تھا ایمان لانے

پر جیسا کہ آیت مذکورہ میں ہے لَاُکَفِّرَنَّ عَنْکُمْ سَیِّاٰتِکُمْ یعنی ضرور میں دور کروں گا تم سے تمہاری برائیاں (اور صرف مجھ ہی سے ڈرو) اپنے عوام معتقدین سے نہ ڈرو کہ ان کا اعتقاد نہ رہے گا اور ان سے آمدنی بند ہو جائے گی (اور ایمان لے آؤ اس کتاب پر جو میں نے نازل کی ہے) یعنی قرآن پر (ایسی حالت میں کہ وہ سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے) یعنی تورات کے کتاب الہی ہونے کی تصدیق کرتی ہے۔ اور جو اس میں تحریفات کی گئی ہیں وہ خود تورات و انجیل ہونے ہی سے خارج ہیں ان کی تصدیق اس سے لازم نہیں آتی (اور تم اس قرآن کے پہلے انکار کرنے والے مت بنو) یعنی تمہیں دیکھ کر جو دوسرے لوگ انکار کریں گے ان سب میں انکار وکفر کے اول بانی تم ہو گے اس لئے قیامت تک ان کے کفر وانکار کا وبال تمہارے نامہ اعمال میں بھی درج ہوتا رہے گا (اور مت لو میرے احکام کے مقابلہ میں حقیر معاوضہ اور خاص مجھ ہی سے پورے طور پر ڈرو) یعنی میرے احکام چھوڑ کر یا ان کو بدل کر یا چھپا کر عوام الناس سے دنیائے ذلیل و قلیل کو وصول مت کرو جیسا کہ ان کی عادت تھی جس کی تصریح آگے آتی ہے۔ (اور مخلوط مت کرو حق کو ناحق کے ساتھ اور پوشیدہ بھی مت کرو حق کو حالانکہ تم جانتے بھی ہو) کہ حق کو چھپانا بری بات ہے۔ خود غرض لوگ شرعی احکام میں تبدیلی دو طرح کیا کرتے ہیں ایک تو یہ کہ اگر زور چلا تو اس کو ظاہر ہی نہ ہونے دیا یہ کتمان ہے اور اگر ان کے چھپائے نہ چھپ سکا اور ظاہر ہی ہو گیا تو پھر اس میں خلط ملط کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہیں کاتب کا سہو بتلا دیا کہیں مجاز کا بہانہ پیش کر دیا کہیں کہہ دیا کہ یہاں یہ الفاظ حذف ہیں۔ یہ لبس ہے۔ حق تعالیٰ نے دونوں سے منع کر دیا۔

ربط : ایمان کے بعد بعض اہم اعمال کا حکم دیا تا کہ دونوں کے مجموعہ سے اسلام کی تکمیل کا مقصود ہونا ظاہر ہو جائے۔

وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَارْکَعُوْا مَعَ الرّٰکِعِیْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْکِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ ؕ وَاِنَّهَا لَکَبِیْرَۃٌ اِلَّا عَلَی الْخٰشِعِیْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

ترجمہ: اور قائم رکھو نماز اور دیا کرو زکوۃ اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ۔ کیا حکم کرتے ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کا اور بھولتے ہو اپنے آپ کو حالانکہ تم تو پڑھتے رہتے ہو کتاب پھر کیا تم سمجھتے نہیں ہو اور مدد چاہو صبر سے اور نماز سے اور بے شک وہ بھاری ہے مگر خشوع کرنے والوں پر جو خیال رکھتے ہیں کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے اور یہ کہ

وہ اس کی طرف لوٹنے والے ہیں۔

تفسیر: (اور) مسلمان ہو کر (تم لوگ قائم کرو نماز کو اور دو زکوۃ کو اور عاجزی کرو عاجزی کرنے والوں کے ساتھ) اعمال دو قسم کے ہیں اعمال ظاہری اور اعمال باطنی پھر اعمال ظاہری دو قسم کے ہیں عبادت بدنی اور عبادت مالی۔ ان میں سے ہر ایک کی ایک ایک اہم مثال ذکر کر دی۔ نماز عبادت بدنی ہے زکوٰۃ عبادت مالی ہے خشوع و خضوع عمل باطنی ہے۔ چونکہ تواضع باطنی میں اہل تواضع کی معیت کو بڑا دخل ہے اور اس کی بڑی تاثیر ہے اس لئے مَعَ الرّٰكِعِيْنَ کا بڑھانا نہایت برمحل ہے۔ یہ تینوں عمل عظیم الشان ہونے کے علاوہ بنی اسرائیل کی حالت کے بہت مناسب تھے اس لئے ان کو خاص طور سے ذکر فرمایا کیونکہ نماز سے ان کی حب جاہ کم ہو گی زکوۃ سے حب مال گھٹے گی تواضع باطنی سے حسد وغیرہ میں کمی آئے گی۔ یہی مرض ان میں زیادہ تھے چنانچہ اسکا مستقل علاج بھی آگے ان کو بتائیں گے۔ پھر یہ بھی نہ تھا کہ ان کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت و رسالت کی خبر نہ تھی بلکہ اس کے برعکس قصہ یہ تھا کہ بنی اسرائیل کے علماء کے بعض اقارب اسلام قبول کر چکے تھے۔ جب ان سے گفتگو ہوتی تو خفیہ طور پر یہ علماء ان سے کہتے تھے کہ بے شک حضرت محمد ﷺ رسول برحق ہیں ہم لوگ تو کسی مصلحت سے مسلمان نہیں ہوتے مگر تم اس مذہب اسلام کو نہ چھوڑنا۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا (کیا غضب ہے کہ کہتے ہو اور لوگوں کو نیک کام کرنے کو) یعنی رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کو اور آپ کی اطاعت کرنے کو (اور اپنی خبر نہیں لیتے حالانکہ تم تلاوت کرتے رہتے ہو کتاب کی) یعنی توریت کی جس میں جابجا ایسے عالم بے عمل کی مذمتیں مذکور ہیں جو تلاوت کے وقت تمہاری نظر سے گزرتی ہیں (تو پھر کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے) کہ ہم بھی ان مذمتوں کے مصداق بنے جاتے ہیں۔

ان علماء بنی اسرائیل کے پاس ایمان نہ لانے کا کوئی عذر تو نہ تھا مگر ان کی دو خصلتیں ان کے ایمان قبول کرنے میں رکاوٹ تھیں ایک حب مال دوسرے حب جاہ اور انہیں دو کی وجہ سے حسد بھی پیدا ہو گیا تھا۔ بار بار یہی خیال ہوتا تھا کہ اگر ہم نے رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کر لیا تو یہ تو آسان بات ہے کیونکہ اس میں کچھ نقصان نہیں مگر اس کے بعد اس پر قائم بھی رہنا پڑے گا تو یہ اس لئے مشکل ہے کہ اگر ایسا ہوا تو پھر کہاں تو یہ آمدنی اور قدر و منزلت اور کہاں خود آپ کی غلامی کرنی پڑے گی اور چونکہ مال و جاہ کی محبت دل میں خوب گھس گئی تھی اس لئے اسلام کی فتوحات اور ترقی کو اپنے تنزل کا سبب سمجھ کر حسد کے مارے جلے مرتے تھے۔ غرض اصل مرض یہ دو تھے اور ان کی وجہ سے ایمان لانا دشوار ہو رہا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اس مشکل کے آسان ہو جانے کا طریقہ بتلاتے ہیں۔ (اور مدد لو) یعنی اگر تم کو حب مال اور حب جاہ کی وجہ سے ایمان قبول کرنے کے بعد اس پر استقامت دشوار معلوم ہو تو مدد لو (صبر اور نماز سے) یعنی ایمان لا کر صبر

اور نماز کا التزام کرو کہ صبر سے حب مال گھٹے گی کیونکہ مال اسی وجہ سے محبوب ہے کہ لذتوں کے حصول کا ذریعہ ہے تو جب لذتوں ہی کے ترک کی ہمت باندھ لو گے تو مال بھی محبوب نہ رہے گا اور نماز سے حب جاہ کم ہوگی کیونکہ نماز میں ہر طرح کی پستی و خاکساری ہے۔ جب نماز کی عادت پختہ ہو جائے گی تو حب جاہ گھٹے گی۔ یہی مادہ فساد کا تھا۔ اس کی اصلاح سے اب ایمان پر استقامت میں دشواری معلوم نہ ہوگی۔ اگر کوئی کہے کہ نماز تو خود ایک دشوار عمل ہے خود اس دشواری کا کیا علاج ہو تو فرمایا۔ (اور بے شک وہ نماز دشوار ضرور ہے مگر جن کے دلوں میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں) اس کا حاصل یہ ہے کہ نماز میں دشواری کا سبب دیکھنا چاہئے کہ کیا ہے؟ تو ظاہر ہے کہ انسان کا دل میدان خیال میں آزاد پھرنے کا عادی ہوتا ہے اور انسان کے ہاتھ پیر اور اعضاء اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں تو اس کا دل یہ بھی چاہتا ہے کہ اعضاء بھی آزاد رہیں جب کہ نماز میں پوری پوری قید ہے نہ ہنسو، نہ بولو، نہ کھاؤ، نہ پیو، نہ چلو، نہ پھرو وغیرہ۔ سب سے پہلے تو ہاتھ پیر وغیرہ پابند ہوتے ہیں پھر اس پابندی کا اثر دل پر پڑتا ہے اور وہ تنگی محسوس کرتا ہے۔ غرض اس دشواری کا اصل سبب دل کی قوت فکریہ ہے کہ سوچ میں آزاد رہنا چاہتا ہے۔ اسکا علاج یہ ہے کہ اس کی سوچ و فکر کو قطع کر دیا جائے۔ لیکن یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ اگر کوئی شخص متفرق خیالات کو دل سے نکالنا چاہے تو یہ گویا محال ہے۔ تو اب اس کی صرف ایک تدبیر ہے اور وہ یہ کہ چونکہ نفس ایک وقت میں دو طرف متوجہ نہیں ہو سکتا اس لئے اگر کسی ایک خیال میں اس کو منہمک کر دیا جائے تو دوسرے خیالات نہیں آئیں گے اور وہ خود معدوم ہو جائیں گے اس لئے خشوع کے بعد اس خیال کو بتاتے ہیں جس میں منہمک ہو جانے سے دوسرے خیالات دفع ہوں اور ان کے دفع ہونے سے دل کو سکون ہو اور اس کے سکون سے نماز میں آسانی ہو اور اس میں آسانی ہونے سے وہ ہمیشہ ادا ہوا کرے اور اس کے ہمیشہ پڑھنے سے حب جاہ کم ہو اور اس کی کمی سے ایمان پر ثابت قدمی اور بقاء کی رکاوٹ دور ہو اور ایمان پر ثابت قدمی نصیب ہو۔ تو اب اس خاص خیال کی تعلیم فرماتے ہیں۔ (خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بے شک ملنے والے ہیں اپنے رب سے) تو اس وقت اس خدمت کا خوب انعام ملے گا (اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانے والے ہیں) تو اس وقت اس کا حساب کتاب بھی دینا ہوگا۔ ان دونوں خیالوں سے رغبت اور ڈر پیدا ہوگا جو کہ نیک کام میں مستعد کرنے کے لئے خاص دخل رکھتے ہیں۔

ربط: اوپر بنی اسرائیل کے اہل علم کو اپنی نعمتیں اجمالاً یاد کرائیں اب ان کو تفصیل سے ذکر فرماتے ہیں۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ

اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾

وَاتَّقُوا يَوْمًا لَّا تَجْزِي نَفْسٌ عَن نَّفْسٍ شَيْئًا وَلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَلَا هُمْ يُنصَرُونَ ﴿٤٨﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل یاد کرو میری نعمت جو میں نے تم پر کی اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی تمام جہان والوں پر اور ڈرو اس دن سے کہ کوئی شخص مطالبہ ادا نہ کرے گا دوسرے کی طرف سے کچھ بھی اور قبول نہ ہوگی اس کی طرف سے سفارش اور نہ لیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ وہ مدد کیے جائیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد یعقوب) علیہ السلام (تم لوگ میری اس نعمت کو یاد کرو) تاکہ شکر اور اطاعت کی تحریک ہو (جو میں نے تم کو دی تھی) اور اس (بات کو) یاد کرو (کہ میں نے تم کو) خاص خاص برتاؤ میں (تمام دنیا جہان والوں پر فوقیت دی تھی) اور یہ ترجمہ بھی ہو سکتا ہے کہ "میں نے تم کو ایک بڑے حصہ مخلوق پر فوقیت دی تھی" مثلاً اس زمانہ کے لوگوں پر، ان خاص برتاوؤں کا بیان ایک آیت کے بعد سے شروع ہوگا اور ان برتاؤں کا زیادہ حصہ ان مخاطبین کے باپ دادا کے ساتھ ہوا ہے لیکن عموماً ایسا ہوتا ہے کہ باپ دادا کے ساتھ جو احسان و اکرام کیا جائے اس سے ان کی اولاد بھی فائدہ حاصل کرتی ہے جس کا عام طور سے مشاہدہ ہوتا رہتا ہے اس لئے ان کو آیت میں مخاطب کیا گیا ہے، اطاعت کی ترغیب کے بعد اطاعت نہ کرنے پر دھمکی سناتے ہیں تاکہ ترغیب کی وجہ سے بے خوف ہی نہ ہو جائیں۔ (اور ڈرو تم ایسے دن سے کہ) جس میں یعنی قیامت کے دن میں (نہ تو کوئی شخص کسی شخص کی طرف سے کچھ مطالبہ ادا کر سکتا ہے) کہ دوسرا اپنی نیکیاں کسی کے مطالبہ میں دیدے (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی سفارش قبول ہو سکتی ہے) کیونکہ کافروں کے لئے کسی کو سفارش کی اجازت ہی نہ ہوگی (اور نہ کسی شخص کی طرف سے کوئی معاوضہ لیا جا سکتا ہے اور نہ ان لوگوں کی طرف داری چل سکے گی) کہ کوئی زوردار حمایت کر کے بچالے۔ غرض یہ کہ دنیا میں جتنے طریقے مدد کرنے کے ہوتے ہیں ایمان کے بغیر کچھ نہ ہوگا۔

بنی اسرائیل پر خصوصی نعمتیں

پہلی نعمت: فرعون اور اس کی اذیتوں سے نجات

وَإِذْ نَجَّيْنَاكُم مِّنْ آلِ فِرْعَوْنَ يَسُومُونَكُمْ سُوءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُونَ أَبْنَاءَكُمْ وَيَسْتَحْيُونَ نِسَاءَكُمْ ۚ وَفِي ذَٰلِكُم بَلَاءٌ مِّن رَّبِّكُمْ عَظِيمٌ ﴿٤٩﴾

ترجمہ: اور یاد کرو اس وقت کو جب کہ رہائی دی ہم نے تم کو فرعون کے لوگوں سے جو

دیتے تھے تم کو بڑا عذاب، ذبح کرتے تھے تمہارے بیٹوں کو اور زندہ چھوڑتے تھے تمہاری عورتوں کو اور اس میں آزمائش تھی تمہارے رب کی طرف سے بڑی۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ رہائی دی ہم نے تم) لوگوں کے آباؤ اجداد (کو متعلقین فرعون سے جو فکر میں لگے رہتے تھے تمہاری دل آزاری کے، گلے کاٹتے تھے تمہارے بیٹوں کے اور زندہ چھوڑ دیتے تھے تمہاری عورتوں کو) یعنی لڑکیوں کو کہ زندہ رہ کر بڑی عورتیں ہو جائیں اور اس واقعہ (میں تمہارے پروردگار کی طرف سے تمہارا ایک بڑا بھاری امتحان تھا) کیونکہ کسی نے فرعون سے پیشینگوئی کر دی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک لڑکا ایسا پیدا ہوگا جس کے ہاتھوں تیری سلطنت جاتی رہے گی، اس لئے اس نے نوزائیدہ لڑکوں کو قتل کرنا شروع کر دیا اور چونکہ لڑکیوں سے کوئی اندیشہ نہ تھا اس لئے ان سے کچھ تعرض نہیں کیا، دوسرے اس میں اس کا اپنا ایک مطلب بھی تھا، کہ ان عورتوں سے خدمت گاری کا کام لیتا تھا۔ سو یہ عنایت بھی اپنے مطلب کے لئے تھی۔

دوسری نعمت: آل فرعون کو غرق کرنا

وَإِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَأَنجَيْنَاكُمْ وَأَغْرَقْنَا آلَ فِرْعَوْنَ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿٥٠﴾

ترجمہ: اور جب پھاڑ دیا ہم نے تمہاری وجہ سے دریا کو پھر بچالیا ہم نے تم کو اور ڈبو دیا فرعون کے لوگوں کو اور تم دیکھ رہے تھے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ پھاڑ دیا ہم نے تمہاری) نجات کی (وجہ سے دریا کو پھر ہم نے ڈوبنے سے (بچالیا تم کو اور غرق کر دیا متعلقین فرعون کو) مع فرعون کے (اور تم) اس کا (معائنہ کر رہے تھے)

یہ قصہ اس طرح ہوا کہ موسیٰ علیہ السلام پیدا ہو کر پیغمبر ہو گئے اور مدتوں فرعون کو سمجھاتے رہے، جب وہ کسی طرح نہ مانا تو حکم ہوا کہ نبی اسرائیل کو خفیہ طور پر لے کر یہاں سے چلے جاؤ، راستہ میں دریا حائل ہوا اور اسی وقت پیچھے سے فرعون بھی لشکر سمیت آ پہنچا، حق تعالیٰ کے حکم سے دریا شق ہو گیا اور بنی اسرائیل کو گزرنے کا راستہ مل گیا یہ تو پار ہو گئے، فرعون کے پہنچنے تک دریا اسی طرح رہا، وہ بھی تعاقب کی غرض سے اس میں گھس گیا، اس وقت سب طرف سے دریا سمٹ کر اپنی سابق حالت پر ہو گیا اور فرعون اور اس کے ساتھی سب وہاں ہی غرق ہو کر ختم ہو گئے۔

تیسری، چوتھی نعمت: عطاء تورات اور شرک سے توبہ کی قبولیت

وَإِذْ وَاعَدْنَا مُوسَىٰ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِن بَعْدِهِ

وَأَنتُمْ ظٰلِمُونَ ﴿٥١﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنكُم مِّن بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿٥٢﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے وعدہ کیا موسیٰ سے چالیس رات کا پھر تم نے بچھڑا بنالیا موسیٰ کے بعد اور تم ظالم تھے پھر بھی درگزر کیا ہم نے تم سے اسکے بعد بھی تاکہ تم احسان مانو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب کہ وعدہ کیا تھا ہم نے موسیٰ علیہ السلام سے) توریت دینے کا ایک مدت گزرنے پر جس میں دس رات کا اضافہ ہو کر (چالیس رات کا) زمانہ ہو گیا تھا (پھر تم لوگوں نے موسیٰ علیہ السلام کے جانے کے بعد) پرستش کے لئے گوسالہ تجویز کر لیا اور تم نے) اس تجویز میں صریح (ظلم پر کمر باندھ رکھی تھی) کہ ایسی بے جابات کے قائل ہو گئے تھے۔

یہ قصہ اس وقت ہوا جب فرعون کے غرق ہونے کے بعد بنی اسرائیل بقول بعض مصر میں واپس آکر رہنے لگے، یا بقول بعض کسی اور مقام پر ٹھہر گئے تو موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل نے عرض کیا کہ اب ہم بالکل مطمئن ہو گئے، اگر کوئی شریعت ہمارے لئے مقرر ہو تو اس کو اپنا دستور العمل بنائیں، موسیٰ علیہ السلام کی عرض پر حق تعالیٰ نے وعدہ فرمایا کہ تم کوہ طور پر آکر ایک مہینہ ہماری عبادت میں مشغول رہو ایک کتاب تم کو دیں گے، آپ نے ایسا ہی کیا اور تورات آپ کو مل گئی، مگر شکرانہ کے طور پر دس روز مزید عبادت میں مشغول رہنے کا حکم دیا گیا۔ موسیٰ علیہ السلام تو یہاں رہے اور وہاں ایک شخص سامری نامی تھا، اس نے چاندی یا سونے کا ایک بچھڑے کا قالب بنا کر اس کے اندر وہ مٹی جو اس نے جبرئیل علیہ السلام کے گھوڑے کے قدم کے نیچے سے اٹھا کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھی ڈال دی، اس بچھڑے میں جان پڑ گئی اور جہلا بنی اسرائیل نے اس کی پرستش شروع کر دی۔

(پھر بھی ہم نے) تمہاری توبہ کرنے پر (درگذر کیا تم سے اتنی بڑی بات ہونے کے باوجود اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے) یعنی اس درگذر پر دیکھنے والوں کو شکر گزاری کی توقع ہو سکتی تھی۔

ربط: آگے مذکورہ بالا دونوں نعمتوں کی تفصیل بیان ہوئی۔

وَإِذْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿٥٣﴾

ترجمہ: اور جب دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور فیصلہ کن چیز تاکہ تم سیدھی راہ پر چلتے رہو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے موسیٰ) علیہ السلام (کو کتاب) توریت (دی اور فیصلہ کی چیز) جو یا تو توریت میں لکھے ہوئے احکام شرعیہ ہیں، کیونکہ شرع سے تمام اعتقادی اور عملی اختلافات کا فیصلہ ہو جاتا ہے، یا معجزوں کو کہا کہ ان سے سچے، جھوٹے دعوی کا فیصلہ ہوتا ہے، یا خود توریت ہی کو کہہ دیا کہ اس میں کتاب ہونے کی صفت بھی ہے اور فیصل ہونے کی صفت بھی (اس توقع پر کہ تم راہ راست پر

چلتے رہو)

وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ يَا قَوْمِ إِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ أَنفُسَكُم بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوبُوا إِلَىٰ بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوا أَنفُسَكُمْ ذَٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِندَ بَارِئِكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ ۚ إِنَّهُ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿۵۴﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اے میری قوم بے شک تم نے نقصان کیا بچھڑے کی اپنی تجویز سے سواب توبہ کرو اپنے پیدا کرنے والے کی طرف اور قتل کر ڈالو اپنے اپنے لوگوں کو یہ بہتر ہے تمہارے لئے تمہارے خالق کے نزدیک پھر متوجہ ہوا تم پر بیشک وہی ہے توبہ قبول کرنے والا نہایت مہربان۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب موسیٰ) علیہ السلام (نے اپنی قوم سے فرمایا کہ اے میری قوم بے شک تم نے اپنا بڑا نقصان کیا اس گوسالہ) پرستی (کی تجویز سے سو تم اب اپنے خالق کی طرف متوجہ ہو، پھر تم بعض آدمی) جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی (بعض آدمیوں کو) جنہوں نے گوسالہ پرستی کی بطور توبہ (قتل کر دو یہ) عملدر آمد (تمہارے لئے بہتر ہوگا تمہارے خالق کے نزدیک، پھر) اس عملدر آمد کرنے سے (حق تعالیٰ تمہارے حال پر) اپنی عنایت سے (متوجہ ہوئے، بے شک وہ تو ایسے ہی ہیں کہ توبہ قبول کر لیتے ہیں اور عنایت فرماتے ہیں)

پانچویں نعمت

جب موسیٰ علیہ السلام نے کوہ طور سے توریت لا کر پیش کی کہ یہ اللہ تعالیٰ کی کتاب ہے، تو بعض گستاخ لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ خود ہم سے کہہ دے کہ یہ ہماری کتاب ہے تو بے شک ہم کو یقین آ جائے گا، موسیٰ علیہ السلام نے باذن الٰہی فرمایا کہ کوہ طور پر چلو یہ بات بھی ہو جائے گی، بنی اسرائیل نے اس کام کے لئے ستر آدمی منتخب کر کے موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر روانہ کئے، وہاں پہنچنے پر اللہ تعالیٰ کا کلام ان لوگوں نے خود سنا تو اس وقت اور رنگ لائے کہ ہم کو تو کلام سننے سے قناعت نہیں ہوتی خدا جانے کون بول رہا ہوگا، اگر خدا کو دیکھ لیں تو بے شک مان لیں۔

وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن نُّؤْمِنَ لَكَ حَتَّىٰ نَرَى اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْكُمُ الصَّاعِقَةُ وَأَنتُمْ تَنظُرُونَ ﴿۵۵﴾

ثُمَّ بَعَثْنَاكُم مِّن بَعْدِ مَوْتِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُونَ ﴿۵۶﴾

ترجمہ: اور جب تم نے کہا اے موسیٰ ہم ہرگز یقین نہ کریں گے تیرا جب تک کہ نہ دیکھ لیں اللہ کو سامنے پھر آ لیا تم کو بجلی کی کڑک نے اور تم دیکھ رہے تھے۔ پھر زندہ کر اٹھایا ہم نے تم کو تمہاری موت کے بعد شاید کہ تم احسان مانو۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ ہم تمہارے کہنے سے ہرگز نہ مانیں گے) کہ یہ اللہ تعالیٰ کا کلام ہے (یہاں تک کہ ہم) خود (اللہ تعالیٰ کو علانیہ طور پر دیکھ لیں سو) اس گستاخی پر (تم پر بجلی کی کڑک آ پڑی، اور تم) اس بجلی کا آنا (آنکھوں سے دیکھ رہے تھے) پھر یہ لوگ بجلی سے مر گئے تھے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ بنی اسرائیل ویسے ہی بدگمان رہتے ہیں اب وہ یہ سمجھیں گے کہ میں نے ان کو لے جا کر کسی تدبیر سے ہلاک کر دیا ہے۔ مجھ کو اس تہمت سے محفوظ رکھئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت سے ان کو پھر زندہ کر دیا۔ (پھر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے (تم کو زندہ کر اٹھایا تمہارے مر جانے کے بعد اس توقع پر کہ تم احسان مانو گے)

چھٹی نعمت: ابر اور من و سلویٰ

بنی اسرائیل کا اصل وطن ملک شام تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کے وقت میں مصر آئے تھے اور یہاں ہی رہ پڑے، اور ملک شام میں عمالقہ نامی قوم کا تسلط ہو گیا، فرعون جب غرق ہو گیا اور یہ لوگ مطمئن ہو گئے اور مصر میں رہتے ہوئے کچھ وقت گزر گیا تو اللہ تعالیٰ کا ان کو حکم ہوا کہ عمالقہ سے جہاد کرو اور اپنی اصلی جگہ کو ان کے قبضہ سے چھڑا لو، بنی اسرائیل اس ارادہ پر مصر سے چلے اور ان کی حدود میں پہنچ کر جب عمالقہ کے زور و قوت کا حال معلوم ہوا تو ہمت ہار بیٹھے اور جہاد سے صاف انکار کر دیا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس انکار کی یہ سزا دی کہ چالیس برس تک ایک میدان میں سرگرداں و پریشاں پھرتے رہے، گھر پہنچنا بھی نصیب نہ ہوا۔

یہ وادی تیہ ایک کھلا میدان تھا، نہ اس میں کوئی عمارت تھی نہ درخت جس کے نیچے دھوپ اور سردی اور گرمی سے بچا جا سکے، اور نہ یہاں کوئی کھانے پینے کا سامان تھا، نہ پہننے کے لئے لباس، مگر اللہ تعالیٰ نے معجزہ کے طور پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا سے اسی میدان میں ان کی تمام ضروریات کا انتظام فرما دیا، بنی اسرائیل نے دھوپ کی شکایت کی تو اللہ تعالیٰ نے ایک سفید رقیق ابر کا سایہ کر دیا اور بھوک کا تقاضا ہوا تو من و سلویٰ نازل فرما دیا، یعنی درختوں پر ترنجبین جو ایک شیریں چیز ہے بکثرت پیدا کر دی، یہ لوگ اس کو جمع کر لیتے، اسی کو من کہا گیا اور بٹیریں ان کے پاس جمع ہو جاتیں، ان سے بھاگتی نہ تھیں، یہ ان کو پکڑ لیتے اور ذبح کر کے کھاتے، اسی کو سلویٰ کہا گیا ہے۔ یہ لوگ دونوں لطیف چیزوں سے پیٹ بھر لیتے، چونکہ ترنجبین کی کثرت معمول سے زائد تھی اور بٹیروں کا وحشت نہ کرنا یہ بھی معمول کے خلاف ہے لہذا اس حیثیت سے دونوں چیزیں خزانہ غیب سے قرار دی گئیں۔

وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: اور سایہ کیا ہم نے تم پر ابر کا اور اتارا تم پر من اور سلویٰ۔ کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تم کو دیں اور انہوں نے ہمارا کچھ نقصان نہ کیا بلکہ اپنا ہی نقصان کرتے رہے۔

تفسیر: (اور سایہ فگن کیا ہم نے تم پر ابر کو) میدان تیہ میں (اور) خزانہ غیب سے (پہنچائیں ہم نے تمہارے پاس ترنجبین اور بٹیریں) اور تم کو اجازت دی کہ (کھاؤ نفیس چیزوں سے جو کہ ہم نے تم کو دی ہیں) مگر وہ لوگ اس میں بھی خلاف ورزی کی بات کر بیٹھے کہ ذخیرہ اندوزی سے منع کیا گیا تھا لیکن وہ کرنے لگے (اور) اس سے (انہوں نے ہمارا کوئی نقصان نہیں کیا، لیکن اپنا ہی نقصان کرتے رہے)۔

ساتویں **نعمت**: کھانے پینے کی مطلوبہ چیزیں ملنا۔

وادی تیہ میں بنی اسرائیل جب من و سلویٰ کھاتے کھاتے اکتا گئے اور اپنے معمولی کھانے کی درخواست کی جیسا کہ آگے کی چوتھی آیت میں آرہا ہے تو ان کو ایک شہر میں جانے کا حکم ہوا تھا، کہ وہاں کھانے پینے کی اور معمولی چیزیں ملیں گی، سو یہ حکم اس شہر کے اندر جانے کے متعلق ہے، اس میں داخل ہونے کے وقت قولی و فعلی ادب اختیار کرنے کو کہا گیا اور اس کی تفصیل ذکر کی اور اندر جا کر کھانے پینے میں توسیع کی گئی۔

وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے کہا داخل ہو اس شہر میں اور کھاتے پھرو اس میں جہاں چاہو آزادی سے اور داخل ہو دروازے میں جھکے جھکے اور کہتے جاؤ بخش دے تو معاف کر دیں گے ہم تمہارے قصور اور زیادہ بھی دیں گے نیکی کرنے والوں کو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے حکم دیا کہ تم لوگ اس آبادی کے اندر داخل ہو پھر کھاؤ اس) کی چیزوں میں (سے جس جگہ تم رغبت کرو بے تکلفی سے، اور یہ بھی حکم دیا کہ جب اندر جانے لگو تو (دروازہ میں داخل ہونا) عاجزی سے (جھکے جھکے اور) زبان سے یہ (کہتے جانا کہ توبہ ہے) توبہ ہے (ہم

معاف کردیں گے تمہاری) پچھلی (خطائیں) یہ تو سب کی کردیں گے (اور مزید برآں اور دیں گے دل سے نیک کام کرنے والوں کو۔)

فَبَدَّلَ الَّذِينَ ظَلَمُوا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِي قِيلَ لَهُمْ فَأَنزَلْنَا عَلَى الَّذِينَ ظَلَمُوا رِجْزًا مِّنَ السَّمَاءِ بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ ﴿٥٩﴾

ترجمہ: پھر بدل ڈالا ظالموں نے کلمہ کو خلاف اس کے کہ جو کہا گیا تھا ان سے پھر اتارا ہم نے ظالموں پر عذاب آسمان سے اس وجہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے۔

تفسیر: (سو بدل ڈالا ان ظالموں نے ایک اور کلمہ جو خلاف تھا اس کلمہ کے جس) کے کہنے (کا ان کو کہا گیا تھا) یعنی ان سے کہا گیا تھا کہ حطة یعنی بخش دے کہتے داخل ہونا۔ وہ اس جگہ حبة فی شعیرة یعنی جو کے درمیان غلہ کہتے ہوئے داخل ہوئے۔ (اس پر ہم نے ان ظالموں پر ایک سماوی آفت) یعنی طاعون (نازل کی اس جہ سے کہ وہ حکم عدولی کرتے تھے)۔

آٹھویں نعمت: پانی کے چشمے عطا فرمانا

وَإِذِ اسْتَسْقَىٰ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ فَقُلْنَا اضْرِب بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۖ فَانفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۖ قَدْ عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾

ترجمہ: اور جب پانی مانگا موسیٰ نے اپنی قوم کے واسطے تو ہم نے کہا مار اپنے عصا کو پتھر پر سو پھوٹ نکلے اس سے بارہ چشمے، پہچان لیا ہر قوم نے اپنا گھاٹ۔ کھاؤ اور پیو اللہ کے رزق سے اور حد سے نہ نکلو زمین میں فساد مچاتے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) وادی تیہ میں قوم کے پانی طلب کرنے پر حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (نے پانی کی دعا مانگی اپنی قوم کے واسطے، اس پر ہم نے) موسیٰ علیہ السلام کو (حکم دیا کہ اپنے اس عصا کو فلاں پتھر پر مارو) اس سے پانی نکل آئے گا (پس) عصا پتھر پر مارنے کی دیر تھی (فوراً اس سے بارہ چشمے پھوٹ نکلے) اور بنی اسرائیل کے بھی بارہ ہی خاندان تھے، چنانچہ (ہر ہر شخص نے اپنے پانی پینے کی جگہ معلوم کرلی) اور ہم نے یہ نصیحت کی کہ کھانے کو (کھاؤ اور) پینے کو (پیو اللہ تعالیٰ کے رزق سے اور حد) اعتدال (سے مت نکلو، فساد) و فتنہ (کرتے ہوئے سرزمین میں)

نویں نعمت: مطالبہ کا تسلیم کیا جانا

وَاِذْ قُلْتُمْ يٰمُوْسٰى لَنْ نَّصْبِرَ عَلٰى طَعَامٍ وَّاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنْۢبِتُ الْاَرْضُ مِنْۢ بَقْلِهَا وَقِثَّآئِهَا وَفُوْمِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ؕ قَالَ اَتَسْتَبْدِلُوْنَ الَّذِىْ هُوَ اَدْنٰى بِالَّذِىْ هُوَ خَيْرٌ ؕ اِهْبِطُوْا مِصْرًا فَاِنَّ لَكُمْ مَّا سَاَلْتُمْ ؕ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ؕ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: اور جب کہا تم نے اے موسیٰ ہم ہرگز صبر نہ کریں گے ایک ہی طرح کے کھانے پر سو دعا مانگ ہمارے واسطے اپنے پروردگار سے کہ پیدا کرے ہمارے واسطے جو اگاتی ہے زمین ترکاری اور ککڑی اور گیہوں اور مسور اور پیاز، کہا موسیٰ نے کیا لینا چاہتے ہو وہ چیز جو ادنیٰ ہے اس کے بدلہ میں جو بہتر ہے، اترو کسی شہر میں تو تم کو ملے گی جو تم مانگتے ہو اور ڈالی گئی ان پر ذلت اور پستی اور پھرے اللہ کا غصہ لے کر۔ یہ اس لئے ہوا کہ وہ نہیں مانتے تھے احکام خداوندی کو اور قتل کرتے تھے پیغمبروں کو ناحق، یہ اس لئے کہ نافرمان تھے اور حد پر نہ رہتے تھے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں نے) یوں (کہا کہ اے موسیٰ) روز کے روز (ہم ایک ہی قسم کے کھانے) یعنی من وسلویٰ (پر ہرگز صبر نہ کریں گے) اس لئے (آپ ہمارے واسطے دعا کریں کہ آپ کا رب ہمارے لئے ایسی چیزیں پیدا کرے جو زمین میں اگا کرتی ہیں، ساگ) ہوا (ککڑی) ہوئی (گیہوں) ہوئی (مسور) ہوئی (پیاز) ہوئی (آپ نے فرمایا کیا تم عوض میں لینا چاہتے ہو، ادنیٰ درجہ کی چیزوں کو ایسی چیز کے مقابلہ میں جو اعلیٰ درجہ کی ہے۔) جب تمہارا اپنے مطالبہ پر اصرار رہا تو انہوں نے فرمایا اچھا اگر نہیں مانتے تو (کسی شہر میں) جاکر (اترو) وہاں (البتہ تم کو وہ چیزیں ملیں گی جن کی تم درخواست کرتے ہو اور) ایسی ایسی گستاخیوں کی وجہ سے ایک زمانہ میں جاکر آخر نقش کی طرح (جم گئی ان پر ذلت) کہ دوسروں کی نگاہ میں قدر نہ رہی (اور پستی) کہ خود ان کی طباع میں اولوالعزمی نہ رہی۔ ہمارے دور میں یہود کو اسرائیل نامی ملک میں حکومت حاصل ہے اور وہ بہت پر عزم نظر آتے ہیں تو اس کی وجہ عیسائی طاقتوں کا ان کی مکمل پشت پناہی کرنا ہے اور اس حالت کا استثناء خود قرآن نے سورۃ آل عمران میں کیا ہے ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَمَا ثُقِفُوْا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ یعنی جمادی گئی ان پر ذلت جہاں کہیں جائیں گے مگر سوائے

ایک تو ایسے ذریعہ سے جو اللہ کی جانب سے ہو اور ایک ایسے ذریعہ سے جو آدمیوں کی طرف سے ہو۔ (اور مستحق ہو گئے غضب الٰہی کے) اور (یہ) ذلت و غضب (اس وجہ سے) ہوا کہ (وہ لوگ احکام الٰہیہ کے منکر ہو جاتے تھے اور پیغمبروں کو قتل کر دیا کرتے تھے) کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی (ناحق) ہوتا تھا (اور) نیز (یہ) ذلت و غضب (اس وجہ سے) ہوا (کہ ان لوگوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ) اطاعت (سے نکل نکل جاتے تھے)

ربط: اس مقام پر یہودیوں کی شرارت کا حال معلوم کر کے سامعین کو یا خود یہود کو یہ خیال ہو سکتا ہے کہ ان حالات میں اگر وہ عذر پیش کر کے ایمان لانا بھی چاہیں تو غالباً وہ اللہ کے نزدیک قبول نہ ہو۔ اس خیال کو دفع کرنے کے لئے اس آیت میں ایک قانون اور ضابطہ کا ذکر فرمایا:

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک مسلمان اور یہودی اور عیسائی اور صابئین (ان میں سے) جو ایمان لایا اللہ پر اور آخرت کے دن پر اور کام کئے نیک تو ان کے لئے ان کا ثواب ہے ان کے رب کے پاس اور نہیں ان پر کچھ خوف اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (مسلمان، یہودی اور نصاریٰ اور فرقہ صابئین ان سب میں جو شخص یقین رکھتا ہو اللہ تعالیٰ) کی ذات و صفات پر (اور قیامت پر اور کارگزاری اچھی کرے) قانون شریعت کے موافق (ایسوں کے لئے ان کا حق الخدمت بھی ہے ان کے پروردگار کے پاس) پہنچ کر (اور) وہاں جا کر (کسی طرح کا اندیشہ بھی نہیں ان پر اور نہ وہ مغموم ہوں گے) قانون کا حاصل یہ ہے کہ ہمارے دربار میں کسی کی تخصیص نہیں جو شخص عقائد اور اعمال میں پوری اطاعت اختیار کرے گا خواہ وہ پہلے سے کیسا ہی ہو ہمارے ہاں مقبول اور اس کی خدمت مشکور ہے اور ظاہر ہے کہ نزول قرآن کے بعد پوری اطاعت، اطاعت محمدیؐ یعنی مسلمان ہونے میں منحصر ہے، مطلب یہ ہوا کہ جو مسلمان ہو جائے گا نجات اخروی کا مستحق ہو گا۔ مذکورہ بالا خیال کا یہ جواب ہو گیا یعنی ان شرارتوں کے بعد بھی اگر مسلمان ہو جائیں تو ہم سب معاف کر دیں گے۔ اور صابئین مشرکوں کا ایک فرقہ تھا جس کے عقائد اور طرز عمل کے بارے میں چونکہ کسی کو پورا پتہ نہ چلا اس لئے مختلف اقوال ہیں۔

اس قانون میں مسلمانوں کے ذکر کی ایسی مثال ہے کہ کوئی حاکم یا بادشاہ کسی ایسے ہی موقع پر یوں کہے

کہ ہمارا قانون عام ہے کوئی موافق ہو یا مخالف، جو شخص بھی اطاعت کرے گا وہ عنایت کا مستحق ہوگا، اب ظاہر ہے کہ موافق تو اطاعت کر ہی رہا ہے سنانا تو اصل میں مخالف کو ہے، لیکن اس میں نکتہ یہ ہوتا ہے کہ ہم جو موافقین پر عنایت کرتے ہیں تو اس کی علت ان سے کوئی ذاتی خصوصیت نہیں، بلکہ ان کی صفت موافقت ہے اس لئے اس صفت کو اگر مخالف بھی اختیار کرلے تو وہ بھی اس موافق کے برابر ہو جائے گا، اس لئے مخالف کے ساتھ موافق کو بھی ذکر کر دیا گیا۔

دسویں نعمت: عہد شکنی پر فوری ہلاکت نہ ہونا

جب موسیٰ علیہ السلام کو طور پر توریت عطا ہوئی اور آپ نے واپس تشریف لاکر قوم کو وہ دکھائی اور سنائی تو اس میں احکام ذرا سخت تھے، مگر ان لوگوں کی حالت کے مطابق ایسے ہی احکام مناسب تھے، تو اول تو انہوں نے یہی کہا تھا کہ جب ہم سے اللہ تعالیٰ خود کہہ دیں گے کہ یہ میری کتاب ہے، تب مانیں گے جس کا قصہ اوپر گزر چکا ہے۔ غرض وہ ستر آدمی جو موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ کوہ طور پر گئے تھے واپس آکر انہوں نے گواہی دی اللہ نے اس کو اپنی کتاب کہا ہے، مگر اس شہادت میں اپنی طرف سے اتنی آمیزش بھی کر دی کہ "اللہ تعالیٰ نے آخر میں یہ فرمادیا تھا کہ تم سے جس قدر عمل ہو سکے کرنا جو نہ ہو سکے معاف ہے" تو کچھ تو جبلی شرارت، کچھ احکام کی مشقت اور کچھ اس آمیزش کا حیلہ ملا، غرض صاف کہہ دیا کہ ہم سے تو اس کتاب پر عمل نہیں ہو سکتا، حق تعالیٰ نے فرشتوں کو حکم دیا کہ کوہ طور کا ایک بڑا ٹکڑا اٹھا کر ان کے سروں پر معلق کردو کہ یا تو مانو ورنہ ابھی گرا، آخر مجبوراً ماننا پڑا، لیکن بعد میں پھر عہد شکنی کرنے لگے اس کے باوجود اللہ کا فضل رہا اور عہد شکنی کی بنا پر فوراً ہلاک نہیں کئے گئے۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ مِنْ بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنْتُمْ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے تم سے عہد اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو کہ قبول کرو جو کتاب ہم نے تم کو دی مضبوطی سے اور یاد رکھو جو کچھ اس میں ہے تاکہ تم متقی بن جاؤ، پھر تم پھر گئے اس کے بعد۔ سو اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تم پر اور اس کی مہربانی تو ضرور تم تباہ ہو جاتے۔

تفسیر: اور وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا) کہ تورات پر عمل کروگے (اور) اس قول و قرار لینے کے لئے (ہم نے طور پہاڑ کو اٹھا کر تمہارے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا) اور اس وقت کہا

(کہ) جلدی (قبول کرو جو کتاب) یعنی توراۃ (ہم نے تم کو دی ہے مضبوطی کے ساتھ اور یاد رکھو جو احکام اس) کتاب میں ہیں تاکہ (تم متقی بن جاؤ۔ پھر تم اس قول و قرار کے بعد بھی) اس سے (پھر گئے، سو اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا فضل اور رحم نہ ہوتا) تو اس عہد شکنی کا تقاضا تو یہ تھا کہ (ضرور تم) فوراً (تباہ) اور ہلاک (ہو جاتے) مگر ہماری عنایت و رحمت عامہ ہے کہ حیات مستعار کے ختم ہونے تک مہلت دے رکھی ہے، لیکن کب تک؟ بالآخر مرنے کے بعد اپنے اعمال کے وبال میں مبتلا ہو گے۔

حق تعالیٰ کی رحمت عامہ دنیا میں مومن کافر سب پر ہے جس کا اثر عافیت اور دنیوی راحت ہے۔ رحمت خاصہ کا ظہور آخرت میں ہوگا، جس کا اثر نجات اور قرب خداوندی ہے۔

ایک شبہ کا ازالہ: یہاں یہ شبہ ہو سکتا ہے کہ دین میں تو اکراہ نہیں ہے، یہاں کیوں اکراہ کیا گیا؟ جواب یہ ہے کہ اکراہ ایمان لانے پر نہیں، بلکہ اول اپنی خوشی سے ایمان و اسلام قبول کر لینے کے بعد اس کے خلاف بغاوت کرنے کی وجہ سے ہے، باغیوں کی سزا تمام حکومتوں میں بھی عام مخالف اور دشمن قوموں سے الگ ہوتی ہے، ان کے لئے ہر حکومت میں دو ہی راستے ہوتے ہیں، یا اطاعت قبول کریں یا قتل کئے جائیں، اسی وجہ سے اسلام میں مرتد کی سزا قتل ہے، کفر کی سزا قتل نہیں۔

ربط: مذکورہ بالا آیت کے آخری جزو کے بظاہر مخاطب وہ یہودی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں موجود تھے۔ چونکہ آپ ﷺ پر ایمان نہ لانا عہد شکنی میں شامل ہے اس لئے ان کو بھی عہد شکنوں میں داخل کر کے بطور احسان فرمایا کہ اس پر بھی ہم نے تم پر دنیا میں کوئی ایسا عذاب نازل نہیں کیا جیسا پہلے بے ایمانوں پر ہوتا رہا ہے۔ یہ محض خدا کی رحمت ہے۔ اور اس مضمون کی تائید کے لئے اگلے بے ایمانوں کا ایک واقعہ بطور نظیر کے اگلی آیت میں پیش کیا جاتا ہے اس کو مستبعد نہ سمجھو ایسا ہو چکا ہے اور تم کو خبر بھی ہے۔

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِيْنَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُوْنُوْا قِرَدَةً خٰسِـِٕيْنَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنٰهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿٦٦﴾

ترجمہ: اور تم خوب جان چکے ہو ان لوگوں کو جنہوں نے تم میں سے حد سے تجاوز کیا تھا ہفتہ کے دن میں تو ہم نے کہا ان سے کہ ہو جاؤ بندر ذلیل، پھر بنا دیا ہم نے اس واقعہ کو عبرت ان لوگوں کے لئے جو اس وقت تھے اور جو بعد میں آنے والے تھے اور (بنا دیا اسکو) نصیحت ڈرنے والوں کے واسطے۔

تفسیر: (اور تم جانتے ہی ہو ان لوگوں کا حال جنہوں نے تم میں سے) شرعی حد سے (تجاوز کیا تھا) اس حکم کے بارے میں جو (ہفتہ کے دن) کے متعلق تھا کہ اس روز مچھلی کا شکار نہ کریں، (سو ہم نے ان کو اپنے قہری اور تکوینی حکم سے انکا مسخ کرنے کے لئے (کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ) چنانچہ وہ بندروں کے قالب میں مسخ ہو گئے (پھر ہم نے اس کو ایک عبرت) انگیز واقعہ (بنا دیا ان لوگوں کے لئے بھی جو اس قوم کے معاصر تھے اور ان لوگوں کے لئے بھی جو بعد کے زمانے میں آتے رہے اور) نیز اس واقعہ کو (موجب نصیحت) بنایا خدا سے (ڈرنے والوں کے لئے)

فائدہ: بنی اسرائیل کا یہ واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام کے زمانے میں ہوا۔ بنی اسرائیل کے لئے ہفتہ کا دن قابل تعظیم اور عبادت کے لئے مقرر تھا اور مچھلی کا شکار بھی اس روز ممنوع تھا۔ یہ لوگ سمندر کے کنارے آباد تھے اور مچھلی کے شوقین تھے۔ اس حکم کو نہ مانا اور شکار کیا، اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے صورت کے مسخ کا عذاب نازل ہوا، تین دن کے بعد وہ سب مر گئے۔

اس واقعہ کو دیکھنے اور سننے والے دو قسم کے لوگ تھے، فرمانبردار اور نافرمان، نافرمانوں کے لئے تو یہ واقعہ نافرمانی سے توبہ کرانے والا تھا، اس لئے اس کو نکال فرمایا اور فرمانبرداروں کو یہ واقعہ فرمانبرداری پر قائم رکھنے والا تھا اس کو موعظة فرمایا:

گیارہویں نعمت: نامعلوم قاتل کو معلوم کرنے کی تدبیر بتانا

بنی اسرائیل میں ایک خون ہو گیا تھا جس کی وجہ یا تو وارثوں کا طمع مال تھا یا یہ ہوئی کہ کسی شخص نے مقتول کی کسی لڑکی سے شادی کی درخواست کی تھی مگر مقتول نے انکار کر دیا اور اس شخص نے اس کو قتل کر دیا۔ قاتل لاپتہ تھا اس کا پتہ نہ لگتا تھا اور توریت ابھی نازل نہ ہوئی تھی۔ بنی اسرائیل نے موسیٰ علیہ السلام سے عرض کیا کہ ہم چاہتے ہیں کہ قاتل کا پتہ چلے۔ آپ نے بحکم خداوندی ایک بیل ذبح کرنے کا حکم فرمایا جس سے قاتل کے سراغ لگنے کا طریقہ قصہ کے آخر میں معلوم ہو گا کہ ذبح شدہ بیل کے کسی ٹکڑے سے مقتول کی لاش کو چھو دو۔ اس سے مقتول وقتی طور پر زندہ ہو کر خود قاتل کا نام بتا دے گا۔ انہوں نے حسب عادت اور اپنی جبلت کے مطابق اس میں حجتیں نکالنا شروع کیں۔ آگے اس کی تفصیل ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖٓ اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تَذْبَحُوْا بَقَرَةً ؕ قَالُوْٓا اَتَتَّخِذُنَا هُزُوًا ؕ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝٦٧ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ؕ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ؕ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ؕ فَافْعَلُوْا مَا تُؤْمَرُوْنَ ۝٦٨

قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۚ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النَّاظِرِينَ ﴿٦٩﴾ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّن لَّنَا مَا هِيَ إِنَّ الْبَقَرَ تَشَابَهَ عَلَيْنَا وَإِنَّا إِن شَاءَ اللَّهُ لَمُهْتَدُونَ ﴿٧٠﴾ قَالَ إِنَّهُ يَقُولُ إِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُولٌ تُثِيرُ الْأَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيهَا ۚ قَالُوا الْآنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۚ فَذَبَحُوهَا وَمَا كَادُوا يَفْعَلُونَ ﴿٧١﴾

ترجمہ: اور جب کہا موسیٰ نے اپنی قوم سے اللہ فرماتا ہے تم کو کہ ذبح کرو ایک بیل وہ بولے کیا تو بناتا ہے ہم کو مسخرہ کہا پناہ خدا کی کہ ہو جاؤں میں جاہلوں میں سے۔ بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ وہ بیل کیسا ہو، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ بیل ہے نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو، پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب کر ڈالو جو تم حکم دیے گئے ہو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کہ کیسا ہے اس کا رنگ، کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے زرد خوب گہری ہے اس کی زردی، فرحت دیتی ہے دیکھنے والوں کو، بولے کہ دعا کر ہمارے واسطے اپنے رب سے کہ بتادے ہم کو کس طرح کا ہے وہ کیونکہ وہ بیل مشتبہ ہو گیا ہے ہم پر اور ہم اگر اللہ نے چاہا تو ضرور ٹھیک سمجھ لیں گے۔ کہا وہ فرماتا ہے کہ وہ ایک بیل ہے محنت کرنے والا نہیں کہ جوتتا ہو زمین کو یا پانی دیتا ہو کھیتی کو، (عیب سے) سالم ہو کوئی داغ نہ ہو اس میں، بولے اب لایا تو ٹھیک بات پھر اس کو ذبح کیا۔ وہ لگتے نہ تھے کہ ایسا کر لیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام نے (اپنی قوم سے فرمایا کہ حق تعالیٰ تم کو حکم دیتے ہیں کہ) اگر تم اس لاش کے قاتل کا پتہ لگانا چاہتے ہو تو (تم ایک بیل ذبح کرو۔ وہ کہنے لگے کہ کیا آپ ہم کو مسخرہ بناتے ہیں) کہاں قاتل کی تحقیق کہاں جانور کا ذبح کرنا۔ (موسیٰ) علیہ السلام (نے فرمایا نعوذ باللہ جو میں ایسی جہالت والوں کا سا کام کروں) کہ احکام خداوندی میں تمسخر کرنے لگوں۔ (وہ لوگ کہنے لگے کہ آپ ہمارے لئے اپنے رب سے درخواست کیجئے کہ وہ ہم سے بیان کردیں کہ اس) بیل کے (کیا اوصاف ہیں، آپ نے فرمایا کہ وہ) میری درخواست کے جواب میں (یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایسا بیل) ہو کہ (نہ بوڑھا ہو نہ بہت بچہ ہو) بلکہ (پٹھا ہو دونوں عمروں کے وسط میں۔ سو اب) زیادہ حجت مت کرو بلکہ (کر ڈالو جو کچھ تم کو حکم ملا ہے۔ کہنے لگے کہ) اچھا یہ بھی (درخواست کر دیجئے ہمارے لئے اپنے رب

سے کہ وہ ہم سے یہ) بھی (بیان کردیں کہ اس کا رنگ کیسا ہو؟ آپ نے فرمایا) اس کے متعلق (حق تعالیٰ یہ فرماتے ہیں کہ وہ ایک زرد رنگ کا بیل ہو جس کا رنگ تیز زرد ہو کہ ناظرین کو فرحت بخش ہو، کہنے لگے کہ) اس دفعہ اور (ہماری خاطر اپنے رب سے دریافت کر دیجئے کہ وہ) اول بار کے سوال کا جواب ذرا اور واضح (ہم سے بیان کردیں کہ اس کے اوصاف کیا کیا ہوں، کیونکہ ہم کو اس بیل میں) قدرے (اشتباہ) یہ باقی (ہے) کہ وہ معمولی بیل ہوگا یا کوئی اور عجیب وغریب جس میں تحقیق قاتل کا خاص اثر ہو (اور ہم ضرور ان شاء اللہ تعالیٰ) اس قصہ کو (ٹھیک سمجھ جائیں گے، موسیٰ) علیہ السلام (نے جواب دیا کہ حق تعالیٰ یوں فرماتے ہیں کہ وہ) کوئی عجیب وغریب جانور نہیں ہے، یہی معمولی بیل ہے، البتہ عمدہ ہونا چاہئے کہ اوصاف مذکورہ کے ساتھ (نہ تو ہل میں چلا ہوا ہو، جس سے زمین جوتی جائے، اور نہ) کنویں میں جوڑا گیا ہو کہ (اس سے زراعت کی آبپاشی کی جائے) غرض ہر قسم کے عیب سے (سالم ہو اور اس میں) کسی طرح کا (کوئی داغ نہ ہو) یہ سن کر (کہنے لگے کہ) ہاں (اب آپ نے پوری) اور صاف (بات فرمائی)۔ غرض جانور تلاش کر کے خریدا (پھر اس کو ذبح کر دیا، حالانکہ بظاہر کرتے ہوئے معلوم نہ ہوتے تھے)

فائدہ: 1۔ حدیث میں ہے کہ اگر وہ یہ حجتیں نہ کرتے تو اتنی قیدیں ان کے ذمہ نہ ہوتیں جو بھی بیل ذبح کر دیا جاتا کافی ہو جاتا۔

2۔ بعض حضرات نے بقرہ کا ترجمہ: گائے کیا ہے جب کہ یہاں بیل کیا گیا ہے تو مراد اصل جنس ہے خواہ گائے ہو یا بیل ہو۔

ربط: اوپر جو قصہ بیان ہوا اس کا ابتدائی حصہ اب آگے ذکر ہوتا ہے۔ ترتیب بدلنے کی وجہ یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی اس پورے قصہ میں دو بدعنوانیاں ہیں۔ ایک قتل کر کے واردات کو چھپانے کی کوشش کرنا دوسرے احکام خداوندی میں خواہ مخواہ کی حجتیں نکالنا۔ ان دونوں ہی کی طرف پوری توجہ دلانی مقصود ہے جو ترتیب بدلنے سے حاصل ہو رہی ہے ورنہ ترتیب قائم رکھنے سے ممکن ہے کہ صرف پہلی بدعنوانی کو اصل مقصود سمجھا جائے اور دوسری کو اس کا تتمہ سمجھ کر اصل مقصود نہ سمجھا جائے۔

وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ؕ وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿٧٢﴾ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ؕ كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٧٣﴾

ترجمہ: اور جب مار ڈالا تھا تم نے ایک شخص کو پھر لگے ایک دوسرے پر دھرنے اور اللہ کو ظاہر کرنا تھا جو تم چھپاتے تھے، پھر ہم نے کہا مارو اس مردے پر اس بیل کا ایک ٹکڑا۔ اسی طرح

زندہ کرے گا اللہ مردوں کو اور وہ دکھاتا ہے تم کو اپنی قدرت کے نمونے تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب تم لوگوں) میں سے کسی (نے ایک آدمی کا خون کر دیا، پھر) اپنی براءت کے گئے (ایک دوسرے پر ڈالنے لگے۔ اور اللہ تعالیٰ کو اس امر کا ظاہر کرنا منظور تھا جس کو تم) میں کے مجرم و مشتبہ لوگ (مخفی رکھنا چاہتے تھے، اس لئے) بیل کے ذبح کے بعد (ہم نے حکم دیا کہ اس) مقتول کی لاش (کو اس) بیل کے کوئی سے ٹکڑے سے چھوا دو) چنانچہ چھوانے سے وہ زندہ ہو گیا، آگے اللہ تعالیٰ منکرین قیامت کے مقابلہ میں اس قصہ سے استدلال اور نظیر کے طور پر فرماتے ہیں کہ (اسی طرح حق تعالیٰ) قیامت میں (مردوں کو زندہ کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے نظائر) قدرت (تم کو دکھاتے ہیں اس توقع پر کہ تم عقل سے کام لیا کرو) اور ایک نظیر کو دیکھ کر دوسری نظیر کے انکار سے باز آؤ۔

یہاں یہ شبہ کرنا بھی درست نہیں کہ حق تعالیٰ کو تو مردہ زندہ کرنے کی ویسے ہی قدرت تھی، یا مقتول کو زندہ کئے بغیر قاتل کا نام بتایا جا سکتا تھا پھر اس سامان کی کیا ضرورت تھی، تو بات یہ ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی فعل ضرورت اور مجبوری کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ مصلحت اور حکمت کے لئے ہوتا ہے اور ہر واقعہ کی حکمت اللہ تعالیٰ ہی کے احاطہ علمی میں آ سکتی ہے، نہ ہم اس کے مکلف ہیں کہ ہر واقعہ کی مصلحت معلوم کریں اور نہ یہ ضروری ہے کہ ہر واقعہ کی حکمت ہماری سمجھ میں آ جائے، اس لئے اس کے پیچھے پڑ کر اپنی عمر عزیز ضائع کرنے کے بجائے بہتر طریقہ تسلیم و سکوت کا ہے۔

ربط: آگے ان واقعات اور خصوصی نعمتوں سے متاثر نہ ہونے پر شکایت فرماتے ہیں۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ؕ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ؕ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: پھر تمہارے دل سخت رہے اس سب کے بعد سو وہ ہیں جیسے پتھر یا ان سے بھی سخت اور پتھروں میں تو ایسے بھی ہیں جن سے جاری ہوتی ہیں نہریں اور ان میں ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور نکلتا ہے ان سے پانی اور ان میں ایسے بھی ہیں جو گر پڑتے ہیں اللہ کے ڈر سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (ایسے ایسے واقعات کے بعد) چاہئے تھا کہ تم لوگوں کے دل بالکل نرم اور حق تعالیٰ کی عظمت سے پر ہو جاتے لیکن (تمہارے دل پھر بھی سخت ہی رہے تو) یوں کہنا چاہئے کہ (ان کی مثال پتھر کی

سی ہے۔یا)یوں کہئے کہ وہ(سختی میں ان سے)بھی(زیادہ)ہیں(اور)زیادہ سخت اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ (بعضے پتھر تو ایسے ہیں جن سے)بڑی بڑی(نہریں پھوٹ کر چلتی ہیں)اور انہی پتھروں میں بعض ایسے ہیں کہ جو شق ہو جاتے ہیں،پھر ان سے)اگر زیادہ نہیں تو تھوڑا ہی(پانی نکل آتا ہے اور ان ہی پتھروں میں بعضے ایسے ہیں جو)دیگر طبعی اسباب کے علاوہ ایک سبب یعنی(خدا تعالیٰ کے خوف سے اوپر سے نیچے لڑھک آتے ہیں)اور تمہارے قلوب میں کسی قسم کا اثر ہی نہیں ہوتا(اور)اس قساوت سے جو اعمال بد صادر ہوتے ہیں (حق تعالیٰ تمہارے)ان(اعمال سے بے خبر نہیں ہیں)بہت جلد تم کو سزا تک پہنچادیں گے۔

ربط: مسلمان اس فکر و کوشش میں تھے کہ یہود بھی اسلام قبول کرلیں اور اس میں کلفت و مشقت اٹھاتے تھے۔یہاں تک یہود کے حالات دکھا سنا کر مسلمانوں کی امید کو قطع کیا تاکہ وہ کلفت اور پریشانی میں مبتلا نہ ہوں اور بتایا کہ ان یہود کے تو تمام طبقات خواہ وہ عام پڑھے لکھے ہوں یا ناخواندہ ہوں یا علماء ہوں ان سے مجموعی طور پر ایمان کی توقع عبث ہے کیونکہ یہ سب طبقے ایسی خرابیوں میں مبتلا ہیں جو ہدایت کے لئے رکاوٹ بنتی ہیں۔

اَفَتَطْمَعُوْنَ اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: کیا اب بھی تم اے مسلمانو! توقع رکھتے ہو کہ وہ ایمان لے آئیں گے تمہارے کہنے سے حالانکہ ان میں کچھ لوگ گذرے ہیں کہ سنتے تھے اللہ کا کلام پھر بدل ڈالتے تھے اس کو جان بوجھ کر اور وہ جانتے تھے۔

تفسیر: اے مسلمانو!(کیا)یہ سارے قصے سن کر(اب بھی تم توقع رکھتے ہو کہ یہ)یہودی (تمہارے کہنے سے ایمان لے آئیں گے،حالانکہ)ان سب مذکورہ قصوں سے بڑھ کر ایک اور بات بھی ان سے ہو چکی ہے کہ(ان میں کچھ لوگ ایسے گذرے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کا کلام سنتے تھے اور پھر اس کو کچھ کا کچھ کر ڈالتے تھے)اور(اس کو سمجھنے کے بعد)ایسا کرتے(اور)غضب یہ ہے کہ یہ بھی(جانتے تھے)کہ ہم برا کر رہے ہیں،محض نفسانی اغراض اس کارروائی کا باعث ہوئیں۔

تو جو لوگ ایسے بیباک اور نفسانی اغراض کے اسیر ہوں وہ کسی کے کہنے سننے سے کب باز آنے والے اور کسی کی کب سننے والے ہیں۔

ربط: اور جو یہود نزول قرآن کے وقت موجود ہیں انکا حال یہ ہے کہ ان کے کچھ پڑھے لکھے لوگ یہ چالاکیاں کرتے ہیں۔

وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ۚۖ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ قَالُوْٓا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ لِيُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ رَبِّكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۷۶﴾

ترجمہ: اور جب ملتے ہیں مسلمانوں سے کہتے ہیں ہم بھی ایمان لے آئے اور جب تنہا ہوتے ہیں ایک دوسرے کے پاس تو کہتے ہیں تم کیوں کہہ دیتے ہو ان سے جو ظاہر کیا اللہ نے تم پر تاکہ حجت قائم کردیں اس سے کہ یہ تمہارے رب کے پاس سے ہے۔ کیا تم نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور جب ملتے ہیں) منافقین یہود (مسلمانوں سے تو) ان سے تو (کہتے ہیں کہ ہم بھی ایمان لے آئے ہیں اور جب تنہائی میں جاتے ہیں یہ بعضے) منافق یہودی (دوسرے بعضے) علانیہ یہودیوں (کے پاس) تو ان سے ان کی معیت و ہم مشربی کے مدعی ہوتے ہیں اس وقت (وہ) دوسرے یہودی (ان سے کہتے ہیں کہ تم) یہ (کیا) غضب کرتے ہو کہ (مسلمانوں کو) خوشامد میں (وہ باتیں بتادیتے ہو جو) ان کے مفید مذہب (اللہ تعالیٰ نے) توریت میں (تم پر منکشف کردی ہیں) اور جن کو ہم مصلحت سے پوشیدہ رکھتے ہیں تمہاری اس حرکت کا (نتیجہ یہ ہوگا کہ وہ لوگ تم کو حجت میں مغلوب کردیں گے کہ) دیکھو (یہ مضمون اللہ کے پاس) سے تمہاری کتاب میں آیا (ہے کیا تم) اتنی موٹی سی بات (نہیں سمجھتے) یہ لوگ بڑے ہی احمق ہیں کیونکہ

اَوَلَا يَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا يُسِرُّوْنَ وَمَا يُعْلِنُوْنَ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: کیا اتنا بھی نہیں جانتے کہ اللہ کو معلوم ہے جو کچھ چھپاتے ہیں اور جو کچھ ظاہر کرتے ہیں۔

تفسیر: (کیا ان کو اس کا علم نہیں ہے کہ حق تعالیٰ کو سب خبر ہے ان چیزوں کی بھی جن کو وہ مخفی رکھتے ہیں اور ان کی بھی جن کا وہ اظہار کرتے ہیں) تو اگر منافقین نے مومنین سے اپنا کفر چھپایا تو کیا اور ان ملامت گروں نے حضور ﷺ کی بشارت وغیرہ کے مضامین چھپائے تو کیا، اللہ تعالیٰ کو سب خبر ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں مضامین سے مسلمانوں کو جابجا مطلع فرمادیا۔

اور ان کے ناخواندہ لوگوں کا حال یہ ہے کہ

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِىَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: بعض ان میں بے پڑھے ہیں کہ خبر نہیں رکھتے کتاب کی سوائے جھوٹی آرزوؤں کے اور وہ لوگ کچھ نہیں مگر خیالات پکاتے ہیں۔

تفسیر: (اور ان) یہودیوں (میں بہت سے ناخواندہ) بھی (ہیں جو کتابی علم نہیں رکھتے لیکن) بلا سند (دل خوش کن باتیں) بہت یاد ہیں (اور وہ لوگ کچھ اور نہیں) ویسے ہی بے بنیاد (خیالات پکا لیتے ہیں) اور اس کی وجہ یہ ہے کہ کچھ تو ان کے علماء نے ان کو ناقص اور باطل کی ملاوٹ والی تعلیم دی ہے اور پھر اوپر سے خود ان میں سمجھ اور فہم کی کمی ہے، ایسی صورت میں سوائے بے بنیاد خیالات کے واقعی حقائق کی تحقیق کہاں نصیب ہو سکتی ہے، بقول شخصے "کریلا اور نیم چڑھا" اس میں مٹھاس کہاں۔

اور رہے ان کے علماء تو وہ کتاب الٰہی میں خیانت کے مجرم ہیں اور یہی عوام کی توہم پرستی کا بڑا سبب ہے اور اس سے ان علماء کو بھی کچھ مال مل جاتا تھا۔

فَوَيۡلٌ لِّلَّذِيۡنَ يَكۡتُبُوۡنَ الۡكِتٰبَ بِاَيۡدِيۡهِمۡ ثُمَّ يَقُوۡلُوۡنَ هٰذَا مِنۡ عِنۡدِ اللّٰهِ لِيَشۡتَرُوۡا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيۡلًا ؕ فَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا كَتَبَتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَوَيۡلٌ لَّهُمۡ مِّمَّا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ: سو خرابی ہے ان کے لئے جو لکھتے ہیں کتاب (یعنی تورات) اپنے ہاتھ سے، پھر کہہ دیتے ہیں یہ خدا کی طرف سے ہے تا کہ لیں اس پر تھوڑا سا مال، سو خرابی ہے ان کے لئے اپنے ہاتھوں کے لکھے سے اور خرابی ہے ان کے لئے اپنی اس کمائی سے۔

تفسیر: جب مذکورہ عوام زجر و توبیخ کے قابل ہیں اور ان کے جہل کا اصلی سبب ان کے علماء ہی ہیں (تو بڑی خرابی ان کی ہو گی جو) بدل سدل کر (کتاب) توریت (کو اپنے ہاتھوں سے لکھتے ہیں) اور (پھر) عوام سے (کہہ دیتے ہیں کہ یہ) حکم (خدا کی طرف سے) یوں ہی آیا (ہے) اور (غرض) صرف (یہ ہوتی ہے کہ اس ذریعہ سے کچھ نقد قدرے قلیل وصول کر لیں، سو بڑی خرابی) پیش (آئے گی ان کی اس) تحریف (کتاب کی بدولت) بھی (جس کو ان کے ہاتھوں نے لکھا تھا اور بڑی خرابی ہو گی ان کے لئے اس) نقد (کی بدولت) بھی (جس کو وہ وصول کر لیا کرتے تھے)

ربط: یہود کے یہ تینوں طبقے اپنی بد کرداری اور بد عملی کے باوجود یہ دعویٰ کرتے تھے کہ اگر ان کو جہنم میں داخل بھی کیا گیا تو وہ چند دنوں میں چھوٹ جائیں گے۔ ان کے اس دعوے کی وجہ انکا یہ زعم تھا کہ دین موسوی منسوخ نہیں ہوا لہذا وہ مومن ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کی نبوت کے انکار سے کافر نہیں ہوئے لہذا اگر کسی نافرمانی کے سبب سے دوزخ میں چلے بھی گئے پھر نکال لئے جائیں

گے۔ لیکن چونکہ دین موسوی کی ابدیت کا دعوی خود غلط ہے لہذا ان دو رسولوں کی نبوت کے انکار کے سبب سے وہ کافر ہوئے اور کافروں کے لئے کچھ دنوں بعد دوزخ سے رہائی پاجانا کسی بھی آسمانی کتاب میں نہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت میں عہد سے تعبیر کیا۔

وَقَالُوا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ۚ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: اور کہا ہم کو ہرگز آگ نہ چھوئے گی مگر چند روز گنے چنے۔ کہہ دو کیا تم لے چکے ہو اللہ کے یہاں سے عہد کہ اب ہرگز خلاف نہ کرے گا اللہ اپنے عہد کے یا کہتے ہو اللہ پر جس کی علمی سند تم نہیں رکھتے۔

تفسیر: (اور یہودیوں نے) یہ بھی (کہا کہ ہم کو آتش) دوزخ (ہرگز نہیں چھوئے گی) ہاں (مگر بہت (تھوڑے روز جو) انگلیوں پر (شمار کرلئے جاسکیں)۔ اے محمد ﷺ (آپ) ان سے (یوں فرمادیجئے کیا تم لوگوں نے حق تعالیٰ سے) اس کے متعلق (کوئی معاہدہ لے لیا ہے، جس میں اللہ تعالیٰ اپنے معاہدہ کے خلاف نہ کریں گے) یا معاہدہ نہیں لیا بلکہ ویسے ہی (اللہ تعالیٰ کے ذمہ ایسی بات لگا رہے ہو، جس کی کوئی علمی سند اپنے پاس نہیں رکھتے)

مذکورہ بالا رد کے بعد ایک ضابطہ بیان کردیا جس کی رو سے یہ لوگ ہمیشہ کے لئے جہنم میں رہیں گے۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾

ترجمہ: کیوں نہیں۔ جس نے کمایا گناہ اور گھیر لیا اس کو اس کے گناہ نے سو وہی ہیں دوزخ کے رہنے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ اور جو ایمان لائے اور عمل کئے نیک وہی ہیں جنت کے رہنے والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: چند روز کے سوا تم کو آتش دوزخ (کیوں نہیں) لگے گی، بلکہ ابدالآباد تک اس میں رہنا ضروری ہے، کیونکہ ہمارا ضابطہ یہ ہے کہ (جو شخص قصداً بری باتیں کرتا ہے اور اس کو اس کی خطا) وقصور اس طرح (احاطہ کرلے) کہ کہیں بھی یہاں تک کہ دل میں بھی نیکی اور ایمان کا اثر تک نہ رہے (سوایسے

لوگ اہل دوزخ ہوتے ہیں) اور (وہ اس میں ہمیشہ) ہمیشہ (رہیں گے۔ اور جو لوگ) اللہ اور رسولؐ پر (ایمان لائیں اور نیک کام کریں ایسے) لوگ (اہل بہشت ہوتے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ) ہمیشہ (رہیں گے)

ربط: نعمتیں یاد دلانے کے بعد اب یہود کی کچھ قباحتیں یاد دلاتے ہیں تاکہ شاید ان کو یاد کر کے کچھ لحاظ کریں اور ہدایت کو قبول کریں۔

پہلی قباحت

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ قف وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِى الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ط ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے عہد بنی اسرائیل سے کہ عبادت نہ کرنا مگر اللہ کی اور ماں باپ سے نیک سلوک کرنا اور کنبہ والوں سے بھی اور یتیموں اور محتاجوں سے بھی اور کہو سب لوگوں سے اچھی بات اور قائم رکھو نماز اور اور دیتے رہو زکوۃ۔ پھر تم پھر گئے مگر تھوڑے سے تم میں اور تم ہی ہو پھرنے والے۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب لیا ہم نے) توریت میں (بنی اسرائیل سے قول و قرار کہ عبادت مت کرنا) کسی کی (سوائے اللہ کے اور ماں باپ کی اچھی طرح خدمت گزاری کرنا اور اہل قرابت کی بھی اور بے باپ کے بچوں کی بھی، اور غریب محتاجوں کی بھی اور عام لوگوں سے) جب کوئی (بات) کہنا ہو تو (اچھی طرح) خوش خلقی سے (کہنا اور نماز کی پابندی رکھنا اور زکوۃ ادا کرتے رہنا پھر تم) قول و قرار کر کے (اس سے پھر گئے سوائے گنتی کے چند لوگوں کے اور تمہاری تو معمولی عادت ہے اقرار کر کے ہٹ جانا)

یہ گنتی کے چند لوگ وہ ہیں جو توریت کے پورے پابند رہے، توریت کے منسوخ ہونے سے قبل موسوی شریعت کے پابند رہے، جب توریت منسوخ ہو گئی تو شریعت محمدیہؐ کے متبع ہو گئے۔

ربط: مذکورہ عہد ہی کا ایک اور حصہ ذکر کیا۔

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: اور جب لیا ہم نے وعدہ تم سے کہ نہ بہاؤ گے خون آپس کے اور نہ نکال دو گے اپنوں کو اپنے وطن سے پھر تم نے اقرار کر لیا اور تم مانتے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تم سے یہ قول و قرار) بھی (لیا کہ) خانہ جنگی کر کے (باہم خونریزی مت کرنا اور ایک دوسرے کو ترک وطن مت کرانا) یعنی کسی کو آزار پہنچا کر اتنا تنگ مت کرنا کہ وہ ترک وطن پر مجبور ہو جائے) پھر ہمارے اس اقرار لینے پر (تم نے اقرار بھی کر لیا اور) اپنے اقرار و عہد کرنے کو (تم مانتے بھی ہو)۔

اس باب میں ان پر تین حکم لازم تھے، اول قتل نہ کرنا، دوم اخراج یعنی ترک وطن نہ کرانا، سوم اپنی قوم میں سے کسی کو قید و بند میں گرفتار دیکھیں تو روپیہ خرچ کر کے چھڑا دینا، تو ان لوگوں نے پہلے دو حکموں کو تو چھوڑ دیا اور تیسرے حکم کا اہتمام کرنے لگے اور اس کی صورت یہ ہوئی تھی کہ اہل مدینہ میں دو قومیں تھیں اوس اور خزرج، اور ان میں باہم عداوت رہتی تھی اور کبھی کبھی جنگ کی نوبت بھی آجاتی تھی اور مدینہ کے گرد و نواح میں یہودیوں کی دو قومیں بنی قریظہ اور بنی نضیر آباد تھیں، اوس و بنی قریظہ کی باہم دوستی تھی جبکہ خزرج و بنی نضیر میں باہم یارانہ تھا، جب اوس و خزرج میں باہم لڑائی ہوتی تو دوستی کی بناء پر بنی قریظہ تو اوس کے مددگار ہوتے اور بنی نضیر خزرج کی طرفداری کرتے۔ تو جہاں اوس و خزرج مارے جاتے اور جلا وطن ہوتے تو ان کے دوستوں اور حامیوں کو بھی یہ مصیبت پیش آتی۔ اور ظاہر ہے کہ بنی قریظہ کے قتل و اخراج میں بنی نضیر کا بھی ہاتھ ہوتا اور ایسا ہی بالعکس۔ البتہ یہود کی دونوں جماعتوں میں سے اگر کوئی جنگ میں قید ہو جاتا تو ہر جماعت اپنے دوستوں کو مال پر راضی کر کے اس قیدی کو رہائی دلا دیتے اور کوئی پوچھتا کہ ایسا کیوں کرتے ہو تو اس کو جواب دیتے کہ اسیر کو رہا کرا دینا ہم پر واجب ہے اور اگر کوئی قتل و قتال میں معین و مددگار بننے پر اعتراض کرتا تو کہتے کہ کیا کریں دوستوں کا ساتھ نہ دینے سے عار آتی ہے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اس کی شکایت فرمائی اور ان کی حیلہ سازیوں کا پردہ چاک فرمایا ہے۔

ربط: اگلی آیت میں جن مخالف قوموں کی امداد کا ذکر ہے اس سے اوس و خزرج مراد ہیں کہ اوس بنی قریظہ کی موافقت میں بنی نضیر کے مخالف تھے اور خزرج بنی نضیر کی موافقت میں بنی قریظہ کے مخالف تھے۔

اثم وعدوان (ظلم و گناہ) دو لفظ لانے سے اس طرف اشارہ ہو سکتا ہے کہ اس میں دو حق ضائع ہوتے ہیں، حکم الٰہی کی تعمیل نہ کر کے حق اللہ ضائع کیا اور دوسرے کو آزار پہنچا کر حق العباد بھی ضائع کر دیا۔ پھر اس کے بعد عہد شکنی پر ملامت و شکایت کے ساتھ ساتھ سزا کو بھی صراحت کے ساتھ بیان فرمایا ہے۔

ارشاد ہے۔

ثُمَّ اَنۡتُمۡ هٰۤؤُلَآءِ تَقۡتُلُوۡنَ اَنۡفُسَكُمۡ وَتُخۡرِجُوۡنَ فَرِيۡقًا مِّنۡكُمۡ مِّنۡ دِيَارِهِمۡ تَظٰهَرُوۡنَ عَلَيۡهِمۡ بِالۡاِثۡمِ وَالۡعُدۡوَانِ وَاِنۡ يَّاۡتُوۡكُمۡ اُسٰرٰى تُفٰدُوۡهُمۡ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيۡكُمۡ اِخۡرَاجُهُمۡ اَفَتُؤۡمِنُوۡنَ بِبَعۡضِ الۡكِتٰبِ وَتَكۡفُرُوۡنَ بِبَعۡضٍ فَمَا جَزَآءُ مَنۡ يَّفۡعَلُ ذٰلِكَ مِنۡكُمۡ اِلَّا خِزۡىٌ فِى الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا وَيَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ يُرَدُّوۡنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الۡعَذَابِ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: پھر تم وہ لوگ ہو کہ قتل کرتے ہوں اپنے لوگوں کا اور نکال دیتے ہو اپنے کچھ لوگوں کو ان کے وطن سے۔ امداد کرتے ہو ان کے خلاف گناہ اور ظلم کے ساتھ اور اگر وہی آئیں تمہارے پاس کسی کے قیدی ہو کر تو ان کا فدیہ دے کر چھڑاتے ہو، حالانکہ حرام ہے تم پر ان کا ترک وطن کرانا بھی۔ تو کیا مانتے ہو بعض کتاب کو اور نہیں مانتے بعض کو، سو کوئی سزا نہیں اس کی جو تم میں یہ کام کرتا ہے مگر رسوائی دنیا کی زندگی میں اور یہ کہ قیامت کے دن پہنچائے جائیں سخت سے سخت عذاب میں۔ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (پھر) اس صریح اقرار کے بعد (تم) جیسے ہو (یہ) آنکھوں کے سامنے (موجود) ہے کہ تم ہی لوگ (ہو کہ باہم قتل و قتال بھی کرتے ہو اور ایک دوسرے کو ترک وطن بھی کراتے ہو) اس طور پر کہ (ان اپنوں کے مقابلہ میں) ان کی مخالف قوموں کی (امداد کرتے ہو گناہ اور ظلم کے ساتھ) سو ان دونوں حکموں کو تو یوں غارت کیا (اور) ایک تیسرا حکم جو آسان سا سمجھا اس پر عمل کرنے کو خوب تیار رہتے ہو کہ (اگر ان لوگوں میں سے کوئی گرفتار ہو کر تم تک پہنچ جاتا ہے تو ایسوں کو کچھ فدیہ دے کر رہا کرا دیتے ہو حالانکہ یہ بات) بھی معلوم (ہے کہ) قتل تو بڑی بات ہے (تم کو تو ان کا ترک وطن کرا دینا بھی ممنوع ہے)

(کیا تو) بس یوں کہو کہ (کتاب) توریت (کے بعض) احکام (پر تم ایمان رکھتے ہو اور بعض) احکام (پر ایمان نہیں رکھتے تو اور کیا سزا ہو ایسے شخص کی جو تم لوگوں میں سے ایسی حرکت کرے سوائے رسوائی کے دنیوی زندگانی میں اور روز قیامت کو بڑے سخت عذاب میں ڈال دیئے جائیں گے) اور اللہ تعالیٰ کچھ (بے خبر نہیں ہیں تمہارے) برے (اعمال سے)

دنیا میں ذلت و رسوائی کا وقوع اس طرح ہوا کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ہی مسلمانوں کے ساتھ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کے سبب بنی قریظہ قتل و قید کئے گئے اور بنی نضیر ملک شام کی طرف

بڑی ذلت و خواری کے ساتھ نکال دیئے گئے۔ اور آخرت کی سزا کی وجہ یہ ہے کہ

اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؗ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ: یہ وہی ہیں جنہوں نے خرید لی دنیا کی زندگی آخرت کے بدلے سو نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (یہ وہ لوگ ہیں کہ انہوں نے) احکام کی مخالفت کر کے (دنیاوی زندگانی) کے مزوں (کو لے لیا ہے) آخرت) کی نجات (کے عوض میں) جس کا ذریعہ اطاعت ہے (سو نہ تو) سزا دینے والے کی طرف سے (ان کی سزائیں) کچھ (تخفیف کی جائے گی اور نہ کوئی) وکیل، مختار یا دوست رشتہ دار (ان کی طرف داری) پیروی (کرنے پائے گا)

دوسری قباحت

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ؗ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ؗ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اور بے شک دی ہم نے موسیٰ کو کتاب اور پے در پے بھیجے اس کے پیچھے رسول اور دیئے ہم نے عیسیٰ مریم کے بیٹے کو معجزے صریح اور قوت دی ہم نے اس کو روح پاک سے۔ پھر کیا جب کبھی تمہارے پاس لایا کوئی رسول وہ حکم جو نہ پسند کیا تمہارے نفوس نے تو تم تکبر کرنے لگے پھر ایک جماعت کو تم نے جھٹلایا اور بعضوں کو تم قتل ہی کر ڈالتے تھے۔

تفسیر: (اور ہم نے) اے بنی اسرائیل تمہاری ہدایت کے لئے ہمیشہ سے بڑے بڑے سامان کئے سب سے اول (موسیٰ علیہ السلام کو کتاب) تورات (دی اور) پھر (ان کے بعد) درمیان میں (یکے بعد دیگرے) برابر مختلف (پیغمبروں کو بھیجتے رہے اور) پھر اس خاندان کے سلسلہ کے اخیر میں (ہم نے) حضرت (عیسیٰ بن مریم کو) نبوت کے (واضح دلائل) انجیل اور معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کو روح القدس) جبرئیل علیہ السلام (سے) جو (تائید دی) سوالگ جو بجائے خود ایک واضح دلیل تھی تو (کیا) تعجب کی بات نہیں کہ اس پر بھی تم سرکشی کرتے رہے اور (جب کبھی) بھی (کوئی پیغمبر تمہارے پاس ایسے احکام

لائے جن کو تمہارا دل نہ چاہتا تھا) جب ہی (تم نے) ان پیغمبروں کی اطاعت سے (تکبر کرنا شروع کردیا سو) ان پیغمبروں میں سے (بعضوں کو تو) نعوذ باللہ (تم نے جھوٹا بتایا اور بعضوں کو) بے دھڑک (قتل ہی کر ڈالتے تھے)

وَ قَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں ہمارے دلوں پر غلاف ہے بلکہ لعنت کی ہے ان پر اللہ نے ان کے کفر کے سبب سو بہت تھوڑا ایمان لاتے ہیں۔

تفسیر: (اور وہ) یہودی فخر کے طور پر (کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب) ایسے (محفوظ ہیں) کہ اس میں مخالف مذہب کا جو اسلام ہے اثر (ہی نہیں ہوتا، تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ یہ محفوظ ہونا اور پختہ ہونا نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان پر خدا کی مار ہے) کہ اسلام جو مذہب حق ہے اس سے بیزار اور منسوخ مذہب پر مصر ہیں (سو بہت ہی تھوڑا سا ایمان رکھتے ہیں) اور تھوڑا ایمان مقبول نہیں، پس وہ کافر ہی ٹھہرے۔

فائدہ: یہ تھوڑا سا ایمان ان امور کی بابت ہے جو ان کے مذہب اور اسلام میں مشترک ہیں مثلاً خدا کا قائل ہونا، قیامت کا قائل ہونا کہ ان امور کے وہ بھی قائل تھے، لیکن خود نبوت محمدیہ اور قرآن کے کلام الٰہی ہونے کے منکر تھے، اس لئے پورا ایمان نہ تھا۔ اور اس تھوڑے ایمان کو لغت کے اعتبار سے ایمان کہا جس کے معنی مطلق یقین کے ہیں، گو وہ بعض اشیاء کے ساتھ ہی متعلق ہو، لیکن شرعاً اس کو ایمان نہیں کہتے کیونکہ شرعاً وہ ایمان معتبر ہے جو دین کی تمام باتوں پر یقین کے ساتھ ہو۔

ربط: آگے ان کے کفر کی تفصیل ذکر کی جو ان کے لئے موجب لعنت تھا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ؗ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: اور جب پہنچی ان کے پاس کتاب اللہ کی طرف سے جو سچا بتانے والی ہے اس کتاب کو جو ان کے پاس ہے اور پہلے سے خود بیان کرتے تھے کافروں سے، پھر جب پہنچا ان کو جس کو پہچان رکھا تھا تو اس سے منکر ہو گئے، سو لعنت ہے اللہ کی منکروں پر۔

تفسیر: (اور جب ان کو) ایک (ایسی کتاب پہنچی) یعنی قرآن مجید (جو منجانب اللہ ہے) اور (اس) کتاب (کی) بھی (تصدیق کرنے والی ہے جو) پہلے سے (ان کے پاس ہے) یعنی تورات (حالانکہ اس کے

قبل) خود (بیان کرتے تھے کفار سے) یعنی مشرکین عرب سے کہ ایک نبی آنے والے ہیں اور ایک کتاب لانے والے ہیں مگر (پھر جب وہ چیز آ پہنچی جس کو وہ) خوب جانتے (پہچانتے ہیں تو) اب دل سے نہ مان کر (اس کا) صاف (انکار کر بیٹھے سو) بس (خدا کی مار ہو ایسے منکروں پر) کہ جان بوجھ کر محض تعصب کے سبب انکار کریں۔

ربط: آگے بتایا کہ یہود کا جان لینے کے بعد پھر امر واقعی کا کفر اور انکار کرنے کی وجہ حسد ہے۔ لہذا فرمایا

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

ترجمہ: بری چیز ہے وہ جس کے بدلے بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کہ انکار کرتے ہیں اس چیز کا جو اتاری اللہ نے اس ضد پر کہ اتارے اللہ اپنے فضل سے جس پر چاہے اپنے بندوں میں سے، سو لوٹے غصہ پر غصہ کے ساتھ اور کافروں کے واسطے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

تفسیر: (وہ حالت) بہت ہی (بری ہے جس کو اختیار کر کے) وہ بزعم خود (اپنی جانوں کو) آخرت کی سزا سے چھڑانا چاہتے ہیں) اور وہ حالت (یہ) ہے کہ (کفر) یعنی انکار (کرتے ہیں ایسی چیز) یعنی قرآن (کا جو حق تعالیٰ نے) ایک سچے پیغمبر پر (نازل فرمائی) اور وہ انکار بھی (محض) اس (ضد پر کہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جس بندہ پر اس کو منظور ہو) یعنی محمد ﷺ پر، کیوں (نازل فرمادے سو) اس حسد بالائے کفر سے (وہ لوگ غضب بالائے غضب کے مستحق ہو گئے) یعنی ایک غضب کفر پر اور ایک حسد پر اور آخرت میں (ان کفر کرنے والوں کو ایسی سزا ہو گی جس میں) تکلیف کے علاوہ (ذلت) بھی ہے، برخلاف اس عذاب کے جو گنا ہگار مومن کو ہو گا کہ وہ پاک کرنے کے لئے ہو گا ذلت کے لئے نہیں۔

ربط: آگے ان کا ایک قول بیان فرماتے ہیں جس سے کفر ثابت ہوتا ہے اور حسد بھی ٹپکتا ہے۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے مانو اس کو جو اللہ نے اتارا ہے تو کہتے ہیں ہم مانتے

ہیں جو اتارا گیا ہے ہم پر اور وہ نہیں مانتے اس کو جو اس کے علاوہ ہے۔ حالانکہ وہ حق ہے اور تصدیق کرنے والا ہے اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے۔ کہہ دو پھر کیوں قتل کرتے رہے ہو اللہ کے پیغمبروں کو پہلے سے اگر تم ایمان رکھتے تھے۔

تفسیر: (اور جب ان) یہودیوں (سے کہا جاتا ہے کہ تم ایمان لاؤ ان تمام کتابوں پر جو اللہ نے) متعدد پیغمبروں پر (نازل فرمائی ہیں) اور ان تمام کتابوں میں قرآن بھی ہے (تو) جواب میں (کہتے ہیں کہ ہم) تو صرف (اس) ہی (کتاب) یعنی تورات (پر ایمان لائیں گے جو ہم) لوگوں (پر) حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واسطے سے (نازل کی گئی ہے) اس بات سے ان کا حسد ٹپکتا ہے (اور اس کے علاوہ) باقی (جتنی) کتابیں (ہیں) جیسے انجیل اور قرآن (ان) سب (کا انکار کرتے ہیں) یہ پورا قول صریح کفر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کو تین طرح سے رد فرمایا ہے اولاً یہ کہ (حال یہ ہے کہ وہ) یعنی تورات کے ماسوا کتابیں (بھی) فی نفسہ (حق) اور واقعی ہیں پھر ان کے انکار کی کیا وجہ (اور) دوم فی نفسہ حق ہونے کے علاوہ تصدیق کرنے والی بھی ہیں اس کتاب کی جو ان کے پاس ہے یعنی تورات کی تو اس انکار سے تو خود تورات کی تکذیب لازم آتی ہے اور سوم آپ یہ بھی (کہئے کہ) اچھا تو (پھر کیوں قتل کیا کرتے تھے اللہ کے پیغمبروں کو اس سے پہلے اگر تم) تورات پر (ایمان رکھنے والے تھے۔ حالانکہ انبیاء علیہم السلام کو قتل کرنا تمام آسمانی کتابوں کی رو سے کفر ہے، پھر تمہارے گروہ کے لوگوں نے جو بہت سے نبیوں کو قتل کیا جن کی تعلیم بھی تورات ہی کے احکام کے ساتھ خاص تھی، اور تم ان قاتلوں کو اپنا پیشوا اور مقتدا سمجھتے ہو، تو براہ راست تورات کے ساتھ کفر کرتے ہو، اس سے تو تمہارا تورات پر ایمان کا دعویٰ بھی غلط ٹھہرتا ہے، غرض کسی بھی پہلو سے تمہارا قول و فعل صحیح اور درست نہیں۔

آگے بعض اور وجوہ و دلائل سے ان یہودیوں کے دعوی ایمان کا رد فرمایا گیا۔

پہلی دلیل: وہ صریح شرک کے مرتکب ہوئے۔

وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: اور آچکا تمہارے پاس موسیٰ صریح معجزے لے کر پھر بنالیا تم نے بچھڑا اس کے جانے کے بعد اور تم ظالم تھے۔

تفسیر: (اور) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (تم لوگوں کے پاس) توحید و رسالت کی (صاف صاف دلیلیں لائے) مگر (اس پر بھی تم لوگوں نے گوسالہ کو) معبود (بنالیا موسیٰ) علیہ السلام (کے) طور پر

جانے کے (بعد اور تم) گوسالہ پرستی کی اس تجویز میں (ستم ڈھا رہے تھے)

فائدہ: گوسالہ کو معبود بنانے کا معاملہ اگرچہ ان یہودیوں کے ساتھ پیش نہیں آیا تھا جو حضور ﷺ کے زمانے میں نزول قرآن کے وقت موجود تھے، مگر چونکہ یہ لوگ اپنے اجداد کے حامی اور طرفدار رہتے تھے، اس لئے فی الجملہ یہ لوگ بھی رد میں شامل ہیں۔

دوسری دلیل: تمہارے اعمال تمہارے ایمان کی نفی کر رہے ہیں۔

وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُمْ بِقُوَّةٍ وَاسْمَعُوا قَالُوا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَأُشْرِبُوا فِي قُلُوبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ قُلْ بِئْسَمَا يَأْمُرُكُمْ بِهِ إِيمَانُكُمْ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور جب ہم نے لیا وعدہ تمہارا اور بلند کیا تمہارے اوپر کوہ طور کو پکڑو جو ہم نے تم کو دیا مضبوطی سے اور سنو۔ بولے سنا ہم نے اور نہ مانا اور پیوست کر دیا گیا ان کے دلوں میں وہی بچھڑا (یعنی اس کی محبت) بسبب ان کے کفر کے۔ کہہ دے کہ بری باتیں ہیں جو سکھاتا ہے تم کو ایمان تمہارا اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: (اور) وہ زمانہ یاد کرو (جب ہم نے تمہارا قول و قرار لیا تھا اور) اس قول و قرار لینے کے لئے (طور کو تمہارے) سروں کے اوپر (لا کھڑا کیا تھا) اور اس وقت حکم دیا تھا کہ (لو جو کچھ) احکام (ہم تم کو دیتے ہیں ہمت) اور پختگی (کے ساتھ لے لو اور) ان احکام کو دل سے (سنو)۔ اس وقت (انہوں نے) ڈر کے مارے زبان سے تو (کہہ دیا کہ ہم نے) قبول کر لیا اور (سن لیا اور) چونکہ واقع میں یہ بات دل سے نہ تھی اس لئے گویا بزبان حال یوں بھی کہہ رہے تھے کہ (ہم نے نہ مانا) اس لئے ہم سے عمل نہ ہوگا اور ان کی اس بددلی کی وجہ یہ تھی کہ (ان کے قلوب) کے ریشہ ریشہ (میں وہی گوسالہ پیوست ہو گیا تھا ان کے سابقہ کفر کی وجہ سے) جب کہ دریائے شور سے اتر کر انہوں نے ایک بت پرست قوم کو دیکھ کر درخواست کی تھی کہ ہمارے لئے کوئی ایسا ہی مجسم معبود تجویز کر دیا جائے (آپ فرما دیجئے) کہ دیکھ لیا تم نے اپنے مزعومہ ایمان کے افعال کو (سو اگر تم) بزعم خود اب بھی (اہل ایمان ہو) تو (یہ افعال تو بہت برے ہیں جن کی تعلیم تمہارا ایمان تم کو کر رہا ہے) اور اصل ایمان چونکہ ایسے برے افعال کی تعلیم ہی نہیں کرتا لہٰذا تمہیں ایمان حاصل ہی نہیں ہے۔

تیسری دلیل: یہود کا دعویٰ تھا کہ ہم دین حق پر ہیں اور باایمان ہیں لہٰذا آخرت میں ہم کو تو ضرور نجات ملے گی۔ ہم میں سے جو تائب ہیں یا ان پر رحم کیا گیا ہے ان کو تو ابتداء ہی سے جنت میں داخلہ مل

جائے گا اور جو گناہ گار ہیں وہ چند روز عذاب بھگت کر نجات پا جائیں گے اور جو فرمانبردار ہیں وہ تو محبوب و مقرب ہیں۔ ایمان کی نفی کی دلیل اس طرح ہوئی کہ کہا اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آخرت حاصل کرنے کی خواہش بھی ہوگی جس کی وجہ سے موت کی تمنا کرنا بھی آسان ہو جاتا ہے تو تم آخرت حاصل کرنے کے لئے موت کی تمنا کرو لیکن یہ تم کبھی نہ کرو گے کیونکہ تم اپنے کفر سے خوب باخبر ہو لہذا فرمایا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًاۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾

وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾

ترجمہ: کہہ دے کہ اگر ہے صرف تمہارے واسطے آخرت کا گھر اللہ کے ہاں اور لوگوں کو چھوڑ کر تو تم موت کی آرزو کرو اگر تم سچ کہتے ہو۔ اور ہر گز آرزو نہ کریں گے موت کی کبھی بسبب ان گناہوں کے کہ جو پہلے کر چکے ہیں ان کے ہاتھ اور اللہ خوب جانتا ہے ان ظالموں کو۔ اور تو ضرور پائے گا ان کو سب لوگوں سے زیادہ حریص زندگی پر اور زیادہ حریص مشرکوں سے بھی۔ چاہتا ہے ایک ایک ان کا کہ عمر پائے ہزار برس اور نہیں اس کو بچانے والا عذاب سے اس قدر عمر دیا جانا اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) ان لوگوں سے (کہہ دیجئے کہ اگر) بقول تمہارے (عالم آخرت محض تمہارے ہی لئے ہے بلاشرکت غیرے تو اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو تو) اس کی تصدیق کے لئے ذرا (موت کی تمنا کر کے دکھا دو اور) ہم ساتھ ہی یہ بھی کہے دیتے ہیں کہ (ان اعمال) کفریہ کی سزا کے خوف (کی وجہ سے جو اپنے ہاتھوں سمیٹتے ہیں یہ لوگ ہرگز کبھی اس) موت (کی تمنا نہ کریں گے) اور اللہ تعالیٰ کو خوب اطلاع ہے ان ظالموں) کے حال (کی)۔ جب مقدمہ کی تاریخ آئے گی فرد قرارداد جرم سنا کر سزا کا حکم کر دیا جائے گا۔ (اور) وہ لوگ موت کی تمنا کیا خاک کرتے (آپ) تو (ان کو حیات) دنیوی (کا) دیگر عام (آدمیوں سے) بھی (بڑھ کر حریص پائیں گے اور) اوروں کا تو کیا ذکر حیرت تو یہ ہے کہ بعض (مشرکین

سے بھی) بڑھ کر آپ ان کو حیات کا حریص دیکھیں گے حالانکہ مشرکین عرب تو آخرت کے منکر تھے اس لئے وہ اگر طویل عمر کی تمنا کریں تو کچھ تعجب نہیں مگر یہود تو آخرت کے قائل ہیں اور اپنے آپ کو جنت کا مستحق کہتے ہیں اور ان کی یہ کیفیت ہے کہ ان کا (ایک ایک) شخص (اس ہوس میں ہے کہ اس کی عمر ہزار برس کی ہو جائے اور) بھلا بالفرض اگر اتنی عمر ہو بھی گئی تو کیا فائدہ (یہ امر عذاب سے تو بچا نہیں سکتا کہ) کسی کی بڑی (عمر ہو جائے اور حق تعالیٰ کے پیش نظر ہیں ان کے سب اعمال) بدجس پر ان کو عذاب ہونے والا ہے۔

چوتھی قباحت: بعض یہود نے حضور ﷺ سے یہ سن کر جبریل علیہ السلام وحی لاتے ہیں کہا کہ ان سے تو ہماری عداوت ہے، ہماری قوم پر ہولناک واقعات اور سخت سخت احکامات انہی کے ذریعے آتے رہے ہیں، میکائیل خوب ہیں کہ بارش اور رحمت ان کے متعلق ہے، اگر وہ وحی لایا کرتے تو ہم مان لیتے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

ترجمہ: تو کہہ دے جو کوئی ہوا دشمن جبریل کا سواس نے تو اتارا ہے یہ کلام تیرے دل پر اللہ کے حکم سے اس حال میں کہ یہ (کلام) سچا بتانے والا ہے اس کلام کو جو اس کے پہلے ہے اور راہ دکھاتا ہے اور خوش خبری سناتا ہے ایمان والوں کو، جو کوئی ہوا دشمن اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کے پیغمبروں کا اور جبرئیل اور میکائیل کا تو اللہ دشمن ہے ان کافروں کا۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) ان سے (یہ کہئے کہ جو شخص جبرئیلؑ سے عداوت رکھے) وہ جانے لیکن اس بات کو قرآن کے نہ ماننے میں کیا دخل؟ کیونکہ اس میں تو وہ سفیر محض ہیں سو سفارت کے طور پر (انہوں نے یہ قرآن پاک حکم خداوندی سے آپ کے قلب تک پہنچا دیا ہے)۔ اور سفارت کے صادق ہونے کے لئے سفیر میں دو صفتوں کا ہونا کافی ہے اول مامور ہو دوسرے امین ہو۔ سو امین ہونے سے یہود کو بھی انکار نہ تھا۔ وہ صرف عناداً قرآن کے من جانب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے۔ اس کو ذکر کر دیا کہ جب جبرئیل علیہ السلام خدا کے حکم سے لائے ہیں تو اس کے علاوہ لانے والے کی دیگر خصوصیت کیوں دیکھی جاتی ہے؟ البتہ خود قرآن کو دیکھو کہ کیسا ہے (اس کی) خود (یہ حالت ہے کہ تصدیق کر رہا ہے اپنے سے قبل

والی) آسمانی (کتابوں کی اور رہنمائی کر رہا ہے) ضروری مصلحتوں کی (اور خوشخبری سنا رہا ہے ایمان والوں کو) اور کتاب سماوی کی یہی شان ہوتی ہے، پس قرآن ہر حال میں کتاب سماوی اور قابل اتباع ٹھیرا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام کی عداوت سے اس کو نہ ماننا نری حماقت ہے، اب رہا خود مسئلہ جبرئیل سے عداوت کا سو اس کا فیصلہ یہ ہے کہ حق تعالیٰ کے نزدیک خود اللہ تعالیٰ سے عداوت رکھنا یا اس کے دوسرے ملائکہ سے یا اس کے رسولوں سے یا خود میکائیل سے جن کی دوستی کا دم بھرتے ہیں، ان سے سب سے عداوت رکھنا اور جبرئیل سے عداوت رکھنا، یہ سب ہم پلہ شمار کئے جاتے ہیں اور ان سب عداوتوں کا قانون یہ ہے کہ (جو) کوئی (شخص خدا تعالیٰ کا دشمن ہو) تو (اور فرشتوں کا ہو) تو (اور پیغمبروں کا ہو) تو (اور جبرئیل کا) ہو تو (اور میکائیل کا) ہو (تو) ان سب کا وبال یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ دشمن ہے ایسے کافروں کا)

پانچویں قباحت:

بعض یہود نے رسول اللہ ﷺ سے کہا تھا کہ آپ پر کوئی ایسی واضح دلیل نازل نہ ہوئی جس کو ہم بھی جانتے پہچانتے اور آپ پر ایمان لاتے۔ اس کے جواب میں کہا جاتا ہے کہ وہ تو ایک ہی واضح دلیل کو لئے پھرتے ہیں۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍۢ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿٩٩﴾

ترجمہ: اور ہم نے اتارے تیری طرف روشن دلائل اور انکار نہیں کرتے ان کا مگر وہی جو نافرمان ہیں

تفسیر: (ہم نے تو آپ کی طرف بہت سے واضح دلائل نازل کئے ہیں) جن کو وہ بھی خوب جانتے پہچانتے ہیں سو ان کا انکار نہ جاننے کی بناء پر نہیں، بلکہ یہ انکار حکم عدولی کی عادت کی وجہ سے ہے (اور) قاعدہ کلیہ ہے کہ (ایسے دلائل کا کوئی انکار نہیں کیا کرتا مگر صرف وہی لوگ جو حکم عدولی کے عادی ہیں)

ربط: رسول اللہ ﷺ پر ایمان نہ لانے والے یہود کو جب وہ عہد یاد دلایا گیا جو ان سے رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے بارے میں تورات میں لیا گیا تھا تو انہوں نے خود عہد ماننے سے ہی انکار کر دیا۔ اس کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

اَوَكُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا
نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۭ بَلْ اَكْثَرُھُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: کیا جب کبھی کریں گے کوئی عہد تو پھینک دے گی اس کو ایک جماعت ان میں

سے۔ بلکہ ان کے اکثر یقین نہیں رکھتے۔

تفسیر: (کیا) اس عہد لینے سے ان کو انکار ہے (اور) ان کی تو یہ حالت ہے کہ انہوں نے اپنے تسلیم شدہ عہدوں کو بھی کبھی پورا نہیں کیا اور اب بھی (جب کبھی بھی یہ لوگ) دین کیمتعلق (کوئی عہد کریں گے) ضرور (اس کو ان میں سے کوئی نہ کوئی فریق نظر انداز کر دے گا، بلکہ ان) تعمیل عہد نہ کرنے والوں (میں زیادہ تو ایسے ہی نکلیں گے جو) سرے سے اس عہد کا (یقین ہی نہیں رکھتے) سو تعمیل نہ کرنا تو فسق تھا ہی، یہ یقین نہ کرنا اس سے بڑھ کر کفر ہے۔

اور جب رسول اللہ ﷺ کی بعثت ہوئی تو یہود نے خود کو دی ہوئی کتاب الٰہی کو بھی نظر انداز کر دیا۔

وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

ترجمہ: اور جب پہنچا ان کے پاس رسول اللہ کی طرف سے تصدیق کرنیوالا اس کتاب کی جو ان کے پاس ہو تو پھینک دیا ایک جماعت نے اہل کتاب سے کتاب اللہ کو اپنی پیٹھ کے پیچھے گویا کہ وہ جانتے ہی نہیں۔

تفسیر: (اور جب ان کے پاس ایک) عظیم الشان (پیغمبر آئے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو) رسول ہونے کے ساتھ (تصدیق بھی کر رہے ہیں اس کتاب کی جو ان لوگوں کے پاس ہے) یعنی تورات کی، کیونکہ اس میں آپؐ کی نبوت کی خبر ہے، تو اس حالت میں آپؐ پر ایمان لانا عین تورات پر عمل تھا جس کو وہ بھی کتاب اللہ جانتے ہیں، مگر اس کے باوجود بھی (ان اہل کتاب میں سے ایک فریق نے خود اس کتاب اللہ ہی کو اس طرح پس پشت ڈال دیا جیسے ان کو) اس کے مضمون کا یا کتاب اللہ ہونے کا (سرے سے علم ہی نہیں)

ربط: حق کو چھوڑ کر البتہ یہ جادو اور سحر کے پیچھے لگ گئے زمانہ ماضی کے یہود بھی اور زمانہ حال کے بھی حالانکہ ایسے علم سے آخرت کا کچھ نفع نہیں بلکہ سراسر نقصان ہے اور دنیا میں بھی ضرر ہے اور خدا کے حکم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ

السِّحْرَ ۗ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۗ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اور پیچھے لگ گئے اس علم کے جو پڑھتے تھے شیطان سلیمان کی بادشاہت میں اور کفر نہیں کیا سلیمان نے لیکن شیطان کفر کیا کرتے تھے کہ سکھاتے تھے لوگوں کو جادو۔ اور اس علم کے پیچھے لگ گئے جو اترا دو فرشتوں پر شہر بابل میں جن کا نام ہاروت اور ماروت تھا اور نہیں سکھاتے تھے وہ دونوں فرشتے کسی کو جب تک یہ نہ کہہ دیتے کہ ہم تو آزمائش کے لئے ہیں سو تو کافر مت ہو۔ پھر ان سے سیکھتے (بعض) لوگ جادو جس سے جدائی ڈالتے تھے مرد میں اور اس کی عورت میں۔ اور وہ اس سے نقصان نہیں کر سکتے کسی کا اللہ کے حکم کے بغیر۔ اور سیکھتے تھے وہ چیز جو نقصان کرتی ہے خود ان کا اور فائدہ نہیں دیتی انکو۔ اور وہ خوب جان چکے ہیں کہ جس نے اختیار کیا جادو کو نہیں ہے اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ، اور بہت ہی بری چیز ہے جس کے بدلہ بیچا انہوں نے اپنے آپ کو کاش ان کو سمجھ ہوتی اور اگر وہ ایمان لاتے اور تقویٰ کرتے تو اللہ کے ہاں کا بدلہ بہتر تھا کاش ان کو سمجھ ہوتی۔

تفسیر: (اور) یہودی ایسے بے عقل ہیں کہ (انہوں نے) کتاب اللہ کا تو اتباع نہ کیا اور (ایسی چیز کا) یعنی سحر و جادو کا (اتباع) اختیار (کیا جس کا چرچا کیا کرتے تھے شیاطین) یعنی خبیث جن (حضرت سلیمان علیہ السلام کے) عہد (سلطنت میں اور) بعضے بے وقوف جو حضرت سلیمان علیہ السلام پر سحر میں ملوث ہونے کا گمان رکھتے ہیں بالکل ہی لغو بات ہے، کیونکہ قرآن و سنت کی اصطلاح میں جس کو سحر کہا گیا ہے وہ اعتقادی کفر یا کم از کم عملی کفر سے خالی نہیں ہوتا۔ اگر شیاطین کو راضی کرنے کے لئے کفر و شرک کے کچھ اقوال یا اعمال اختیار کئے تو حقیقی و اعتقادی کفر ہو گا۔ اور اگر کفر و شرک کے اقوال و افعال سے بچ بھی گیا مگر دوسرے گناہوں کا ارتکاب کیا تو کفر عملی سے خالی نہ رہا اور (حضرت سلیمان علیہ السلام نے) نعوذ باللہ کبھی

(کفر نہیں کیا مگر) ہاں (شیاطین) یعنی خبیث جن بیشک (کفر) کی باتیں اور کام یعنی سحر (کیا کرتے تھے اور حالت یہ تھی کہ) خود تو کرتے ہی تھے اور (آدمیوں کو بھی) اس (سحر کی تعلیم کیا کرتے تھے) سو وہی سحر متوارث چلا آرہا ہے اور اس کا اتباع یہ یہودی کرتے ہیں (اور) اسی طرح (اس) سحر (کا بھی) یہ لوگ اتباع کرتے ہیں (جو کہ ان دو فرشتوں پر) ایک خاص حکمت کے واسطے (نازل کیا گیا تھا) جو شہر (بابل میں) رہتے تھے (جن کا نام ہاروت و ماروت تھا اور وہ دونوں) وہ سحر (کسی کو نہ بتاتے جب تک) احتیاطاً پہلے (یہ) نہ (کہہ دیتے کہ ہمارا وجود بھی) لوگوں کے لئے (ایک امتحان) خداوندی (ہے) کہم سے سحر سیکھ کر کون پھنستا ہے اور کون بچتا ہے (سو تم) اس پر مطلع ہو کر (کہیں کافر مت بن جانا) کہ اس میں پھنس جاؤ (تو) بعضے (لوگ ان دونوں) فرشتوں (سے اس قسم کا سحر سیکھ لیتے تھے جس کے ذریعہ سے) عمل کر کے (کسی مرد اور اس کی بیوی میں تفریق پیدا کر دیتے تھے۔ اور) اس سے کوئی وہم اور خوف میں نہ مبتلا ہو جائے کہ جادوگر جو چاہے کر سکتا ہے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ (یہ) ساحر (لوگ اس) سحر (کے ذریعے سے کسی کو) ذرہ برابر (بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے مگر خدا ہی کے) تقدیری (حکم سے اور) ایسا سحر حاصل کر کے بس (ایسی چیزیں سیکھ لیتے ہیں جو) خود (ان کو) بوجہ گناہ کے (ضرر رساں ہیں اور) کسی معتد بہ درجہ میں (ان کو نافع نہیں ہیں)۔ تو یہودی بھی اتباع سحر سے بڑے ضرر میں ہوں گے (اور) یہ بات کچھ ہمارے ہی کہنے کی نہیں بلکہ (یہ) یہودی (بھی اتنا ضرور جانتے ہیں کہ جو شخص اس) سحر (کو) کتاب اللہ کے عوض (اختیار کرے ایسے شخص کا آخرت میں کوئی حصہ) باقی (نہیں اور بیشک بری ہے وہ چیز) یعنی جادو اور کفر (جس میں وہ لوگ اپنی جان دے رہے ہیں، کاش ان کو) اتنی (عقل ہوتی اور اگر وہ لوگ) بجائے اس کفر و بد عملی کے (ایمان اور تقویٰ) اختیار (کرتے تو خدا تعالیٰ کے یہاں کا معاوضہ) اس کفر و بد عملی سے ہزار درجے (بہتر تھا، کاش!) اتنی (عقل ہوتی)

خلاصہ یہ کہ یہود اپنے دین اور کتاب کا علم چھوڑ کر علم سحر کے تابع ہو گئے اور سحر لوگوں میں دو طرف سے پھیلا۔ ایک حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد میں چونکہ جنات اور آدمی ملے جلے رہتے تھے تو آدمیوں نے شیطان جنوں سے سحر سیکھا اور نسبت کر دیا حضرت سلیمان علیہ السلام کی طرف کہ ہم کو انہی سے پہنچا ہے اور ان کو جن و انس پر حکم اسی کے زور سے تھا۔ سو اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یہ کام کفر کا ہے سلیمان علیہ السلام کا نہیں۔ دوسرے سحر پھیلا ہاروت ماروت کی طرف سے۔ وہ دو فرشتے تھے جو بابل کے شہر میں آدمیوں کی صورت میں رہتے تھے جن کو بندوں کی آزمائش کے لئے بھیجا گیا تھا۔ قرآن و حدیث میں فرشتوں کے ذریعہ آزمائش کے اور واقعات بھی ملتے ہیں مثلاً حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی آزمائش

نوجوان شکل کے فرشتوں سے کی گئی اور حدیث میں ایک کوڑھی ایک اندھے اور ایک گنجے کی فرشتے کے ذریعے آزمائش مذکور ہے۔ ان دو فرشتوں کو علم سحر معلوم تھا۔ جو کوئی اس کا طالب ان کے پاس جاتا اول اس کو روک دیتے کہ اس میں ایمان جاتے رہنے کا اندیشہ ہے اس پر بھی باز نہ آتا تو اس کو سکھا دیتے۔

سحر کی حقیقت: سحر لغت میں ہر ایسے اثر کو کہتے ہیں جس کا سبب ظاہر نہ ہو خواہ وہ معنوی ہو جیسے خاص خاص کلمات کا اثر یا غیر محسوس چیزوں کا ہو جیسے جنات و شیاطین کا اثر یا قوت خیالیہ کا ہو جیسے میسمر زم اور ہپناٹزم کا اثر یا محسوسات کا ہو مگر وہ محسوسات مخفی ہوں جیسے مقناطیس کی کشش لوہے کے لئے جب کہ مقناطیس نظروں سے پوشیدہ ہو یا دواؤں اور کیمیائی اشیاء کا ہو جب کہ وہ مخفی ہوں۔

لیکن قرآن و سنت کی اصطلاح میں سحر صرف ایسے عجیب کام کو کہا جاتا ہے جس میں شیاطین کو خوش کر کے ان کی مدد حاصل کی گئی ہو۔ پھر شیاطین کو خوش کرنے کی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی ایسے منتر پڑھے جاتے ہیں جن میں کفر و شرک کے کلمات ہوں اور شیاطین کی مدح کی گئی ہو۔ کبھی کواکب و نجوم کی عبادت کی جاتی ہے جس سے شیطان خوش ہوتے ہیں۔ کبھی ایسے اعمال اختیار کئے جاتے ہیں جو شیطان کو پسند ہیں مثلاً کسی کو ناحق قتل کر کے اس کا خون استعمال کرنا یا جنابت و نجاست کی حالت میں رہنا وغیرہ۔

رہے انسانوں کے کئے ہوئے شعبدے اور ٹوٹکے یا ہاتھ کی چالاکی کے کام یا میسمرزم، ہپناٹزم اور نظر بندی وغیرہ تو قرآن و سنت کی اصطلاح میں یہ حقیقت میں سحر نہیں البتہ کبھی مجازاً ان کو بھی سحر کہہ دیا گیا ہے مثلاً سَحَرُوْٓا اَعْيُنَ النَّاسِ (انہوں نے لوگوں کی آنکھوں پر جادو کر دیا)

قرآن میں فرعونی ساحروں کے جس سحر کا ذکر ہے وہ اسی قسم کا تھا کیونکہ انہوں نے جو رسیاں اور لاٹھیاں ڈالی تھیں وہ نہ در حقیقت سانپ بنیں اور نہ انہوں نے حرکت کی بلکہ ان جادوگروں کی قوت خیالیہ کا اثر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دیگر حاضرین کی قوت خیالیہ پر ہوا کہ وہ ان کو دوڑنے والے سانپ سمجھنے لگے۔

کیا انبیاء پر جادو کا اثر ہو سکتا ہے؟: اوپر کی تفصیل سے معلوم ہوا کہ سحر در حقیقت کچھ خفیہ طبعی اسباب ہی کا اثر ہوتا ہے اور انبیاء علیہم السلام طبعی اسباب کے اثرات سے متاثر ہوتے ہیں۔ یہ تاثر شان نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ جیسے ظاہری اسباب سے انکا بھوک پیاس سے متاثر ہونا، بیماری میں مبتلا ہونا اور شفا پانا ثابت ہے۔ اسی طرح جادو کے مخفی اسباب سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ لیکن کوئی ایسا اثر جو علوم نبوت پر اثر انداز ہو خواہ ظاہری بیماری کے سبب سے ہو یا جادو کے مخفی سبب سے ہو یہ نہ ہو سکتا ہے اور نہ ہی اس کے واقع ہونے کی کوئی مثال ملتی ہے کیونکہ امت کو پہنچانے تک علم وحی کی حفاظت اور اس امت میں قیامت تک اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے۔

چھٹی قباحت: رسول اللہ ﷺ کے ساتھ شرارت

بعض یہودیوں نے ایک شرارت ایجاد کی، کہ جناب رسول اللہ ﷺ کے حضور میں آکر لفظ راعنا سے آپ کو خطاب کرتے، جس کے معنی ان کی عبرانی زبان میں ایک بددعا کے ہیں اور وہ اسی نیت سے کہتے تھے، مگر عربی زبان میں اس کے معنی "ہماری مصلحت کی رعایت فرمائیے" کے ہیں اس لیے عربی دان اس شرارت کو نہ سمجھ سکتے تھے اور اس اچھے معنی کے قصد سے بعضے مسلمان بھی حضور کو اس کلمہ سے خطاب کرنے لگے، اس سے ان شریروں کو اور گنجائش ملی، آپس میں بیٹھ کر ہنستے تھے، کہ اب تک تو ہم ان کو خفیہ ہی برا کہتے تھے، اب علانیہ کہنے کی تدبیر ایسی ہاتھ آگئی کہ مسلمان بھی اس میں شریک ہوگئے، حق تعالیٰ نے اس گنجائش کے قطع کرنے کو مسلمانوں کو حکم دیا کہ

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقُولُوا رَاعِنَا وَقُولُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوا ۗ وَلِلْكَافِرِينَ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ کہو راعنا اور کہو انظرنا اور سن لو اور کافروں کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم) لفظ (راعنا مت کہا کرو اور اس کی جگہ لفظ انظرنا کہہ دیا کرو) کیونکہ اس لفظ کے معنی اور راعنا کے معنی عربی زبان میں ایک ہی ہیں۔ راعنا کہنے میں یہودیوں کی شرارت چلتی ہے، اس لئے اس کو ترک کر کے دوسرا لفظ استعمال کرو (اور) اس حکم کو اچھی طرح (سن لو) اور یاد رکھو (اور) ان (کافروں کو) تو (دردناک سزا ہوگی) جو پیغمبر ﷺ کی شان میں ایسی گستاخی اور وہ بھی چالاکی کے ساتھ کرتے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے یہ بات معلوم ہوئی کہ اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لئے جائز نہیں رہتا بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو۔

ساتویں قباحت: مسلمانوں کے ساتھ مکر وفریب

بعضے یہودی بعض مسلمانوں سے کہنے لگے کہ بخدا ہم دل سے تمہارے خیر خواہ ہیں اور ہزار جان سے پسند کرتے ہیں کہ اگر تم کو دینی احکام ہمارے دینی احکام سے بہتر عنایت ہوں تو ہم بھی ان کو قبول کریں مگر کیا کیا جائے کہ تمہارا دین ہمارے دین سے اچھا ثابت نہیں ہوا، حق تعالیٰ اس دعویٰ خیر خواہی کی تکذیب فرماتے ہیں کہ

مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾

ترجمہ: پسند نہیں کرتے وہ لوگ جو کافر ہوئے اہل کتاب میں سے اور نہ (وہ جو کافر ہوئے) مشرکوں میں سے اس بات کو کہ اتاری جائے تم پر کوئی بہتری تمہارے رب کی طرف سے اور اللہ خاص کر لیتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر: (ذرا بھی پسند نہیں کرتے کافر لوگ) خواہ (ان اہل کتاب میں سے) ہوں (اور) خواہ (مشرکین میں سے اس بات کو کہ تم کو تمہارے پروردگار کی طرف سے کسی طرح کی بہتری) بھی (نصیب ہو اور) ان کے حسد سے کچھ بھی نہیں ہوتا کیونکہ (اللہ تو اپنی رحمت) وعنایت (کے ساتھ جس کو منظور ہوتا ہے مخصوص فرما لیتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ بڑا فضل) کرنے (والے ہیں)

آٹھویں قباحت: تحویل قبلہ پر طعنہ زنی

جب قبلہ کی تبدیلی کا واقعہ ہوا تو یہود نے اس پر طعن کیا اور مشرکین بھی بعض احکام کی منسوخی پر زبان طعن دراز کرتے تھے حق تعالیٰ ان کے طعن اور اعتراض کا جواب دیتے ہیں۔

مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: جو منسوخ کرتے ہیں ہم کسی آیت (کے حکم) کو یا اس (آیت) کو فراموش کرا دیتے ہیں تو لے آتے ہیں اس سے بہتر یا اس کی مثل۔ کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے، کیا تجھ کو معلوم نہیں کہ اللہ ہی کے لئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور نہیں تمہارے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار۔

تفسیر: (ہم کسی آیت کا جو حکم موقوف کر دیتے ہیں) گو آیت قرآن میں یا ذہنوں میں باقی رہے (یا اس آیت) ہی (کو) ذہنوں سے (فراموش کرا دیتے ہیں تو) یہ کوئی اعتراض کی بات نہیں، کیونکہ اس میں بھی مصلحت ہوتی ہے چنانچہ (ہم) اسکی جگہ (اس آیت سے بہتر یا اس آیت ہی کے مثل لے آتے ہیں) اے معترض (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ہر شے پر قدرت رکھتے ہیں) پس ایسے قادر کو مصلحتوں

کی رعایت کیا مشکل ہے اور (کیا تجھ کو یہ معلوم نہیں کہ حق تعالیٰ ایسے ہیں کہ خاص انہی کی سلطنت آسمانوں اور زمین پر ہے) جب ان کی اس قدرت و سلطنت میں کوئی شریک و سہیم نہیں ہے تو ان مصلحتوں کی رعایت کر کے دوسرا حکم دے دینے میں کون مزاحمت کر سکتا ہے، غرض حکم ثانی کی تجویز سے بھی کوئی مانع نہیں اور اس حکم کے جاری کر دینے میں بھی کوئی مانع نہیں (اور) یہ بھی سمجھ رکھو کہ (تمہارا حق تعالیٰ کے سوا کوئی یار و مددگار بھی نہیں، پس جب وہ یار ہیں تو احکام میں مصلحت کی ضرور رعایت کریں گے اور جب مددگار ہیں تو ان احکام پر عمل کرنے کے وقت تمہارے مخالفین کی مزاحمت سے بھی ضرور محفوظ رکھیں گے البتہ اگر اس ضرر کی وجہ سے اس سے بڑھ کر کوئی نفع اخروی ملنے والا ہو تو ظاہراً مخالف کا مسلط ہو جانا اور بات ہے۔

ربط: مسلمانوں کو دھوکہ دینے کی خاطر بعض یہود نے حضور ﷺ کی خدمت میں عناداً عرض کیا کہ جس طرح موسیٰ علیہ السلام پر ایک ہی دفعہ تورات نازل ہوئی اسی طرح آپ بھی قرآن لاتے اور اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوں اس پر مسلمانوں سے ارشاد ہوتا ہے کہ

اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾

ترجمہ: کیا تم مسلمان بھی چاہتے ہو کہ درخواست کرو اپنے رسول سے جیسے درخواستیں ہو چکی ہیں موسیٰ سے اس سے پہلے اور جو کوئی کفر لے ایمان کے بدلے تو وہ بہکا سیدھی راہ سے۔

تفسیر: یہود کی باتوں سے متاثر ہو کر (ہاں کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے) بیجا بیجا (درخواستیں کرو جیسا کہ اس کے قبل) یہود کے بزرگوں کی طرف سے حضرت (موسیٰ) علیہ السلام (سے بھی) ایسی ایسی (درخواستیں کی جا چکی ہیں) مثلاً خدا تعالیٰ کو علانیہ دیکھنے کی درخواست کی تھی، اور ایسی درخواستیں جن سے صرف رسولؑ پر اعتراض کرنا اور اللہ تعالیٰ کی مصلحتوں میں مزاحمت کرنا ہی مقصود ہو اور ایمان لانے کا پھر بھی ارادہ نہ ہو نری کفر کی باتیں ہیں اور (جو شخص ایمان کی بجائے کفر) کی باتیں (کرے بلاشک وہ شخص راہ راست سے دور جا پڑا)

نویں قباحت: بعض یہود شب و روز مختلف تدبیروں سے دوستی اور خیر خواہی کے پیرایہ میں مسلمانوں کو اسلام سے پھیرنے کی کوشش کیا کرتے تھے اور باوجود ناکامی کے اپنی دھن سے باز نہ آتے تھے۔ حق تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس پر متنبہ فرمادیا کہ

وَدَّ كَثِيْرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْحَقُّ ۚ

فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۹﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۱۱۰﴾

ترجمہ: چاہتے ہیں بہت سے اہل کتاب کہ تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد پھیر کر کافر بنادیں بسبب اپنے دل کے حسد کے اس کے بعد کہ ظاہر ہو چکا ان پر حق سو تم اب معاف کرو اور درگذر کرو یہاں تک کہ بھیجے اللہ اپنا حکم بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور قائم رکھو نماز اور دیتے رہو زکوٰۃ اور جو کچھ آگے بھیجدو گے اپنے واسطے نیک کام پاؤ گے اس کو اللہ کے پاس، بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (ان اہل کتاب) یعنی یہود (میں سے بہتیرے دل سے یہ چاہتے ہیں کہ تم کو تمہارے ایمان لائے پیچھے پھر کافر کر ڈالیں) اور یہ چاہنا کچھ خیر خواہی سے نہیں، جیسا کہ وہ اظہار کرتے ہیں، بلکہ (محض حسد کی وجہ سے جو کہ) تمہاری جانب سے کسی بات کے سبب پیدا نہیں ہوا، بلکہ (خود ان کے دلوں ہی سے) جوش مارتا (ہے) اور یہ بھی نہیں کہ ان کو حق واضح نہ ہوا ہو، بلکہ (حق واضح ہونے کے بعد) یہ حالت ہے۔ یہود کی یہ بات معلوم ہونے پر مسلمانوں کو ان پر غصہ آنے کا موقع تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ (خیر) اب تو (معاف کرو اور درگزر کرو جب تک حق تعالیٰ) اس معاملہ کے متعلق (اپنا حکم) قانون جدید (بھیجیں) اس میں اس طرف اشارہ کر دیا کہ ان کی شرارتوں کا علاج امن عامہ کے قانون انتظام یعنی قتال و جزیہ سے ہم جلد کرنے والے ہیں۔ اس پر مسلمانوں کو اپنا ضعف اور ان کی قوت دیکھ کر اس قانون کے اجراء کے متعلق تعجب ہو سکتا تھا اس لئے ارشاد ہوتا ہے کہ تم تعجب کیوں کرتے ہو (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) خواہ وہ معمولی ہو خواہ عجیب ہو (قادر ہیں اور تم) سردست صرف (نمازیں پابندی سے پڑھے جاؤ اور) جن پر زکوٰۃ فرض ہے (زکوٰۃ دیئے جاؤ) اور جب وہ قانون آجائے گا ان اعمال صالحہ کے ساتھ اس کا بھی اضافہ کر لینا (اور) یہ نہ سمجھو کہ جب تک جہاد کا حکم نہ آئے صرف نماز روزہ سے کچھ ثواب میں کمی رہے گی، نہیں، بلکہ (جو نیک کام بھی اپنی بھلائی کے واسطے جمع کرتے رہو گے، حق تعالیٰ کے پاس) پہنچ کر (اس کو) پورا پورا مع صلہ کے (پالو گے کیونکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کئے ہوئے کاموں کی دیکھ بھال کر رہے ہیں) ان میں کا ایک ذرہ بھی ضائع نہ ہونے پائے گا۔

فائدہ: اس وقت کی حالت کا یہی تقاضا تھا، پھر حق تعالیٰ نے اس وعدے کو پورا فرمایا اور جہاد کی آیات نازل ہوئیں، جس کے بعد یہود کے ساتھ بھی وہ قانون برتا گیا اور ناشائستہ لوگوں کے ساتھ حسب

حیثیت ان کے فساد کے بدلے قتل یا جلا وطنی یا جزیہ پر عملدر آمد کیا گیا۔

دسویں قباحت: غلط اور بے بنیاد دعوے

وَقَالُوا لَنْ يَدْخُلَ الْجَنَّةَ إِلَّا مَنْ كَانَ هُودًا أَوْ نَصٰرٰى ۗ تِلْكَ أَمَانِيُّهُمْ ۗ قُلْ هَاتُوا بُرْهَانَكُمْ إِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِينَ ﴿١١١﴾ بَلٰى ۚ مَنْ أَسْلَمَ وَجْهَهُ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ فَلَهُ أَجْرُهُ عِنْدَ رَبِّهِ ۖ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہرگز نہ جائیں گے جنت میں مگر جو ہوں گے یہودی یا نصرانی۔ یہ آرزوئیں باندھ لی ہیں انہوں نے۔ کہہ دے لے آؤ دلیل اپنی اگر تم سچے ہو، کیوں نہیں (جائیں گے بلکہ) جس نے تابع کر دیا اپنا رخ اللہ کے اور وہ مخلص بھی ہے تو اس کے لئے ہے ثواب اس کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (اور یہود نصاریٰ) یوں (کہتے ہیں کہ بہشت میں ہرگز کوئی نہ جانے پائے گا سوائے ان لوگوں کے جو یہودی ہوں) یہ تو یہود کا قول ہے (یا ان لوگوں کے جو نصرانی ہوں) یہ نصاریٰ کا قول ہے، حق تعالیٰ ان کی تردید کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ) خالی (دل بہلانے کی باتیں ہیں) اور حقیقت کچھ بھی نہیں (آپ) ان سے یہ تو) کہئے کہ) اچھا اپنی (دلیل لاؤ اگر تم) اس دعوے میں (سچے ہو)۔ سو وہ تو کیا دلیل لائیں گے کیونکہ کوئی دلیل ہے ہی نہیں بلکہ اب ہم اس کے خلاف پہلے تو یہ دعوی کرتے ہیں کہ (ضرور دوسرے لوگ) بھی جنت میں (جائیں گے) پھر اس پر دلیل لاتے ہیں کہ ہمارا قانون جو سماوی ملتوں کے ماننے والوں کے اتفاق سے پایہ ثبوت کو پہنچ چکا ہے یہ ہے کہ (جو کوئی شخص بھی اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے) یعنی عقائد و اعمال میں فرمانبرداری اختیار کرے (اور) اس کے ساتھ (وہ مخلص بھی ہو) کہ فرمانبرداری دلی طور پر اختیار کی ہو، محض مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو (تو ایسے شخص کو اس) کی فرمانبرداری (کا عوض ملتا ہے اپنے پروردگار کے پاس پہنچ کر اور ایسے لوگوں پر) قیامت میں (نہ کوئی اندیشہ ناک واقعہ پڑنے والا (ہے اور نہ ایسے لوگ) اس روز (مغموم ہونے والے ہیں) کیونکہ فرشتے ان کو بشارتیں سنا کر بے فکر کر دیں گے۔

اس استدلال کا حاصل یہ ہے کہ جب یہ قانون مسلم ہے تو اب صرف یہ دیکھ لو کہ یہ بات کس پر صادق آتی ہے؟ سو ظاہر ہے کہ کسی سابق حکم کے منسوخ ہو جانے کے بعد اس پر عمل کرنے والا کسی بھی طور پر فرمانبردار نہیں کہلا سکتا لہذا یہود و نصاری فرمانبردار نہ ہوئے بلکہ نئے حکم پر عمل کرنا فرمانبرداری

سمجھی جائے گی اور یہ شان مسلمانوں کی ہے کہ نبوت و شریعت محمد یہ کو قبول کیا چنانچہ یہی جنت میں داخل ہونے والے شمار ہوئے۔

ایک بار کچھ یہودی اور کچھ نصرانی جمع ہو کر مذہبی مباحثہ کرنے لگے تو یہود تو اپنے عقیدہ کے موافق نصاری کے دین کو باطل بتاتے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت اور انجیل کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرتے تھے مگر نصاری بھی ضد اور تعصب میں آکر یہود کے دین کو بے اصل و باطل کہنے لگے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور توریت کے کتاب اللہ ہونے کا انکار کرنے لگے۔ اللہ تعالیٰ بطور تردید فرماتے ہیں۔

وَقَالَتِ الْيَهُودُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَىْءٍ وَّ قَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُودُ عَلٰى شَىْءٍ وَّهُمْ يَتْلُونَ الْكِتٰبَ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ: اور یہود کہنے لگے کہ نصاریٰ نہیں کسی بنیاد پر اور نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود نہیں کسی بنیاد پر حالانکہ سب پڑھتے ہیں کتاب۔ اسی طرح کہی ان لوگوں نے جو علم نہیں رکھتے انہی کی سی بات۔ اب اللہ حکم کرے گا ان میں قیامت کے دن جس بات میں جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (اور یہود کہنے لگے کہ نصاری) کا مذہب (کسی بنیاد پر) قائم (نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (اور اسی طرح نصاریٰ کہنے لگے کہ یہود کا مذہب کسی بنیاد پر قائم نہیں) یعنی سرے سے غلط ہے (حالانکہ یہ سب) فریقین کے لوگ آسمانی (کتابیں) بھی (پڑھتے) پڑھاتے (ہیں) یعنی یہود توریت کو اور عیسائی انجیل کو پڑھتے اور دیکھتے ہیں اور دونوں کتابوں میں دونوں رسولوں اور دونوں کتابوں کی تصدیق موجود ہے جو کہ دونوں مذہبوں کی اصل بنیاد ہے گو منسوخ ہو جانے کی بناپر قابل عمل نہ ہو یہ اور بات ہے۔

اور اہل کتاب تو ایسے دعوے کرتے ہی تھے انکی دیکھا دیکھی مشرکین کو بھی جوش آیا اور (اسی طرح سے یہ لوگ) بھی (جو کہ محض بے علم ہیں ان اہل کتاب کا سا قول دہرانے لگے) کہ ان یہود و نصاری سب کا دین بے بنیاد ہے۔ حق پر بس ہم ہی ہیں (سو) یہاں سب اپنی اپنی ہانک لیں (اللہ تعالیٰ ان سب کے درمیان) عملی (فیصلہ کر دیں گے قیامت کے دن ان تمام مقدمات میں جن میں وہ باہم اختلاف کر رہے تھے) اور وہ عملی فیصلہ یہ ہو گا کہ ان تینوں باطل جماعتوں کو جہنم میں پھینک دیا جائے گا جب کہ اہل حق کو جنت میں داخل کیا جائے گا۔ عملی فیصلہ کی قید اس لئے لگائی کہ قولی اور برہانی فیصلہ تو عقلی اور نقلی دلائل کے ذریعہ دنیا میں

بھی ہو چکا ہے۔

گیارہویں قباحت: اللہ کی مساجد کو ویران کرنے کی کوشش

یہود تو قبلہ کا حکم بدلنے کے وقت طرح طرح کے اعتراض کر کے کم سمجھ لوگوں کے دلوں میں شبہات پیدا کرتے تھے، اگر وہ شبہات عام طور پر قلوب میں اثر کرتے تو ان کا لازمی نتیجہ انکار رسالت اور ترک نماز نکلتا اور ترک نماز سے مسجد کی ویرانی لازم ہے، تو گویا یہ یہودی اس طور سے ترک نماز اور مساجد خصوصاً مسجد نبوی ﷺ کی ویرانی میں بھی کوشاں تھے۔ اور روم کے بعض مشرک حکمران جو نصاریٰ کے اسلاف تھے اور گو وہ نصرانی نہ تھے لیکن ان کے افعال کا انکار بھی نہ کرتے تھے، کسی زمانے میں شام کے یہود پر چڑھ آئے تھے، قتل و قتال بھی ہوا اور اس وقت بعض جہلاء کے ہاتھ سے مسجد بیت المقدس کی بے حرمتی بھی ہوئی اور بدامنی کی وجہ سے اس میں نماز وغیرہ کا اہتمام بھی نہ ہوا، اس طور پر نصاریٰ کے اسلاف ترک نماز اور ویرانی مسجد کے بانی ہوئے اور نصاریٰ پر اس وجہ سے کہ وہ اس فعل پر راضی تھے اس کا الزام دیا گیا، اس بادشاہ کا نام طیطس (TITUS) تھا اور نصاریٰ کو یہ قصہ اس لئے گوارا تھا کہ اس میں یہودیوں کی تذلیل ہوئی تھی اور یہ یہود سے عداوت رکھتے تھے۔ اور جناب رسول اللہ ﷺ نے فتح مکہ سے پہلے جب مکہ معظمہ میں داخل ہو کر مسجد الحرام کا طواف اور نماز ادا فرمانی چاہی تو مشرکین مکہ نے آپ کو نہ جانے دیا یہاں تک کہ آپؐ اس سال واپس تشریف لے آئے، تو اس طرح یہ مشرکین بھی مسجد حرام کی ویرانی میں کوشاں ہوئے، اس لئے حق تعالیٰ نے صیغہ عموم سے اس کی قباحت اور برائی ظاہر فرمائی، یعنی

وَمَنْ أَظْلَمُ مِمَّنْ مَنَعَ مَسَاجِدَ اللَّهِ أَنْ يُذْكَرَ فِيهَا اسْمُهُ وَسَعَىٰ فِي خَرَابِهَا ۚ أُولَٰئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ أَنْ يَدْخُلُوهَا إِلَّا خَائِفِينَ ۚ لَهُمْ فِي الدُّنْيَا خِزْيٌ وَلَهُمْ فِي الْآخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿١١٤﴾

ترجمہ: اور اس سے بڑا ظالم کون ہو گا جس نے منع کیا اللہ کی مسجدوں میں کہ لیا جائے وہاں نام اس کا اور کوشش کی ان کے اجاڑنے میں۔ ایسوں کو لائق نہیں کہ داخل ہوں ان میں مگر ڈرتے ہوئے۔ ان کے لئے دنیا میں ذلت ہے اور ان کے لئے آخرت میں بڑا عذاب ہے۔

تفسیر: (اور اس شخص سے زیادہ اور کون ظالم ہو گا جو خدا تعالیٰ کی مسجدوں میں) جس میں مکہ کی مسجد حرام، مدینہ کی مسجد، بیت المقدس کی مسجد اور سب مسجدیں آگئیں (ان کا ذکر) اور عبادت (کئے جانے سے بندش کرے اور ان) مساجد (کے ویران) اور معطل (ہونے) کے بارے (میں کوشش کرے ان لوگوں کو تو کبھی بے ہیبت) اور بیباک (ہو کر ان) مساجد (میں قدم بھی نہ رکھنا چاہئے تھا) بلکہ جب جاتے تو نہایت عظمت و حرمت و ادب سے جاتے۔ جب بیباک ہو کر اندر جانے تک کا استحقاق نہیں تو اس کی ہتک

حرمت کا حق کب حاصل ہے، اسی کو ظلم فرمایا گیا (ان لوگوں کو دنیا میں بھی رسوائی) نصیب (ہوگی اور ان کو آخرت میں بھی سزائے عظیم ہوگی)۔

بارہویں قباحت: حکم الٰہی پر اعتراض: یہود نے تبدیل قبلہ کے حکم پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان سابقہ جہت سے دوسری جہت کی طرف کیوں پھر گئے، اس کا جواب دیتے ہوئے حق تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿١١٥﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب سو جس طرف تم منہ کرو وہاں ہی متوجہ ہے اللہ۔ بیشک اللہ بے انتہا بخشش کرنے والا سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (اور اللہ ہی کی مملوک ہیں) سب جہتیں (مشرق بھی اور مغرب بھی) اور وہ اللہ کا مکان نہیں کہ وہ ان میں سمائے ہوئے ہوں۔ پس جب وہ مالک ہیں جس جہت کو چاہیں قبلہ مقرر کر دیں، پھر تعیین قبلہ کی حکمت میں مثلاً یہ ہے کہ عبادت گذاروں کی ہیئت ایک ہو اور انکو دلجمعی حاصل ہو اور یہ حکمت ہر جہت سے حاصل ہو سکتی ہے، جس کا حکم دیدیں وہی متعین ہو جائے گی، ہاں البتہ اگر معبود کی ذات نعوذ باللہ کسی خاص جہت ہی میں ہوتی تو ضرورت کی وجہ سے اس جہت میں قبلہ کا انحصار مناسب تھا۔ لیکن ذات الٰہی کسی جہت کے ساتھ مقید و محدود نہیں۔ جب یہ بات ہے (تو تم لوگ جس طرف بھی منہ کرو ادھر) ہی (اللہ تعالیٰ) کی ذات پاک (کا رخ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ) خود تمام جہات اور اشیاء کو (محیط ہیں) اور اس طرح سے احاطہ کئے ہوئے ہیں جس طرح کا احاطہ ان کی شان کے لائق ہے، لیکن محیط و غیر محدود ہونے کے باوجود پھر بھی عبادت کی جہت کو متعین اس لئے فرمایا کہ وہ (کامل العلم ہیں) کہ ہر شے کی مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں اور چونکہ ان کے علم میں یہ تعیین بعض مصلحتوں سے تھی، اس لئے اس کا حکم دیدیا۔

تیرہویں قباحت: یہود کا اللہ تعالیٰ کے لئے بیٹا ماننا

بعض یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہتے تھے اور ان کے علاوہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا اور مشرکین عرب فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے تھے۔ ان کے قول کی قباحت اور بطلان کا بیان ہوتا ہے۔

وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ۭ بَلْ لَّهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿١١٦﴾ بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ﴿١١٧﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ اللہ رکھتا ہے اولاد۔ وہ تو (ایسی سب باتوں سے) پاک ہے، بلکہ اسی کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں سب اسی کے تابعدار ہیں، ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا اور جب پورا کرنا چاہتا ہے کسی کام کو تو یہی فرماتا ہے اس کو کہ ہو جا پس وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (اور یہ لوگ) مختلف عنوان سے (کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ اولاد رکھتا ہے سبحان اللہ) کیا مہمل بات ہے (بلکہ) اللہ کی تو اولاد ہونا عقلاً ممکن نہیں، کیونکہ دو حال سے خالی نہیں، یا تو اولاد غیر جنس ہو گی اور یا ہم جنس ہو گی، اگر غیر جنس ہو تب تو نا جنس اولاد ہونا عیب ہے، جب کہ حق تعالیٰ ہر عیب سے پاک ہیں عقلاً بھی جیسا کہ سب کے نزدیک مسلم ہے اور نقلاً بھی جیسا کہ خود سبحانہ کے لفظ سے معلوم ہوا اور اگر ہم جنس ہو تو اس لئے باطل ہے کہ حق تعالیٰ کا کوئی ہم جنس نہیں، کیونکہ جو صفات کمال اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے لازم ہیں وہ اللہ کے ساتھ مخصوص ہیں اور غیر اللہ میں معدوم ہیں، جب اللہ تعالیٰ کی سی صفات کمال کسی دوسرے میں ہیں ہی نہیں تو دوسرا خدا کیسے ہو سکتا ہے اور وہ خدا کا ہم جنس کیونکر ہو سکتا ہے کیونکہ ہم جنس تو وہی ہو سکتا ہے جس میں تمام خدائی اوصاف ہوں جو خدا کے لئے لازم ہیں۔ اب صفات کمال صرف حق تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہونے کی دلیلیں مذکور ہوتی ہیں اول یہ کہ (خاص اللہ تعالیٰ کے مملوک ہیں جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں) موجودات (ہیں) اور دوسرے یہ کہ مملوک ہونے کے ساتھ (سب ان کے محکوم) بھی (ہیں) بایں معنی کہ ان کے تصرفات قدرت جیسے مارنا، جلانا وغیرہ کو کوئی نہیں ہٹا سکتا، گو احکام شرعیہ کو کوئی ٹال دے اور ان پر عمل نہ کرے اور تیسرے یہ کہ حق تعالیٰ (موجد) بھی ہیں (آسمانوں اور زمین کے اور) چوتھے یہ کہ ایجاد کی قدرت بھی ایسی عظیم و عجیب ہے کہ (جب کسی کام) مثلاً پیدا ہی کرنے (کو پورا کرنا چاہتے ہیں تو بس) اتنی بات ہے کہ (اس کو) اتنا (فرما دیتے ہیں کہ ہو جا، بس وہ) اسی طرح (ہو جاتا ہے) ان کو آلات و اسباب اور صناعوں اور مددگاروں کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور یہ چاروں باتیں سوائے حق تعالیٰ کے کسی میں نہیں پائی جاتیں اور یہ اللہ کے لئے اولاد کے دعویداروں کو بھی تسلیم تھا، لہذا دلیل سے خصوصیت کا دعویٰ بھی ثابت ہو کر حجت تمام ہو گئی۔

فوائد: خاص خاص کاموں مثلاً بارش، رزق وغیرہ پر خاص خاص ملائکہ کو مقرر کرنا، اور اسی طرح اسباب اور مادے اور قوتوں سے کام لینا، یہ سب کسی حکمت خداوندی کی بنا پر ہوتا ہے، اس لئے نہیں کہ لوگ انہیں اسباب و قوتوں کو حاجت روا مان کر استعانت و مدد کے طلب گار ہوں۔

چودھویں قباحت: حق طلبی سے نہیں بلکہ محض ضد سے معجزے طلب کرنا

وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں وہ لوگ جو کچھ نہیں جانتے کیوں نہیں بات کرتا ہم سے اللہ یا کیوں نہیں آتی ہمارے پاس کوئی دلیل۔ اسی طرح کہتے چلے آئے ہیں وہ لوگ جو ان سے پہلے تھے انہی کی سی بات۔ ایک سے ہیں دل ان کے۔ بے شک ہم نے بیان کر دیں صاف صاف دلیلیں ان لوگوں کے واسطے جو یقین چاہتے ہیں۔

تفسیر: (اور) بعضے (جاہل) یہود و نصاریٰ اور مشرکین، رسول اللہ ﷺ کے مقابلہ میں (یوں کہتے ہیں کہ) خود (اللہ تعالیٰ ہم سے کلام کیوں نہیں فرماتے) خواہ کسی واسطہ کے بغیر جیسے خود فرشتوں سے کلام فرماتے ہیں، یا فرشتوں کے واسطے سے جیسے پیغمبروں سے بطور وحی بات کرتے ہیں اور اس کلام میں یا تو خود ہم کو احکام بتادیں کہ رسول کی ہم کو ضرورت ہی نہ رہے یا کم از کم اتنا ہی کہہ دیں کہ محمد ﷺ ہمارے رسول ہیں، تو ہم ان کی ہی رسالت کے قائل ہو کر ان کی اطاعت کرنے لگیں (یا) کلام نہیں کرتے تو ثبوت رسالت کی (ہمارے پاس کوئی اور ہی دلیل آجائے) حق تعالیٰ اولاً اس بات کا جاہلانہ رسم ہونا بتاتے ہیں کہ (اس طرح وہ) جاہل (لوگ بھی کہتے چلے آئے ہیں جو ان سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان ہی کا سا) جاہلانہ (قول) سو معلوم ہوا کہ یہ قول کوئی باوقعت اور باریک بینی پر مبنی نہیں، یوں ہی ہانک دیا جاتا ہے، پھر ثانیاً اس قول کا منشاء اور سبب بیان فرماتے ہیں کہ (ان سب) اگلے پچھلے جاہلوں (کے قلوب) کج فہمی میں (باہم ایک دوسرے کے مشابہ ہیں) اس لئے سب سے بات بھی ایک ہی سی پیدا ہوئی، پھر ثالثاً اس قول کا جواب دیتے ہیں اور چونکہ اس قول کا جزو اول حماقت محض تھا کہ اپنے کو باوجود جہالت اور بے علمی کے ملائکہ اور انبیا کا ہم پلہ بنانا چاہتے تھے اور اس کا باطل ہونا بالکل واضح ہے، اس لئے اس احمقانہ بات کو نظر انداز کر کے صرف دوسرے جزو کا جواب ارشاد ہوتا ہے کہ تم تو ایک دلیل کو لئے پھرتے ہو (ہم نے تو بہت سی دلیلیں) رسالت محمدیہ کے ثبوت میں (صاف صاف بیان کر دی ہیں) مگر وہ (ان لوگوں کے لئے) نافع و کافی ہو سکتی ہیں (جو یقین) اور اطمینان حاصل کرنا (چاہتے ہیں) اور چونکہ معترضین کو محض ضد اور کد ہی مقصود ہے اس لئے حق پالینے کی غرض سے ان کو تحقیق ہی منظور نہیں، سو ایسوں کی تسلی و تشفی کا کون ذمہ دار بنے۔

فائدہ: یہود و نصاریٰ تو اہل کتاب تھے، ان میں اہل علم بھی تھے، اس کے باوجود کو اللہ تعالیٰ نے جو

ان کو جاہل فرمایا تو اس لئے کہ باوجودیکہ قطعی اور قوی دلائل کثرت سے قائم کردیئے گئے تھے پھر بھی جو انکار کئے جارہے تھے تو جہالت نہیں تو اور کیا تھا، اور یہ جاہلوں ہی کی سی بات کہلائے گی، لہٰذا اللہ تعالیٰ نے بھی ان کو جاہل فرمایا۔

ربط: چونکہ یہاں اس کا مقام تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو ان کی اس جہالت اور عناد سے دلی تنگی ہو جاتی اور ان کے ایمان لانے کی کوئی صورت سمجھ میں نہ آنے سے غم ہوتا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں آپ کو تسلی فرماتے ہیں۔

إِنَّآ أَرْسَلْنَٰكَ بِٱلْحَقِّ بَشِيرًا وَنَذِيرًا ۖ وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ أَصْحَٰبِ ٱلْجَحِيمِ ﴿١١٩﴾

ترجمہ: بیشک ہم نے تجھ کو بھیجا ہے سچا دین دے کر خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا اور تجھ سے پوچھ نہیں ہوگی دوزخ میں جانے والوں کی۔

تفسیر: اے رسولؐ (ہم نے آپ کو ایک سچا دین دے کر) خلق کی طرف (بھیجا ہے کہ) ماننے والوں کو (خوش خبری سناتے رہئے اور) نہ ماننے والوں کو سزا سے ڈراتے رہئے اور آپ سے دوزخ میں جانے والوں کی باز پرس نہ ہوگی) کہ ان لوگوں نے کیوں نہیں قبول کیا اور کیوں دوزخ میں گئے، آپ اپنا کام کرتے رہئے، آپ کو کسی کے ماننے یا نہ ماننے کی کوئی فکر نہیں کرنی چاہئے۔

ربط: یہاں تک یہود کی چند قباحتیں جن میں سے بعض میں نصاریٰ بھی شریک ہیں بیان فرمائی گئیں۔ آگے یہ بتانا مقصود ہے کہ ایسے ہٹ دھرم لوگوں سے ایمان کی امید نہ رکھنا چاہئے جو نعوذ باللہ آپ ﷺ کو اپنی راہ پر چلانے کی فکر میں ہیں۔

وَلَن تَرْضَىٰ عَنكَ ٱلْيَهُودُ وَلَا ٱلنَّصَٰرَىٰ حَتَّىٰ تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ۗ قُلْ إِنَّ هُدَى ٱللَّهِ هُوَ ٱلْهُدَىٰ ۗ وَلَئِنِ ٱتَّبَعْتَ أَهْوَآءَهُم بَعْدَ ٱلَّذِى جَآءَكَ مِنَ ٱلْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ ٱللَّهِ مِن وَلِىٍّ وَلَا نَصِيرٍ ﴿١٢٠﴾

ترجمہ: اور ہرگز راضی نہ ہوں گے تجھ سے یہود اور نہ نصاریٰ جب تک تو تابع نہ ہو جائے ان کے دین کا، تو کہہ دے اللہ کی راہ ہدایت ہی راہ ہدایت ہے اور اگر تو تابعداری کرنے لگے ان کی خواہشوں کی بعد اس علم کے جو تیرے پاس آیا، تو تیرا کوئی نہیں اللہ کے ہاتھ سے حمایت کرنے والا اور نہ مددگار۔

تفسیر: اور کبھی خوش نہ ہوں گے آپ سے یہ یہود اور نہ یہ نصاریٰ جب تک کہ آپؐ خدانخواستہ ان کے مذہب کے) بالکل (پیرو نہ ہو جائیں) اور یہ محال ہے، (پس ان) کا راضی ہونا بھی محال ہے۔ اور اگر کبھی اس قسم کی بات ان کی زبان یا حال سے مترشح ہو تو (آپ) صاف (کہہ دیجئے کہ) بھائی (حقیقت میں ہدایت کا تو وہی راستہ ہے جس کو خدا نے) ہدایت کا راستہ (بتایا ہے) اور دلائل سے ایسا راستہ صرف اسلام ہونا ثابت ہو چکا ہے، لہذا راہ ہدایت وہی رہا (اور) یہ بات کہ آپ نعوذ باللہ ان کے مذہب کے پیرو ہو جائیں اس لئے محال ہے کہ اس سے ایک اور محال لازم آتا ہے کیونکہ (اگر آپ ان کے غلط خیالات کا اتباع کرنے لگیں) جس کو وہ اپنا مذہب سمجھتے ہیں، مگر ایک تو تحریف ہونے کی وجہ سے اور دوسرے منسوخ ہو جانے سے اب وہ محض چند غلط خیالات کا مجموعہ رہ گیا ہے، اور پھر اتباع بھی کیسی حالت میں کہ (علم) قطعی ثابت بالوحی (آچکنے کے بعد تو) ایسی حالت میں تو (آپ کا کوئی خدا سے بچانے والا نہ یار ہوگا نہ مددگار) بلکہ توبہ توبہ پنجہ قہر میں گرفتار ہو جانا لازم آئے گا اور یہ لازم محال ہے، کیونکہ قطعی دلائل سے آپؐ کے لئے حق تعالیٰ کی رضامندی کا دوام ثابت ہے، پس غضب محال ہے، اور چونکہ مذکور اتباع سے یہ لازم آیا تھا، اس لئے مذکور اتباع بھی محال، اور بغیر اتباع کے ان کا راضی ہونا غیر ممکن، تو ایسی بات کی امید کرنے کی کوئی گنجائش نہیں، اس لئے اس سے دل کو خالی کر لینا چاہئے۔

ربط: یہاں تک اہل کتاب میں سے معاندین کا ذکر تھا۔ اس کے بعد قرآن کی حسب عادت انصاف پسند اہل کتاب کا بیان ہے جنہوں نے حق واضح ہونے کے بعد جناب رسول اللہ ﷺ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع اختیار کر لیا۔ لہذا ارشاد ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ۭ اُولٰۗىِٕكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

ترجمہ: وہ لوگ جن کو دی ہم نے کتاب (جب) وہ اس کو پڑھتے رہے جیسا حق ہے اس کے پڑھنے کا وہی اس پر ایمان لاتے ہیں اور جو کوئی منکر ہوگا اس سے تو وہی لوگ نقصان پانے والے ہیں۔

تفسیر: (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات وانجیل (دی بشرطیکہ وہ اس کی تلاوت) اس طرح (کرتے رہے جس طرح تلاوت کا حق ہے) کہ قوت علمیہ کو مضامین کے سمجھنے میں خرچ کیا اور قوت ارادیہ کو اتباع حق کا عزم کرنے میں استعمال کیا (ایسے لوگ) البتہ آپؐ کے (اس) دین حق اور علم وحی (پر ایمان لے آتے ہیں، اور جو شخص نہ مانے گا) کس کا نقصان کرے گا (خود ہی ایسے لوگ خسارہ میں رہیں گے) کہ ایمان پر جو ثمرات عطا ہوتے ہیں ان سے محروم رہیں گے۔

اوپر کی آیت تک نبی اسرائیل کے متعلق جن خاص مضامین کا بیان کرنا مقصود تھا وہ تو ختم ہوئے، اب ان مضامین کی ابتدائی تمہید جس کے اجمال کے یہ سارے مضامین تفصیل تھے، اس کو دوبارہ پھر بیان کرتے ہیں، جس کا مقصد یہ ہے کہ تمہید کا اصل مضمون (یعنی ترغیب کے لئے عام و خاص انعامات کا یاد دلانا، اور ترہیب کے لئے قیامت کو پیش نظر کر دینا) تکرار کی وجہ سے خوب ذہن نشین ہو جائے کیونکہ اصل مقصود تو کلیات اور اصول ہوتے ہیں، جن کا استحضار ان کے اختصار کی وجہ سے سہل اور آسان ہوتا ہے اور ان کی جامعیت کے ذریعہ سے ان کے جزئیات کا محفوظ رکھنا آسان ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں گفتگو اور تقریر میں انتہائی بلیغ سمجھا جاتا ہے کہ مفصل اور طویل بات کرنے سے پہلے اختصار کے ساتھ اجمالی بیان کر دیا جائے جو آگے کی تفصیلات کو سمجھنے میں معین و مددگار ہو، اور آخر میں بطور خلاصہ اور نتیجہ اسی اجمالی بیان کا پھر اعادہ کر دیا جائے، مثلاً یہ کہا جائے کہ تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اس میں ایک ضرر یہ ہے دوسرا یہ ہے تیسرا یہ ہے اس طرح دس بیس مضرتیں گنوا کر پھر آخر میں کہہ دیا جائے کہ غرض تکبر بڑی مضر خصلت ہے، اسی طور پر اس آیت یٰبنی اسرائیل کا اعادہ فرمایا گیا ہے۔

يٰبَنِىْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِىَ الَّتِىْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِىْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْئًا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اے بنی اسرائیل! یاد کرو میری ان نعمتوں کو جن کا میں نے انعام کیا تم پر اور اس کو کہ میں نے تم کو بڑائی دی اہل عالم پر۔ اور ڈرو اس دن سے کہ نہ مطالبہ ادا کر سکے گا کوئی شخص کسی کی طرف سے ذرا بھی اور نہ قبول کیا جائے گا اس کی طرف سے بدلہ اور نہ فائدہ دے گی اس کو سفارش اور نہ وہ مدد کئے جائیں گے۔

تفسیر: (اے اولاد یعقوب) علیہ السلام (میری ان نعمتوں کو یاد کرو جن کا میں نے تم پر) وقتاً فوقتاً (انعام کیا، اور اس کو) بھی یاد کرو کہ (میں نے تم کو بہت لوگوں پر) بہت سی باتوں میں (فوقیت دی اور تم ڈرو ایسے دن سے) یعنی روز قیامت سے (جس میں کوئی شخص کسی کی طرف سے نہ کوئی مطالبہ) اور حق واجب (ادا کرنے پائے گا، اور نہ کسی کی طرف سے کوئی معاوضہ) بجائے حق واجب کے (قبول کیا جائے گا اور نہ کسی کی کوئی سفارش) جب کہ ایمان نہ ہو (مفید ہو گی اور نہ ان لوگوں کو کوئی) بزور (بچا سکے گا)

ربط: یہاں تک بنی اسرائیل کی برائیوں اور نافرمانیوں کا بیان تھا جن میں سے ایک بدعنوانی یہ بھی تھی کہ بعض احکام کے منسوخ کئے جانے پر خصوصاً تحویل قبلہ کے حکم پر ان کا اعتراض تھا جس کا جواب اوپر

کی بعض آیات میں ذکر ہوا ہے۔ چونکہ اس خاص حکم میں ان لوگوں کا شور و شغب زیادہ تھا نیز ضعیف الاعتقاد لوگوں پر اس مخالفت کا اثر ہو جانا بھی کچھ عجیب نہ تھا علاوہ ازیں نماز خود اسلام کا رکن اعظم ہے اور اس بحث کا نماز سے تعلق تھا اس لئے ان اسباب کا تقاضا ہے کہ اس بارے میں کسی قدر تفصیل سے کلام کیا جائے۔ وہ تفصیلی کلام یہاں سے شروع ہو کر تقریباً چار رکوع تک پھیلا ہوا ہے جس کی ترتیب بھی نہایت خوش اسلوب واقع ہوئی ہے کہ پہلے بانی کعبہ کی فضیلت اور ان کا امام خلق ہونا بیان کیا پھر کعبہ کی فضیلت اور اس کی تعمیر کا قصہ ذکر فرمایا اور اس کے سیاق و سباق میں بہت سے مضامین اس کے مناسب اور تائید میں لائے گئے۔ پھر حاکمانہ اختیار سے اس کعبہ کا قبلہ بنانا بیان کیا پھر اس میں جن حکیمانہ مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ان کو ذکر فرمایا اور درمیان میں اور مضامین جو موقع کے مناسب تھے بیان ہوئے جن میں امام القبلتین ﷺ کا حضرت ابراہیم کے ساتھ تعلق و خصوصیت اور آپ کا پوری مخلوق کے لئے نعمت عظمی ہونا بھی بتادیا گیا تاکہ ہر اعتبار سے مضمون مکمل ہو جائے۔

فضیلت بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام

وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّىْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِىْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾

ترجمہ: اور جب آزمایا ابراہیم کو اس کے رب نے چند باتوں میں اور اس نے انکو پورا کر دیا، تب فرمایا میں تجھ کو بناؤں گا سب لوگوں کا پیشوا، بولا اور میری اولاد میں سے بھی۔ فرمایا نہیں پہنچے گا میرا وعدہ ظالموں کو۔

تفسیر: (اور جس وقت امتحان کیا) حضرت (ابراہیم کا ان کے پروردگار نے) اپنے احکام میں سے (چند باتوں میں) مثلاً ان کو پوری قوم اور پورے خاندان کے عقائد و رسوم کے مخالف دین حنیف عطا کیا گیا اور حکم ہوا کہ اس کی تبلیغ کریں۔ اس کی خاطر ان کو انتہائی بھڑکتی آگ میں بھی ڈالا گیا۔ پھر ایک یہ حکم ملا کہ اپنی بیوی اور شیر خوار بچے کو خشک پہاڑ اور بے آب و گیاہ گرم ریگستان میں تنہا چھوڑ کر واپس آ جائیں۔ اور جب وہی بچہ بھاگ دوڑ اور کام کاج کے قابل ہوا تو حکم ہوا کہ اب اس کو اپنے ہاتھ سے ذبح کر دیں۔ ان کے علاوہ طہارت، عبادت اور دیگر امور سے متعلق بہت سے احکام دیئے گئے (اور وہ ان کو پورے طور سے بجا لائے) ہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے بیوی بچے کی بھی حفاظت فرمائی اور بچے کو ذبح ہونے سے بچا کر اس کی جگہ مینڈھا عطا فرمایا۔ امتحانوں میں پورا اترنے پر (اللہ تعالیٰ نے) ان سے (فرمایا کہ میں تم کو سب لوگوں کا پیشوا بناؤں گا۔ انہوں نے عرض کیا اور میری اولاد میں سے بھی کسی کسی کو) پیشوائیت عطا کیجئے گا (ارشاد ہوا

کہ) آپ کی درخواست منظور ہے اور میرا آپ سے وعدہ ہے مگر اس کا ضابطہ سن لیجئے کہ (میرا) یہ (وعدہ) میرے قانون کی (خلاف ورزی کرنے والے کو نہ پہنچے گا) اور ایسے لوگوں کو تو صاف جواب ہے البتہ اطاعت کرنے والوں میں سے بعض کو نبوت و پیشوائیت دی جائے گی۔

فائدہ: امتحان دو غرض سے ہوتا ہے۔ کبھی تو اس واسطے کہ امتحان کرنے والا خود اس شخص کی حالت و لیاقت کو جاننا چاہتا ہے۔ سو یہ امتحان لینا تو ذات حق میں محال ہے کیونکہ ان کو سب کچھ پہلے ہی معلوم ہے۔ اور کبھی امتحان لینے والا خود تو جانتا ہے لیکن دوسرے دیکھنے والوں کی نظر میں اس کی حالت کا پیش کرنا منظور ہوتا ہے تاکہ امتحان دینے والے کی عظمت ثابت ہو جائے اور دوسروں کو محرومی یا ترجیح کی شکایت کا موقع نہ رہے یا اگر امتحان کسی مجرم کا ہے تو خود وہ بھی اپنے دل میں انصاف کر لے اور دوسرے بھی ظلم و زیادتی کا شبہ نہ کر سکیں۔ تو ایسا امتحان لینا حق تعالیٰ کی شان کے خلاف نہیں۔ جہاں کہیں حق تعالیٰ کا بندوں کو امتحان کرنا مذکور ہے وہاں یہی دوسری قسم مراد ہے۔

فضیلت کعبہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَیْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَاۤ اِلٰۤى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ اَنْ طَهِّرَا بَیْتِیَ لِلطَّآئِفِیْنَ وَالْعٰكِفِیْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: اور جب مقرر کیا ہم نے خانہ کعبہ کو اجتماع کی جگہ لوگوں کے واسطے اور امن کی جگہ اور بنالو ابراہیم کے کھڑے ہونے کی جگہ کو نماز کی جگہ اور حکم دیا ہم نے ابراہیم اور اسمٰعیل کو کہ پاک رکھو میرے گھر کو واسطے طواف کرنے والوں کے اور اعتکاف کرنے والوں کے اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے کہ (جس وقت ہم نے خانہ کعبہ کو لوگوں کا معبد) جو کہ جائے ثواب اور جائے اجتماع ہوتا ہے (اور) مقام (امن) ہمیشہ سے (مقرر رکھا اور) آخر میں امت محمدیہ کو حکم دیا کہ برکت حاصل کرنے کے لئے (مقام ابراہیم کو) کبھی کبھی یعنی طواف کے بعد بھی اور اس کے علاوہ بھی (نماز پڑھنے کی جگہ بنالیا کرو۔ اور ہم نے) بناء کعبہ کے وقت حضرت (ابراہیم) و حضرت (اسمٰعیل) علیہما السلام (کی طرف حکم بھیجا کہ میرے) اس (گھر کو خوب پاک) صاف (رکھا کرو طواف کرنے والوں اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے واسطے)

فائدہ: 1- مقام امن دو وجہ سے فرمایا۔ ایک تو یہ کہ اس میں حج و عمرہ اور نماز و طواف کرنے سے

عذاب دوزخ سے امن ہوتا ہے۔ دوسرے اس وجہ سے کہ اگر کوئی قاتل حدود کعبہ یعنی حرم میں جا گھسے تو وہاں اس کو سزائے موت نہ دیں گے البتہ اس کی رسد وغیرہ بند کردیں گے یہاں تک کہ باہر نکل آئے پھر پکڑلیں گے۔ اسی طرح اس جگہ شکار بھی کرنا حرام ہے۔

2- مقام ابراہیم ایک خاص پتھر کا نام ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی عمارت بنائی ہے اور وہ کعبہ کے پاس ایک محفوظ جگہ رکھا ہے۔ وہاں نفلیں اور طواف کی دو رکعتیں پڑھنا ثواب ہے۔

3- آیت میں جو مقام ابراہیم کو اس کے چھوٹے ہونے کے باوجود مصلی فرمایا ہے تو اس کا چھوٹا ہونا اس سے مانع نہیں ہے کیونکہ اس پر صرف قدم رکھنے سے بھی مصلی ہونا صادق آتا ہے۔ باقی یہ بات کہ اب اس پر نماز نہیں پڑھی جاتی تو اصل یہ ہے کہ اس کے قریب کی جگہ بھی اس کے تابع ہونے کی وجہ سے اسی کے حکم میں ہے جیسا مسجد حرام یا مسجد نبوی میں جو اضافہ ہوا ہے وہ اس کے تابع ہے۔

ربط: آگے تعمیر کعبہ اور اس تعمیر میں تعمیر کرنے والے کے اخلاص اور اس کے ضمن میں جناب رسول اللہ ﷺ اور آپ کی امت کی بانی کعبہ کے ساتھ خصوصیت کا ذکر ہوتا ہے۔

تعمیر کعبہ اور بانی کعبہ کے اخلاص اور دعا کا قصہ

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَاۤ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

ترجمہ: اور جب کہا ابراہیم نے اے میرے رب بنا اس کو شہر امن کا اور روزی دے اس کے رہنے والوں کو پھلوں سے جو کوئی ان میں سے ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اللہ نے

فرمایا اور جو کفر کرے اس کو بھی نفع پہنچاؤں گا تھوڑے دنوں پھر اس کو جبراً بلاؤں گا دوزخ کے عذاب میں اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی۔ اور یاد کرو جب اٹھاتے تھے ابراہیم بنیادیں خانہ کعبہ کی اور اسمٰعیل۔ دونوں دعا کرتے تھے اے پروردگار ہمارے قبول کر ہم سے بیشک تو ہی ہے سننے والا جاننے والا۔ اے پروردگار ہمارے اور بنا ہم کو فرمانبردار اپنا اور ہماری اولاد میں بھی بنا ایک جماعت فرمانبردار اپنی اور بتا ہم کو احکام حج کرنے کے اور ہم کو معاف کر بیشک تو ہی ہے توبہ قبول کرنے والا مہربان۔ اے پروردگار ہمارے اور بھیج ان میں ایک رسول انہیں میں سے کہ پڑھ کر سنائے ان پر تیری آیتیں اور سکھائے ان کو کتاب اور صحیح سمجھ کی باتیں اور پاک کرے ان کو۔ بے شک تو ہی ہے بہت زبردست بڑی حکمت والا۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جس وقت ابراہیم) علیہ السلام (نے) دعاء میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار اس) جگہ (کو ایک) آباد (شہر بنادیجئے) اور شہر بھی کیسا (امن) امان (والا اور اس کے بسنے والوں کو پھلوں) کی قسم (سے بھی عنایت کیجئے) اور میں سب بسنے والوں کو نہیں کہتا بلکہ خاص (ان کو) کہتا ہوں (جو ان میں اللہ تعالیٰ پر اور روز قیامت پر ایمان رکھتے ہوں)۔ باقیوں کو آپ جانیں۔ (حق تعالیٰ نے ارشاد فرمایا) کہ چونکہ دنیا میں ہمارا رزق کسی کے ساتھ خاص نہیں ہے، اس لئے ثمرات سب کو دوں گا، مومن کو بھی (اور اس شخص کو بھی جو کافر ہے) البتہ آخرت میں نجات چونکہ اہل ایمان کے ساتھ خاص ہے (سو) اس واسطے (ایسے شخص کو) جو کہ کافر ہے (تھوڑے روز) یعنی دنیا میں (تو خوب آرام پہنچاؤں گا) لیکن (پھر) بعد مرگ (اس کو کشاں کشاں دوزخ کے عذاب میں پہنچادوں گا اور ایسی پہنچنے کی جگہ تو بہت بری ہے) اللہ بچائے۔ اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب اٹھا رہے تھے ابراہیم علیہ السلام خانہ کعبہ کی بنیادیں) یعنی دیواریں بنا رہے تھے (اور) ان کے ساتھ (اسمٰعیل علیہ السلام بھی) اٹھا رہے تھے اور دونوں یہ بھی کہتے جاتے تھے کہ (اے ہمارے پروردگار) یہ خدمت (ہم سے قبول فرمائیے، بلاشبہ آپ خوب سننے والے، جاننے والے ہیں) ہماری دعاء کو سنتے ہیں ہماری نیتوں کو جانتے ہیں (اے ہمارے پروردگار اور) ہم دونوں یہ بھی دعاء کرتے ہیں کہ (ہم کو اپنا اور زیادہ مطیع بنا لیجئے اور ہماری اولاد میں سے بھی ایک ایسی جماعت پیدا کیجئے جو آپ کی مطیع ہو اور) نیز (ہم کو ہمارے حج) وغیرہ (کے احکام بھی بتلادیجئے اور ہمارے حال پر) مہربانی کے ساتھ (توجہ رکھئے اور فی الحقیقت آپ ہی ہیں توجہ فرمانے والے، مہربانی کرنے والے)

(اے ہمارے پروردگار اور) یہ بھی دعاء ہے کہ (اس جماعت کے اندر) جس کے پیدا ہونے کی دعاء اپنی اولاد میں سے کر رہے ہیں (انہی میں کا ایک پیغمبر بھی مقرر کیجئے جو ان لوگوں کو آپ کی آیات پڑھ کر سنایا

کریں اور ان کو) آسمانی (کتاب) کے مضامین (کی اور) اس میں (صحیح سمجھ) کا سلیقہ حاصل کرنے کی (کی تعلیم دیا کریں اور ان کو) اس تعلیم و تلاوت کے ذریعہ جہالت کے خیالات اور اعمال سے (پاک کریں، بلاشبہ آپ ہی غالب قدرت والے ہیں) کہ سب درخواستیں پوری کر سکتے ہیں (کامل انتظام والے ہیں) کہ جو کام کرتے ہیں اس میں کوئی فروگذاشت نہیں ہوتی۔

جس جماعت کا اس آیت میں ذکر ہے وہ صرف بنی اسماعیل ہیں جن میں جناب رسول اللہ ﷺ مبعوث ہوئے لہذا یہاں جن پیغمبر کے لئے دعا ہے اس سے مراد بھی صرف آپ ہوئے کیونکہ یہ دعا دونوں صاحبوں نے کی ہے اور یہاں وہی جماعت مراد ہو سکتی ہے جو دونوں کی اولاد میں ہو اور پیغمبر کے ذکر میں کہا گیا ہے کہ وہ اس جماعت میں سے ہوں تو وہ جماعت نبی اسماعیل ہوئی اور پیغمبر آپ ﷺ ہوئے۔

ربط: اوپر کی آیتوں سے ضمناً حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مذہبی طریقہ بھی معلوم ہو گیا کہ اسلام اور اطاعت حق ہے جیسا کہ واجعلنا مسلمین میں تصریح ہے اس پر وہ خود بھی کاربند تھے اور اسی کی انہوں نے اپنی اولاد کو وصیت کی اور ان کے پوتے یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو بھی اسی کی وصیت کی۔ اس مناسبت سے اگلی آیت میں ان لوگوں کی غلط کاری بیان فرماتے ہیں جو اتباع ابراہیمی کے دعوے کے باوجود ان کے اس مذہبی طریقے کو چھوڑے بیٹھے ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے مبعوث ہونے کے بعد آپ کا اتباع اختیار نہیں کرتے۔ اس طریقہ کا چھوڑنا اس طرح لازم آیا کہ اس طریقے کا حاصل یہ ہے کہ احکام الٰہیہ کی اطاعت کی جائے اب جس زمانہ کے لئے جو حکم ہو۔ چونکہ نقلی دلائل یعنی کتب سابقہ کی تصریحات اور عقلی دلائل سب سے رسول اللہ ﷺ کی رسالت ثابت ہے لہذا اب حکم الٰہی کی اطاعت یہی ہے کہ آپ کا اتباع کیا جائے۔ جب دلائل کے باوجود آپ کا اتباع اختیار نہ کیا تو اس طریقہ کا ترک لازم آیا۔

ملت ابراہیمی جو اب اسلام میں منحصر ہے اس کو چھوڑنے کی غلط کاری

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ؕ يٰبَنِىَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ؕ

ترجمہ: اور نہیں کوئی روگردانی کرتا ابراہیم کے مذہب سے مگر وہی جس نے احمق بنایا اپنے آپ کو۔ اور بیشک ہم نے منتخب کیا دنیا میں ان کو اور وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں ہیں،

یاد کرو جب اس کو کہا اس کے رب نے کہ فرمانبرداری کر تو بولا کہ میں فرمانبردار ہوں تمام عالم کے پروردگار کا، اور یہی وصیت کر گیا ابراہیم اپنے بیٹوں کو اور یعقوب بھی کہ اے میرے بیٹو بیشک اللہ نے منتخب کیا ہے تمہارے لئے دین سو تم ہرگز نہ مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

تفسیر: (اور ملت ابراہیمی سے تو وہی روگردانی کرے گا جو اپنی ذات ہی سے احمق ہو، اور) ایسی ملت کے تارک کو کیونکر احمق نہ کہا جائے جس کی یہ شان ہو کہ اسی کی بدولت (ہم نے ان) ابراہیم علیہ السلام (کو) عہدہ رسالت کے لئے (دنیا میں منتخب کیا اور) اسی کی بدولت (وہ آخرت میں بڑے لائق لوگوں میں شمار کئے جاتے ہیں) جن کے لئے سب ہی کچھ ہے۔ اور یہ عہدہ رسالت کے لئے انتخاب اس وقت ہوا تھا (جب کہ ان سے ان کے پروردگار نے) بطور الہام کے (فرمایا کہ تم) حق تعالیٰ کی (اطاعت اختیار کرو، انہوں نے عرض کیا کہ میں نے اطاعت اختیار کی رب العالمین کی) پس اسی اطاعت کے اختیار کرنے پر ہم نے ان کو شرف نبوت دیدیا خواہ اسی وقت ہو یا کچھ وقت کے بعد (اور اسی) مذکور ملت پر قائم رہنے (کا حکم کر گئے ہیں ابراہیم علیہ السلام اپنے بیٹوں کو اور) اور اسی طرح (یعقوب علیہ السلام بھی) اپنے بیٹوں کو وصیت کر گئے ہیں جس کا یہ مضمون تھا کہ (میرے بیٹو! اللہ تعالیٰ نے اس دین) اسلام واطاعت حق (کو تمہارے لئے منتخب فرمایا ہے، سو تم) دم مرگ تک اس کو مت چھوڑنا اور (بجز اسلام کے اور کسی حالت پر جان مت دینا)

ربط: اوپر ثابت کیا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے دادا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرح اپنے بیٹوں کو اسلام یعنی اطاعت الٰہی پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی تھی۔ چونکہ یہود اور نصاریٰ اپنے زعم میں ان دونوں رسولوں کو اور ان کی وصیت کے موافق ان کی اولاد کو یہودی یا نصرانی کہتے تھے جیسا کہ چند آیات کے بعد ذکر ہے حالانکہ ان کا دعویٰ وصیت کے مضمون کے خلاف تھا اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں ایک خاص طرز سے اس کی نفی فرماتے ہیں اور خاص حضرت یعقوب علیہ السلام کا ذکر اس وجہ سے ہے کہ بنی اسرائیل خاص ان کی اولاد ہیں۔

أَمْ كُنتُمْ شُهَدَآءَ إِذْ حَضَرَ يَعْقُوبَ الْمَوْتُ إِذْ قَالَ لِبَنِيهِ مَا تَعْبُدُونَ مِنۢ بَعْدِي قَالُوا نَعْبُدُ إِلَٰهَكَ وَإِلَٰهَ آبَآئِكَ إِبْرَٰهِمَ وَإِسْمَٰعِيلَ وَإِسْحَٰقَ إِلَٰهًا وَٰحِدًا وَنَحْنُ لَهُۥ مُسْلِمُونَ ﴿۱۳۳﴾

ترجمہ: کیا تم موجود تھے جس وقت قریب آئی یعقوب کے موت جب کہا اپنے بیٹوں کو تم کس کی عبادت کرو گے میرے بعد بولے ہم بندگی کریں گے تیرے معبود کی اور تیرے باپ دادوں کے معبود کی جو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق ہیں، وہی ایک معبود ہے اور ہم سب اسی کے

فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: (کیا) تم لوگ کسی معتبر صحیح نقل سے مذکورہ دعویٰ کرتے ہو یا (تم خود) اس وقت (موجود تھے جس وقت یعقوب علیہ السلام کا آخری وقت آیا) اور (جس وقت انہوں نے اپنے بیٹوں سے) تجدید معاہدہ کے طور پر (پوچھا کہ تم لوگ میرے) مرنے کے (بعد کس کی پرستش کرو گے، انہوں نے) بالاتفاق (جواب دیا کہ ہم اس) ذات پاک (کی پرستش کریں گے جس کی آپ اور آپ کے بزرگ) حضرات (ابراہیم واسماعیل واسحاق) علیہم السلام (پرستش کرتے آئے ہیں، یعنی وہی معبود جو وحدہ لاشریک ہے اور ہم) احکام میں (اسی کی اطاعت پر) قائم (رہیں گے)

کسی منقول بات کے دعویٰ کی صحت دو ہی طریقوں سے ہو سکتی ہے یا نقل صحیح سے یا اپنے مشاہدہ سے۔ یہاں یعنی یہود و نصاریٰ کے اس دعوی میں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے مرتے دم تک یہودیت یا نصرانیت پر قائم رہنے کی وصیت کی تھی یہ دونوں طریقے مفقود ہیں تو دعوی محض بلادلیل ہے بلکہ عقلی اور نقلی دلیل کے بھی خلاف ہے۔ عقلی دلیل کے خلاف تو اس وجہ سے کہ یہودیت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے وقت سے اور نصرانیت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وقت سے شروع ہوئیں جبکہ حضرات ابراہیم علیہ السلام اور حضرت یعقوب علیہ السلام وغیرہ ان دونوں رسولوں سے بہت زمانہ پہلے گذرے ہیں۔ نقلی دلیل کے خلاف اس لئے کہ قرآن جو کہ سچا ہے اس کے خلاف ہے۔

یہاں اگر کسی کو شبہ ہو کہ اسی طرح اسلام بھی تو رسول اللہ ﷺ کے وقت سے شروع ہوا ہے اور آپ ان حضرات سے بہت بعد میں ہوئے تو پھر اسلام ان حضرات کی ملت کب ہو سکتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اوپر اسلام کا جو معنی بتایا گیا ہے یعنی اطاعت حق اس سے تمام انبیاء علیہم السلام کا ملت اسلام پر ہونا ظاہر ہے۔ اس کے برخلاف یہودیت اور نصرانیت کی خاص شکل تو تورات اور انجیل کے مذہب کا نام ہے۔ اور اگر اس یہودیت و نصرانیت کا اعتبار کریں جس میں بہت کچھ تحریف ہو چکی تو وہ تو اطاعت حق سے بہت دور جا پڑی۔

ربط: اوپر ان سب حضرات انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا اور یہود و نصاریٰ کا رسول اللہ ﷺ کے اتباع کے ترک کی وجہ سے ملت اسلام سے خارج ہونا ثابت ہوا تو اس سے ان کا عند اللہ غیر مقبول ہونا لازم آیا مگر ان لوگوں کو پیغمبروں کی اولاد میں ہونے یا ان سے نسبت ہونے کا زعم اور اس پر فخر تھا اور اس کو آخرت میں اپنی نجات کے لئے کافی سمجھتے تھے۔ اگلی آیت میں اس خیال کا غلط ہونا اور محض انتساب کا ناکافی ہونا بتاتے ہیں۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُم مَّا كَسَبْتُمْ ۖ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٣٤﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے پوچھ نہیں ہوگی ان کے کاموں کی۔

(وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانہ میں (گزر چکی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی) اور نہ ہی تم سے انکے اعمال کا تذکرہ ہوگا، رہا ان سے تم کو نفع پہنچنا یہ تو بڑی دور کی بات ہے،

مقبول لوگوں کے ساتھ نسبت کا نافع نہ ہونا اس شخص کے لئے ہے جو عقائد قطعیہ میں ان مقبولین کا مخالف ہو گو طبعًا ان حضرات سے محبت بھی رکھتا ہو اور یہود و نصاری ایسے ہی تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی رسالت جو عقائد قطعیہ سے ہے اور سابق رسول اس کی خبر دیتے آئے ہیں اور تورات وانجیل میں اس کا کھلا ذکر ہے یہ لوگ اسی میں مخالف تھے۔

ربط: جب رسول اللہ ﷺ کے دور نبوت میں یہودیت و نصرانیت کا ملت اسلام سے خارج ہونا ثابت ہوا تو اگلی آیت میں یہودیت و نصرانیت کی طرف بلانے والوں کے قول کا جواب دیا۔

وَقَالُوا كُونُوا هُودًا أَوْ نَصَارَىٰ تَهْتَدُوا ۗ قُلْ بَلْ مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا ۖ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِينَ ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اور کہتے ہیں کہ ہو جاؤ یہودی یا نصرانی تو تم پالو گے راہ حق کو۔ کہہ دے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے اختیار کی راہ ابراہیم کی جو ایک ہی طرف کا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں۔

تفسیر: (اور یہ) یہودی و نصرانی (لوگ) مسلمانوں سے (کہتے ہیں کہ تم لوگ یہودی ہو جاؤ) یہ تو یہود نے کہا تھا (یا نصرانی ہو جاؤ) یہ نصاریٰ نے کہا تھا (تم بھی راہ) حق (پر پڑ جاؤ گے) اے محمد ﷺ (آپ) جواب میں (کہہ دیجئے کہ ہم تو) یہودی یا نصرانی کبھی نہ ہوں گے، (بلکہ ابراہیم) علیہ اسلام (کی ملت) یعنی اسلام (پر رہیں گے جو ایک ہی طرف کے تھے) یعنی صرف اللہ ہی کے ہو رہے تھے (اور شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے)

فائدہ: 1-اس آخری جملہ سے یہ مقصود ہے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے یہودیت و نصرانیت میں ایک خرابی یہ بھی ہے کہ اس میں شرک کی آمیزش ہو گئی ہے جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام موحد خالص تھے۔ اس لئے بھی یہودیت و نصرانیت اختیار کرنے کے قابل نہیں رہی۔

2-اگر کسی کو شبہ ہو کہ رسول اللہ ﷺ کو تو مستقل شریعت دی گئی پھر آپ کے ملت ابراہیمی پر ہونے کا کیا معنی اور اس سے بڑھ کر بعض آیات میں جو آپ کو ملت ابراہیمؑ کے اتباع کا حکم ہے تو اس کا کیا معنی ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت ابراہیم علیہ السلام کی تفسیر اوپر گزر چکی ہے کہ اتباع حق ہے جو کہ تمام انبیاء علیہم السلام میں مشترک ملت ہے۔ البتہ ہر زمانے کی شریعت میں اتباع حق کی خصوصیات بدلتی رہیں حتی کہ اب اتباع حق شریعت محمدیہؐ میں آکر منحصر ہو گیا۔ پس ملت ابراہیمؑ ایک لقب ہے شریعت محمدیہ کا۔ لہذا یہ کہنا کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے یا یہ کہنا کہ تم ملت ابراہیمؑ کا اتباع کرو اس کا ہم معنی ہے کہ کہا جائے کہ ہم شریعت محمدیہ پر رہیں گے اور تم شریعت محمدیہ کا اتباع کرو۔

ربط: آگے اسی ملت ابراہیم علیہ السلام کا خلاصہ ارشاد فرمایا:

قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: تم کہہ دو کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور جو اتارا گیا ہم پر اور جو اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحاق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور جو دیا گیا دوسرے پیغمبروں کو ان کے رب کی طرف سے۔ ہم فرق نہیں کرتے ان سب میں سے ایک میں بھی اور ہم اسی پروردگار کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! یہود و نصاریٰ کے جواب میں جو تم نے اجمالاً کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیمی پر رہیں گے، اس ملت کی تفصیل بیان کرنے کے لئے (کہہ دو کہ) اس ملت پر رہنے کا حاصل یہ ہے کہ (ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر بھی جو ہمارے پاس) رسول اللہ ﷺ کے واسطہ سے (بھیجا گیا) خواہ کتابی وحی سے یا غیر کتابی وحی سے (اور اس) حکم (پر بھی جو حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق اور حضرت یعقوب) علیہ السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گزرے ہیں ان (کی طرف) بواسطہ وحی کے (بھیجا گیا اور اس) حکم اور معجزہ (پر بھی جو حضرت موسیٰ) علیہ السلام (اور حضرت عیسیٰ) علیہ السلام (کو دیا گیا اور اس پر بھی جو کچھ اور انبیاء) علیہم السلام (کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) دوسرے سے ایمان لانے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں کسی پر نہ رکھیں (اور ہم تو اللہ تعالیٰ کے

مطیع ہیں) انہوں نے ہم کو یہ دین بتایا ہم نے اختیار کر لیا پس یہ حاصل ہے اس ملت کا جس پر ہم قائم ہیں، جس میں کسی کو اصلاً انکار و سر تابی کی گنجائش نہیں۔

مضمون کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو ہمارا دین کیسا انصاف اور حق کا ہے کہ سب انبیاء کو مانتے ہیں سب کتابوں کو سچا جانتے ہیں سب کے معجزات کو حق پہنچاتے ہیں گو بہت سے احکام کے منسوخ ہونے کی وجہ سے عمل صرف شریعت محمدیہ پر کرتے ہیں جو خود مستقل اور مکمل ہے لیکن انکار و تکذیب کسی کی نہیں کرتے بخلاف یہودیت و نصرانیت کے کہ منسوخ ہونے کے علاوہ تحریف کی وجہ سے اب اس میں کسی کی تصدیق ہے اور کسی کی تکذیب ہے۔

ربط: جب ثابت ہو چکا کہ دین حق اب بس وہی ہے جو رسول اللہ ﷺ لے کر آئے ہیں تو اس پر بطور ایک نتیجے کے فرمایا۔

فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ: سو اگر وہ بھی اس طرح ایمان لے آئیں جس طرح پر تم ایمان لائے ہو تو ہدایت پالیں گے وہ بھی۔ اور اگر رو گردانی کریں تو پھر وہی ہیں مخالفت پر۔ سو اب کافی ہے تیری طرف سے ان کو اللہ اور وہی ہے سننے والا جاننے والا

تفسیر: یعنی جب اوپر طریق اسلام میں دین حق کا منحصر ہونا ثابت ہو چکا (سو اگر وہ) یہود و نصاریٰ (بھی اسی طریق سے ایمان لے آئیں جس طریق سے تم) اہل اسلام (ایمان لائے ہو تب تو وہ بھی راہ) حق (پر لگ جائیں گے، اور اگر وہ) اس سے (روگردانی کریں تو) تم ان کی روگردانی سے کچھ تعجب نہ کرو کیونکہ (وہ لوگ تو) ہمیشہ سے (برسر مخالفت ہیں ہی) اور اگر ان کی مخالفت سے کچھ اندیشہ ہو (تو) سمجھ لیجئے کہ (آپ کی طرف سے عنقریب ہی نمٹ لیں گے ان سے اللہ تعالیٰ۔ اور اللہ تعالیٰ) تمہاری اور ان کی باتیں (سنتے ہیں) اور تمہارے اور ان کے سلوک (جانتے ہیں) تمہیں فکر و غم کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔

چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں یہود و نصاریٰ اور سب کفار کو مغلوب کر دیا جیسا کہ تاریخ سے ثابت ہے۔

ربط: اس دین حق کا لقب اوپر ملت ابراہیم ذکر ہوا۔ اس میں اضافت و نسبت ایک نبی کی طرف ہے۔ آگے اس کا مزید شرف ظاہر کرنے کے لئے اس کی اضافت و نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف فرمائی جاتی ہے۔ اور دین کا حقیقی مضاف الیہ تو اللہ تعالیٰ ہی ہیں نبی کی طرف نسبت تو ان کے مبلغ ہونے کی وجہ سے

مجازاً کی جاتی ہے۔

صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۫ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

ترجمہ: ہم نے قبول کر لیا رنگ اللہ کا اور کس کا رنگ بہتر ہے اللہ کے رنگ سے اور ہم اسی کی غلامی کرتے ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو! کہہ دو کہ ہم نے جو اوپر تم لوگوں کے جواب میں کہا ہے کہ ہم ملت ابراہیم پر رہیں گے اس کلام کی حقیقت یہ ہے کہ (ہم) دین کی (اس حالت پر رہیں گے جس میں) ہم کو (اللہ تعالیٰ نے رنگ دیا ہے) اور رنگ کی طرح ہمارے رگ وریشہ میں بھر دیا ہے (اور) دوسرا (کون ہے جس کے رنگ دینے کی حالت اللہ تعالیٰ) کے رنگ دینے کی حالت (سے خوب تر ہو)۔ جب اور کوئی دوسرا ایسا نہیں تو ہم نے اور کسی کا دین بھی اختیار نہیں کیا (اور) اس لئے (ہم اس کی غلامی اختیار کئے ہوئے ہیں)

ربط: اوپر کی آیتوں میں یہود ونصاریٰ پر پورے طور پر حجت قائم ہو چکی پھر بھی وہ لوگ وہی دعوی بلا دلیل کئے جاتے تھے کہ مسلمان باطل پر ہیں آخرت میں ان کی نجات نہ ہوگی اور ہم حق پر ہیں کیونکہ جس طریقے پر ہم ہیں یہ سب انبیاء بھی اسی طریقے پر تھے اس لئے اب دوسرے طرز سے جواب کی تعلیم دی۔

قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِى اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾

ترجمہ: کہہ دے کیا تم جھگڑا کرتے ہو ہم سے اللہ کی نسبت حالانکہ وہی ہے رب ہمارا اور رب تمہارا اور ہمارے لئے ہیں عمل ہمارے اور تمہارے لئے ہیں عمل تمہارے اور ہم تو صرف اسی کیلئے (دین کو) خالص کرنے والے ہیں۔ کیا تم کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اس کی اولاد تو یہودی تھے یا نصرانی، کہہ دے کہ تم کو زیادہ خبر ہے یا اللہ کو، اور اس سے بڑا

ظالم کون ہو گا جس نے چھپائی وہ گواہی جو پہنچ چکی اس کے پاس اللہ کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (آپ) ان یہود و نصاریٰ سے (فرما دیجئے کہ کیا تم لوگ) اب بھی (ہم سے حجت کئے جاتے ہو حق تعالیٰ کے معاملہ میں) کہ وہ ہم کو قیامت میں نہ بخشیں گے (حالانکہ وہ ہمارا اور تمہارا) سب کا (رب) اور مالک (ہے) سو ربوبیت میں تو تمہارے ساتھ کوئی خصوصیت نہیں جیسا کہ تمہارے بعض دعووں سے یہ بات مفہوم ہوتی ہے مثل نحن ابناء الله (اور ہم کو ہمارا کیا ہوا ملے گا اور تم کو تمہارا کیا ہوا ملے گا) یہاں تک تو تمہارے نزدیک بھی مسلم ہے (اور) اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ (ہم نے صرف حق تعالیٰ) کی خوشنودی (کے لئے اپنے) دین (کو) شرک وغیرہ سے (خالص کر رکھا ہے) بخلاف تمہارے موجودہ طریقہ کے کہ علاوہ منسوخ ہونے کے خود شرک سے بھی مخلوط ہے جیسا ان کے اقوال عزیر ابن اللہ اور مسیح ابن اللہ سے ظاہر ہے اور اس میں ہم کو اللہ تعالیٰ نے ترجیح دی ہے پھر ہم کو نجات نہ ہونے کے کیا معنی (یا) اب بھی اپنے حق پر ہونے کے ثابت کرنے کو یہی (کہے جاتے ہو کہ ابراہیم اور اسماعیل اور اسحاق اور یعقوب اور اولاد یعقوب) میں جو انبیاء گزرے ہیں یہ سب حضرات (یہود یا نصاریٰ تھے) اور اس سے اس واسطہ سے کہ تم لوگ بھی یہود و نصاریٰ ہو اپنا حق پر ہونا ثابت کرتے ہو، سو اس کے جواب میں (اے محمد ﷺ) ایک اتنی مختصر سی بات ان سے (کہہ دیجئے کہ) اچھا یہ بتاؤ کہ (تم زیادہ واقف ہو یا حق تعالیٰ) اور ظاہر ہے کہ خدا ہی زیادہ واقف ہے اور وہ ان انبیاء کا ملت اسلام پر ہونا ثابت کر چکے ہیں، جیسا ابھی اوپر گذر چکا ہے (اور) یہ کافر بھی اس کو جانتے ہیں مگر چھپاتے ہیں سو (ایسے شخص سے زیادہ ظالم کون ہو گا جو ایسی شہادت کو چھپائے جو اس کے پاس منجانب اللہ پہنچی ہو اور) اے اہل کتاب (اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے سے بے خبر نہیں ہیں) پس جب یہ حضرات یہود و نصاریٰ نہ تھے سو تم طریق دین میں ان کے موافق کب ہوئے پھر تمہارا حق پر ہونا ثابت نہ ہوا۔

ربط: یہود و نصاریٰ کے ملت اسلام سے خارج ہونے اور ان کے عند اللہ غیر مقبول ہونے کے باوجود ان لوگوں کے اس فخر و زعم کا کہ انبیاء کے ساتھ ان کی نسبت آخرت کی نجات کے لئے کافی ہے جواب دینے کے لئے آیت تلك امة ارشاد فرمائی گئی۔ لیکن چونکہ وہ اپنے زعم باطل پر مصر تھے اور اپنی بات کی تکرار کئے جاتے تھے اس لئے آخری جواب کے طور پر اسی آیت کو تاکید کے طور پر دوبارہ لائے۔

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٤١﴾

ترجمہ: وہ ایک جماعت تھی جو گذر چکی، ان کے واسطے ہے جو انہوں نے کیا اور تمہارے واسطے ہے جو تم نے کیا اور تم سے کچھ پوچھ نہیں ہوگی ان کے کاموں کی۔

تفسیر: (وہ) ان بزرگوں کی (ایک جماعت تھی جو) اپنے زمانے میں گذر گئی، ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا اور تم سے ان کے کئے ہوئے کی پوچھ بھی تو نہ ہوگی) اور جب خالی تذکرہ بھی نہ ہوگا تو اس سے تم کو کچھ نفع پہنچنا تو در کنار رہا۔

ربط: اوپر آیت واذابتلی ابراھیم ربہ سے تحویل قبلہ کے بارے میں جو مفصل کلام شروع ہوا تھا وہیں ذکر ہوا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حاکمانہ اختیار سے کعبہ کو قبلہ بنانے کا ذکر کیا ہے۔ وہ ذکر اب آیا ہے۔

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

ترجمہ: اب کہیں گے بے وقوف لوگ کہ کس چیز نے پھیر دیا مسلمانوں کو ان کے قبلہ سے جس پر وہ تھے۔ تو کہہ اللہ ہی کا ہے مشرق اور مغرب۔ بتاتا ہے جس کو چاہے سیدھی راہ۔

تفسیر: بیت المقدس یہود کا قبلہ تھا۔ مسلمانوں کا بھی ابتدا میں یہی قبلہ تھا۔ جب کعبہ کو نماز کا قبلہ مقرر کیا گیا تو اس پر ناگواری کی وجہ سے (اب تو) یہ (بے وقوف لوگ ضرور ہی کہیں گے کہ ان) مسلمانوں (کو ان کے) سابقہ سمت (قبلہ سے) کہ بیت المقدس تھا (جس کی طرف پہلے متوجہ ہوا کرتے تھے کس بات نے) دوسری سمت کی طرف (بدل دیا آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ سب) سمتیں خواہ (مشرق) ہو (اور) خواہ (مغرب) ہو (اللہ ہی کی ملک ہیں) خدا تعالیٰ کو مالکانہ اختیار ہے جس سمت کو چاہیں مقرر فرمادیں، کسی کو وجہ و علت دریافت کرنے کا منصب حاصل نہیں ہے اور شرعی احکام کے باب میں سیدھا طریقہ یہی اعتقاد ہے کہ اللہ تعالیٰ حاکم ہیں جو حکم چاہیں دیدیں ہے، لیکن بعضوں کو اس راہ کے اختیار کرنے کی توفیق نہیں ہوتی خواہ مخواہ علتیں ڈھونڈتے پھرتے ہیں البتہ (جس کو خدا ہی) اپنے فضل سے (چاہیں) یہ (سیدھا طریقہ بتادیتے ہیں)۔

ربط: اور جس حاکمانہ اختیار سے ہم نے بیت المقدس کو چھوڑ کر کعبہ کو قبلہ بنایا ہے اسی حاکمانہ اختیار سے ہم نے اور امتوں کو چھوڑ کر تم کو معتدل امت بنایا۔

وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُونَ الرَّسُولُ عَلَيْكُمْ شَهِيدًا

ترجمہ: اور اسی طرح بنایا ہم نے تم کو امت معتدل تاکہ ہو تم گواہ لوگوں پر اور ہو رسول تم پر گواہی دینے والا۔

تفسیر: (اور) اے محمد ﷺ کی اتباع کرنے والو (اسی طرح ہم نے تم کو) مجموعی طور سے (ایسی ہی

ایک جماعت بنادیا ہے جو) ہر پہلو سے (نہایت اعتدال پر ہے) اور دین کے تمام شعبوں میں افراط و تفریط سے بچنے والی ہے (تاکہ تم) مجموعی طور پر (لوگوں پر گواہ بن جاؤ) کہ اپنے قول و عمل سے لوگوں کو دین حق کی پوری پوری خبر دو (اور رسول تم پر گواہ بن جائیں) کہ وہ دین حق تم تک پورا پورا پہنچادیں اور تم افراط و تفریط سے بچتے ہوئے اس کو صحیح صحیح اختیار کرلو۔ اسی آیت کا ایک مصداق قیامت کے دن ظاہر ہوگا کہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی مخالف قوموں کے خلاف انبیاء علیہم السلام کے حق میں اس امت کے لوگ گواہی دیں گے اور ان لوگوں کے عادل و معتدل اور معتبر ہونے کی گواہی رسول اللہ ﷺ دیں گے۔

فائدہ: ہر پہلو سے معتدل جو کہا گیا تو خاص تحویل قبلہ کے حکم میں اس کا مصداق یہ ہے کہ یہ امت نہ ایسی عامی ہے کہ اگر احکام کی حکمت بتائی جائے تب بھی نہ سمجھے اور نہ ایسی فلسفی کہ اگر حکمت نہ بتائی جائے تو اس کو جانے بغیر حکم ہی کو نہ مانیں۔ چنانچہ حکم دیئے جانے کے وقت حکمت نہیں بتائی گئی ویسے ہی مان لیا۔ بعد میں کچھ حکمتیں بتادیں تو ان کو جان لیا۔

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ ۚ وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوفٌ رَحِيمٌ ﴿١٤٣﴾

ترجمہ: اور نہیں مقرر کیا تھا ہم نے قبلہ کہ جس پر تو رہ چکا ہے مگر اس واسطے کہ معلوم کریں کہ کون تابع رہتا ہے رسول کا اور کون پھر جاتا ہے الٹے پاؤں۔ اور بے شک یہ بات بھاری ہوئی مگر ان پر جن کو ہدایت دی اللہ نے۔ اور اللہ ایسا نہیں کہ ضائع کرے تمہارا ایمان۔ بے شک اللہ لوگوں پر بہت شفیق نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: اصل میں تو شریعت محمدیہ کے لئے ہم نے کعبہ ہی قبلہ تجویز کر رکھا تھا (اور جس سمت قبلہ پر آپ) چند روز قائم (رہ چکے ہیں) یعنی بیت المقدس (وہ تو محض اس) مصلحت کے (لئے تھا کہ ہم کو) ظاہری اور خارجی وجود کے اعتبار سے بھی (معلوم ہو جائے کہ) اس کے مقرر ہونے سے یا بدلنے سے یہود اور غیر یہود میں سے (کون رسول اللہ ﷺ کا اتباع اختیار کرتا ہے اور کون پیچھے کو ہٹتا جاتا ہے) اور نفرت اور مخالفت کرتا ہے۔ اس امتحان کے لئے اس عارضی قبلہ کو مقرر کیا تھا، پھر اصلی قبلہ سے اس کو منسوخ کردیا (اور یہ قبلہ کا بدلنا) راہ حق سے منحرف لوگوں پر (بڑا ثقیل ہوا) ہاں (مگر جن لوگوں کو اللہ

تعالیٰ نے) سیدھے طریق کی (ہدایت فرمائی ہے) جس کا بیان اوپر آچکا ہے کہ احکام الٰہیہ کو بے چون وچرا قبول کر لینا ان کو کچھ بھی گراں نہیں ہوا، جیسا پہلے اس کو خدا کا حکم سمجھتے تھے اب اس کو سمجھنے لگے (اور) ہم نے جو کہا ہے کہ بیت المقدس اصلی قبلہ نہ تھا، اس سے کوئی شخص یہ وسوسہ نہ لائے کہ پھر تو جتنی نمازیں ادھر پڑھی ہیں وہ یا تو ضائع ہو گئیں یا ان میں ثواب کم ملا ہو گا کیونکہ اصل قبلہ کی طرف نہ تھیں، سو اس وسوسہ کو دل میں نہ لانا کیونکہ (اللہ تعالیٰ ایسے نہیں کہ تمہارے ایمان) سے متعلق اعمال مثلاً نماز کے ثواب (کو ضائع) یا کم (کر دیں) اور (واقعی اللہ تعالیٰ تو) ایسے (لوگوں پر بہت ہی شفیق) اور (مہربان ہیں) تو ایسے شفیق مہربان پر یہ گمان کب ہو سکتا ہے، کیونکہ کسی قبلہ کا اصلی یا غیر اصلی ہونا تو ہم ہی جانتے ہیں، تم نے تو دونوں کو ہمارا حکم سمجھ کر قبول کیا اس لئے ثواب بھی کسی کا کم نہ ہو گا۔

ربط: حاکمانہ جواب دے کر اب حکیمانہ جواب شروع ہوتا ہے۔ جس میں کئی حکمتوں کی طرف اشارہ ہے۔

پہلی حکمت

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِى السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: بیشک ہم دیکھ رہے ہیں بار بار اٹھنا تیرے منہ کا آسمان کی طرف، سو ہم ضرور پھیر دیں گے تجھ کو اس قبلہ کی طرف پسند کرتا ہے تو جس کو۔ تو اب پھیرے لے منہ اپنا طرف مسجد الحرام کے اور جس جگہ تم موجود ہو پھیرو منہ اسی کی طرف، اور جن کو ملی ہے کتاب یقیناً جانتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے ان کے رب کی طرف سے اور اللہ بے خبر نہیں ان کاموں سے جو وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: کعبہ کے قبلہ ابراہیمی ہونے اور آپ کی نبوت کی علامات میں سے ایک علامت ہونے کی وجہ سے آپؐ جو دل سے کعبہ کے قبلہ ہونے کی خواہش رکھتے ہیں اور وحی کی امید میں بار بار آسمان کی طرف نظر اٹھا کر بھی دیکھتے ہیں کہ شاید فرشتہ حکم لے آئے سو (آپؐ کے منہ کا بار بار آسمان کی طرف اٹھنا ہم دیکھ رہے ہیں) اور چونکہ ہمیں آپؐ کی خوشی پورا کرنا منظور ہے (اس لئے) ہم وعدہ کرتے ہیں کہ (آپ کو اسی قبلہ کی طرف متوجہ کر دیں گے جو آپ کو پسند ہے)۔ لو پھر ہم حکم ہی دیئے دیتے ہیں کہ (اب

سے اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف کیا کیجئے اور) یہ حکم صرف آپؐ کے لئے مخصوص نہیں بلکہ (تم سب) لوگ پیغمبر بھی اور امتی بھی (جہاں کہیں موجود ہو) خواہ مدینہ میں یا اور جگہ، یہاں تک کہ خود بیت المقدس میں بھی (اپنے چہروں کو اسی) مسجد حرام (کی طرف کیا کرو) اور اس قبلہ کے مقرر ہونے کے متعلق (یہ اہل کتاب بھی) بالعموم اپنی کتابوں کی پیشینگوئی کی وجہ سے کہ نبی آخر الزماں کا قبلہ اس طرح ہوگا (یقیناً جانتے ہیں کہ یہ حکم بالکل ٹھیک ہے) اور (ان کے پروردگار ہی کی طرف سے ہے) مگر دشمنی کی وجہ سے مانتے نہیں (اور اللہ تعالیٰ ان کی کارروائیوں سے ذرا بھی بے خبر نہیں ہے)

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ اہل کتاب اس قبلہ کا حق اور من جانب اللہ ہونا دل میں جانتے ہیں آگے ان کا عناد اور دشمنی سے نہ ماننا بیان فرمایا جاتا ہے۔

وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿١٤٥﴾

ترجمہ: اور اگر تو لائے اہل کتاب کے پاس ساری دلیلیں جب بھی نہ مانیں گے تیرے قبلہ کو اور نہ تو مانے ان کا قبلہ اور نہ ان میں ایک مانتا ہے دوسرے کا قبلہ اور اگر تو چلا ان کی خواہشوں پر بعد اس علم کے جو تجھ کو پہنچا تو بیشک تو بھی اس وقت ہوگا ان ظالموں میں سے۔

تفسیر: اور باوجود ان لوگوں کے سب کچھ سمجھنے کے ان کی ضد کی یہ حالت ہے کہ (اگر آپؐ) ان اہل کتاب کے سامنے (تمام) دنیا بھر کی (دلیلیں) جمع کر کے (پیش کر دیں جب بھی یہ) کبھی (آپؐ کے قبلہ کو قبول نہ کریں اور) ان کی موافقت کی امید اس لئے نہ رکھنی چاہئے کہ آپؐ کا قبلہ بھی منسوخ ہونے والا نہیں اس لئے (آپؐ بھی ان) کے قبلہ کو قبول نہیں (کر سکتے) پس موافقت کی کوئی صورت باقی نہیں رہی (اور) جیسے ان اہل کتاب کو آپؐ سے ضد ہے ان میں باہم بھی موافقت نہیں کیونکہ (ان کا کوئی) فریق (بھی دوسرے) فریق (کے قبلہ کو قبول نہیں کرتا) مثلاً یہود نے بیت المقدس لے رکھا تھا اور نصاریٰ نے مشرق کی سمت کو قبلہ بنا رکھا تھا (اور) خدانخواستہ آپؐ تو کسی طرح ان کے قبلہ کو جواب منسوخ اور غیر مشروع ہے لے ہی نہیں سکتے کیونکہ (اگر آپ ان کے) ان (نفسانی خیالات کو) جو اگرچہ اصل میں آسمانی حکم رہے ہوں لیکن اب چونکہ منسوخ ہو چکے ہیں اس لئے ان پر عمل کرنا محض نفسانی تعصب ہوگا۔ سو اگر

آپ ایسے خیالات کو (اختیار کرلیں) اور وہ بھی (آپ کے پاس علم) قطعی یعنی وحی (آنے کے بعد، تو یقیناً آپ) نعوذ باللہ (ظالموں میں شمار ہونے لگیں) جو کہ تارکین حکم ہیں۔ لیکن چونکہ آپ کا ظالم ہونا بوجہ معصوم ہونے کے محال ہے، اس لئے یہ بھی محال ہے کہ آپ ان کے خیالات کو جن میں سے ان کا قبلہ بھی ہے قبول کرلیں۔

ربط: اوپر اہل کتاب کا مسلمانوں کے قبلہ کو حق جاننے کے باوجود نہ ماننے کا ذکر تھا آگے ان ہی اہل کتاب کا صاحب قبلہ یعنی جناب رسول اللہ ﷺ کو حق جاننے اور خوب اچھی طرح پہچاننے کے باوجود نہ ماننے کا ذکر ہے۔

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ: وہ لوگ دی ہے ہم نے جن کو کتاب پہچانتے ہیں اس (رسول) کو جیسے پہچانتے ہیں اپنے بیٹوں کو۔ اور بیشک بعض ان میں سے چھپاتے ہیں حق کو باوجود یہ کہ وہ خوب جانتے ہیں۔ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے سو تو نہ ہو شک کرنے والوں میں سے۔

تفسیر: (جن لوگوں کو ہم نے کتاب) تورات انجیل (دی ہے، وہ لوگ رسول اللہ ﷺ کو) تورات وانجیل میں آئی ہوئی بشارت کی بناء پر بحیثیت رسالت (ایسا) بے شک وشبہ (پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو) ان کی صورت سے (پہچانتے ہیں) کہ بیٹے کی صورت دیکھ کر کبھی شبہ نہیں ہوتا کہ یہ کون شخص ہے، مگر آپ کو پہچان کر بھی سب مسلمان نہیں ہوتے، بلکہ بعض تو ایمان لے آئے (اور بعضے ان میں سے) ایسے ہیں کہ اس (امر واقعی کو باوجود یہ کہ خوب جانتے ہیں) مگر (چھپاتے ہیں) حالانکہ (یہ امر واقعی اللہ کی جانب سے) ثابت ہو چکا (ہے سو) ایسا امر واقعی جس کا اللہ کی جانب سے ہونا ثابت ہو اس کے بارے میں ہر ہر فرد کو کہا جاسکتا ہے کہ (ہرگز شک وشبہ لانے والوں میں سے نہ ہونا)

دوسری حکمت

وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ

حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۖ وَإِنَّهُ لَلْحَقُّ مِن رَّبِّكَ ۗ وَمَا اللَّهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُونَ ﴿١٤٩﴾

ترجمہ: اور ہر شخص کے واسطے ایک جانب ہے (یعنی قبلہ) کہ وہ منہ کرتا ہے اس کی طرف۔ سو تم سبقت کرو نیکیوں میں۔ جہاں کہیں تم ہو گے لے آئے گا اللہ تم کو اکٹھا، بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ اور جس جگہ سے تو نکلے سو منہ کر اپنا مسجد حرام کی طرف۔ اور بے شک یہی حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ اور اللہ بے خبر نہیں تمہارے کاموں سے۔

تفسیر: (اور) تحویل قبلہ میں دوسری حکمت یہ ہے کہ عادۃ اللہ جاری ہے کہ (ہر) مذہب والے (شخص کے واسطے ایک ایک قبلہ رہا ہے جس کی طرف وہ) عبادت میں (منہ کرتا رہا ہے) چونکہ شریعت محمدیہؐ بھی ایک مستقل دین ہے، اس کا قبلہ بھی ایک خاص ہو گیا، جب یہ حکمت سب پر ظاہر ہو چکی (تو) مسلمانو (تم) اب اس بحث کو چھوڑ کر اپنے دین کے (نیک کاموں میں آگے بڑھنے کی کوشش کرو) کیونکہ ایک روز اپنے مالک سے سابقہ پڑنا ہے، چنانچہ (تم خواہ کہیں ہو گے) لیکن (اللہ تعالیٰ تم سب کو) اپنے دربار میں (حاضر کر دیں گے) اس وقت نیکیوں پر جزا اور اعمال بد پر سزا ہو گی اور (بالیقین اللہ تعالیٰ ہر امر پر پوری قدرت رکھتے ہیں، اور) اس حکمت کا تقاضا بھی یہی ہے کہ جس طرح حضر میں کعبہ کی طرف رخ ہوتا ہے اسی طرح اگر مدینہ سے یا اور کہیں سے (جس جگہ سے بھی) کہیں سفر میں (آپ باہر جائیں تو) بھی (اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف رکھا کیجئے،) غرض حضر و سفر سب حالتوں کا یہی قبلہ ہے (اور) قبلہ کا (یہ) حکم عام (بالکل حق) اور صحیح (ہے) اور (منجانب اللہ) ہے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں سے ذرا بے خبر نہیں)۔

تیسری حکمت

وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَيْكُمْ حُجَّةٌ إِلَّا الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْهُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِي وَلِأُتِمَّ نِعْمَتِي عَلَيْكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَهْتَدُونَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: اور جس جگہ سے تو نکلے منہ کر اپنا مسجد حرام کی طرف اور جس جہاں کہیں تم ہو

تو پھیر لو اپنے چہروں کو اسی کی طرف تاکہ نہ رہے لوگوں کو تم سے جھگڑنے کا موقع۔ مگر جو ان میں بے انصاف ہیں سو ان سے نہ ڈرو اور مجھ سے ڈرو اور اس واسطے کہ کامل کردوں اپنا انعام تم پر اور تاکہ تم راہ پر رہو۔

تفسیر: (اور) مکرر پھر کہا جاتا ہے کہ (آپ جس جگہ سے بھی) سفر میں (باہر جائیں) اور حضر میں بدرجہ اولی (اپنا چہرہ) نماز میں (مسجد حرام کی طرف رکھئے، اور) اسی طرح سب مسلمان بھی سن لیں کہ (تم لوگ جہاں کہیں) موجود (ہو اپنا چہرہ) نماز میں (اسی) مسجد حرام (کی طرف رکھا کرو) اور یہ حکم اس لئے مقرر کیا جاتا ہے (تاکہ) ان مخالف (لوگوں کو تمہارے مقابلے میں) اس (گفتگو کی مجال نہ رہے) کہ اگر محمد مصطفیٰ ﷺ وہی نبی موعود آخر الزماں ہوتے تو ان کی علامات میں تو یہ بھی ہے کہ ان کا اصلی قبلہ کعبہ ہوگا اور یہ تو بیت المقدس کی طرف نماز پڑھتے ہیں، تو یہ تحویل قبلہ کی تیسری حکمت ہے، ہاں (مگر ان میں جو) بالکل ہی (بے انصاف ہیں) وہ اب بھی کٹ حجتی نکالیں گے کہ یہ کیسے نبی ہیں جو اتنے نبیوں کے خلاف کعبہ کی طرف نماز پڑھتے ہیں۔ لیکن جب ایسے مہمل اعتراضوں سے دین حق کو کوئی ضرر نہیں پہنچ سکتا (تو ایسے لوگوں سے) ذرا (اندیشہ نہ کرو) اور ان کے اعتراضوں کے جواب کی فکر میں مت پڑو (اور مجھ سے ڈرتے رہو) کہ میرے احکام کی مخالفت نہ ہونے پائے کہ یہی مخالفت یقیناً تم کو مضر ہے (اور) ہم نے ان سب مذکورہ احکام پر عمل کرنے کی توفیق بھی دی (تاکہ تم پر جو) کچھ (میرا انعام) و اکرام متوجہ (ہے) تم کو آخرت میں بہشت میں داخل کر کے (اس کی تکمیل کردوں اور تاکہ) دنیا میں (تم راہ) حق (پر) یعنی اسلام پر قائم رہنے والوں میں (رہو) جس پر وہ تکمیل نعمت مرتب ہوتی ہے۔

ربط: یہاں تک قبلہ کی بحث چلی آرہی تھی، اب اس بحث کو ایسے مضمون پر ختم فرمایا ہے جو اس بحث کی تمہید میں بانی کعبہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دعاء میں ضمناً آیا تھا یعنی رسول اللہ ﷺ کا اولاد ابراہیم میں ایک خاص شان کے ساتھ مبعوث ہونا، اس میں اس طرف بھی اشارہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت میں بانی کعبہ کی دعاء کو بھی دخل ہے، اس لئے اگر ان کا قبلہ کعبہ کو بنا دیا گیا تو اس میں کوئی تعجب یا انکار کی بات نہیں ہے۔ لہذا ارشاد ہے۔

كَمَآ أَرْسَلْنَا فِيكُمْ رَسُولًا مِّنكُمْ يَتْلُوا عَلَيْكُمْ ءَايَٰتِنَا وَيُزَكِّيكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ ٱلْكِتَٰبَ وَٱلْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُم مَّا لَمْ تَكُونُوا تَعْلَمُونَ ﴿١٥١﴾

ترجمہ: جس طرح بھیجا ہم نے تم میں رسول تم ہی میں سے پڑھتا ہے تم پر آیتیں ہماری اور پاک کرتا ہے تم کو اور سکھاتا ہے تم کو کتاب اور فہم کی باتیں اور سکھاتا ہے تم کو جو تم نہ جانتے تھے۔

تفسیر: یعنی ہم نے کعبہ کو قبلہ مقرر کر کے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک دعا جو تعمیر کعبہ کی

• مقبولیت کے بارے میں تھی اس طرح قبول کی (جس طرح ان کی دوسری دعا جو بعثت محمدؐیہ کے بارے میں تھی اس طرح قبول کی کہ (تم لوگوں میں ہم نے ایک) عظیم الشان (رسول کو بھیجا) جو کہ (تم ہی میں سے) ہیں اور وہ (ہماری آیات) واحکام (پڑھ پڑھ کر تم کو سناتے ہیں اور) جاہلی خیالات ورسوم سے (تمہاری صفائی کرتے رہتے ہیں اور تم کو کتاب) الٰہی (اور فہم کی باتیں بتاتے رہتے ہیں اور تم کو ایسی) مفید (باتیں تعلیم کرتے ہیں جن کی تم کو خبر بھی نہ تھی) اور نہ سابقہ کتابیں یا عقل ان کے لئے کافی تھی اور اس شان کے رسول کے مبعوث ہونے کی ابراہیم علیہ السلام کی دعا تھی تو اس کا ظہور ہو گیا۔

ربط: چونکہ اوپر کی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بڑی بڑی نعمتوں کا ذکر تھا یعنی کعبہ کا قبلہ بنانا، اس وجہ سے ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کا خاص تعلق ہونا، ملت میں ابراہیم علیہ السلام اور تمام انبیاء علیہم السلام کے ساتھ موافق ہونا، تحویل قبلہ کے وقت مسلمانوں کا اطاعت پر قائم رہنا، ایسے رسول کی امت اور تابع ہونا اس لئے اگلی آیت میں ان نعمتوں کے دینے والے کے ذکر اور ان کی نعمت کے شکر کا حکم فرما کر پچھلے مضمون کی تکمیل فرمائی۔

فَاذْكُرُوْنِیْٓ اَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوْا لِیْ وَلَا تَكْفُرُوْنِ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: سو تم یاد رکھو مجھ کو میں یاد رکھوں گا تم کو اور شکر گزاری کرو میری اور ناشکری مت کرو میری۔

تفسیر: ان مذکورہ نعمتوں پر (مجھ کو) نعمتیں دینے والے کی حیثیت سے (یاد کرو میں تم کو) عنایت و مہربانی سے) یاد رکھوں گا اور (میری) نعمت کی (شکر گذاری کرو اور) انکار نعمت یا ترک اطاعت سے (میری ناشکری مت کرو)

ربط: تحویل قبلہ پر جو مخالفین کی طرف سے اعتراض کیا جاتا تھا اس کے دو اثر تھے، ایک مذہب اسلام پر کہ اعتراض سے مذہب کی حقانیت میں شبہ پیدا کیا جاتا ہے، اوپر کی آیتوں میں اس اعتراض کا جواب دے کر اس اثر کا دفع کرنا مقصود تھا، دوسرا اثر مسلمانوں کی طبیعت پر کہ ناحق اعتراض سے قلب میں رنج اور صدمہ پیدا ہوتا ہے خاص طور سے اس وقت جب اعتراض کا کافی جواب دیئے جانے کے باوجود اس پر اصرار کیا جائے۔ اگلی آیت میں رنج و صدمہ کی تخفیف کا طریقہ کہ صبر و صلوۃ ہے بتا کر اس دوسرے اثر کو زائل فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! مدد لو صبر اور نماز سے، بیشک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو!) طبیعتوں میں غم ہلکا کرنے کے بارے میں (صبر اور نماز سے سہارا) اور مدد (حاصل کرو، بلاشبہ حق تعالیٰ) ہر طرح سے (صبر کرنے والوں کے ساتھ رہتے ہیں) اور نماز پڑھنے والوں کے ساتھ تو بدرجہ اولیٰ۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ نماز سب سے بڑی عبادت ہے۔ جب صبر میں یہ وعدہ ہے تو نماز جو اس سے بڑھ کر ہے اس میں تو بدرجہ اولیٰ یہ بشارت ہوگی۔

فائدہ: غم و حزن کی تخفیف میں صبر کو جو دخل اور اثر حاصل ہے وہ تجربہ اور مشاہدہ سے ہر ایک پر ظاہر ہے۔ رہا یہ کہ نماز کو اس میں کیا دخل ہے؟ تو جیسے کسی دوا کے خواص ہوتے ہیں جو تجربہ سے معلوم ہوتے ہیں اسی طرح نماز جو حضور قلب کے ساتھ ہو اس کے بھی اپنے خواص ہیں جن میں سے ایک تخفیف حزن ہے۔ تجربہ اور مشاہدہ سے ان خواص کو معلوم کرنا مشکل نہیں۔ اور ایک عام توجیہ یہ ہے کہ غم و حزن کی تخفیف کا مدار اس پر ہے کہ قلب کو کسی دوسری چیز کی طرف متوجہ اور مشغول کر دیا جائے اس سے طبیعت بہت بہل جاتی ہے۔ تو جب حضور قلب کے ساتھ نماز میں مشغولیت ہوگی اس سے عبادت اور معبود کی طرف یکسوئی اور توجہ ہوگی۔ اس عمل کی تکرار سے غم کا اثر کمزور ہونا شروع ہوگا۔

ربط: اوپر ایک خاص ناگوار واقعہ میں صبر کی تعلیم اور صابرین کی فضیلت بیان فرمائی تھی۔ اگلی آیتوں میں بعض دیگر خلاف طبع واقعات کی تفصیل اور ان میں صبر کی ترغیب اور فضیلت بیان فرماتے ہیں جن میں کفار کے ساتھ قتل و قتال کے مضمون کو پہلے لائے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ وہ بڑا عمل ہے اور بڑے عمل پر صبر کرنے والا چھوٹے عمل پر بدرجہ اولیٰ صبر کرے گا۔ دوسرے مقام کے ساتھ اس کو خاص مناسبت ہے کیونکہ مذکور معترضین کے ساتھ ہی قتل و قتال کا معاملہ پیش آتا تھا۔

وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِن لَّا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُم مُّصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾

ترجمہ: اور نہ کہو انکو جو قتل کئے جاتے ہیں خدا کی راہ میں کہ مردے ہیں۔ بلکہ وہ زندہ

ہیں لیکن تم (حواس سے) ادراک نہیں کر سکتے۔ اور ہم ضرور آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر سے اور بھوک سے اور نقصان سے مالوں کے اور جانوں کے اور میووں کے اور خوش خبری دے صبر کرنے والوں کو کہ جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت تو کہتے ہیں ہم تو اللہ ہی کا مال ہیں اور ہم اسی کی طرف لوٹ کر جانے والے ہیں، ایسے ہی لوگوں پر عنایتیں ہیں انکے رب کی اور عام رحمت بھی اور وہی ہیں سیدھی راہ پر۔

تفسیر: (اور جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی دین کے واسطے (قتل کئے جاتے ہیں ان) کی ایسی فضیلت ہے کہ ان (کی نسبت یوں بھی مت کہو کہ وہ) معمولی مردوں کی طرح (مردے ہیں، بلکہ وہ لوگ) ایک ممتاز حیات کے ساتھ (زندہ ہیں، لیکن تم) اپنے موجودہ (حواس سے) اس حیات کا (ادراک نہیں کر سکتے، اور) دیکھو (ہم) رضا و تسلیم کی صفت میں جو کہ ایمان کا تقاضا ہے (تمہارا امتحان کریں گے کسی قدر خوف سے) جو کہ مخالفین کے حملہ کرنے یا حوادث و شدائد کے نازل ہونے سے پیش آئے (اور) کسی قدر فقر و (فاقہ سے اور) کسی قدر (مال اور جان اور پھلوں کی کمی سے) مثلاً مویشی مر گئے یا کوئی آدمی مر گیا، یا بیمار ہو گیا یا پھل اور کھیتی کی پیداوار تلف ہو گئی، پس تم صبر کرنا (اور) جو لوگ ان امتحانوں میں پورے اتریں اور مستقل رہیں تو (آپ ایسے صابرین کو بشارت سنا دیجئے) جن کی یہ عادت ہے (کہ ان پر جب کوئی مصیبت پڑتی ہے تو وہ) دل سے سمجھ کر یوں (کہتے ہیں کہ ہم تو) اپنے مال و اولاد سمیت حقیقت میں (اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں) اور مالک حقیقی کو اپنی ملک میں ہر طرح کے تصرف کا اختیار حاصل ہے، اس سے مملوک کا دل تنگ ہو اس کا کیا معنی؟ (اور ہم سب) دنیا سے (اللہ تعالیٰ ہی کے پاس جانے والے ہیں) سو یہاں کے نقصانوں کا بدلہ وہاں جا کر مل جائے گا، اور بشارت کا جو مضمون ان کو سنایا جائے وہ یہ ہے کہ (ان لوگوں پر) جدا جدا (خاص خاص رحمتیں بھی ان کے پروردگار کی طرف سے) عنایت (ہوں گی اور) سب پر مشترکہ (عام رحمت بھی ہوگی، اور یہی لوگ ہیں جن کی) حقیقت حال تک (رسائی ہو گئی) کہ حق تعالیٰ کو ہر چیز کا مالک اور نقصان کا تدارک کر دینے والا سمجھ گئے۔

ربط: گذشتہ آیتوں میں واذابتلی ابراھیم سے دور تک خانہ کعبہ کا مفصل ذکر ہوا ہے جس کے اول میں خانہ کعبہ کے جائے عبادت ہونے کا بیان تھا، اور اس کے آگے دعائے ابراہیمی کی حکایت تھی کہ انہوں نے یہ درخواست کی تھی کہ ہمیں احکام مناسک سکھا دیئے جائیں اور مناسک میں حج و عمرہ بھی داخل ہے، لہٰذا بیت اللہ کا معبد ہونا جیسے اس کے قبلہ نماز بنانے سے ظاہر کیا گیا اسی طرح حج و عمرہ میں بیت اللہ کو مقصد بنا کر اس کی اہمیت کو واضح کیا گیا۔

لہذا اگلی آیت میں حج و عمرہ میں اس کے مقصد بننے کے متعلق ایک مضمون کا بیان ہے، وہ یہ کہ مکہ میں صفا و مروہ دو پہاڑیاں ہیں، حج و عمرہ میں کعبہ کا طواف کر کے ان کے درمیان میں دوڑتے چلتے ہیں جس کو سعی کہتے ہیں، چونکہ زمانہ جاہلیت میں بھی یہ سعی ہوتی تھی اور اس وقت صفا و مروہ پر کچھ مورتیاں رکھی تھیں اس لئے بعض مسلمانوں کو شبہ پڑ گیا کہ شاید یہ رسوم جاہلیت میں سے ہو اور موجب گناہ ہو اور بعض جاہلیت میں بھی اس کو گناہ سمجھتے تھے ان کو یہ شبہ ہوا کہ شاید اسلام میں بھی گناہ ہو، اللہ تعالیٰ کو یہ شبہ دفع فرمانا مقصود ہے، لہذا سابقہ مضمون میں کعبہ کے قبلہ نماز ہونے پر کفار کے اعتراض کا دفع کیا تھا اور آئندہ مضمون میں کعبہ کے مقصد حج و عمرہ ہونے کے متعلق ایک امر یعنی صفا و مروہ کی سعی پر خود مسلمانوں کے شبہ کا ازالہ فرماتے ہیں۔ اسی سے دونوں مضمونوں میں ربط بھی سمجھ میں آتا ہے۔

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا ؕ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: بے شک صفا اور مروہ نشانیوں میں سے ہیں اللہ کی سو جو کوئی حج کرے بیت اللہ کا یا عمرہ کرے تو کچھ گناہ نہیں اس کو کہ گردش کرے ان دونوں (کے درمیان) میں اور جو کوئی اپنی خوشی سے کرے کچھ نیکی تو اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔

تفسیر: صفا و مروہ کی سعی میں کوئی شبہ نہ کرو، کیونکہ (بلا شبہ صفا اور مروہ) اور ان کے درمیان میں سعی کرنا (منجملہ علامات) دین (خداوندی ہیں، سو جو شخص حج کرے بیت اللہ کا یا) اس کا (عمرہ کرے اس پر ذرا بھی گناہ نہیں) جیسا تم کو شبہ ہو گیا (ان دونوں کے درمیان) شرعی طریقہ کے مطابق (گردش کرنے میں) جس کا نام سعی ہے۔ اور اس میں گناہ کیوں ہونے لگا بلکہ ثواب ہوتا ہے کیونکہ (یہ سعی تو شرعاً امر خیر ہے (اور) ہمارے یہاں کا ضابطہ ہے کہ (جو شخص خوشی سے کوئی امر خیر کرے تو حق تعالیٰ) اس کی بڑی (قدردانی کرتے ہیں) اور اس خیر کرنے والے کی نیت و خلوص خوب جانتے ہیں، لہذا اس ضابطہ کی رو سے سعی کرنے والے کو اخلاص کے بقدر ثواب عنایت ہوگا۔

ربط: اوپر قبلہ کی بحث کے ضمن میں صاحب قبلہ رسول اللہ ﷺ کی نبوت کے متعلق اہل کتاب کے حق کو چھپانے کا مضمون اس آیت میں اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ الیٰ قولہ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ میں مذکور تھا آگے اس مضمون کی تکمیل کے واسطے حق کو چھپانے والوں کی اور کتمان حق پر اصرار کرنے

والوں کی وعید اور اگر توبہ کرلیں تو اس پر معافی کا وعدہ ارشاد فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنَٰتِ وَالْهُدَىٰ مِنْ بَعْدِ مَا بَيَّنَّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتَٰبِ ۙ أُولَٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللَّهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللَّٰعِنُونَ ﴿١٥٩﴾ إِلَّا الَّذِينَ تَابُوا وَأَصْلَحُوا وَبَيَّنُوا فَأُولَٰٓئِكَ أَتُوبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيمُ ﴿١٦٠﴾ إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَمَاتُوا وَهُمْ كُفَّارٌ أُولَٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللَّهِ وَالْمَلَٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ ﴿١٦١﴾ خَٰلِدِينَ فِيهَا ۖ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُونَ ﴿١٦٢﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو ہم نے اتارے مضامین صاف اور ہدایت کرنے والے بعد اس کے کہ ہم ان کو کھول چکے لوگوں کے واسطے کتاب میں ان پر لعنت کرتا ہے اللہ اور لعنت کرتے ہیں ان پر لعنت کرنیوالے، مگر جن لوگوں نے توبہ کی اور خرابی کو درست کیا اور (چھپائے ہوئے مضامین کو) بیان کر دیا تو ان کو معاف کرتا ہوں اور میں ہوں بڑا معاف کرنیوالا نہایت مہربان، بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی انہی پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں اور لوگوں کی سب کی، ہمیشہ رہیں گے اسی لعنت میں۔ نہ ہلکا کیا جائے گا ان پر سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیے جائیں گے۔

تفسیر: (جو لوگ چھپاتے ہیں ان مضامین کو جن کو ہم نے نازل کیا ہے جو کہ) اپنی ذات میں (واضح ہیں اور) دوسروں کے لئے (ہادی ہیں) اور چھپاتے بھی ہیں (اس) حالت (کے بعد کہ ہم ان) مضامین (کو کتاب) الٰہی تورات وانجیل (میں) نازل فرما کر (سب لوگوں کے لئے ظاہر کر چکے ہوں ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ بھی لعنت فرماتے ہیں) کہ اپنی رحمت خاصہ سے ان کو دور کر دیتے ہیں (اور) دوسرے بہت سے (لعنت کرنے والے بھی) جن کو حق چھپانے کے فعل سے نفرت ہے (ان پر لعنت بھیجتے ہیں) کہ ان پر بددعا کرتے ہیں۔ ہاں (مگر جو لوگ) ان چھپانے والوں میں سے اپنی اس حرکت سے حق تعالیٰ کے روبرو گذشتہ سے معذرت اور (توبہ کرلیں اور) جو کچھ ان کے اس فعل سے خرابی ہو گئی تھی، آئندہ کے لئے اس کی (اصلاح کردیں اور) اس اصلاح کا طریقہ یہ ہے کہ ان چھپائے ہوئے مضامین کو عام طور پر (ظاہر

کر دیں) تاکہ سب کو اطلاع ہو جائے اور ان پر لوگوں کو گمراہ کرنے کا بار نہ رہے۔ اور شریعت میں جو اظہار معتبر ہے وہ یہ ہے کہ اسلام کو قبول کر لیں کیونکہ اسلام نہ لانے میں نبوت محمدیہ کے متعلق عوام پر حق پھر بھی مخفی رہے گا، وہ یہی سمجھیں گے کہ اگر نبوت حق ہوتی تو یہ کتاب جاننے والے لوگ کیوں نہ ایمان لاتے، خلاصہ یہ کہ یہ لوگ مسلمان ہو جائیں (تو ایسے لوگوں) کے حال (پر میں) عنایت سے (متوجہ ہو جاتا ہوں) اور ان کی خطا معاف کر دیتا ہوں (اور میری تو بکثرت عادت ہے توبہ قبول کر لینا اور مہربانی فرمانا) کوئی توبہ کرنے والا ہونا چاہئے (البتہ جو لوگ) ان میں سے (اسلام نہ لائیں اور اسی غیر اسلام کی حالت پر مر جائیں ایسے لوگوں پر ہے) وہ مذکورہ (لعنت اللہ تعالیٰ کی اور فرشتوں اور آدمیوں کی بھی سب کی) اور وہ ایسے طور پر برسا کرے گی کہ (وہ ہمیشہ ہمیشہ کو اسی) لعنت (میں رہیں گے)۔ حاصل یہ کہ وہ جہنم میں ہمیشہ کے لئے داخل ہوں گے اور ہمیشہ کا جہنم میں رہنے والا ہمیشہ ہی خدا کی خاص رحمت سے دور بھی رہے گا اور یہی مطلب ہے ہمیشہ ملعون رہنے کا اور ہمیشگی لعنت کے ساتھ یہ بھی ہے کہ داخل ہونے کے بعد کسی وقت (ان) پر (سے) جہنم کا (عذاب ہلکا) بھی (نہ ہونے پائے گا اور نہ) داخل ہونے سے پہلے (ان کو) کسی میعاد تک (مہلت دی جائے گی) کیونکہ میعاد اس وقت دی جاتی ہے جب کہ مقدمہ میں گنجائش ہو اور گنجائش نہ ہونے پر اول ہی پیشی میں سزا کا حکم ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں کتمان حق پر وعید ذکر ہوئی اور اگرچہ عام حق ہر حق بات کو شامل ہے لیکن جملہ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ کے قرینہ سے وہ حق بات جو مقام کے ساتھ خصوصی مناسبت رکھتی ہے وہ حضرت محمد ﷺ کی رسالت ہے۔ اس لئے اس آیت میں رسول اللہ ﷺ کی رسالت کو ثابت کیا اور چونکہ عقیدہ توحید اور عقیدہ رسالت دین میں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم میں اس لئے اگلی آیت میں مسئلہ توحید کو ذکر کیا جاتا ہے۔

وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: اور مستحق عبادت تم سب کا ایک ہی معبود ہے کوئی عبادت کے لائق نہیں اس کے سوا بڑا مہربان ہے نہایت رحم والا۔

تفسیر: (اور) ایسا معبود (جو تم سب کے معبود بننے کا مستحق ہے وہ تو ایک ہی معبود) حقیقی (ہے اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہی رحمٰن ہے، رحیم ہے) کوئی اور ان صفات میں کامل نہیں، اور صفات میں کمال کے بغیر معبودیت کا استحقاق باطل ہے پس معبود حقیقی کے علاوہ کوئی اور مستحق عبادت نہ ہوا۔

ربط: مشرکین عرب نے جو آیت وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ اپنے عقیدہ کے خلاف سنی تو تعجب سے کہنے

لگے کہ کہیں سارے جہان کا ایک معبود بھی ہو سکتا ہے اور اگر یہ دعویٰ صحیح ہے تو کوئی دلیل پیش کرنا چاہئے، حق تعالیٰ آگے دلیل بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ مَاءٍ فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيهَا مِنْ كُلِّ دَابَّةٍ وَتَصْرِيفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ لَاٰيٰتٍ لِقَوْمٍ يَعْقِلُونَ ﴿۱۶۴﴾

ترجمہ: بے شک آسمان اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں سمندر میں لوگوں کو نفع دینے والی چیزیں اور پانی میں جس کو اتارا اللہ نے آسمان سے پھر زندہ کیا اس سے زمین کو اس کی موت کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں جو کہ تابعدار ہے اللہ کے حکم کا درمیان آسمان وزمین کے بیشک ان سب چیزوں میں دلائل ہیں عقلمندوں کے لئے۔

تفسیر: (بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے میں اور جہازوں) کے چلنے (میں جو کہ سمندر میں چلتے ہیں آدمیوں کے نفع کی چیزیں) اور اسباب (لے کر، اور) بارش کے (پانی میں جس کو اللہ تعالیٰ نے آسمان سے برسایا، پھر اس) پانی (سے زمین کو تر و تازہ کیا اس کے خشک ہونے کے بعد) یعنی اس میں نباتات پیدا کئے (اور) ان نباتات سے (ہر قسم کے حیوانات اس) زمین (میں پھیلا دئے) کیونکہ حیوانات کی زندگی اور توالد و تناسل اسی غذائے نباتی کی بدولت ہے (اور ہواؤں کے) یعنی انکی سمتیں اور کیفیتیں (بدلنے میں) کہ کبھی شرقی ہے کبھی غربی کبھی گرم ہے کبھی سرد (اور ابر) کے وجود (میں جو زمین و آسمان کے درمیان) اللہ کے حکم کا (تابعدار) ہے اور معلق (رہتا) ہے ان تمام چیزوں میں توحید کے (دلائل) کے موجود ہیں (ان لوگوں کے) استدلال کے (لئے جو عقل) سلیم (رکھتے ہیں)

ربط: اوپر کی آیت میں توحید کا اثبات تھا آگے مشرکین کی غلطی اور ان کے لئے وعید کا بیان فرماتے ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنۡ يَّتَّخِذُ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اَنۡدَادًا يُّحِبُّوۡنَهُمۡ كَحُبِّ اللّٰهِ ‌ؕ وَالَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ‌ؕ وَلَوۡ يَرَى الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡٓا اِذۡ يَرَوۡنَ الۡعَذَابَ ۙ اَنَّ الۡقُوَّةَ لِلّٰهِ جَمِيۡعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيۡدُ الۡعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾

ترجمہ: اور لوگوں میں سے بعض وہ ہیں جو بناتے ہیں اللہ کے علاوہ اوروں کو شریک۔ ان سے محبت ایسی رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ کی اور ایمان والے ان سے زیادہ شدید ہیں اللہ کی محبت میں۔ اور اگر سمجھ لیں یہ ظالم اس وقت جب کہ دیکھیں (دنیا کا) عذاب کہ قوت اللہ ہی کے لئے ہے سب کی سب اور یہ کہ اللہ عذاب کا سخت ہے (تو کیا ہی اچھا ہو)

تفسیر: (اور کچھ لوگ وہ) بھی (ہیں جو خدا تعالیٰ کے علاوہ اوروں کو بھی شریک) خدائی (قرار دیتے ہیں) اور ان کو اپنا کارساز سمجھتے ہیں اور (ان سے ایسی محبت رکھتے ہیں جیسی محبت اللہ سے) رکھنا (ضروری ہے) یہ حالت تو مشرکین کی ہے۔ (اور جو مومن ہیں ان کو) صرف (اللہ تعالیٰ کے ساتھ نہایت قوی محبت ہے) کیونکہ اگر کسی مشرک کو یہ ثابت ہو جائے کہ میرے معبود سے مجھ پر کوئی ضرر پڑے گا تو فوراً محبت منقطع ہو جائے اور مومن باوجود اس کے کہ حق تعالیٰ کو نافع کے علاوہ ضرر دینے والا بھی اعتقاد کرتا ہے لیکن پھر بھی اس کی محبت و رضا باقی رہتی ہے۔ علاوہ ازیں اکثر مشرکین شدید مصیبت کے وقت اپنے شرکاء کو چھوڑ دیتے ہیں جب کہ مومنین مصیبت میں بھی خدا پر ایمان کو نہیں چھوڑتے تھے۔ اگرچہ ممکن ہے کہ بعض مشرکین ایسے بھی ہوں کہ سخت مصیبت میں بھی اپنے شرکاء کو نہ چھوڑتے ہوں اور ان کی محبت پر قائم رہتے ہوں لیکن اکثر کا حال وہی ہے جو ذکر ہوا اور گفتگو میں اکثر لوگوں کی غالب حالت کا اعتبار کرتے ہوئے کلی حکم ذکر کیا جاتا ہے۔ (اور کیا خوب ہوتا اگر یہ ظالم) مشرکین (جب) دنیا میں (کسی مصیبت) و عذاب (کو دیکھتے تو) اس کے وقوع میں غور کر کے (یہ) سمجھ لیا کرتے کہ سب قوت حق تعالیٰ ہی کے لئے ہے اور دوسرے سب اس کے سامنے عاجز ہیں، چنانچہ اس مصیبت کو نہ کوئی روک سکا نہ ٹال سکا اور نہ ایسے وقت میں اور کوئی یاد رہا (اور) اس مصیبت کی شدت میں غور کر کے (یہ) سمجھ لیا کرتے (کہ اللہ تعالیٰ کا عذاب) آخرت میں کہ دار الجزاء ہے (اور بھی سخت ہوگا)، تو اس طرح غور کرنے سے تراشیدہ معبودوں کا عجز اور حق تعالیٰ کی قدرت و عظمت جان کر توحید و ایمان اختیار کر لیتے۔

ربط: اوپر عذاب آخرت کو سخت بتایا ہے آگے اس سختی کی کیفیت کا بیان فرماتے ہیں۔

إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا مِنَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا وَرَأَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْأَسْبَابُ ﴿١٦٦﴾ وَقَالَ الَّذِينَ اتَّبَعُوا لَوْ أَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّأَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوا مِنَّا ۗ كَذَٰلِكَ يُرِيهِمُ اللَّهُ أَعْمَالَهُمْ حَسَرَاتٍ عَلَيْهِمْ ۖ وَمَا هُمْ بِخَارِجِينَ مِنَ النَّارِ ﴿١٦٧﴾

ترجمہ: جب کہ براءت ظاہر کریں گے وہ کہ جن کی پیروی کی گئی تھی ان سے جنہوں نے پیروی کی تھی اور دیکھیں گے عذاب اور منقطع ہو جائیں گے ان کے سب تعلقات اور کہیں گے پیروکار کیا اچھا ہوتا جو ہم کو دنیا کی طرف لوٹ جانا مل جاتا تو پھر ہم بھی برائت ظاہر کرتے ان سے جیسے انہوں نے برائت ظاہر کی ہم سے، اسی طرح پر دکھائے گا اللہ ان کو ان کے کام حسرت دلانے کو اور وہ ہرگز نکلنے والے نہیں آگ سے۔

تفسیر: عذاب کی وہ سختی اس وقت معلوم ہو گی (جب کہ) ان مشرکین میں سے (وہ) ذی اثر (لوگ جن کے کہنے پر دوسرے) عوام (چلتے تھے، ان) عام (لوگوں سے صاف الگ ہو جائیں گے جو ان کے کہنے پر چلے تھے اور سب) خواص و عوام (عذاب کا مشاہدہ کرلیں گے اور باہم ان میں جو تعلقات تھے) کہ ایک تابع تھا دوسرا متبوع تھا وغیرہ وغیرہ (اس وقت سب منقطع ہو جائیں گے) جیسے دنیا میں بھی دیکھا جاتا ہے کہ جرم میں سب شریک و متفق ہوتے ہیں لیکن مقدمہ کی تفتیش کے وقت سب الگ الگ بچنا چاہتے ہیں کہ ایک دوسرے کی شناخت تک کے منکر ہو جاتے ہیں (اور) جب (یہ تابع لوگ) متبوعین کی یہ طوطا چشمی دیکھیں گے تو بڑے جھنجلائیں گے اور تو کچھ نہ ہو سکے گا مگر جھلا کر (یوں کہنے لگیں گے کسی طرح ہم سب کو) دنیا میں (بس ذرا ایک دفعہ جانا مل جائے تو ہم بھی ان سے) اتنا بدلہ تو لے لیں کہ اگر یہ پھر ہم کو اپنے تابع ہونے کی ترغیب دیں تو ہم بھی ان کو (صاف) ٹکا سا جواب دے کر (الگ ہو جائیں) جیسا یہ (ہم سے) اس وقت (صاف الگ ہو بیٹھے) اور کہہ دیں کہ جناب آپ وہی ہیں کہ عین موقع پر بے رخی کی تھی اب ہم سے کیا غرض۔ حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ ان تجویزوں اور سوچ بچاروں سے سوائے حسرت کے کیا ہاتھ آئے گا (اللہ تعالیٰ یوں ہی ان کی بداعمالیاں ان کو دکھائیں گے حسرت) غم (دلانے کو اور ان) تابعین و متبوعین سب (کو دوزخ سے نکلنا کبھی نصیب نہ ہو گا) کیونکہ شرک کی سزا جہنم میں ہمیشہ کے لئے رہنا ہے۔

فائدہ: اس عذاب میں کئی طرح کی شدت ثابت ہوئی۔ اول دوزخ کا عذاب خود حسی طور پر شدید ہے۔ دوسرے سربراہوں کے خشک جواب دینے سے اور اس وقت پیروکاروں کو سوائے غیظ و غضب اور

تمنائے انتقام کے کچھ بن نہ پڑنے سے اور سب مشرکین پر حسرت واقع ہونے سے جو کہ روحانی عذاب ہے اس حسی عذاب میں معنوی شدت بڑھ گئی۔

ربط: اوپر اہل شرک کے عقیدہ کا بطلان تھا آگے اہل شرک کے بعض اعمال کا بطلان ہے۔ بعض مشرکین بتوں کے نام جانور چھوڑتے تھے اور ان کو قابل تعظیم اعتقاد کر کے ان سے نفع اٹھانے کو حرام سمجھتے تھے اور اپنے اس فعل کے بارے میں دعوی کرتے تھے کہ یہ اللہ کا حکم ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا کا موجب ہے اور اس کی وجہ سے بتوں کی شفاعت کے واسطہ سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے۔ حق تعالیٰ اس بارے میں خطاب فرماتے ہیں کہ:

يَآأَيُّهَا النَّاسُ كُلُوا مِمَّا فِي الْأَرْضِ حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۚ إِنَّهُ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِينٌ ﴿۱۶۸﴾ إِنَّمَا يَأْمُرُكُمْ بِالسُّوٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَأَنْ تَقُولُوا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُونَ ﴿۱۶۹﴾

ترجمہ: اے لوگو! کھاؤ زمین کی چیزوں میں سے حلال پاکیزہ اور پیروی نہ کرو شیطان کے قدموں کی۔ بیشک وہ تمہارا دشمن ہے صریح، وہ تو بس حکم کرے گا تم کو برے کام اور بے حیائی کا اور یہ کہ تم جھوٹ لگاؤ اللہ پر وہ باتیں جن کو تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (اے لوگو! جو چیزیں زمین میں موجود ہیں ان میں سے) شرعی (حلال پاک چیزوں) کی نسبت اجازت ہے کہ ان (کو کھاؤ اور) ان میں سے کسی حلال چیز سے یہ سمجھ کر پرہیز کرنا کہ اس سے اللہ راضی ہوگا یہ سب شیطانی خیالات ہیں لہذا تم (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، فی الواقع وہ) شیطان (تمہارا صریح دشمن ہے) کہ ایسے ایسے خیالات اور ایسی جہالتوں سے تم کو خسران ابدی میں گرفتار کر رکھا ہے اور دشمن ہونے کی وجہ سے (وہ تم کو انہی باتوں کی تعلیم کرے گا جو کہ) شرعاً (بری اور گندی ہیں اور یہ) بھی تعلیم کرے گا (کہ اللہ کے ذمہ وہ باتیں لگاؤ جن کی تم سند بھی نہیں رکھتے) مثلاً یہی کہ ہم کو خدا تعالیٰ ہی نے ان باتوں کا حکم دیا ہے جو ہم کر رہے ہیں)۔

ربط: مشرکین کے طریقے کا بطلان ذکر ہوا آگے اس طریقے کے حق میں دلیل کا بطلان ذکر ہے۔

وَإِذَا قِيلَ لَهُمُ اتَّبِعُوا مَآ أَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ أَلْفَيْنَا عَلَيْهِ آبَآءَنَا ۗ أَوَلَوْ كَانَ آبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُونَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُونَ ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ تابعداری کرو اس حکم کی جو کہ نازل فرمایا اللہ نے تو کہتے ہیں (ہر گز نہیں) بلکہ ہم تو تابعداری کریں گے اس کی جس پر دیکھا ہم نے اپنے باپ دادوں کو۔ کیا اگرچہ ان کے باپ دادے نہ سمجھتے ہوں کچھ بھی اور نہ ہدایت رکھتے ہوں۔

تفسیر: (اور جب کوئی ان) مشرک (لوگوں سے کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو حکم) اپنے پیغمبرؐ کے پاس (بھیجا ہے، اس پر چلو تو) جواب میں (کہتے ہیں) کہ نہیں (بلکہ ہم تو اسی) طریقہ (پر چلیں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے) کیونکہ وہ لوگ اس طریقہ کے اختیار کرنے میں اللہ کی جانب سے مامور تھے۔ حق تعالیٰ ان پر رد فرماتے ہیں کہ (کیا) ہر حالت میں یہ لوگ اپنے باپ دادا ہی کے طریقہ پر چلیں گے (اگرچہ ان کے باپ دادا) دین کی (نہ کچھ عقل و سمجھ رکھتے ہوں اور نہ) کسی آسمانی کتاب کی (ہدایت رکھتے ہوں)

فائدہ: مطلب یہ کہ خود ان باپ دادا کے طریقے کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دلیل نہیں بنایا گیا تھا جب کہ دلیل ہونے کی دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک یہ کہ کتاب الٰہی یا ارشاد رسول میں صراحت سے ذکر ہو جس کو ہدایت سے تعبیر کیا۔ اور دوسرے کتاب الٰہی یا ارشاد رسول میں کسی حکم کی علت کو دیکھ کر قیاس کیا جائے جس کو عقل سے تعبیر فرمایا۔ سو مشرکین کے باپ دادا تو ان دونوں سے عاری تھے تو پھر ایسے لوگوں کی تقلید کی گنجائش کہاں ؟ اور پھر تقلید بھی ایسی بات میں جس کے خلاف کھلی ہدایت کتاب الٰہی میں موجود ہے۔

اس سے یہ معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے بارے میں صحیح اور معتبر دلیل سے معلوم ہو جائے کہ اس کا قول کسی دلیل شرعی پر مبنی ہے خواہ وہ دلیل قرآن و حدیث ہو یا قیاس ہو اور کسی شرعی دلیل کے مخالف نہیں ہے تو اس بزرگ کا قول اتباع اور تقلید کے قابل ہوتا ہے۔ ائمہ مجتہدین کے اقوال کا اسی وجہ سے اتباع کیا جاتا ہے کہ کسی دلیل شرعی پر مبنی ہوتے ہیں۔

ربط: اوپر ان مشرکین کی بد فہمی کا بیان تھا جو حق قبول نہ کرنے کا منشاء ہے۔ آگے اس بد فہمی کے بارے میں ان کی ایک مثال کا ذکر کیا۔

وَمَثَلُ الَّذِينَ كَفَرُوا كَمَثَلِ الَّذِي يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ إِلَّا دُعَاءً وَنِدَاءً ۚ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُونَ ﴿١٧١﴾

ترجمہ: اور مثال کافروں کی ایسی ہے جیسے پکارے کوئی شخص ایسی چیز کو (یعنی جانور کو) جو کچھ نہ سنے سوائے پکارنے اور چلانے کے۔ بہرے گونگے اندھے ہیں سو وہ کچھ نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (اور ان کافروں کی کیفیت) نافہمی میں (اس) جانور کی (کیفیت کے مثل ہے) جس کا ذکر اس مثال میں کیا جاتا ہے (کہ ایک شخص ہے وہ ایسے) جانور (کے پیچھے چلا رہا ہے جو سوائے بلانے اور پکارنے

کے کوئی) بامعنی اور پر مضمون (بات نہیں سنتا)۔اسی طرح (یہ کفار) بھی ظاہری بات چیت تو سنتے ہیں، لیکن حق کی بات سے بالکل بہرے ہیں) گویا سنا ہی نہیں (گونگے ہیں) کہ کبھی ایسی بات زبان ہی پر نہیں آتی (اندھے ہیں) کیونکہ حق نظر ہی نہیں آتا (سو) جب سارے ہی حواس مختل ہیں تو (سمجھتے) سمجھاتے (کچھ نہیں)۔

ربط: آگے مسلمانوں کو حکم ہوا کہ مشرکین کے طریقوں سے بچیں خصوصاً حرام کو حلال کہنے اور حلال کو حرام بنانے سے بچیں اور کھانے پینے کی چیزوں میں شرک کی تلویث سے بچتے ہوئے صرف حلال اور پاکیزہ چیزوں کو استعمال کریں۔اسی کے ضمن میں اہل ایمان کو ادائے شکر کی تعلیم بھی دی۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾ اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو کھاؤ پاکیزہ چیزیں جو دیں ہم نے تم کو اور شکر کرو اللہ کا اگر تم اسی کی بندگی کرتے ہو، اس نے تم پر محض حرام کیا ہے مردہ جانور اور خون اور خنزیر کا گوشت کا اور جس جانور پر نام پکارا جائے اللہ کے سوا کسی اور کا۔ پھر جو کوئی لاچار ہو جائے اس حال میں کہ نہ تو طالب لذت ہو اور نہ تجاوز کرنے والا ہو تو اس پر کچھ گناہ نہیں۔ بیشک اللہ ہے بڑا بخشنے والا نہایت مہربان۔

تفسیر: (اے ایمان والو!) ہماری طرف سے تم کو اجازت ہے کہ (جو) شرع کی رو سے (پاک چیزیں ہم نے تم کو عطا فرمائی ہیں ان میں سے) جو چاہو (کھاؤ اور) اس اجازت کے ساتھ یہ حکم بھی ہے کہ (حق تعالیٰ کی شکر گزاری کرو) زبان سے بھی اور ہاتھ پاؤں سے خدمت و اطاعت بجالا کر بھی اور دل سے ان نعمتوں کو منجانب اللہ سمجھ کر بھی (اگر تم خاص ان کے ساتھ عبادت کا تعلق رکھتے ہو) اور چونکہ تمہارا یہ تعلق ہونا تو ظاہر ہے، لہذا وجوب شکر بھی ثابت ہے۔

(اللہ تعالیٰ نے تم پر) ان چیزوں کو حرام نہیں کیا جن کو تم اپنی طرف سے حرام کر رہے ہو جیسا کہ گذرا بلکہ (صرف مردار) جانور (کو) جو ذبح شرعی کے بغیر مر جائے (اور خون کو) جو بہتا ہو (اور خنزیر کے گوشت کو) اسی طرح اس کے سب اجزاء کو بھی (اور ایسے جانور کو جو) تقرب کی غرض سے (غیر اللہ کے نامزد کر دیا گیا ہو) ان سب کو بیشک حرام کیا ہے (پھر بھی) اس میں اتنی آسانی رکھی ہے کہ (یہ شخص)

بھوک سے بہت ہی (بیتاب ہو جائے، بشرطیکہ نہ تو) کھانے میں (طالب لذت ہو اور نہ) قدر ضرورت و حاجت سے (تجاوز کرنے والا ہو تو) اس حالت میں ان چیزوں کے کھانے میں بھی (اس شخص پر کچھ گناہ نہیں ہوتا، واقعی اللہ تعالیٰ بڑے غفور رحیم ہیں) کہ ایسے وقت میں یہ رحمت فرمائی کہ گناہ کی چیز میں سے بھی گناہ اٹھادیا۔

ربط: اوپر کی آیات میں ان حرام چیزوں کا ذکر تھا جو محسوسات میں سے ہیں، اگلی آیات میں ایسے حرام کاموں کا ذکر ہے جو محسوس نہیں بلکہ وہ باطنی اور ظاہری اعمال شر ہیں، مثلاً علمائے یہود میں یہ مرض تھا کہ عوام سے رشوت لے کران کے مطلب کے موافق غلط فتوے دیدیتے تھے اور توریت کی آیات میں تحریف کر کے انکو عوام کی مرضی کے موافق بناتے تھے، اس میں امت محمدیہ کے علماء کو بھی تنبیہ ہے کہ وہ ایسے افعال سے اجتناب کریں اور کسی نفسانی غرض سے احکام حق کے اظہار میں کوتاہی نہ کریں۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٧٤﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿١٧٥﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿١٧٦﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ چھپاتے ہیں جو کچھ نازل کی اللہ نے کتاب اور لیتے ہیں اس پر تھوڑی قیمت وہ نہیں بھرتے اپنے پیٹ میں مگر آگ اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے لئے ہوگا عذاب دردناک، یہی ہیں جنہوں نے خرید ا گمراہی کو بعوض ہدایت کے اور عذاب کو بعوض بخشش کے، سو کس قدر صبر کرنیوالے ہیں دوزخ پر، یہ (مذکورہ سزائیں) اس واسطے ہیں کہ اللہ نے نازل فرمائی کتاب سچ کے ساتھ اور جنہوں نے اختلاف ڈالا کتاب میں وہ بے شک خلاف (ورزی) میں دور جا پڑے۔

تفسیر: (اس میں کوئی شبہ نہیں کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ کی بھیجی ہوئی کتاب) کے مضامین (کو

چھپاتے ہیں اور اس) خیانت (کے معاوضہ میں) دنیا کی (متاع قلیل وصول کرتے ہیں ایسے لوگ اور کچھ نہیں اپنے پیٹ میں آگ کے) انگارے (بھر رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان سے نہ تو قیامت میں) لطف کے ساتھ (کلام کریں گے اور نہ) گناہ معاف کر کے (ان کی صفائی کریں گے، اور ان کو دردناک سزا ہو گی، یہ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے) دنیا میں تو (ہدایت چھوڑ کر گمراہی اختیار کی اور) آخرت میں (مغفرت چھوڑ کر عذاب) سر پر لیا (سو) شاباش ہے ان کی ہمت کو (دوزخ) میں جانے (کے لئے کیسے باہمت ہیں) اور (یہ) ساری مذکورہ (سزائیں) ان کو (اس وجہ سے ہیں کہ حق تعالیٰ نے) اس (کتاب کو ٹھیک ٹھیک بھیجا تھا، اور جو لوگ) ایسی ٹھیک ٹھیک بھیجی ہوئی (کتاب میں بے راہی) اختیار (کریں، وہ ظاہر ہے کہ بڑی دور) و دراز (کی خلاف) ورزی (میں) مبتلا (ہیں) اور ایسی خلاف ورزی پر ضرور ایسی ہی سخت سزاؤں کا استحقاق ہوتا ہے۔

ربط: شروع سورت سے یہاں تک تقریباً نصف سورہ بقرہ ہے۔ اس میں زیادہ روئے سخن منکرین کی طرف تھا، اس لئے سب سے اول قرآن کی حقانیت کا اثبات کیا، اس ضمن میں اس کے ماننے والے اور نہ ماننے والے فرقوں کا ذکر کیا، پھر توحید و رسالت کو ثابت کیا، پھر ابراہیم علیہ السلام کی اولاد پر انعامات و احسانات کو اذابتلی ابراھیم تک بیان فرمایا، وہاں سے قبلہ کی بحث چلی، اور اس کو بیان کر کے صفا و مروہ کی بحث پر ختم کیا۔

پھر توحید کے اثبات کے بعد شرک کے اصول و فروع کا ابطال کیا اور یہاں تک یہی بیان ہوا اور ان سب مضامین میں ظاہر ہے کہ منکرین کو زیادہ تنبیہ ہے اور ضمناً کوئی خطاب مسلمانوں کو ہو جانا اور بات ہے۔

اب اگلی آیات میں کہ سورہ بقرہ کا تقریباً بقیہ نصف ہے، زیادہ تر مقصود مسلمانوں کو بعض اصول و فروع کی تعلیم کرنا ہے، گو ضمناً غیر مسلمین کو بھی کوئی خطاب ہو جائے اور یہ مضمون سورت کے ختم تک چلا گیا ہے اور اس کو ایک مجمل عنوان بر سے شروع کیا گیا ہے لفظ بر بکسر الباء عربی زبان میں مطلق خیر کے معنی میں ہے جو تمام ظاہری اور باطنی طاعات و خیرات کو جامع ہے اور اول آیات میں جامع الفاظ کے ذریعہ سے کلی اور اصولی تعلیم دی گئی ہے، مثلاً ایمان بالکتاب اور اللہ کی رضا کیلئے مال خرچ کرنا عہد پورا کرنا اور جنگ و تنگی میں صبر کرنا وغیرہ جس میں قرآن کے تمام احکام کے بنیادی اصول آگئے، کیوں کہ شریعت کے کل احکام کا حاصل تین چیزیں ہیں، عقائد، اعمال، اخلاق۔ باقی تمام جزئیات انہیں کلیات کے تحت میں داخل ہیں اور اس آیت میں ان تینوں قسم کے بڑے بڑے شعبے آگئے۔

آگے اس بر کی تفصیل چلی ہے جس میں وقت و مقام کے تقاضوں کے مطابق بہت سے احکام مثل

قصاص، وصیت، روزہ، جہاد، حج، انفاق، حیض، ایلاء، یمین، طلاق، نکاح، عدت، مہر، تکرار ذکر جہاد، انفاق فی سبیل اللہ، بعض معاملات بیع و شراء اور شہادت بقدر ضرورت بیان فرما کر اس تفصیل کو بشارت اور وعدہ رحمت و مغفرت پر ختم فرمادیا۔ پس چونکہ ان مضامین کا حاصل بر کا اجمالی اور تفصیلی بیان ہے اس لئے اگر اس مجموعہ کا لقب ابواب البر رکھا جائے تو نہایت مناسب ہے۔

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالْكِتٰبِ وَالنَّبِيّٖنَ ۚ وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾

ترجمہ: نیکی کچھ یہی نہیں کہ تم کرلو اپنا منہ مشرق کی طرف یا مغرب کی طرف لیکن (اصل) نیکی تو یہ ہے کہ کوئی ایمان لائے اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور فرشتوں پر اور سب کتابوں پر اور پیغمبروں پر اور دے مال اللہ کی محبت میں رشتہ داروں کو اور یتیموں کو اور محتاجوں کو اور مسافروں کو اور مانگنے والوں کو اور گردنیں چھڑانے میں اور قائم رکھے نماز اور دیا کرے زکوۃ، اور پورا کرنے والے اپنے عہد کو جب عہد کریں اور صبر کرنے والے سختی میں اور تکلیف میں اور لڑائی کے وقت۔ یہی لوگ ہیں سچے اور یہی ہیں پرہیزگار۔

تفسیر: (کچھ سارا کمال اسی میں نہیں) آگیا (کہ تم اپنا منہ مشرق کو کرلو، یا مغرب کو) کرلو (لیکن) اصلی (کمال تو یہ ہے کہ کوئی شخص اللہ تعالیٰ) کی ذات و صفات (پر یقین رکھے اور) اسی طرح (قیامت کے دن) کے آنے (پر) بھی (اور فرشتوں پر) بھی کہ وہ اللہ کی فرمانبردار بندے ہیں، نور سے بنے ہیں، گناہ سے معصوم ہیں، کھانے پینے اور انسانی شہوات سے پاک ہیں (اور) سب (کتب) ساویہ (پر) بھی (اور) سب (پیغمبروں پر) بھی (اور) وہ شخص (مال دیتا ہو اللہ کی محبت میں) اپنے حاجتمند (رشتہ داروں کو اور) نادار (یتیموں کو) یعنی جن بچوں کو ان کا باپ نابالغ اور فقیر چھوڑ کر مرگیا ہو (اور) دوسرے غریب

(محتاجوں کو) بھی (اور) بے خرچ (مسافروں کو اور) لاچاری میں (سوال کرنے والوں کو اور) قیدی اور غلاموں کی (گردن چھڑانے میں) بھی مال خرچ کرتا ہو (اور) وہ شخص (نماز کی پابندی) بھی (رکھتا ہو اور) مقررہ (زکوۃ بھی ادا کرتا ہو اور جو اشخاص) کہ ان عقائد و اعمال کے ساتھ یہ اخلاق بھی رکھتے ہوں کہ (اپنے عہدوں کو پورا کرنے والے ہوں جب) کسی جائز بات کا (عہد کرلیں اور) اس صفت کو خصوصیت کے ساتھ کہوں گا کہ (وہ لوگ) ان مواقع میں (مستقل) مزاج (رہنے والے ہوں) ایک تو تختی (تنگدستی میں اور) دوسرے تکلیف (و بیماری میں اور) تیسرے معرکہ (قتال) کفار (میں) یعنی پریشان اور کم ہمت نہ ہوں بس (یہ لوگ ہیں جو سچے) کمال کے ساتھ موصوف (ہیں اور یہی لوگ ہیں جو) سچے (متقی) کہے جا سکتے (ہیں) غرض دین کے اصلی مقاصد اور کمالات یہ ہیں نماز میں کسی سمت کو منہ کرنا انہی کمالات میں سے ایک کمال خاص ہے جو کہ اقامت صلوۃ کے توابع اور شرائط میں سے ہے اور نماز کے حسن سے اس میں بھی حسن آگیا ورنہ اگر نماز نہ ہوتی تو کسی خاص سمت کو منہ کرنا بھی عبادت نہ ہوتا۔

ربط: ابواب البر کے کچھ احکام جزئیہ کا بیان ہوتا ہے جو ضرورت اور حالات و واقعات کے مطابق بیان ہوئے۔

پہلا حکم: قصاص

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾ وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر قصاص (یعنی برابری کرنا) مقتولوں میں، آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ پھر جس کو معاف کر دیا جائے اس کے بھائی کی طرف سے کچھ تو مطالبہ کرنا بھلے طریقے سے اور ادا کرنا اس کو خوبی کے ساتھ۔ یہ تخفیف ہے تمہارے رب کی طرف سے اور مہربانی ہے۔ پھر جو زیادتی کرے اس فیصلہ کے بعد تو اس کے لئے ہے عذاب دردناک، اور تمہارے واسطے قصاص میں جانوں کا بڑا بچاؤ ہے اے عقلمندو! امید ہے کہ تم پرہیز رکھو گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم پر) قانون (قصاص فرض کیا گیا ہے) قتل عمد کے (مقتولین کے بارے میں) یعنی ہر قاتل (آزاد آدمی) قتل کیا جائے ہر دوسرے مقتول (آزاد آدمی کے عوض میں اور) اسی طرح ہر قاتل (غلام) دوسرے ہر مقتول (غلام کے عوض میں اور) اسی طرح ہر قاتل (عورت) دوسری ہر مقتول (عورت کے عوض میں) گو یہ قاتلین بڑے درجہ کے اور مقتولین چھوٹے درجہ کے ہوں جب بھی سب سے برابر قصاص لیا جائے گا یعنی قاتل ہی کو سزا میں قتل کیا جائے گا (ہاں جس) قاتل (کو اس کے فریق) مقدمہ (کی طرف سے کچھ معافی ہو جائے) مگر پوری معافی نہ ہو (تو) اس کی وجہ سے سزائے قتل سے تو وہ بری ہو گیا، لیکن دیت یعنی (خون بہا) کے طور پر مال کی ایک معین مقدار قاتل کے ذمہ واجب ہو جائے گی تو اس وقت فریقین کے ذمہ ان دو باتوں کی رعایت ضروری ہے، مدعی یعنی وارث مقتول کے ذمہ تو (معقول طور پر) اس مال کا (مطالبہ کرنا) ہے کہ اس کو زیادہ تنگ نہ کرے (اور) مدعا علیہ یعنی قاتل کے ذمہ (خوبی کے ساتھ) اس مال کا (اس) مدعی (کے پاس پہنچا دینا) ہے کہ مقدار میں کمی نہ کرے اور خواہ مخواہ ٹالے نہیں (یہ) عفو و دیت کا قانون (تمہارے پروردگار کی طرف سے) سزا میں (تخفیف ہے اور) شاہانہ (ترحم ہے) ورنہ سوائے سزائے قتل کے کوئی گنجائش ہی نہ ہوتی (پھر جو شخص اس) قانون (کے) مقرر ہونے کے (بعد تعدی کا مرتکب ہو) مثلاً کسی پر قتل کا جھوٹا دعوی کر دے یا محض شبہ کی وجہ سے کسی پر قتل کا دعوی کر دے یا معاف کر کے پھر قتل کی پیروی کرے (تو اس شخص کو) آخرت میں (بڑا دردناک عذاب ہو گا اور اے عقلمند لوگو) اس قانون (قصاص میں تمہاری جانوں کا بڑا بچاؤ ہے) کیونکہ اس قانون کے خوف سے لوگ ارتکاب قتل سے ڈریں گے تو کئی جانیں بچیں گی (ہم امید کرتے ہیں کہ تم لوگ) ایسے قانون امن کی خلاف ورزی سے (پرہیز رکھو گے)۔

فائدہ: قصاص کے لفظی معنی مماثلت کے ہیں، مراد یہ ہے کہ جتنا ظلم کسی نے کسی پر کیا اتنا ہی بدلہ لینا دوسرے کے لئے جائز ہے، اس سے زائد لینا جائز نہیں، خود قرآن مجید میں عنقریب اسی سورت میں اس کی زیادہ وضاحت اس طرح آئی ہے: **فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ** اور سورہ نحل کی آخری آیات میں **وَاِنْ عَاقَبْتُمْ فَعَاقِبُوْا بِمِثْلِ مَا عُوْقِبْتُمْ بِهٖ** اسی مضمون کے لئے آیا ہے۔

اسی لئے شریعت کی اصطلاح میں قصاص کہا جاتا ہے قتل کرنے اور زخم لگانے کی اس سزا کو جس میں مساوات اور مماثلت کی رعایت کی گئی ہو۔

دوسرا حکم۔ وصیت:

شروع اسلام میں جب تک میراث کے حصے شریعت کی جانب سے مقرر نہ ہوئے تھے، یہ حکم تھا کہ

ترکہ کے ایک تہائی میں مرنے والا اپنے والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے لئے جتنا جتنا مناسب سمجھے وصیت کردے، اتنا تو ان لوگوں کا حق تھا، باقی جو کچھ رہتا وہ سب اولاد کا حق ہوتا تھا، اس آیت میں یہی حکم مذکور ہے۔ بعد میں جب میراث کے واضح احکام آگئے اور وارثوں کے حصے تفصیل سے سورہ نساء میں بتا دیئے گئے اس وقت وارثوں کے حق میں وصیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔ دوسرے غیر وارث رشتہ داروں کے لئے باجماع امت وصیت لازم نہیں ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿١٨٠﴾ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَ مَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿١٨١﴾ فَمَنْ خَافَ مِنْ مُوصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١٨٢﴾

ترجمہ: فرض کیا گیا تم پر جب حاضر ہو کسی کے پاس تم میں سے موت بشرطیکہ چھوڑے کچھ مال وصیت کرنا ماں باپ کے واسطے اور رشتہ داروں کے لئے معقول طور پر۔ یہ حکم لازم ہے (خدا سے) ڈرنے والوں پر۔ پھر جو کوئی بدل ڈالے وصیت کو اسکے سن لینے کے بعد تو اس کا گناہ انہی پر ہے جو اسکو بدلتے ہیں۔ بیشک اللہ سننے والا جاننے والا ہے، پھر جو کوئی خوف کرے وصیت کرنے والے سے طرفداری کا یا گناہ کا پھر ان میں باہم صلح کرادے تو اس پر کچھ گناہ نہیں بیشک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔

تفسیر: (تم پر فرض کیا جاتا ہے کہ جب کسی کو) آثار سے (موت نزدیک معلوم ہونے لگے بشرطیکہ کچھ مال بھی ترکہ میں چھوڑا ہو تو) اپنے (والدین اور) دیگر (اقارب کے لئے معقول طور پر) کہ مجموعہ ایک تہائی سے زیادہ نہ ہو (کچھ کچھ حصہ بتا جائے) اس کا نام وصیت ہے۔ (جن کو خدا کا خوف ہے ان کے ذمہ یہ ضروری) کیا جاتا (ہے پھر) جن لوگوں نے اس وصیت کو سنا ہے ان میں سے (جو شخص) بھی (سن لینے کے بعد اس) کے مضمون (کو تبدیل کرے گا) اور باہمی تقسیم و فیصلہ کے وقت غلط اظہار دے گا اور اس کے موافق فیصلہ ہونے سے کسی کا حق تلف ہوگا (تو اس) حق تلفی (کا گناہ انہی لوگوں کو ہوگا جو اس)

مضمون (کو تبدیل کریں گے) حاکم عدالت کو یا ثالث کو یا مرنے والے کو گناہ نہ ہوگا کیونکہ (اللہ تعالیٰ تو یقیناً سنتے ہیں جانتے ہیں) تو تبدیل کرنے والے کے اظہار کو بھی سنتے ہیں اور حاکم کا بے خبر اور معذور ہونا بھی جانتے ہیں (ہاں) ایک طرح کی تبدیلی کی اجازت بھی ہے وہ یہ کہ (جس شخص کو وصیت کرنے والے کی جانب سے) وصیت کے بارے میں (کسی غلطی سے یا قصداً) قانون وصیت کی کسی دفعہ کی خلاف ورزی کے (کسی جرم کے ارتکاب کی تحقیق ہوئی ہو) اور اس بے ضابطہ وصیت کی وجہ سے اس میت کی وصیت کے مال کے مستحقین اور باقی ترکہ کے مستحقین میں نزاع کا خطرہ یا وقوع معلوم ہو (پھر یہ شخص ان میں باہم مصالحت کرادے) گو وہ مصالحت اس مضمون وصیت کے خلاف پر ہو جو ظاہراً تبدیل وصیت ہے (تو اس شخص پر کوئی) بار (گناہ نہیں ہے) اور (واقعی اللہ تعالیٰ تو) خود گناہوں کے (معاف فرمانے والے ہیں اور) گنہگاروں پر (رحم کرنے والے ہیں) اور اس شخص نے تو کوئی گناہ نہیں کیا کیونکہ وصیت میں تبدیلی اصلاح کے لئے کی ہے، تو اس پر رحمت کیوں نہ ہوگی۔

تیسرا حکم: روزہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِيْنَ يُطِيْقُوْنَهٗ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِيْنٍ ؕ فَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ؕ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو فرض کیا گیا تم پر روزہ جیسے فرض کیا گیا تھا تم سے پہلے لوگوں پر اس توقع پر کہ تم پرہیز گار بن جاؤ۔ (روزہ رکھ لو) گنتی کے چند روز پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا سفر پر ہو تو اس پر ان کی گنتی ہے دوسرے دنوں سے اور جن کو طاقت ہے روزہ کی ان کے ذمہ فدیہ ہے ایک فقیر کا کھانا پھر جو کوئی خوشی سے کرے نیکی تو بہتر ہے اس کے واسطے اور تمہارا روزہ رکھنا زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم سمجھ رکھتے ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم پر روزہ فرض کیا گیا) جس طرح (تم سے پہلے) گزشتہ امتوں کے (لوگوں پر فرض کیا گیا تھا، اس توقع پر کہ تم) روزہ کی بدولت رفتہ رفتہ (متقی بن جاؤ) کیونکہ روزہ رکھنے سے

نفس کو اس کے متعدد تقاضوں سے روکنے کی عادت پڑے گی اور اس عادت کی پختگی ہی تقویٰ کی بنیاد ہے۔ سو (تھوڑے دنوں روزہ رکھ لیا کرو)۔ ان تھوڑے دنوں سے مراد رمضان ہے جیسا اگلی آیت میں آتا ہے۔ (پھر) اس میں بھی اتنی آسانی ہے کہ (جو شخص تم میں) ایسا (بیمار ہو) کہ اس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو (یا) شرعی (سفر میں ہو تو) اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے رمضان کے (دوسرے ایام کا) اتنا ہی (شمار) کر کے ان میں روزہ (رکھنا) اس پر واجب (ہے اور) دوسری آسانی یہ ہے جو بعد میں منسوخ کر دی گئی کہ (جو لوگ روزے کی طاقت رکھتے ہوں) اور پھر روزہ رکھنے کو دل نہ چاہے تو (ان کے ذمہ صرف روزے کا (فدیہ) یعنی بدلہ (ہے جو ایک غریب کو کھانا) کھلانا یا دینا (ہے، اور جو شخص خوشی سے) زیادہ (خیر) خیرات (کرے) کہ زیادہ فدیہ دیدے (تو یہ اس شخص کے لئے اور بہتر ہے اور) گو ہم نے آسانی کے لئے فدیہ دینے اور روزہ نہ رکھنے کی اجازت دیدی ہے، لیکن (تمہارا روزہ رکھنا اس حالت میں بھی زیادہ (بہتر ہے اگر تم) روزے کی کچھ فضیلت کی (خبر رکھتے ہو)

ربط: اوپر ارشاد ہوا کہ تھوڑے دن روزے رکھ لیا کرو۔ آگے ان تھوڑے دنوں کا بیان ہے۔

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: مہینہ رمضان کا ہے جس میں نازل کیا گیا ہے قرآن جو ہدایت ہے واسطے لوگوں کے اور (اسکی آیتیں) روشن دلائل ہیں (اور یہ) ان کتب میں سے ہے جو ہدایت ہیں اور (حق و باطل کے درمیان) فیصلہ کرنے والی ہیں۔ سو جو کوئی موجود ہو تم میں سے اس مہینہ میں تو روزے رکھے اس کے اور جو کوئی ہو بیمار یا سفر میں تو اس کی گنتی (پوری کرے) دوسرے دنوں سے۔ (اور اللہ نے ایسے احکام اس لئے دیئے کہ) اللہ چاہتا ہے تم پر آسانی اور نہیں چاہتا تم پر دشواری اور اس واسطے کہ تم پوری کرو گنتی اور تاکہ بڑائی بیان کرو اللہ کی اس بات پر کہ تم کو (ایسا) طریقہ بتایا اور تاکہ تم شکر ادا کرو۔

تفسیر: وہ تھوڑے ایام جن میں روزے کا حکم ہوا ہے (ماہ رمضان ہے جس میں) ایسی برکت ہے

کہ اس کے ایک خاص حصہ یعنی شب قدر میں (قرآن مجید) لوح محفوظ سے آسمان دنیا پر (بھیجا گیا ہے، جس کا) ایک (وصف یہ ہے کہ لوگوں کے لئے) ذریعہ (ہدایت ہے اور) دوسرا وصف یہ ہے کہ ہدایت کے طریقے بتانے میں اس کا جزو جزو (واضح دلالت والا ہے) اور ان دونوں وصفوں میں یہ (ان کتب) سماویہ (میں سے) ہے جو کہ انہی دو وصفوں سے موصوف ہیں یعنی ذریعہ (ہدایت) بھی (ہیں اور) دلالت میں واضح ہونے کی وجہ سے حق و باطل کے درمیان (فیصلہ کرنے والی) بھی (ہیں۔ سو جو شخص اس ماہ میں موجود ہو اس کو ضرور اس میں روزہ رکھنا چاہئے) اور وہ فدیہ کی اجازت جو اوپر مذکور تھی منسوخ ہوئی (اور) مریض اور مسافر کے لئے جو اوپر قانون تھا وہ البتہ اب بھی اسی طرح باقی ہے کہ (جو شخص) ایسا (بیمار ہو) کہ اس کو روزہ رکھنا مشکل یا مضر ہو (یا) وہ شرعی (سفر میں ہو تو) اس کو رمضان میں روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اور بجائے ایام رمضان کے (دوسرے ایام کا) اتنا ہی (شمار) کر کے ان میں روزہ (رکھنا) اس پر واجب ہے (اللہ تعالیٰ کو تمہارے ساتھ) احکام میں (آسانی) کی رعایت (کرنا منظور ہے) اس لئے ایسے احکام مقرر کئے جن کو تم آسانی سے بجالا سکو، چنانچہ سفر اور مرض میں کیسا آسان قانون مقرر کر دیا (اور تمہارے ساتھ) احکام و قوانین مقرر کرنے میں (دشواری منظور نہیں) کہ سخت احکام تجویز کر دیتے (اور) یہ احکام مذکور ہم نے خاص خاص مصلحتوں نے مقرر کئے، چنانچہ اولاً روزہ ادا رکھنے کا اور کسی شرعی عذر سے رہ جائے تو دوسرے ایام میں قضا کرنے کا حکم تو اسی لئے کیا (تاکہ تم لوگ) ادا یا قضا پوری کر کے ایام کے (شمار کی تکمیل کر لیا کرو) تاکہ ثواب میں کمی نہ رہے (اور) خود قضا رکھنے کا حکم اس لئے کیا (تاکہ تم لوگ اللہ تعالیٰ کی بزرگی) اور ثناء (بیان کیا کرو اس پر کہ تم کو) ایک ایسا (طریقہ بتادیا) جس سے تم روزوں کی برکات و ثمرات سے محروم نہ رہو، ورنہ اگر قضا واجب نہ ہوتی تو کون اتنے روزے رکھ کر ثواب حاصل کرتا (اور) عذر کی وجہ سے خاص رمضان میں بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت اس لئے دیدی (تاکہ تم لوگ) اس آسانی کی نعمت پر اللہ تعالیٰ کا (شکر ادا کیا کرو) کیونکہ اگر یہ اجازت نہ ہوتی تو سخت مشقت ہو جاتی)

ربط: پچھلی تین آیتوں میں روزہ اور رمضان کے احکام اور فضائل کا ذکر تھا اور اس کے بعد بھی ایک طویل آیت میں روزہ اور اعتکاف کے احکام کی تفصیل ہے، درمیان کی اس مختصر آیت میں بندوں کے حال پر حق تعالیٰ کی خاص عنایت، ان کی دعائیں سننے اور قبول کرنے کا ذکر فرما کر اطاعت احکام کی ترغیب دی گئی ہے، کیونکہ روزہ کی عبادت میں رخصتوں اور سہولتوں کے باوجود کسی قدر مشقت ہے، اس کو سہل کرنے کے لئے اپنی مخصوص عنایت کا ذکر فرمایا کہ میں اپنے بندوں سے قریب ہی ہوں جب بھی وہ دعا مانگتے ہیں میں ان کی دعائیں قبول کرتا ہوں اور ان کی حاجات کو پورا کر دیتا ہوں۔ ان حالات میں بندوں کو بھی

چاہئے کہ میرے احکام کی تعمیل میں کچھ مشقت بھی ہو تو برداشت کریں۔

وَإِذَا سَأَلَكَ عِبَادِي عَنِّي فَإِنِّي قَرِيبٌ ۖ أُجِيبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ إِذَا دَعَانِ ۖ فَلْيَسْتَجِيبُوا لِي وَلْيُؤْمِنُوا بِي لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُونَ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: اور جب تجھ سے پوچھیں میرے بندے میرے بارے میں سو میں تو قریب ہوں قبول کرتا ہوں دعا مانگنے والے کی دعا کو جب مجھ سے دعا مانگے تو چاہئے کہ وہ حکم مانیں میرا اور یقین رکھیں مجھ پر تاکہ نیک راہ پر آئیں۔

تفسیر: (اور) اے محمد ﷺ (جب آپؐ سے میرے بندے میرے متعلق دریافت کریں) کہ میں ان سے قریب ہوں یا دور (تو) میری طرف سے ان سے فرمادیجئے کہ (میں قریب ہی ہوں) اور سوائے نامناسب درخواست کے (منظور کرلیتا ہوں) ہر (درخواست کرنے والے کی درخواست جب کہ وہ میرے حضور میں درخواست دے، سو) جس طرح میں ان کی عرض معروض کو منظور کرلیتا ہوں (ان کو چاہئے کہ میرے احکام کو) بجا آوری کے ساتھ (قبول کیا کریں) اور چونکہ ان احکام میں کوئی حکم نامناسب نہیں اس لئے اس میں استثناء ممکن نہیں (اور مجھ پر یقین رکھیں) یعنی میری ہستی پر بھی، میرے حاکم ہونے پر بھی، میرے حکیم ہونے پر اور اس پر بھی کہ میں مصلحتوں کی رعایت کرتا ہوں اس طرح (امید ہے کہ وہ لوگ رشد) وفلاح (حاصل کرسکیں گے)

فائدہ 1: یہ جو فرمایا کہ میں قریب ہوں تو جیسے حق تعالیٰ کی ذات کی حقیقت بے مثل اور بے کیفیت ہونے کی وجہ سے ادراک نہیں کی جاسکتی اسی طرح ان کی صفات کی حقیقت بھی معلوم نہیں ہوسکتی لہٰذا ایسے مباحث میں زیادہ تفتیش جائز نہیں اجمالاً اتنا سمجھ لیں کہ جیسی ان کی ذات ان کی شان کے مناسب ہے ان کا قرب بھی ویسا ہے جو ان کی شان کے مناسب ہو۔

2: دعا کے ساتھ جو سوائے نامناسب درخواست کی قید لگائی گئی ہے تو یہ اس وسوسہ کو دور کرنے کے لئے ہے کہ بعض اوقات دیکھا جاتا ہے کہ دعا قبول نہیں ہوتی۔ حاصل جواب یہ ہے کہ وہ دعا اس شخص کے مناسب حال نہیں ہوتی اور یہ ضروری نہیں کہ جو چیز واقع میں نامناسب ہو اس کے نامناسب ہونے کی اطلاع خود اس شخص کو بھی ہو جایا کرے۔ البتہ دعا کرنا رائیگاں نہیں جاتا بلکہ اس کے بدلہ میں کوئی اور مصیبت ٹال دی جاتی ہے یا کوئی اور نعمت عطا کردی جاتی ہے یا آخرت میں ثواب جمع کردیا جاتا ہے۔

چوتھا حکم: روزے کی رات میں کھانے پینے اور جماع کی حلت

شروع اسلام میں یہ حکم تھا کہ رات کو ایک دفعہ سو جانے کے بعد پھر رات میں آنکھ کھلے تو کھانا پینا اور بیوی سے صحبت کرنا حرام تھا۔ بعض صحابہ سے غلبہ طلب میں اس حکم کے امتثال میں کوتاہی ہو گئی پھر نادم ہو کر رسول اللہ ﷺ کو اس کی خبر دی۔ ان کی ندامت اور توبہ پر اللہ تعالیٰ نے رحمت فرمائی اور اس حکم کو منسوخ فرمادیا۔

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَائِكُمْ ۚ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ۗ عَلِمَ اللَّهُ أَنَّكُمْ كُنتُمْ تَخْتَانُونَ أَنفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنكُمْ ۖ فَالْآنَ بَاشِرُوهُنَّ وَابْتَغُوا مَا كَتَبَ اللَّهُ لَكُمْ ۚ وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتَّىٰ يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْأَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْأَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۖ ثُمَّ أَتِمُّوا الصِّيَامَ إِلَى اللَّيْلِ ۚ

ترجمہ: حلال کیا گیا تمہارے لئے روزہ کی رات میں مشغول ہونا اپنی عورتوں سے۔ وہ پوشاک ہیں تمہاری اور تم پوشاک ہو ان کی۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم خیانت کرتے تھے اپنی جانوں سے سو عنایت فرمائی تم پر اور درگذر کیا تم سے۔ تو ملو ان سے اور طلب کرو اس کو جو لکھ دیا ہے اللہ نے تمہارے لئے اور کھاؤ اور پیو جب تک کہ واضح ہو جائے تم کو سفید دھاری صبح کی جدا سیاہ دھاری سے، پھر پورا کرو روزے کو رات تک۔

تفسیر: (تم لوگوں کے واسطے روزہ کی شب میں اپنی بیویوں سے مشغول ہونا حلال کر دیا گیا) اور پہلے جو اس سے ممانعت تھی وہ موقوف کی گئی (کیونکہ) قرب واتصال کی وجہ سے (وہ تمہارے لباس) کی جگہ (ہیں اور تم ان کے لباس) کی جگہ ہو، (خدا تعالیٰ کو اس کی خبر تھی کہ تم) اس حکم الٰہی میں (خیانت) کر (کے گناہ میں اپنے کو مبتلا کر رہے تھے) مگر (خیر) جب تم نے معذرت پیش کی تو (اللہ تعالیٰ نے تم پر عنایت فرمائی اور تم سے گناہ کو دھو دیا، سو) جب اجازت ہو گئی تو (اب ان سے ملو ملاؤ اور جو) اجازت (تمہارے لئے تجویز کر دی ہے) بے تکلف (اس کا سامان کرو اور) جس طرح روزے کی رات میں بیوی سے ہمبستری کی اجازت ہے اسی طرح یہ بھی اجازت ہے کہ تمام رات میں جب چاہو (کھاؤ) بھی (اور پیو) بھی (اس وقت تک کہ تم کو سفید خط صبح) صادق کی روشنی (کا واضح ہو جائے سیاہ خط سے یعنی رات کی تاریکی سے (تو پھر)

صبح صادق سے (رات) آنے (تک روزہ کو پورا کیا کرو)۔

صبح کی سفیدی کا سفید خط رات کی تاریکی کے سیاہ خط سے واضح ہو جانے سے مراد یہ ہے کہ صبح صادق یقینی طور سے ثابت ہو جائے۔

پانچواں حکم: اعتکاف

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ فِى الْمَسٰجِدِ

ترجمہ: اور نہ ملاؤ اپنا بدن اپنی عورتوں سے جب تک کہ تم اعتکاف کر رہے ہو مسجدوں میں۔

تفسیر: (اور ان بیویوں) کے بدن (سے بدن بھی) شہوت کے ساتھ (مت ملنے دو جس زمانے میں کہ تم لوگ اعتکاف والے ہو) جو کہ (مسجدوں میں) ہوا کرتا ہے۔

مذکورہ احکام کی تاکید

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۷﴾

ترجمہ: یہ ضابطے ہیں اللہ کے سوان سے نکلنے کے نزدیک نہ ہو۔ اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ اپنے احکام لوگوں کے واسطے تاکہ وہ پرہیز رکھیں۔

تفسیر: (یہ) سب مذکورہ احکام (خداوندی ضابطے ہیں، سوان) ضابطوں (سے) نکلنا تو کیسا (نکلنے کے نزدیک بھی مت ہونا) اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام بیان کئے ہیں (اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنے) اور (احکام) بھی (لوگوں) کی اصلاح (کے واسطے بیان فرمایا کرتے ہیں، اس امید پر کہ وہ لوگ) احکام پر مطلع ہو کر ان احکام کے خلاف کرنے سے (پرہیز رکھیں)۔

چھٹا حکم: مال حرام سے ممانعت

وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کا آپس میں ناحق اور نہ لے جاؤ ان کو حاکموں تک کہ کھا جاؤ کوئی حصہ لوگوں کے مال میں سے گناہ کے ساتھ (ناحق) جبکہ تم کو علم بھی ہو۔

تفسیر: (اور آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق مت کھاؤ اور ان) کے جھوٹے مقدمہ (کو حکام

کے یہاں اس غرض سے مت لے جاؤ کہ) اس کے ذریعہ سے (لوگوں کے مالوں کا ایک حصہ گناہ) یعنی ظلم (کے طریقے سے کھا جاؤ، جب کہ تم کو) اپنے جھوٹ اور ظلم کا (علم بھی ہو)

ساتواں حکم: حج وغیرہ میں چاند کے حساب کا اعتبار

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۭ قُلْ هِىَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۭ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حالت نئے چاندوں کی۔ کہدے کہ وہ وقت جاننے کا ذریعہ ہیں لوگوں کے واسطے اور حج کے واسطے۔

تفسیر: بعضے آدمی (آپؐ سے) ان (چاندوں کے) ہر مہینہ گھٹنے بڑھنے کی (حالت) کی وجہ اور اس میں جو فائدہ ہے اس فائدہ (کی تحقیقات کرتے ہیں آپؐ فرمادیجئے کہ) قرآن تو کتاب ہدایت ہے اور چاند کے گھٹنے بڑھنے کی وجہ کا انسان کی ہدایت سے کوئی تعلق نہیں البتہ اس کے فائدہ سے تعلق ہے اور فائدہ اس کا یہ ہے کہ (وہ چاند) اپنے اس گھٹنے اور بڑھنے کے اعتبار سے (آلہ شناخت اوقات ہیں لوگوں کے) اختیاری معاملات مثلاً عدت اور مطالبہ حقوق کے (لئے اور) غیر اختیاری عبادات مثل (حج) اور زکوۃ و روزہ وغیرہ (کے لئے)۔

شمسی حساب سے عمل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہر ایک کے پاس کیلنڈر ہو یا آجکل کی طرح اس کا عام رواج ہو۔ جہاں اور جب یہ سہولت نہ ہو یا مثلاً وہ لوگ جو ان پڑھ دیہاتی ہیں یا جنگلوں پہاڑوں میں رہنے والے ہیں تو پھر ایام اور تاریخ کو پہچاننے کے لئے چاند کا حساب سب سے زیادہ سہل ہے اور اس تک عام رسائی ممکن ہے۔ چونکہ شریعت سب زمانوں سب طرح کے حالات اور سب طبقات کے لئے ہے اس لئے شریعت نے احکام و عبادات کا مدار بطور اصول و ضابطہ قمری حساب پر رکھا ہے۔

آٹھواں حکم: حالت احرام میں گھر میں آنے کے طریقے کی اصلاح

بعض لوگ اسلام سے پہلے اگر حج کا احرام باندھنے کے بعد کسی ضرورت سے گھر جانا چاہتے تھے تو دروازہ سے جانا ممنوع جانتے تھے، اس لئے پشت کی دیوار میں نقب دے کر اس میں سے اندر جاتے تھے، اور اس عمل کو فضیلت سمجھتے تھے، حق تعالیٰ اس کے متعلق حج کے ذکر کے بعد ارشاد فرماتے ہیں۔

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا ۠ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: اور یہ نیکی نہیں کہ گھروں میں آؤ ان کی پشت کی طرف سے اور لیکن نیکی یہ ہے

کہ کوئی بچے (حرام سے) اور گھروں میں آؤ انکے دروازوں سے اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم کامیاب ہو جاؤ۔

تفسیر: (اور اس میں کوئی فضیلت نہیں کہ گھروں میں ان کی پشت کی طرف سے آیا کرو، ہاں لیکن فضیلت یہ ہے کہ کوئی شخص حرام) چیزوں (سے بچے اور) چونکہ گھروں میں دروازہ کی طرف سے آنا حرام نہیں ہے اس لئے اس سے بچنا بھی ضروری نہیں، سو اگر آنا چاہو تو (گھروں میں ان کے دروازوں سے آؤ، اور) اصل الاصول تو یہ ہے کہ (خدا تعالٰی سے ڈرتے رہو) اس سے البتہ (امید ہے کہ تم) دارین میں (کامیاب ہو)۔

نواں حکم: کفار کے ساتھ قتال

ذی قعدہ 6 ہجری میں رسول اللہ ﷺ ادائے عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ تشریف لے چلے۔ اس وقت تک مکہ معظمہ مشرکین کے قبضہ اور حکومت میں تھا، ان لوگوں نے حضور ﷺ اور آپؐ کے ہمراہیوں کو مکہ کے اندر نہ جانے دیا اور عمرہ رہ گیا، آخر بڑی گفتگو کے بعد یہ معاہدہ قرار پایا کہ آئندہ سال تشریف لا کر عمرہ ادا فرمائیں، چنانچہ ذی قعدہ 7ھ میں پھر آپ اسی قصد سے تشریف لے چلے، لیکن آپؐ کے ساتھی مسلمانوں کو اندیشہ ہوا کہ شاید مشرکین اپنا معاہدہ پورا نہ کریں اور مقابلہ ولڑائی پر آمادہ ہو جائیں تو ایسی حالت میں خاموش رہنے میں مصلحت نہ ہو گی اور اگر مقابلہ کیا جائے تو ذی قعدہ میں قتال لازم آتا ہے، جب کہ یہ ان چار مہینوں میں سے ہے جن کو اشہر حرم یعنی حرمت واحترام والے مہینے کہا جاتا ہے، ان چاروں مہینوں میں اس وقت تک قتل و قتال حرام و ممنوع تھا، یہ چار مہینے ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم اور رجب تھے، غرض مسلمان اس تردد سے پریشان تھے، حق تعالٰی نے یہ آیتیں نازل فرمائیں کہ ان خاص معاہدہ کرنے والوں کے ساتھ باہمی معاہدہ کی وجہ سے تم کو اپنی جانب سے قتال میں پہل کرنے کی اجازت نہیں، لیکن اگر وہ لوگ خود عہد شکنی کریں اور تم سے لڑنے کو آمادہ ہو جائیں تو اس وقت تم کسی طرح کا اندیشہ دل میں مت لاؤ۔

وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ وَاَخْرِجُوْهُمْ مِّنْ حَيْثُ اَخْرَجُوْكُمْ وَالْفِتْنَةُ اَشَدُّ مِنَ الْقَتْلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوْهُمْ

عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ حَتّٰى يُقٰتِلُوْكُمْ فِيْهِ ۚ فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انْتَهَوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انْتَهَوْا فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۹۴﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو لڑنے لگیں تم سے اور حد سے تجاوز مت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتا حد سے تجاوز کرنے والوں کو۔ اور قتل کرو ان کو جس جگہ پاؤ اور نکال دو ان کو جہاں سے انہوں نے تم کو نکالا اور شرارت (یعنی عہد شکنی) قتل کرنے سے بھی زیادہ سخت ہے۔ اور نہ لڑو ان سے مسجد الحرام کے پاس جب تک وہ نہ لڑیں تم سے اس جگہ۔ پھر اگر وہ خود ہی لڑیں تم سے تو ان کو قتل کرو۔ یہی ہے سزا کافروں کی۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو بیشک اللہ بہت بخشنے والا نہایت مہربان ہے۔ اور لڑو ان سے یہاں تک کہ نہ باقی رہے فساد (عقیدہ) اور دین رہے خدا تعالیٰ کا۔ پھر اگر وہ باز آئیں تو کسی پر زیادتی نہیں سوائے ظالموں کے، حرمت والا مہینہ ہے بعوض حرمت والے مہینہ کے اور حرمتیں بدلہ کی چیز ہیں۔ پھر جو تم پر زیادتی کرے تم اس پر زیادتی کرو جیسی اس نے زیادتی کی ہے تم پر اور ڈرتے رہو اللہ سے اور یقین کر لو کہ اللہ ساتھ ہے پرہیزگاروں کے۔

تفسیر: (اور) بے تکلف (تم) بھی (لڑو اللہ کی راہ میں) دین کی حمایت کی نیت سے (ان لوگوں کے ساتھ جو) عہد توڑ کے (تمہارے ساتھ لڑنے لگیں اور) از خود (حد) معاہدہ (سے مت نکلو) کہ عہد شکنی کر کے لڑنے لگو، (واقعی اللہ تعالیٰ) قانون شرعی کی (حد سے نکلنے والوں کو پسند نہیں کرتے اور) جس حالت میں وہ خود عہد شکنی کریں تو اس وقت دل کھول کر خواہ (ان کو قتل کرو جہاں ان کو پاؤ اور) خواہ (ان کو مکہ سے (نکال باہر کرو جہاں سے انہوں نے تم کو (تنگ کر کے اور ایذائیں پہنچا کر (نکلنے) اور ہجرت کرنے (پر مجبور کیا) ہے اور تمہارے اس قتل کرنے واخراج کرنے کے بعد بھی عقلاً الزام انہیں پر رہے گا، کیونکہ

عہد شکنی جو ان سے واقع ہو گی بڑی شرارت کی بات ہے اور ایسی (شرارت) ضرر میں (قتل) واخراج (سے بھی سخت تر ہے) کیونکہ اس قتل واخراج کی نوبت اس شرارت ہی کی بدولت پہنچتی ہے (اور) ان کے ساتھ قتال میں پہل کرنے سے معاہدہ کے علاوہ ایک اور امر بھی مانع ہے وہ یہ کہ حرم شریف یعنی مکہ اور اس کا گرداگرد ایک واجب الاحترام جگہ ہے اور اس میں قتال کرنا اس کے احترام کے خلاف ہے، اس لئے بھی حکم دیا جاتا ہے کہ (ان کے ساتھ مسجد حرام کے قرب) ونواح (میں جو حرم کہلاتا ہے (قتال مت کرو جب تک کہ وہ لوگ وہاں تم سے خود نہ لڑیں، ہاں اگر وہ) کفار (خود ہی لڑنے کا سامان کرنے لگیں تو) اس وقت پھر تم کو بھی اجازت ہے کہ (تم) بھی (ان کو مارو) دھاڑو۔ (ایسے کافروں کی) جو حرم میں لڑنے لگیں (ایسی ہی سزا ہے۔ پھر اگر) قتال شروع کرنے کے بعد بھی (وہ لوگ) یعنی مشرکین مکہ اپنے کفر سے (باز آجائیں) اور اسلام قبول کرلیں (تو) ان کا اسلام بے قدر نہ سمجھا جائے گا بلکہ (اللہ تعالیٰ) ان کے گذشتہ کفر کو (بخش دیں گے اور) مغفرت کے علاوہ بے شمار نعمتیں دے کر ان پر (مہربانی) بھی (فرمائیں گے اور) اگر وہ لوگ اسلام نہ لائے تو اگرچہ دوسرے کفار کے لئے اسلامی قانون یہ ہے کہ وہ اپنے مذہب پر رہتے ہوئے بھی اگر اسلامی حکومت کی اطاعت اور جزیہ دینے کا اقرار کرلیں تو ان کا قتل ہی جائز نہیں رہتا بلکہ ان کے حقوق کی حفاظت اسلامی حکومت پر لازم ہو جاتی ہے، مگر یہ خاص کفار چونکہ اہل عرب ہیں ان کے لئے قانون جزیہ نہیں، بلکہ ان کے لئے صرف دو راستے ہیں اسلام یا قتل۔ اس واسطے (ان کے ساتھ اس حد تک لڑو کہ) ان میں (فساد عقیدہ) یعنی شرک (نہ رہے اور) ان کا (دین) خالص (اللہ ہی کا ہو جائے) اور کسی کے دین ومذہب کا خالصاً اللہ کے لئے ہو جانا موقوف ہے قبول اسلام پر، تو حاصل یہ ہوا کہ شرک چھوڑ کر اسلام اختیار کر لیں۔ (اور اگر وہ لوگ) کفر سے (باز آجائیں) جس کا ذکر ابھی ہوا بھی ہے (تو) آخرت میں مغفرت ورحمت کے مستحق ہونے کے ساتھ دنیا میں ان کے لئے تم کو یہ قانون بتایا جاتا ہے کہ سزا کی (سختی کسی پر نہیں ہوا کرتی، سوائے بے انصافی کرنے والوں کے) جو براہ بے انصافی خدائی احسانات کو بھول کر کفر وشرک کرنے لگیں۔ اور جب یہ لوگ اسلام لے آئے تو بے انصاف نہ رہے، لہٰذا ان پر سزائے قتل کی سختی نہ رہی۔ اور مسلمانو! تم کو جو یہ خیال ہے کہ کفار مکہ اگر اپنے عہد پر قائم نہ رہے تو حرمت والے مہینے یعنی ذی قعدہ میں ان سے لڑنا پڑے گا سو اس سے بھی بے فکر رہو، کیونکہ (حرمت والا مہینہ) تم کو قتال کفار سے مانع ہو سکتا ہے (بعوض) اس کے کہ اس (حرمت والے مہینہ کے) سبب وہ بھی تم سے قتال نہ کریں (اور وجہ یہ ہے کہ یہ حرمتیں تو عوض معاوضہ کی چیزیں ہیں) سو جو تمہارے ساتھ ان حرمتوں کی رعایت کرے تو تم بھی رعایت رکھو اور (جو تم پر) ایسی حرمتوں کی رعایت نہ کر کے (زیادتی کرے تو تم بھی اس پر زیادتی کرو جیسی

اس نے تم پر زیادتی کی ہے اور) ان سب مذکورہ احکام کے برتاؤ میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ کسی امر میں شرعی حد سے تجاوز نہ ہونے پائے (اور یقین کرلو کہ اللہ تعالیٰ) اپنی عنایت و رحمت سے (ان ڈرنے والوں کے ساتھ ہوتے ہیں)

دسواں حکم: جہاد میں انفاق

وَاَنْفِقُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا تُلْقُوْا بِاَیْدِیْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛۚ وَاَحْسِنُوْا ۛۚ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: اور خرچ کرو اللہ کی راہ میں اور نہ ڈالو اپنی جان کو اپنے ہاتھوں ہلاکت میں۔ اور کام اچھی طرح کرو بیشک اللہ پسند کرتا ہے اچھی طرح کام کرنیوالوں کو۔

(اور تم لوگ) جان کے ساتھ مال بھی (خرچ کیا کرو اللہ کی راہ) یعنی جہاد (میں اور اپنے آپ کو اپنے ہاتھوں تباہی میں مت ڈالو) کہ ایسے مواقع میں جان و مال خرچ کرنے سے بزدلی یا بخل کرنے لگو جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تم کمزور ہو جاؤ گے اور مخالف قوی ہو جائے گا جو کہ عین تباہی ہے (اور) جو (کام) کرو (اچھی طرح کیا کرو) مثلاً اس موقع پر خرچ کرنا ہے تو دل کھول کر خوشی سے اچھی نیت کے ساتھ خرچ کرو (بلاشبہ اللہ تعالیٰ پسند کرتے ہیں اچھی طرح کام کرنے والوں کو)۔

گیارہواں حکم: متعلق حج و عمرہ

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنْ اُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ وَلَا تَحْلِقُوْا رُءُوْسَكُمْ حَتّٰى یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ بِهٖۤ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْیَةٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ فَاِذَاۤ اَمِنْتُمْ ٙ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَیْسَرَ مِنَ الْهَدْیِ ۚ فَمَنْ لَّمْ یَجِدْ فَصِیَامُ ثَلٰثَةِ اَیَّامٍ فِی الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ یَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِی الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْۤا اَنَّ اللّٰهَ

شَدِيدُ الْعِقَابِ ﴿١٩٦﴾ اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُومٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ

الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوقَ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ۗ وَمَا تَفْعَلُوا

مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ۗ وَتَزَوَّدُوا فَإِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۚ وَ

اتَّقُونِ يَا أُولِي الْأَلْبَابِ ﴿١٩٧﴾ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَبْتَغُوا

فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۗ فَإِذَا أَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ

عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۖ وَاذْكُرُوهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَإِنْ كُنْتُمْ مِّنْ

قَبْلِهِ لَمِنَ الضَّالِّينَ ﴿١٩٨﴾ ثُمَّ أَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ أَفَاضَ النَّاسُ

وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ۗ إِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿١٩٩﴾ فَإِذَا قَضَيْتُمْ

مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَاءَكُمْ أَوْ أَشَدَّ ذِكْرًا ۗ فَمِنَ

النَّاسِ مَنْ يَّقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهُ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ

خَلَاقٍ ﴿٢٠٠﴾ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُولُ رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿٢٠١﴾ أُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّمَّا

كَسَبُوا ۚ وَاللّٰهُ سَرِيعُ الْحِسَابِ ﴿٢٠٢﴾ وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِي أَيَّامٍ مَّعْدُودٰتٍ ۚ

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِي يَوْمَيْنِ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَأَخَّرَ فَلَا إِثْمَ

ترجمہ: اور پورا کرو حج اور عمرہ اللہ کے واسطے۔ پھر اگر تم روک دیئے جاؤ تو تم پر ہے جو کچھ کہ میسر ہو قربانی سے اور مت مونڈو اپنے سروں کو جب تک نہ پہنچ چکے قربانی اپنے ٹھکانے پر۔ پھر جو کوئی تم میں سے بیمار ہو یا اس کو تکلیف ہو سر کی تو فدیہ دے روزے یا خیرات یا قربانی۔ پھر جب تم امن سے ہو تو جو کوئی فائدہ اٹھائے عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر تو اس پر ہے جو کچھ میسر ہو قربانی سے۔ پھر جس کو قربانی نہ ملے تو تین دن کے روزے ہیں حج کے دنوں میں اور سات روزے جب تم لوٹنے لگو۔ یہ پورے دس ہوئے، یہ (ملانے کا حکم) اس کے لئے ہے جس کے گھر والے نہ رہتے ہوں مسجد الحرام کے پاس۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ بیشک اللہ سخت عذاب والا ہے،

حج کے چند مہینے معلوم ہیں، پھر جس شخص نے لازم کر لیا ان میں حج تو فحش بات کرنا جائز نہیں عورت سے اور نہ گناہ کرنا اور نہ جھگڑا کرنا حج کے زمانے میں۔ اور جو کچھ تم کرتے ہو نیکی اللہ اس کو جانتا ہے۔ اور زاد راہ لے لیا کرو کہ بیشک بہتر زاد راہ سوال سے بچنا ہے۔ اور مجھ سے ڈرتے رہو اے عقلمندو

کچھ گناہ نہیں تم پر کہ تلاش کرو معاش اپنے رب کی طرف سے۔ پھر جب لوٹو عرفات سے تو یاد کرو اللہ کو نزدیک مشعر الحرام کے اور اس کو یاد کرو جس طرح تم کو بتا رکھا ہے۔ اور بیشک تم تھے اس سے پہلے ناواقفوں میں سے، پھر (طواف کے لئے) لوٹو جہاں سے سب لوگ لوٹتے ہیں اور مغفرت چاہو اللہ سے بے شک اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے مہربان،

پھر جب پورے کر چکو اپنے حج کے کام تو یاد کرو اللہ کو مثل تمہارے یاد کرنے اپنے باپ دادوں کو بلکہ اس سے بھی زیادہ یاد کرو۔ پھر کوئی آدمی تو کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں اور اس کے لئے آخرت میں کچھ حصہ نہیں اور کوئی ان میں کہتا ہے اے رب ہمارے دے ہم کو دنیا میں بہتری اور آخرت میں بہتری اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے، انہی لوگوں کے واسطے حصہ ہے اپنی کمائی سے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے اور یاد کرو اللہ کو گنتی کے چند دنوں میں پھر جو کوئی (منیٰ سے مکہ کو) جلدی چلا گیا دو ہی دن میں تو اس پر گناہ نہیں اور جو کوئی رہ گیا تو اس پر بھی کچھ گناہ نہیں (یہ سب باتیں) اس کے لئے ہیں جو کہ ڈرتا ہے۔ اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو بیشک تم سب اسی کے پاس جمع کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اور) جب حج یا عمرہ (کرنا) ہو تو اس (حج اور عمرہ کو اللہ تعالیٰ کے) راضی کرنے کے (واسطے پورا پورا ادا کیا کرو) کہ اعمال و آداب بھی سب بجالاؤ اور نیت بھی خالص ثواب ہی کی ہو (پھر اگر) کسی دشمن کی جانب سے یا کسی مرض کے سبب سے حج و عمرہ کے پورا کرنے سے (روک دیئے جاؤ تو) اس حالت میں یہ حکم ہے کہ (قربانی کا جانور جو کچھ میسر ہو) ذبح کرے اور حج و عمرہ کی جو وضع اختیار کر رکھی تھی ترک کر دے۔ اس کو احرام کھولنا کہتے ہیں جس کا طریقہ شرع میں سر منڈانا یا بال کٹوانا ہے (اور) یہ نہیں کہ رکاوٹ پیش آتے ہی فوراً احرام کھولنا درست ہے، بلکہ (اپنے سروں کو) احرام کھولنے کی غرض سے (اس وقت تک مت منڈاؤ جب تک کہ) وہ (قربانی) کا جانور جس کے ذبح کا اس حالت میں حکم تھا (اپنے موقع پر نہ پہنچ جائے) اور وہ موقع حرم ہے کہ اس قربانی کا جانور حدود حرم ہی میں ذبح کیا جا سکتا ہے وہاں اگر خود نہ جا سکے تو کسی کے ہاتھ بھیج کر ذبح کرایا جائے۔ جب جانور ذبح ہو جائے اس وقت احرام کھولنا

جائز ہوگا (البتہ اگر کوئی تم میں سے) کچھ (بیمار ہو یا اس کے سر میں کچھ) زخم یا درد یا جوؤں وغیرہ کی (تکلیف ہو) اور اس بیماری یا تکلیف کی وجہ سے پہلے ہی سر منڈانے کی ضرورت پڑے (تو) اس کو اجازت ہے کہ وہ سر منڈا کر (فدیہ) یعنی اس کا شرعی بدلہ (دیدے) یعنی خواہ تین (روزے سے یا) چھ مسکینوں کو فی مسکین صدقہ فطر کے برابر یعنی نصف صاع گیہوں (خیرات) کے طور پر (دیدینے سے یا) ایک بکری (ذبح کردینے سے۔ پھر جب تم امن کی حالت میں ہو) خواہ تو پہلے ہی سے کوئی خوف ومزاحمت پیش نہیں آئی یا ہو کر جاتی رہی (تو) اس صورت میں حج وعمرہ کے متعلق قربانی کرنا ہر ایک کے ذمہ نہیں ہے بلکہ خاص (جو شخص عمرہ سے اس کو حج کے ساتھ ملا کر نفع اٹھایا ہو) یعنی ایام حج میں عمرہ بھی کیا ہو (تو) فقط اس پر واجب ہے کہ (جو کچھ قربانی میسر ہو) ذبح کرے اور جس نے صرف عمرہ کیا ہو یا صرف حج کیا ہو اس پر حج یا عمرہ کے متعلق کوئی قربانی نہیں (پھر) ایام حج میں حج وعمرہ کو جمع کرنے والوں میں سے (جس شخص کو قربانی کا جانور میسر نہ ہو) مثلاً غریب ہے (تو) اس کے ذمہ بجائے قربانی کے (تین دن کے روزے ہیں) ایام (حج میں) جو کہ نویں تاریخ ذی الحجہ تک ہوتے ہیں (اور سات) دن کے روزے (ہیں، جب کہ حج سے تمہارے لوٹنے کا وقت آ جائے) یعنی حج کر چکو خواہ لوٹا ہو یا کہ وہیں رہنا ہو (یہ پورے دس) دن کے روزے (ہوئے) اور یہ بھی یاد رکھو کہ ابھی جو حج وعمرہ کے ملانے کا حکم ہوا ہے (یہ) ملانا ہر ایک کو درست نہیں، بلکہ خاص (اس شخص کے لئے) درست (ہے جس کے اہل) وعیال (مسجد حرام) یعنی کعبہ کے قرب نواح (میں نہ رہتے ہوں) یعنی حدود حرم مکہ میں ان کا وطن نہ ہو (اور) ان سب احکام کی بجا آوری میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ کسی امر میں خلاف ورزی نہ کرو (اور) خوب (جان لو کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ) بیباکی اور مخالفت کرنے والوں کو (سخت سزا دیتے ہیں)۔

وقت حج اور تاکید زاد راہ

افعال (حج) کا زمانہ (چند مہینے ہیں جو) مشہور و (معلوم ہیں) ان میں ایک شوال، دوسرا ذی قعدہ تیسرا دس تاریخیں ذی الحجہ کی ہیں (سو جو شخص ان) ایام (میں) اپنے ذمہ (حج مقرر کرلے) کہ حج کا احرام باندھ لے (تو پھر) اس شخص کو (نہ کوئی فحش بات) جائز (ہے اور نہ کوئی بے حکمی) درست (ہے، اور نہ کسی قسم کا نزاع) اور جھگڑا (زیبا ہے) بلکہ اس کو چاہئے کہ ہر وقت نیک ہی کاموں میں لگا رہے (اور جو نیک کام کرو گے خدا تعالیٰ کو اس کی اطلاع ہوتی ہے) سو اس کا ثمرہ تم کو عنایت ہوگا (اور) جب حج کو جانے لگو تو (خرچ ضرور) ساتھ (لے لیا کرو، سب سے بڑی بات) اور خوبی (خرچ میں) گداگری سے (بچا رہنا ہے اور اے ذی عقل لوگو) ان احکام کی تعمیل میں (مجھ سے ڈرتے رہو) اور کسی حکم کے خلاف مت کرو۔

فائدہ: فحش بات دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک وہ جو پہلے سے حرام ہے۔ وہ حج کی حالت میں زیادہ حرام ہو گی۔ دوسرے وہ جو پہلے سے حلال تھی جیسے اپنی بیوی سے بے حیائی اور بے حجابی کی باتیں کرنا۔ حج میں یہ بھی درست نہیں۔

حج میں تجارت

اور اگر حج میں کچھ اسباب تجارت ہمراہ لیجانا مصلحت سمجھو تو (تم کو اس میں ذرا بھی گناہ نہیں کہ) حج میں (معاش کی تلاش کرو جو) تمہاری قسمت میں (تمہارے پروردگار کی طرف سے) لکھی (ہے)

فائدہ: تجارت کی اجازت کی تصریح اس لئے فرمائی کہ اسلام سے قبل ان ایام میں تجارت کیا کرتے تھے۔ اسلام کے بعد شبہ ہوا کہ شاید گناہ ہو اس لئے گناہ نہ ہونا بتادیا۔ لہذا مباح تو یقیناً ہے۔ اب رہی یہ بات کہ اخلاص کے خلاف تو نہیں اس کا حکم دیگر مباح کاموں کی طرح ہے کہ دارومدار نیت پر ہوتا ہے۔ اگر حج سے اصلی مقصود تجارت ہی ہے یا حج اور تجارت دونوں مساوی درجہ میں ہیں تو بے شک اخلاص کے خلاف ہے اور حج کا ثواب کم ہو جائے گا اور اگر اصلی مقصود حج ہے اس طور پر کہ اگر تجارت کا سامان نہ رہے تب بھی حج کو ضرور جائے گا اور تجارت محض تابع ہے تو اخلاص کے خلاف نہیں بلکہ اگر اس کے ساتھ یہ نیت ہو کہ تجارت کے نفع سے حج میں اعانت ہو گی تو اوپر سے تجارت میں ثواب ملے گا۔

وقوف عرفات ومزدلفہ

(پھر جب تم لوگ عرفات) میں ٹھہر کر وہاں سے (واپس آنے لگو تو مشعر حرام کے پاس) یعنی مزدلفہ میں آکر شب کو وہاں قیام کر کے (خدا تعالیٰ کی یاد کرو اور) یاد کرنے کے طریقہ میں اپنی رائے کو دخل مت دو، بلکہ (اس طرح یاد کرو جس طرح تم کو) اللہ تعالیٰ نے (بتار کھا ہے اور حقیقت میں اس) بتانے (سے پہلے تم محض ناواقف تھے، پھر) اس میں اور بھی بات یاد رکھو کہ جیسا قریش نے دستور نکال رکھا تھا کہ تمام حجاج تو عرفات میں ہو کر پھر وہاں سے مزدلفہ کو آتے تھے اور یہ قریش مزدلفہ ہی میں رہ جاتے تھے، عرفات نہ جاتے تھے، یہ جائز نہیں، بلکہ (تم سب کو) خواہ قریش ہوں یا غیر قریش (ضروری ہے کہ اسی جگہ ہو کر واپس آؤ) جہاں اور (لوگ جا کر وہاں سے واپس آتے ہیں اور (احکام حج میں پرانی رسموں پر عمل کرنے سے (خدا تعالیٰ کے سامنے توبہ کرو، یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کر دیں گے اور مہربانی فرمائیں گے۔

وقوف منیٰ

جاہلیت میں بعضوں کی تو یہ عادت تھی کہ حج سے فارغ ہو کر منیٰ میں جمع ہو کر اپنے آباؤ اجداد کے مفاخر و فضائل بیان کیا کرتے، حق تعالیٰ بجائے اس بیہودہ شغل کے اپنے ذکر کی تعلیم کے لئے فرماتے ہیں

کہ (پھر جب تم اپنے اعمال حج پورے کر چکو تو حق تعالیٰ کا) شکر و عظمت کے ساتھ (ذکر کیا کرو جس طرح تم اپنے آباء) واجداد (کا ذکر کیا کرتے ہو بلکہ یہ ذکر اس سے) بدرجہا (بڑھ کر ہو) نا چاہئے۔ اور بعض کی عادت تھی کہ حج میں ذکر تو اللہ تعالیٰ ہی کا کرتے تھے لیکن چونکہ آخرت کے قائل نہ تھے، لہذا ان کا سارا ذکر صرف دنیا کے لئے دعا مانگنا ہوتا تھا۔ حق تعالیٰ صرف دنیا طلبی کی مذمت بیان فرما کر بجائے اس کے خیر دارین طلب کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرماتے ہیں (سو بعضے آدمی) جو کہ کافر ہیں (ایسے ہیں جو) دعاء میں یوں کہتے ہیں (کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو) جو کچھ دینا ہو (دنیا میں دے دیجئے) اور بس، ان کو جو کچھ ملنا ہوگا دنیا ہی میں مل رہے گا (اور ایسے شخص کو آخرت میں) انکار آخرت کی وجہ سے (کوئی حصہ نہ ملے گا اور بعضے آدمی) جو کہ مومن ہیں (ایسے ہیں جو) دعا میں یوں (کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو دنیا میں بھی بہتری) یعنی توفیق بندگی (عنایت کیجئے) اس میں وہ مال اور صحت بھی داخل ہے جس کو بندگی اور اعمال حسنہ میں دخل ہو (اور آخرت میں بھی بہتری) یعنی ثواب اور رحمت و جنت (دیجئے اور ہم کو عذاب دوزخ سے بچائیے) سو یہ لوگ اوپر کے لوگوں کی طرح بے بہرہ نہیں بلکہ (ایسے لوگوں کو) دونوں جہان میں (بڑا حصہ ملے گا ان کے اس عمل) یعنی طلب خیر دارین (کی وجہ سے۔ اور اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب لینے والے ہیں) کیونکہ قیامت میں حساب ہوگا اور قیامت نزدیک آتی جاتی ہے، جب حساب جلدی ہونے والا ہے تو وہاں کی بہتری کو مت بھولو (اور) منیٰ میں خاص طریقہ سے بھی (اللہ کا ذکر کرو چند روز تک) وہ خاص طریقہ کنکریوں کا خاص تین پتھروں پر مارنا ہے اور وہ چند روز ذوالحجہ کی دسویں گیارہویں بارہویں تاریخیں ہیں، یا تیرہویں بھی کہ ان میں کنکریاں ماری جاتی ہیں، (پھر جو شخص) کنکریاں مار کر دسویں تاریخ کے بعد (دو دن میں) مکہ واپس آنے میں (تعجیل کرے اس پر بھی کچھ گناہ نہیں اور جو شخص) ان (دو دن میں) مکہ کی طرف واپسی مین (تاخیر کرے) یعنی بارہویں کو نہ آئے بلکہ تیرہویں کو آئے (اس پر بھی کچھ گناہ نہیں) اور یہ سب باتیں (اس شخص کے واسطے) ہیں (جو) خدا سے (ڈرے)۔ اور نہ ڈرنے والے کو گناہ ثواب ہی سے غرض نہیں (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور خوب یقین رکھو کہ تم سب کو خدا ہی کے پاس جمع ہونا ہے)

ربط: اوپر کی آیتوں میں دعاء مانگنے والے آدمیوں کی دو قسمیں ٹھہرائی تھیں، ایک کافر کہ منکر آخرت ہے اس لئے صرف دنیا مانگتا ہے، دوسرا مومن کہ معتقد آخرت ہے دنیا کی بھلائی کے ساتھ آخرت کی بھلائی بھی مانگتا ہے، اب اگلی آیت میں اسی طرح کی تقسیم نفاق و اخلاص کے اعتبار سے فرماتے ہیں کہ بعض منافق ہوتے ہیں اور بعض مخلصین۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِىْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ﴿۲۰۴﴾ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ﴿۲۰۵﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۲۰۶﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۲۰۷﴾

ترجمہ: اور بعض آدمی وہ ہے کہ خوش کرتی ہے تجھ کو اس کی گفتگو دنیوی زندگی کے بارے میں اور گواہ بناتا ہے اللہ کو اپنے دل کی سچائی پر اور وہ سخت مخالف ہے، اور جب پیٹھ پھیرتا ہے تیرے پاس سے تو دوڑتا پھرتا ہے زمین میں تاکہ فساد کرے اس میں اور تباہ کرے کھیتیاں اور مویشی اور اللہ پسند نہیں کرتا ہے فساد کو، اور جب اس سے کہا جاتا ہے کہ اللہ سے ڈر تو آمادہ کرتا ہے اس کو غرور گناہ پر سو کافی ہے اس کو دوزخ اور بے شک وہ برا ٹھکانا ہے اور لوگوں میں ایک شخص وہ ہے کہ بیچتا ہے اپنی جان کو اللہ کی رضا جوئی میں اور اللہ نہایت مہربان ہے اپنے بندوں پر۔

تفسیر: ایک شخص اخنس بن شریق نام کا، بڑا فصیح و بلیغ تھا۔ وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آکر قسمیں کھا کھا کر دعوئ اسلام کیا کرتا اور مجلس سے اٹھ کر جاتا تو فساد و شرارت اور مخلوق کی ایذاء رسانی میں لگ جاتا، اس منافق کے بارے میں فرماتے ہیں (اور بعضا آدمی ایسا بھی ہے کہ آپ کو اس کی گفتگو جو محض دنیوی غرض سے ہوتی ہے) یعنی اپنی گفتگو میں وہ اسلام قبول کرنے کا اظہار کرتا ہے لیکن دل میں فقط یہ نیت ہوتی ہے کہ اس بہانے مسلمانوں کی طرح قرب و خصوصیت کے ساتھ رہوں گا دل سے مسلمان ہونے کی نیت نہیں ہوتی اور اظہار اسلام میں اسکی گفتگو اس کی فصاحت و بلاغت کی وجہ سے (مزہ دار معلوم ہوتی ہے، اور وہ) اپنا اعتبار بڑھانے کو (اللہ تعالیٰ کو گواہ بناتا ہے اپنے دل کی سچائی پر، حالانکہ) بالکل جھوٹا ہے، کیونکہ واقع میں (وہ) آپ کی (مخالفت میں) نہایت (شدید ہے اور) جس طرح آپ کا مخالف ہے اس طرح اور مسلمانوں کو بھی ایذا پہنچاتا ہے، چنانچہ (جب) آپ کی مجلس سے (پیٹھ پھیرتا ہے تو اس دوڑ دھوپ میں پھرتا رہتا ہے کہ شہر میں) کوئی (فساد کرے اور) کسی کے (کھیت اور مویشیوں کو تلف کرے) چنانچہ ایک مسلمان کا اس طرح نقصان بھی کر دیا (اور اللہ تعالیٰ فساد) کی باتوں (کو پسند نہیں فرماتے، اور)

اس مخالفت وایذاء کے ساتھ مغرور اس درجہ ہے کہ (جب اس سے کوئی کہتا ہے خدا سے ڈر تو اس کو غرور گناہ پر) اور زیادہ (آمادہ کر دیتا ہے، سو ایسے شخص کی کافی سزا ہے جہنم اور وہ برا ٹھکانا ہے اور بعض آدمی ایسے بھی ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے بدلہ میں اپنی جان تک بیچ ڈالتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کے حال پر نہایت مہربان ہیں۔

ربط: ابھی مخلص کی مدح ذکر ہوئی۔ بعض اوقات اس اخلاص میں غلطی سے غلو اور افراط ہو جاتا ہے یعنی قصد تو ہوتا ہے زیادہ اطاعت کا مگر اس اطاعت کو بہ نظر غائر دیکھا جائے تو شریعت وسنت کی حد سے متجاوز ہوتی ہے، اس کو بدعت کہتے ہیں، چنانچہ حضرت عبداللہ بن سلامؓ وغیرہ جو پہلے علماء یہود سے تھے اور اس مذہب میں ہفتہ کا دن تعظیم کا تھا اور اونٹ کا گوشت حرام تھا، ان صاحبوں کو اسلام قبول کر لینے کے بعد یہ خیال ہوا کہ شریعت موسوی میں ہفتہ کی تعظیم واجب تھی اور شریعت محمدیہ میں اسکی بے تعظیمی کرنا واجب نہیں۔ اسی طرح شریعت موسویہ میں اونٹ گوشت کھانا حرام تھا اور شریعت محمدیہ میں اس کا کھانا فرض نہیں اس لئے اگر ہم ہفتہ کی تعظیم بدستور کرتے رہیں اور اونٹ کے گوشت کے حلال ہونے کے اعتقاد رکھنے کے باوجود صرف کھانا ترک کر دیں تو شریعت موسویہ کی بھی رعایت ہو جائے اور شریعت محمدیہ کے بھی خلاف نہ ہو گا اور اس میں خداتعالیٰ کی زیادہ اطاعت اور دین کی زیادہ رعایت معلوم ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اس خیال کی اصلاح آئندہ آیت میں کسی قدر اہتمام سے فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ کامل اسلام فرض ہے اور اس کا کامل ہونا جب ہے کہ جو امر اسلام میں قابل رعایت نہ ہو اس کی رعایت دین ہونے کی حیثیت سے نہ کی جائے اس لئے جب دین اسلام میں یہودیت کی رعایت کرنے کا حکم نہیں ہے تو اب ایسے کام دین سمجھنا بدعت ہے جو درحقیقت ایک شیطانی لغزش ہے اور بہ نسبت ظاہری معاصی کے اس کا عذاب زیادہ سخت ہونے کا خطرہ ہے۔

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ۗ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَ قُضِيَ الْاَمْرُ ۗ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو داخل ہو جاؤ اسلام میں پورے اور مت چلو شیطان کے قدموں پر۔ بیشک وہ تمہارا صریح دشمن ہے، پھر اگر تم پھسلنے لگو بعد اس کے کہ پہنچ چکے تم کو واضح دلائل تو

جان رکھو کہ بیشک اللہ زبردست ہے حکمت والا، کیا وہ اسی کی راہ دیکھتے ہیں کہ آئے ان پر اللہ ابر کے سائبانوں میں اور فرشتے اور طے ہو جائے قصہ اور اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے یہ سب کام۔

تفسیر: (اے ایمان والو اسلام میں پورے پورے داخل ہو) یہ نہیں کہ کچھ یہودیت کی بھی رعایت کرو (اور) ایسے خیالات میں پڑ کر (شیطان کے قدم بقدم مت چلو، واقعی وہ تمہارا کھلا دشمن ہے) کہ ایسی پٹی پڑھا دیتا ہے کہ ظاہر میں تو سراسر دین معلوم ہو اور حقیقت میں بالکل دین کے خلاف (پھر اگر تم بعد اس کے کہ تم کو) احکام و شرائع اسلام کی (واضح دلیلیں) (پہنچ چکی ہیں) پھر بھی صراط مستقیم سے (لغزش کرنے لگو تو یقین رکھو کہ حق تعالیٰ) بڑے (زبردست ہیں) سخت سزا دیں گے اور کچھ دنوں تک سزا نہ دیں تو اس سے دھوکہ مت کھانا کیونکہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) کسی حکمت و مصلحت سے کبھی سزا میں دیر بھی کر دیتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے (یہ لوگ) جو کہ حق کے دلائل کے واضح ہونے کے بعد بھی کج راہی اختیار کرتے ہیں (صرف اس امر کے منتظر ہیں کہ حق تعالیٰ اور فرشتے بادل کے سائبانوں میں ان کے پاس) سزا دینے کے لئے (آئیں اور سارا قصہ ہی ختم ہو جائے) یعنی کیا اس وقت امر حق قبول کریں گے جب کہ اس وقت کا قبول کرنا مقبول بھی نہ ہوگا (اور یہ سارے) جزا و سزا کے (مقدمات اللہ تعالیٰ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے) کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا، سوایسے زبردست کے ساتھ مخالفت کرنے کا انجام سوائے خرابی کے کیا ہو سکتا ہے۔

فائدہ 1: روح المعانی میں رسول اللہ ﷺ کی یہ حدیث منقول ہے کہ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ تمام اولین و آخرین کو جمع فرمائیں گے اور سب حساب کتاب کے منتظر ہوں گے اللہ تعالیٰ ابر کے سائبانوں میں عرش سے تجلی فرمائیں گے۔ اور حضرت ابن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ ان سائبانوں کے گرداگرد ملائکہ ہوں گے۔

2: بدعت پر جو اس قدر وعید اور ردوانکار کا بیان ہوا ہے تو اگر غور سے کام لیا جائے تو واقع میں بدعت ہے ہی قابل مذمت چیز کیونکہ بدعت کی حقیقت کا خلاصہ غیر شریعت کو شریعت بنانا ہے اور چونکہ شریعت اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہوتی ہے جو کسی نبی کو دی جاتی ہے لہذا یہ شخص ایسی بات کو جو اللہ کی جانب سے نہیں ہے اپنے اعتقاد میں اللہ کی جانب سے بناتا ہے اور اس کا دعوی بھی کرتا ہے جس کا حاصل اللہ پر افتراء ہے اور اس میں ایک گونہ دعوائے نبوت ہے۔

ربط: اوپر فرمایا تھا کہ واضح دلائل کے آجانے کے بعد حق کی مخالفت کرنا موجب سزا ہے۔ پہلی آیت میں اس کی دلیل بیان فرماتے ہیں کہ جیسے بعض بنی اسرائیل کو ایسی ہی مخالفت پر سزا دی گئی۔

سَلْ بَنِيٓ إِسْرَآءِيلَ

كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۭ بَيِّنَةٍ ۗ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾

ترجمہ: پوچھ بنی اسرائیل سے کس قدر دیں ہم نے ان کو نشانیاں کھلی ہوئی اور جو کوئی بدل ڈالے اللہ کی نعمت بعد اس کے کہ پہنچ چکی ہو وہ نعمت اس کو تو اللہ سخت عذاب والا ہے۔ مزین کر دی گئی کافروں کیلئے دنیا کی زندگی اور وہ تمسخر کرتے ہیں ایمان والوں پر حالانکہ جو پرہیزگار ہیں وہ ان کافروں سے بالاتر ہوں گے قیامت کے دن اور اللہ روزی دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے انداز۔

تفسیر: (آپ) علماء (بنی اسرائیل سے) ذرا (پوچھئے) تو سہی (ہم نے ان کو) یعنی ان کے بزرگوں کو (کتنی واضح دلیلیں دی تھیں) مگر ان لوگوں نے بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرتے اور الٹی گمراہی پر کمر باندھی پھر دیکھو سزائیں بھی اٹھائیں مثلاً تورات ملی، چاہئے تو یہ تھا کہ اس کو قبول کرتے مگر انکار کیا، آخر کوہ طور گرانے کی ان کو دھمکی دی گئی اور مثلاً حق تعالیٰ کا کلام سنا، چاہئے تھا سر آنکھوں پر رکھتے مگر شبہات نکالے آخر بجلی سے ہلاک ہوئے اور مثلاً دریا میں شگاف کر کے فرعون سے نجات دی گئی، احسان مانتے مگر گوسالہ پرستی شروع کی جس پر سزائے قتل دی گئی اور مثلاً من و سلویٰ نازل ہوا شکر کرنا چاہئے تھا، نافرمانی کی وہ سڑنے لگا، اور اس سے نفرت ظاہر کی تو وہ موقوف ہو گیا اور کھیتی کی مصیبت سر پر پڑی اور مثلاً انبیاء علیہم السلام کا سلسلہ ان میں جاری رہا، غنیمت سمجھتے ان کو قتل کرنا شروع کر دیا جس پر یہ سزا دی گئی کہ ان سے حکومت وسلطنت چھین لی گئی، اسی طرح کے بہت سے معاملات اسی سورۃ بقرہ کے شروع میں بھی ذکر ہو چکے ہیں (اور) ہمارا قانون ہی یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کی) واضح دلائل جیسی بڑی (نعمت کو بدلتا ہے اس کے پاس پہنچنے کے بعد) یعنی بجائے اس کے کہ ان سے ہدایت حاصل کرے الٹا گمراہ بنتا ہے (تو یقیناً حق تعالیٰ) ایسے شخص کو (سخت سزا دیتے ہیں)

دوسری آیت میں مخالفت حق کی وہ اصلی علت جو اکثر پائی جاتی ہے بیان فرماتے ہیں کہ وہ دنیا کی محبت ہے، جس کا ایک اثر اہل دین کو حقیر سمجھنا بھی ہے، کیونکہ جب دنیا کا غلبہ ہوتا ہے دین کی طلب نہیں رہتی، بلکہ دین کو اپنی دنیوی اغراض کے خلاف دیکھ کر ترک کر بیٹھتا ہے اور دوسرے طالبان دین پر ہنستا ہے۔ اسی

لئے یہود اور مشرکین کے بعض بڑے غریب مسلمانوں کے ساتھ استہزاء سے پیش آیا کرتے تھے، ان لوگوں کا بیان فرماتے ہیں کہ (کفار کو دنیوی زندگی آراستہ پیراستہ معلوم ہوتی ہے اور) اسی وجہ سے (ان مسلمانوں سے تمسخر کرتے ہیں، حالانکہ یہ) مسلمان (جو کفر و شرک سے بچتے ہیں قیامت کے روز ان کافروں سے اعلیٰ درجہ) کی حالت (میں ہوں گے) کیونکہ کفار جہنم میں ہوں گے اور مسلمان جنت میں (اور) آدمی کو محض معاشی وسعت پر مغرور نہ ہونا چاہئے، کیونکہ (روزی تو اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں بے انداز) یعنی بکثرت (دیدیتے ہیں) لہذا اس کا مدار قسمت پر ہے نہ کہ کمال اور مقبولیت پر، اس لئے یہ ضروری نہیں کہ جو روزی میں بڑا ہو وہ اللہ کے نزدیک بھی معزز ہو اور بڑی عزت تو وہی ہے جو اللہ کے نزدیک معتبر ہو، پھر محض دنیوی معاش کی بنیاد پر اپنے کو معزز اور دوسرے کو ذلیل سمجھنا بے وقوفی ہے۔

ربط: اوپر دین حق سے اختلاف کرنے کی علت حب دنیا کو بتایا ہے۔ آگے اسی مضمون کی تائید فرماتے ہیں کہ مدت سے یہی قصہ چلا آرہا ہے کہ ہم دین حق پر واضح دلائل قائم کرتے ہیں اور طالبان دنیا اپنی دنیوی اغراض کے سبب ان کے خلاف کرتے رہے۔

كَانَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً فَبَعَثَ اللَّهُ النَّبِيِّينَ مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ وَأَنزَلَ مَعَهُمُ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ ۚ وَمَا اخْتَلَفَ فِيهِ إِلَّا الَّذِينَ أُوتُوهُ مِن بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ بَغْيًا بَيْنَهُمْ ۖ فَهَدَى اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا لِمَا اخْتَلَفُوا فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِإِذْنِهِ ۗ وَاللَّهُ يَهْدِي مَن يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٢١٣﴾

ترجمہ: تھے سب لوگ ایک طریقے پر پھر بھیجے اللہ نے پیغمبر خوش خبری سنانے والے اور ڈرانے والے اور اتاری ان کے ساتھ کتاب ٹھیک طور سے کہ فیصلہ کرے اللہ لوگوں میں جس بات میں انہوں نے اختلاف کیا۔ اور نہیں اختلاف کیا کتاب میں مگر انہیں لوگوں نے جو دیئے گئے تھے کتاب بعد اس کے کہ ان کے پاس پہنچ چکے صاف دلائل آپس کی ضد سے۔ پھر اب ہدایت دی اللہ نے ایمان والوں کو اس حق بات کی جس میں وہ اختلاف کرتے تھے اپنی توفیق سے اور اللہ بتاتا ہے جس کو چاہے سیدھا راستہ۔

تفسیر: ایک زمانہ میں (سب آدمی ایک ہی طریق پر تھے) کیونکہ اول دنیا میں حضرت آدم علیہ

السلام مع اپنی زوجہ کے تشریف لائے اور جو اولاد ہوتی گئی ان کو دین حق کی تعلیم فرماتے رہے اور وہ ان کی تعلیم پر عمل کرتے رہے، ایک مدت اسی حالت میں گذر گئی، پھر ان کی طبیعتوں کے اختلاف سے اغراض میں اختلاف ہونا شروع ہوا، حتی کہ ایک عرصہ کے بعد اعمال وعقائد میں اختلاف کی نوبت آگئی پھر اس اختلاف کو دور کرنے کے لئے (اللہ تعالیٰ نے) مختلف (پیغمبروں کو بھیجا جو کہ) حق ماننے والوں کو (خوشی) کے وعدے (سناتے تھے اور) نہ ماننے والوں کو عذاب سے (ڈراتے تھے۔ اور ان) پیغمبروں کی مجموعی جماعت (کے ساتھ) آسمانی (کتابیں بھی ٹھیک طور پر نازل فرمائیں) اور ان پیغمبروں کا بھیجنا اور کتابوں کا نازل فرمانا (اس غرض سے) تھا (کہ اللہ تعالیٰ) ان رسولوں اور کتابوں کے ذریعے سے اختلاف کرنے والے (لوگوں میں ان کے) مذہبی (اختلافی امور میں فیصلہ فرمادیں) کیونکہ رسول اور کتب الٰہیہ امر واقعی کا اظہار کر دیتے ہیں اور امر واقعی کے متعین ہونے سے غیر واقعی باتوں کا غلط ہو جانا معلوم ہو جاتا ہے اور فیصلہ سے یہی مراد ہے۔ اور ان پیغمبروں کے ساتھ کتاب اللہ کے آنے سے چاہئے تھا کہ اس کتاب کو قبول کرتے اور اس پر مدار کار رکھ کر اپنے سب اختلافات مٹا دیتے، مگر بعضوں نے خود اس کتاب ہی کو نہ مانا اور خود اسی میں اختلاف کرنا شروع کر دیا (اور اس کتاب میں) یہ (اختلاف اور کسی نے نہیں کیا مگر صرف ان لوگوں نے جن کو) اولاً (وہ کتاب ملی تھی) یعنی اہل علم واہل فہم نے کہ اول مخاطب وہی لوگ ہوتے ہیں، دوسرے عوام ان کے ساتھ لگ جایا کرتے ہیں اور اختلاف بھی کیسے وقت کیا؟ (بعد اس کے) کہ ان کے پاس واضح (دلائل پہنچ چکے تھے) یعنی ان کے ذہن نشین ہو چکے تھے اور اختلاف کیا کس وجہ سے؟ صرف (باہمی ضدا ضدی کی وجہ سے) اور اصلی وجہ ضدا ضدی کی حب دنیا ہوتی ہے، حب مال ہو یا حب جاہ۔ پس حق کی مخالفت کا دار و مدار جس علت پر ہے وہ وہی حب دنیا ٹھہری۔ (پھر) کفار کا یہ اختلاف اہل ایمان کو کبھی مضر نہیں ہوا، بلکہ (اللہ تعالیٰ نے) ہمیشہ (ایمان والوں کو وہ امر حق جس میں) اختلاف کرنے والے (اختلاف کیا کرتے تھے اپنی توفیق سے) رسولوں اور کتابوں پر ایمان لانے کی بدولت (بتلا دیا اور اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں اسی کو راہ راست بتا دیتے ہیں)۔

ربط: اوپر کی آیت میں کفار کا ہمیشہ سے انبیاء و مومنین کے ساتھ اختلاف اور خلاف کرتے رہنا مذکور تھا جس میں ایک گونہ مسلمانوں کو اس طور پر تسلی دینا بھی مقصود تھا جن کو کفار کے استہزاء سے ایذاء ہوتی تھی، کہ یہ خلاف تمہارے ساتھ نیا نہیں ہے، ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے، آگے ان کفار مخالفین سے انبیاء و مومنین کو انواع انواع کی ایذائیں اور شدائد پہنچنے کی حکایت بیان فرماتے ہیں اور اس سے بھی مسلمانوں کو تسلی دلاتے ہیں کہ تم کو بھی کفار سے جو ایذائیں پہنچتی ہیں ان پر صبر کرنا چاہئے، کیونکہ کامل راحت تو

آخرت کے لئے محنت ہی اٹھانے سے ہے۔

أَمْ حَسِبْتُمْ أَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَأْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِينَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَأْسَاءُ وَالضَّرَّاءُ وَزُلْزِلُوا حَتَّى يَقُولَ الرَّسُولُ وَالَّذِينَ آمَنُوا مَعَهُ مَتَى نَصْرُ اللَّهِ أَلَا إِنَّ نَصْرَ اللَّهِ قَرِيبٌ ﴿۲۱۴﴾

ترجمہ: کیا تم کو یہ خیال ہے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ گے حالانکہ تم پر نہیں گذرے واقعات ان لوگوں کے جیسے جو ہو چکے تم سے پہلے کہ پہنچی ان کو سختی اور تکلیف اور جھنجھوڑے گئے یہاں تک کہ کہنے لگا رسول اور جو اس کے ساتھ ایمان لائے کب آئے گی اللہ کی مدد، سن رکھو اللہ کی مدد قریب ہے۔

تفسیر: دوسری بات سنو (کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ جنت میں) بے مشقت (جا داخل ہو گے حالانکہ) ابھی کچھ مشقت تو اٹھائی ہی نہیں، کیونکہ (تم کو ابھی تک ان) مسلمان (لوگوں کے سے وقعات پیش نہیں آئے جو تم سے پہلے ہو گذرے ہیں، ان پر) مخالفین کے سبب (ایسی ایسی سختی اور تکلیف واقع ہوئی اور) مصائب سے (ان کو یہاں تک جنبشیں ہوئیں کہ) اس زمانہ کے (پیغمبر تک اور جو ان کے ہمراہ اہل ایمان تھے) بے قرار ہو کر (بول اٹھے کہ اللہ تعالیٰ کی) موعود (امداد کب ہو گی) جس پر انکی اس جواب سے تسلی کی گئی کہ (یاد رکھو! بیشک اللہ تعالیٰ کی امداد) بہت (نزدیک) ہونے والی (ہے)۔

فائدہ 1: انبیاء علیہم السلام اور ان کے ساتھیوں کا یہ عرض کرنا کہ اللہ تعالیٰ کی مدد کب آئے گی کسی شک و شبہ کی وجہ سے نہ تھا جو ان کی شان کے خلاف ہے بلکہ اس سوال کا منشاء یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے مدد کا وعدہ تو فرمایا ہے مگر اس کا وقت اور مقام متعین نہیں فرمایا اس لئے حالت اضطرار میں ایسے الفاظ عرض کرنے کا مطلب یہ تھا کہ مدد جلد بھیجی جائے، اور ایسی دعا کرنا توکل یا منصب نبوت کے منافی نہیں بلکہ حق تعالیٰ اپنے بندوں کی الحاح وزاری کو پسند فرماتے ہیں، اس لئے انبیاء اور صلحاء امت اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں۔

2۔ اور یہ جو فرمایا کہ کیا جنت میں بے مشقت چلے جاؤ گے تو مشقت کے مختلف درجات ہیں جن میں ادنیٰ درجہ نفس اور شیطان سے مزاحمت کر کے یا مخالفین دین کے ساتھ خلاف کر کے عقائد کا درست کرنا ہے جو ہر مومن کو حاصل ہے۔ آگے اوسط اور اعلیٰ درجے ہیں۔ اسی طرح دخول جنت کے مختلف

مراتب ہیں پس جس درجہ کی مشقت ہوگی اسی درجہ اور مرتبہ کا دخول جنت میں ہوگا۔

بارہواں حکم: مصارف انفاق

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۗ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

ترجمہ: لوگ پوچھتے ہیں تجھ سے کیا چیز خرچ کریں۔ کہہ دو جو کچھ تم خرچ کرو سو حق ہے ماں باپ کا اور قرابت والوں کا اور یتیموں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو کچھ کرو گے تم بھلائی سو بے شک اللہ اس سے خوب باخبر ہے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ) ثواب کے واسطے (کیا چیز خرچ کیا کریں) اور کس موقع پر صرف کیا کریں (آپ فرما دیجئے کہ جو مال تم کو صرف کرنا ہو سو) اس کی تعیین تو تمہاری ہمت پر ہے، مگر ہاں موقع ہم بتائے دیتے ہیں کہ (ماں باپ کا حق ہے اور قرابت داروں اور بے باپ کے بچوں کا اور محتاجوں کا اور مسافروں کا۔ اور جو بھی نیک کام کرو گے) خواہ راہ خدا میں خرچ کرنا ہو یا اور کچھ ہو (سو اللہ تعالیٰ کو اس کی خوب خبر ہے) اور اس پر ثواب دیں گے۔

تیرہواں حکم: فرضیت جہاد

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾

ترجمہ: فرض کی گئی تم پر لڑائی اور وہ گراں لگتی ہے تم کو۔ اور شاید کہ گراں سمجھو تم ایک چیز کو اور وہ بہتر ہو تمہارے حق میں۔ اور شاید تم پسند کرو ایک چیز اور وہ بری ہو تمہارے حق میں۔ اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: (جہاد کرنا تم پر فرض کیا گیا ہے اور وہ تم کو) طبعاً (گراں) معلوم ہوتا (ہے اور یہ بات ممکن ہے کہ تم کسی بات کو گراں سمجھو اور) واقع میں (وہ تمہارے حق میں خیر) اور مصلحت (ہو۔ اور یہ) بھی (ممکن ہے کہ تم کسی امر کو مرغوب سمجھو اور) واقع میں (وہ تمہارے حق میں) خرابی) کا باعث (ہو

اور) ہر شے کی حقیقت حال کو (اللہ تعالیٰ جانتے ہیں اور تم) پوراپورا (نہیں جانتے) لہذا اچھے برے کا فیصلہ اپنی خواہش کی بنیاد پر نہ کرو جو کچھ اللہ کا حکم ہو جائے اسی کو اجمالاً مصلحت سمجھ کر اس پر کاربند رہا کرو۔

چودھواں حکم: حرمت والے مہینہ میں قتال کی تحقیق

حضور ﷺ کے چند صحابہ کا ایک سفر میں اتفاق سے کفار کے ساتھ مقابلہ ہو گیا، ایک کافران کے ہاتھ سے مارا گیا اور جس روز یہ قصہ ہوا رجب کی پہلی تاریخ تھی، مگر صحابہ اس کو جمادی الاخری کی تیں سمجھتے تھے اور رجب اشہر حرم میں سے ہے، کفار نے اس واقعہ پر طعن کیا کہ مسلمانوں نے حرمت والے مہینے کی حرمت کا بھی خیال نہیں کیا، مسلمانوں کو اس کی فکر ہوئی اور حضور ﷺ سے پوچھا اور بعض روایات میں ہے کہ خود بعض کفار قریش نے بھی حاضر ہو کر اعتراض کیا اس پر ارشاد ہوتا ہے۔

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۤ وَاِخْرَاجُ اَھْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ۭ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں حرمت والے مہینہ میں قتال کے بارے میں۔ کہہ دے کہ اس میں لڑائی بڑا گناہ ہے اور روکنا اللہ کی راہ سے اور اس کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور نکال دینا اس کے لوگوں کو وہاں سے اس سے بھی زیادہ گناہ ہے اللہ کے نزدیک اور فتنہ پردازی کرنا قتل سے بھی بڑھ کر ہے۔

تفسیر: (لوگ آپؐ سے حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے متعلق سوال کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اس میں خاص طور پر) یعنی عمداً (قتال کرنا جرم عظیم ہے) مگر مسلمانوں سے یہ فعل بالقصد صادر نہیں ہوا، بلکہ تاریخ کی تحقیق نہ ہونے کے سبب غلطی سے ایسا ہو گیا۔ یہ تو تحقیقی جواب ہے (اور) الزامی جواب یہ ہے کہ کفار ومشرکین کا تو کسی طرح منہ ہی نہیں کہ مسلمانوں پر اعتراض کریں، کیونکہ اگرچہ شہر حرام میں لڑنا جرم عظیم ہے لیکن ان کفار کی جو حرکتیں ہیں یعنی (اللہ تعالیٰ کی راہ) دین (سے) لوگوں کو (روک ٹوک کرنا) یعنی مسلمان ہونے پر تکلیفیں پہنچانا کہ ڈر کے مارے لوگ مسلمان نہ ہوں (اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرنا اور مسجد حرام) یعنی کعبہ کی زیارت (سے لوگوں کو روکنا) (اور جو لوگ مسجد حرام کے اہل تھے) یعنی رسول اللہ ﷺ اور دوسرے مومنین (ان کو) تنگ اور پریشان کر کے (اس) مسجد حرام (سے خارج) ہونے پر مجبور (کر دینا) جس سے نوبت ہجرت یعنی ترک وطن کی پہنچی، سو یہ حرکتیں

حرمت والے مہینے میں قتال کرنے سے بھی زیادہ بڑے جرم ہیں (اللہ تعالیٰ کے نزدیک) کیونکہ یہ حرکتیں دین حق کے اندر فتنہ پردازی کرنا ہے (اور) ایسی (فتنہ پردازی کرنا) اس (قتل) کے واقعہ (سے) جو مسلمانوں سے صادر ہوا قباحت میں (بدرجہا بڑھ کر ہے) کیونکہ اس قتل سے دین حق کو تو کوئی مضرت نہیں پہنچی بہت سے بہت اگر کوئی قصدا کرے خود ہی گنہگار ہوگا جبکہ ان حرکتوں سے تو دین حق کو ضرر پہنچتا ہے کہ اس کی ترقی رکتی ہے۔

ربط: اوپر دین حق میں ان کی مزاحمت کرنے کاذکر تھا آگے اسی مضمون کی تاکید فرماتے ہیں:

وَلَا يَزَالُونَ يُقَاتِلُونَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوكُمْ عَنْ دِينِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوا

ترجمہ: اور کفار تو ہمیشہ تم سے لڑتے ہی رہیں گے تاکہ تم کو پھیر دیں تمہارے دین سے اگر قابو پائیں۔

تفسیر: (اور یہ کفار تمہارے ساتھ ہمیشہ جنگ) وجدال کا سلسلہ جاری ہی (رکھیں گے اس غرض سے کہ اگر قابو پائیں تو تم کو تمہارے دین) اسلام (سے پھیر دیں) ان کے اس فعل سے دین کی مزاحمت ظاہر ہے

ربط: آگے مسلمانوں کو احتیاطاً تنبیہ فرماتے ہیں کہ یہ کفار جو دین حق کی مزاحمت میں سعی کر رہے ہیں اگر اس سعی کا کوئی اتباع کر بیٹھے یعنی دین حق سے پھر جائے تو اس کا کیا انجام ہے۔

وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾

ترجمہ: اور جو کوئی پھر جائے تم میں سے اپنے دین سے، پھر مر جائے حالت کفر ہی میں تو ان لوگوں کے ضائع ہو جاتے ہیں عمل دنیا اور آخرت میں۔ اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اور جو شخص تم میں سے اپنے دین) اسلام (سے پھر جائے، پھر کافر ہی ہونے کی حالت میں مر جائے تو ایسے لوگوں کے) نیک (اعمال دنیا اور آخرت میں سب غارت ہو جاتے ہیں) اور (یہ لوگ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے)

ربط: حرمت والے مہینے میں قتال کرنے کے بارے میں مسلمانوں کو مذکورہ جواب سن کر گناہ نہ

ہونے کا تو اطمینان ہو گیا تھا مگر اس خیال سے دل شکستہ تھے کہ ثواب تو ہوا ہی نہ ہوگا، آگے اس میں تسلی کی گئی۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَاجَرُوا وَجَاهَدُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ أُولَٰئِكَ يَرْجُونَ رَحْمَتَ اللَّهِ ۚ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿۲۱۸﴾

ترجمہ: اور بیشک جو لوگ ایمان لائے اور جنہوں نے ہجرت کی اور جہاد کیا اللہ کی راہ میں وہ امیدوار ہیں اللہ کی رحمت کے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ ایمان لائے ہوں اور جن لوگوں نے راہ خدا میں ترک وطن کیا ہو اور جہاد کیا ہو، ایسے لوگ تو رحمت خداوندی کے امیدوار ہوا کرتے ہیں) اور تم لوگوں میں یہ صفات موجود ہیں ایمان اور ہجرت کا ہونا تو ظاہر ہے، رہا جہاد، سو چونکہ تمہاری نیت تو جہاد ہی کی تھی، لہٰذا ہمارے نزدیک وہ بھی جہاد ہی میں شمار ہے، پھر ان صفات کے ہوتے ہوئے تم کیوں ناامید ہوتے ہو (اور اللہ تعالیٰ) اس غلطی کو (معاف کر دیں گے اور) ایمان و جہاد و ہجرت کی وجہ سے تم پر (رحمت کریں گے)

پندرھواں حکم متعلق شراب و قمار

يَسْأَلُونَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۖ قُلْ فِيهِمَا إِثْمٌ كَبِيرٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَإِثْمُهُمَا أَكْبَرُ مِن نَّفْعِهِمَا ۗ

ترجمہ: تجھ سے پوچھتے ہیں شراب اور جوئے کے بارے میں۔ کہہ دے ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور فائدے بھی ہیں لوگوں کے لئے اور ان کا گناہ زیادہ بڑا ہے ان کے فائدے سے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے شراب اور قمار کی نسبت دریافت کرتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ ان دونوں) چیزوں کے استعمال (میں گناہ کی بڑی بڑی باتیں بھی) پیدا ہو جاتی (ہیں اور لوگوں کیلئے) بعضے (فائدے بھی ہیں اور) وہ (گناہ کی باتیں ان فائدوں سے زیادہ بڑھی ہوئی ہیں) اس لئے دونوں قابل ترک ہیں۔

فائدہ: پہلے یہ دونوں چیزیں حلال تھیں۔ سب سے پہلے یہی آیت شراب و قمار کے متعلق نازل کی گئی اور اس کا یہ مطلب نہیں تھا کہ ان دونوں چیزوں کا استعمال خود گناہ ہے کیونکہ ابھی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا بلکہ مطلب یہ تھا کہ ان کے استعمال سے اکثر اوقات گناہ کی دوسری باتیں پیدا ہو جاتی ہیں کیونکہ شراب سے عقل جاتی رہتی ہے حالانکہ عقل ہی معاصی کے ارتکاب سے روکتی ہے اور قمار سے مال کی حرص بڑھتی ہے اور حرص سے چوری، ڈکیتی وغیرہ کی عادت پیدا ہو جاتی ہے اور ان میں جو منافع ہیں وہ تحصیل لذت اور تحصیل مال ہیں۔ پس اس آیت سے ان دونوں کی خاص حرمت کا بیان کرنا مقصود نہیں تھا

بلکہ ان کے بعض عوارض کی وجہ سے ان دونوں کے ترک کا مشورہ دینا مطلوب تھا کہ جتنا نقصان ہو جاتا ہے اتنا نفع نہیں ہوتا کیونکہ نفع تو وقتی اور عارضی ہے جب کہ نقصان مستقل اور متعدی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ اس آیت کو سن کر بعض نے تو فوراً دونوں کو ترک کر دیا کہ گو اس آیت نے حرام نہیں کیا مگر شر اور مفاسد کا ذریعہ ہونا تو ثابت ہوا۔ اور بعض نے کہا کہ جب حرام نہیں ہے تو ان مفاسد کا ہم کچھ انتظام کر کے تحصیل منافع کے لئے استعمال کیا کریں گے۔ پھر اس آیت کے بعد بعض نے شراب پی کر نماز پڑھی اور غلط پڑھی تو نماز کے اوقات میں پینا بالکل ممنوع ہو گیا۔ پھر کچھ مدت کے بعد مطلقاً حرام کر دی گئی اور یہی آخری حکم ہے جس نے پہلے احکام کو منسوخ کر دیا۔

سولہواں حکم: مقدار انفاق

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں کہ کیا مقدار خرچ کریں کہہ دے جو بچے اپنے خرچ سے۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے احکام تاکہ تم سوچ لیا کرو دنیا و آخرت کے معاملات میں۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے دریافت کرتے ہیں کہ) خیر خیرات میں (کتنا خرچ کیا کریں۔ آپ فرما دیجئے کہ جتنا آسان ہو) کہ اس کے خرچ کرنے سے خود پریشان ہو کر دنیوی تکلیف میں یا کسی کا حق ضائع کر کے اخروی تکلیف میں نہ پڑ جائیں یہی مطلب ہے ترجمہ میں دی ہوئی عبارت کا کہ "جو بچے اپنے خرچ سے"۔ (اللہ تعالیٰ اس طرح احکام کو صاف صاف بیان فرماتے ہیں تاکہ تم) کو ان کا علم ہو جائے اور اس علم کی وجہ سے ہر عمل کرنے سے پہلے (دنیا و آخرت کے معاملات میں) ان احکام کو (سوچ لیا کرو) اور سوچ کر ہر معاملہ میں ان احکام کے موافق عمل کیا کرو۔

فائدہ: مثلاً خرچ ہی کرنے کے بارے میں کہ جس کو دنیا و آخرت دونوں کے ساتھ تعلق ہے۔ دنیا کے ساتھ حاجتوں کو پورا کرنے کا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے اور آخرت کے ساتھ ثواب کمانے کا ذریعہ ہونے کے اعتبار سے۔ لہذا پہلے سوچ لیا کرو کہ یہ خرچ کرنا حکم الٰہی کے موافق ہے یا نہیں۔ اگر ہو تو خرچ کیا ورنہ نہیں۔ اور اس حکم کی تفصیل یہ ہے کہ اگر کسی معصیت میں خرچ کرتا ہے تو مطلقاً ناجائز ہے اور اگر اطاعت میں خرچ کرتا ہے تو اگر وہ طاعت واجب یا فرض ہے مثلاً زکوٰۃ وغیرہ تو خرچ کرنا فرض و واجب ہے۔ اور اگر نفل ہے جیسے معمولی صدقہ و خیرات تو اگر کسی عیال وغیرہ کا اس میں حق ضائع ہوتا ہو تو خرچ

کرنا ناجائز اور اگر کسی کا حق ضائع نہیں ہوتا لیکن خود پریشان ہو کر صبر نہ کر سکے گا تو بھی ناجائز ورنہ جائز۔ اور اگر وہ موقع نہ طاعت ہے نہ معصیت بلکہ مباح ہے جیسے پھل، میوے اور لذت کی چیزیں تو اگر ان سے طاعت پر تقویت کی نیت ہے تو ثواب ہے اور اگر معصیت پر تقویت کی نیت ہے تو گناہ ہے اور اگر محض دل ہی خوش کرنا ہے تو مباح ہے۔ اس آیت میں نفلی صدقات کا حکم مذکور ہے۔ اس کی شرطوں کا تفصیلی بیان اس فائدہ میں ہو گیا۔

سترہواں حکم: مخالطت یتیم

برصغیر کی طرح ابتداء میں چونکہ عرب میں بھی یتیموں کا حق دینے میں پوری احتیاط نہ تھی اس لئے یہ وعید سنائی گئی کہ یتیموں کا مال کھانا ایسا ہے جیسا دوزخ کے انگارے پیٹ میں بھرنا، تو سننے والے ڈر کے مارے اتنی احتیاط کرنے لگے کہ ان کا کھانا بھی الگ پکواتے اور الگ رکھواتے اور اتفاقاً اگر بچہ کم کھاتا تو کھانا بچتا اور سڑتا تھا، کیونکہ اس کا استعمال نہ ان لوگوں کے لئے جائز تھا اور نہ یتیم کے مال کو صدقہ کر دینے کا اختیار تھا، اس طرح تکلیف بھی ہوتی اور یتیم کا نقصان بھی، اس لئے آنحضرت ﷺ سے عرض کیا گیا، اس کے متعلق آیت میں یہ ارشاد آیا۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں یتیموں کا حکم۔ کہہ دے انکی مصلحت کی رعایت رکھنا بہتر ہے۔ اور اگر تم شامل رکھو انکے ساتھ (خرچ کو) تو وہ تمہارے بھائی ہیں اور اللہ جانتا ہے خرابی کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو۔ اور اگر اللہ چاہتا تو تم کو مشقت میں ڈال دیتا۔ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے یتیم بچوں) کے خرچ علیحدہ یا شامل رکھنے (کا حکم پوچھتے ہیں آپ فرما دیجئے کہ) ہمارا اصل مقصود ان کے اموال کھانے کی ممانعت سے یہ ہے کہ ان کی مصلحت کو ضائع نہ کیا جائے اور جب خرچ شامل رکھنے میں ان کی مصلحت ہے تو (ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا) خرچ علیحدہ رکھنے سے جو خلاف مصلحت ہے (زیادہ بہتر ہے اور تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو) کچھ ڈر کی بات نہیں کیونکہ (وہ) بچے (تمہارے) دینی (بھائی ہیں) اور بھائی بھائی شامل رہا ہی کرتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ مصلحت

کے ضائع کرنے والے کو اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو) الگ الگ (جانتے ہیں) اس لئے کھانے پینے میں اشتراک ایسا نہ ہونا چاہئے جس میں یتیم کی مصلحت ضائع ہو جائے اور بلا علم و بلا قصد کچھ کمی بیشی ہو بھی جائے تو چونکہ اللہ تعالیٰ کو اس کی نیک نیتی معلوم ہے اس لئے اس پر مواخذہ نہ ہو گا (اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتے تو) اس معاملہ میں سخت قانون مقرر کر کے (تم کو مشقت میں ڈال دیتے) کیونکہ (اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) مگر سہل قانون اس لئے مقرر فرمایا کہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) ایسا حکم نہیں دیتے جو نہ ہو سکے۔

فائدہ: چونکہ اس وقت اکثر مسلمانوں کے پاس مسلمان ہی یتیم تھے اس لئے اخوانکم یعنی دینی بھائی فرمایا ورنہ اگر دوسرے مذہب کا بچہ بھی اپنی تربیت میں ہو اس کا بھی بعینہ یہی حکم ہے اور اس کی دلیل دوسری آیات و احادیث ہیں جن میں عام کے الفاظ آئے ہیں مثلاً لَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ.

اٹھارہواں حکم: مناکحت کفار

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾

ترجمہ: اور نکاح مت کرو مشرک عورتوں سے جب تک ایمان نہ لے آئیں اور ضرور مسلمان لونڈی بہتر ہے مشرک عورت سے اگرچہ وہ تم کو بھلی لگے اور نکاح میں نہ دو مشرک مردوں کے جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں اور ضرور مسلمان غلام بہتر ہے مشرک مرد سے اگرچہ وہ تم کو بھلا لگے۔ وہ بلاتے ہیں دوزخ کی طرف اور اللہ بلاتا ہے جنت کی طرف اور بخشش کی طرف اپنے حکم سے اور بتاتا ہے اپنے حکم لوگوں کو تاکہ وہ نصیحت قبول کریں۔

تفسیر: (اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان عورت) چاہے (لونڈی) کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ (بہتر ہے کافر عورت سے) چاہے وہ آزاد عورت ہی کیوں نہ ہو (گو وہ) کافر عورت مال یا جمال کی وجہ سے (تم کو اچھی معلوم ہو) مگر پھر بھی واقع میں مسلمان عورت ہی اس سے اچھی ہے (اور) اسی طرح اپنے اختیار کی (عورتوں کو کافر مردوں کے نکاح میں مت دو جب تک وہ مسلمان نہ ہو جائیں اور مسلمان مرد) چاہے (غلام) ہی کیوں نہ ہو وہ ہزار درجہ (بہتر ہے کافر مرد سے)

چاہے وہ آزاد ہی کیوں نہ ہو (گو وہ) کافر مرد مال یا جاہ کی وجہ سے (تم کو اچھا معلوم ہو) مگر پھر بھی واقع میں مسلمان ہی اس سے اچھا ہے اور ان کافروں کے برا ہونے کی وجہ اور وہی ان سے ممانعت نکاح کا اصل سبب ہے یہ ہے کہ (یہ) کافر (لوگ دوزخ) میں جانے (کی تحریک دیتے ہیں) کیونکہ کفر کی تحریک کرتے ہیں اور اس کا انجام جہنم ہے (اور اللہ تعالیٰ جنت اور مغفرت) کے حاصل کرنے (کی تحریک کرتے ہیں اپنے حکم سے) اور اس حکم کا ظہور اس طرح ہوا کہ کفار کے متعلق یہ حکم صادر فرمادیا کہ ان سے نکاح نہ کیا جائے، تاکہ ان کی تحریک کے اثر سے پوری حفاظت رہ سکے اور اس سے محفوظ رہ کر جنت اور مغفرت حاصل ہو جائے (اور اللہ تعالیٰ اس واسطے اپنے احکام بتا دیتے ہیں تاکہ وہ لوگ نصیحت پر عمل کریں) اور جنت و مغفرت کے مستحق ہو جائیں۔

فائدہ: اس آیت میں دو حکم ہیں ایک یہ کہ کافر مردوں سے مسلمان عورت کا نکاح نہ کیا جائے سو یہ حکم تو اب بھی باقی ہے۔ دوسرا حکم یہ کہ مسلمان مرد کا کافر عورت سے نکاح نہ کیا جائے۔ اس حکم کے دو جزو ہیں۔ ایک جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابی یعنی یہودی یا نصرانی نہ ہو بلکہ کوئی اور کفریہ مذہب رکھتی ہو تو اس جزو میں بھی اس آیت کا حکم باقی ہے چنانچہ ہندو یا آتش پرست یا دہریہ عورت سے مسلمان کا نکاح نہیں ہو سکتا۔ دوسرا جزو یہ کہ وہ کافر عورت کتابیہ ہو یعنی یہودی یا نصرانی ہو۔ اس خاص جزو میں اس آیت کا حکم باقی نہیں بلکہ سورہ مائدہ کی ایک آیت میں یہ مضمون ہے کہ کتابی عورتوں سے نکاح جائز ہے۔

2: اگرچہ کتابی عورت سے نکاح جائز ہے لیکن اس کو بہت مجبوری کی حالت میں اختیار کرنا چاہئے اور وہ بھی اس وقت جب اپنے اور اپنے ہونے والے بچوں کے دین پر پورا اطمینان ہو۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حدیث میں دیندار عورت سے نکاح کرنے کا حکم ہے تو کافر عورت سے نکاح کرنا تو اسی درجہ میں ناپسند ہو گا۔ دوسرے انفرادی اور اجتماعی سطح پر مردوں کے ایمان اور دین کی کمزوری کی وجہ سے اکثر عورت کا بچوں پر غلبہ ہو جاتا ہے اور وہ ان کو کافر بنا لیتی ہے۔ اس کے علاوہ بھی بہت سے مفاسد ہیں جو اہل تجربہ پر مخفی نہیں۔

انیسواں حکم: حیض کے دوران جماع کی حرمت اور پاکی کے دنوں میں اجازت کی شرائط

وَيَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْمَحِيضِ ۖ قُلْ هُوَ أَذًى فَاعْتَزِلُوا النِّسَاءَ فِي الْمَحِيضِ ۖ وَلَا تَقْرَبُوهُنَّ حَتَّىٰ يَطْهُرْنَ ۖ فَإِذَا تَطَهَّرْنَ فَأْتُوهُنَّ مِنْ حَيْثُ أَمَرَكُمُ اللَّهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ﴿٢٢٢﴾ نِسَاؤُكُمْ

حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنَّىٰ شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُم مُّلَاقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ﴿۲۲۳﴾

ترجمہ: اور تجھ سے پوچھتے ہیں حکم حیض کا۔ کہہ دے وہ گندگی کی چیز ہے۔ سو تم الگ رہو عورتوں سے حیض کے وقت اور نزدیک نہ ہو ان کے یہاں تک کہ پاک ہو جائیں۔ پھر جب خوب پاک ہو جائیں تو آؤ ان کے پاس جہاں سے حکم دیا تم کو اللہ نے۔ بے شک اللہ پسند کرتے ہیں توبہ کرنے والوں کو اور پسند کرتے ہیں پاک صاف رہنے والوں کو۔ تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں۔ سو آؤ اپنی کھیتی میں جہاں سے چاہو اور آئندہ کیلئے تدبیر کرو اپنے واسطے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان رکھو کہ تم اس سے ملنے والے ہو اور خوش خبری سنا ایمان والوں کو۔

تفسیر: (اور لوگ آپ سے حیض) کی حالت میں صحبت وغیرہ کرنے (کا حکم پوچھتے ہیں، آپ فرما دیجئے کہ وہ) حیض (گندگی کی چیز ہے،) تو حالت (حیض میں عورتوں) کے ساتھ صحبت کرنے (سے علیحدہ رہا کرو اور) اس حالت میں (ان سے قربت مت کرو جب تک وہ) حیض سے (پاک نہ ہو جائیں۔ پھر جب وہ) عورتیں (اچھی طرح پاک ہو جائیں) کہ ناپاکی اور حیض کا شک و شبہ نہ رہے (تو ان کے پاس آؤ جاؤ) یعنی ان سے صحبت کرو (جس جگہ سے تم کو خدا تعالیٰ نے اجازت دی ہے) یعنی آگے سے (یقیناً اللہ تعالیٰ محبت رکھتے ہیں توبہ کرنے والوں سے) مثلاً اتفاقاً یا بے احتیاطی سے حالت حیض میں صحبت کر بیٹھا پھر متنبہ ہو کر توبہ کر لی (اور محبت رکھتے ہیں پاک صاف رہنے والوں سے) جو حالت حیض میں صحبت کرنے سے اور دوسری ممنوعہ باتوں سے بچتے ہیں۔ اور حالت پاکی میں صحبت کی اجازت دینا پھر اس شرط سے اجازت دینا کہ آگے کے موقع میں صحبت ہو اس لئے ہے کہ (تمہاری بیویاں تمہارے لئے) بمنزلہ (کھیت) کے (ہیں) جس میں نطفہ بیج کی طرح اور بچہ پیداوار کی طرح ہے (سو اپنے کھیت میں جس طرف سے چاہو آؤ) اور جس طرح کھیتوں میں اجازت ہے اسی طرح بیویوں کے پاس پاکی کی حالت میں ہر طرف سے آنے کی اجازت ہے خواہ کروٹ سے ہو یا پیچھے سے یا آگے سے، بیٹھ کر ہو یا اوپر یا نیچے لیٹ کر ہو، یا جس ہیئت سے ہو، مگر آنا ہو ہر حال میں کھیت کے اندر کہ وہ خاص آگے کا موقع ہے، کیونکہ پیچھے کا موقع کھیت کے مشابہ نہیں، اس میں صحبت نہ ہو۔ اور ان لذتوں میں ایسے مشغول مت ہو جاؤ کہ آخرت ہی کو بھول جاؤ، بلکہ (آئندہ کے واسطے اپنے لئے کچھ) اعمال صالحہ (کرتے رہو اور اللہ تعالیٰ سے) ہر حال میں (ڈرتے رہو) اور (یہ یقین رکھو کہ بے شک تم اللہ تعالیٰ کے سامنے پیش ہونے والے ہو) اور اے محمد ﷺ ایسے (ایمان داروں کو) جو نیک کام کریں، خدا سے ڈریں، خدا تعالیٰ کے سامنے جانے کا یقین رکھیں (خوشی کی خبر سنا دیجئے) کہ ان کو آخرت

میں ہر طرح کی نعمتیں ملیں گی۔

بیسواں حکم: خیر کے کام کے ترک پر قسم کھانے سے ممانعت

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَ تُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾

ترجمہ: اور مت بناؤ اللہ کے نام کو حجاب اپنی قسموں کے ذریعے اسکا کہ تم نیکی کرو اور پرہیزگاری کرو اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرو اور اللہ سب کچھ سنتا جانتا ہے۔

تفسیر: اور (اللہ) کے نام کو (اپنی قسموں کے ذریعے سے ان امور کا حجاب مت بناؤ کہ تم نیکی کے اور تقویٰ کے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کے کام کرو) یعنی اللہ کے نام کی یہ قسم نہ کھاؤ کہ ہم یہ نیک کام نہ کریں گے (اور اللہ تعالیٰ سب کچھ سنتے جانتے ہیں) تو زبان سنبھال کر بات کرو، اور دل میں برے خیالات مت لاؤ۔

فائدہ: جس بات سے آدمی قسم کھالیتا ہے اس سے رک جاتا ہے تو اس نے خیر کے کاموں میں اللہ کی قسم کھائی تو گویا قسم کھا کر ان کاموں کا حجاب اللہ کے نام کو بنادیا حالانکہ اللہ کے نام سے تو نیک کام زیادہ کرنے چاہئیں اس نے الٹا معاملہ کیا۔ اس لئے ایسی بات پر قسم کھانا اور زیادہ برا ہوا اور نہ تو نیک کام کو بغیر قسم کے بھی ترک کرنا برا ہے۔

اکیسواں حکم: جھوٹی قسم کھانے سے ممانعت

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

ترجمہ: مواخذہ نہیں کرے گا تمہارا اللہ تمہاری بیہودہ قسموں پر لیکن مواخذہ کرے گا تمہارا ان قسموں پر جن کا قصد کیا تمہارے دلوں نے اور اللہ بخشنے والا تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ تم پر) آخرت میں (گرفت نہ فرمائیں گے تمہاری قسموں میں) ایسی (بے ہودہ قسم پر) جس میں بلا قصد جھوٹ بولا گیا (لیکن گرفت فرمائیں گے اس جھوٹی قسم پر جس میں تمہارے دلوں نے) جھوٹ بولنے کا (ارادہ کیا ہے اور اللہ تعالیٰ غفور ہیں) کہ ایسی بے ہودہ قسم پر گرفت نہ فرمائی (حلیم ہیں) کہ قصداً جھوٹی قسم کھانے کی سزا میں آخرت تک کی مہلت دی۔

لغو قسم کے دو معنی ہیں، ایک تو یہ کہ کسی گذری ہوئی بات پر جھوٹی قسم بلا ارادہ نکل گئی، یا نکلی تو

ارادے سے، مگر اس کو اپنے گمان میں صحیح سمجھتا ہے جیسے اپنے علم و گمان کے مطابق قسم کھا بیٹھا کہ زید آگیا ہے اور واقع میں وہ نہ آیا تھا، یا آئندہ بات پر اس طرح قسم نکل گئی کہ کہنا چاہتا تھا کچھ اور بے ارادہ منہ سے قسم نکل گئی اس میں گناہ نہیں ہوتا اور اس کو اسی واسطے لغو کہتے ہیں، آخرت میں اس پر مواخذہ نہیں ہوگا اور اس کے مقابلہ میں جس پر مواخذہ ہونے کا ذکر فرمایا ہے یہ وہ قسم ہے جو قصداً جھوٹی سمجھ کر کھائی ہو اس کو غموس کہتے ہیں، اس میں گناہ ہوتا ہے۔

دوسرے معنی لغو کے یہ ہیں جس پر کفارہ نہ ہو اور اس کو لغو اس لئے کہیں گے کہ دنیوی مواخذہ یعنی کفارہ اس پر نہیں آتا، اس معنی کے لحاظ سے لغو غموس کو بھی شامل ہے کہ اس میں اگرچہ گناہ ہوتا ہے لیکن کفارہ نہیں آتا۔ اس کے مقابلہ میں وہ قسم جس پر کفارہ بھی آتا ہے منعقد کہلاتی ہے جو یہ ہے کہ قصداً یوں قسم کھائے کہ میں فلاں کام کروں گا یا فلاں کام نہ کروں گا۔ اس میں خلاف کرنے سے کفارہ لازم آتا ہے۔

بائیسواں حکم: ایلاء

لِلَّذِينَ يُؤْلُونَ مِن نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ أَرْبَعَةِ أَشْهُرٍ ۖ فَإِن فَآءُو فَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٢٦﴾ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٢٧﴾

ترجمہ: جو لوگ قسم کھا لیتے ہیں اپنی عورتوں کے پاس جانے سے ان کے لئے مہلت ہے چار مہینے کی پھر اگر رجوع کر لیں تو اللہ بخشنے والا مہربان ہے، اور اگر عزم کر لیا چھوڑ دینے کا تو بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (یعنی جو لوگ) کسی مدت کی قید کے بغیر یا چار ماہ یا زائد مدت کے لئے (قسم کھا بیٹھتے ہیں اپنی بیویوں کے پاس جانے سے ان کے لئے چار مہینے تک کی مہلت ہے۔ سو اگر) ان چار مہینے کے اندر (یہ لوگ) اپنی قسم کو توڑ کر عورت کی طرف (رجوع کر لیں تب تو نکاح باقی رہے گا اور (اللہ تعالیٰ) ایسی قسم کو توڑنے کا گناہ کفارہ سے (معاف کر دیں گے) اور چونکہ اب بیوی کے حقوق ادا کرنے لگا اس پر (رحمت فرمائیں گے اور اگر بالکل چھوڑ ہی دینے کا پختہ ارادہ کر لیا ہے) اور اس لئے چار ماہ کے اندر قسم توڑ کر رجوع نہیں کیا (تو) چار ماہ گذرتے ہی ایک بائنہ طلاق پڑ جائے گی اور (اللہ تعالیٰ) ان کی قسم کو بھی (سنتے ہیں) اور ان کے اس پختہ ارادے کو بھی (جانتے ہیں) اس لئے اس کے متعلق مناسب حکم ارشاد فرمایا۔

وَالْمُطَلَّقَٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِأَنفُسِهِنَّ ثَلَٰثَةَ قُرُوٓءٍ ۚ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ أَن

يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِيْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ۭ وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾

ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو تین حیض تک اور ان کو حلال نہیں کہ چھپا رکھیں جو پیدا کیا اللہ نے ان کے پیٹ میں اگر وہ ایمان رکھتی ہیں اللہ پر اور آخرت کے دن پر۔ اور ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کے لوٹا لینے کا اس مدت میں اگر ارادہ کریں اصلاح کا اور عورتوں کے بھی حقوق ہیں جیسا کہ عورتوں کے ذمہ حقوق ہیں قاعدہ کے موافق اور مردوں کیلئے عورتوں پر فوقیت ہے کچھ درجہ اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اور طلاق دی ہوئی عورتیں) جن میں یہ صفتیں ہوں کہ خاوند نے ان سے صحبت یا خلوت صحیحہ کی ہو، ان کو حیض آتا ہو اور حاملہ نہ ہوں اور آزاد ہوں یعنی شرعی قاعدہ سے لونڈی نہ ہوں (اپنے آپ کو) نکاح سے روک کر (انتظار میں رکھیں تین حیض) ختم ہونے (تک) اور اس کو عدت کہتے ہیں (اور ان عورتوں کو یہ بات حلال نہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو کچھ ان کے رحم) بچہ دان (میں پیدا کیا ہو) خواہ حمل ہو یا حیض (اس کو پوشیدہ کریں) کیونکہ اس کے پوشیدہ کرنے سے عدت کا حساب غلط ہو جائے گا (اگر وہ عورتیں اللہ تعالیٰ پر اور یوم آخرت پر یقین رکھتی ہیں) کیونکہ اس یقین کا تقاضا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ڈریں کہ قیامت میں نافرمانی پر سزا نہ ہو جائے (اور ان عورتوں کے شوہر) جب کہ ان کو طلاق رجعی ملی ہو جس کا بیان آگے آئے گا (ان کے) تجدید نکاح کے بغیر (اس عدت کے اندر ان کے پھر لوٹا لینے کا حق رکھتے ہیں) اور اس لوٹا لینے کو رجعت کہتے ہیں (بشرطیکہ) رجعت کرنے سے (اصلاح کا قصد رکھتے ہوں) ورنہ تنگ کرنے کے لئے رجعت کرنا بے فائدہ ہے اگرچہ رجعت تو ہو ہی جائے گی، (اور) اصلاح کا یہ حکم اس لئے کیا گیا کہ (عورتوں کے حقوق ہیں) مردوں پر (جیسا کہ عورتوں پر حقوق ہیں) مردوں کے کہ ان کو شرعی (قاعدہ کے موافق) ادا کیا جائے (اور) اتنی بات ضرور ہے کہ (مردوں کا ان کے مقابلہ میں کچھ درجہ بڑھا ہوا ہے) اس لئے ان کے حقوق کی نوعیت عورتوں کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے (اور اللہ تعالیٰ زبردست) حاکم (ہیں) جو احکام چاہیں مقرر کرنے کا حق رکھتے ہیں اور (حکیم) بھی (ہیں) کہ نہایت مصلحت کے ساتھ احکام مقرر فرماتے ہیں)

فائدہ: مرد پر عورت کے خاص حقوق یہ ہیں: اپنی وسعت کے موافق اس کو کھانا کپڑا رہنے کا گھر دے، مہر دے، اس کو تنگ نہ کرے اور عورت پر مرد کے خاص حق یہ ہیں۔ اس کی اطاعت کرے۔ اس کی خدمت کرے۔ تفسیر میں مذکورہ شرعی قاعدہ سے یہی تفصیل مراد ہے اور ان کے چھوٹے بڑے ہونے میں فرق ہے اور مرد کے حق کی نوعیت عورت کے حقوق کی نوعیت سے بڑھی ہوئی ہے۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ درجہ کی فوقیت کی وجہ سے مردوں کو زیادہ تحمل سے کام لینا چاہئے کہ اگر عورتوں کی طرف سے ان کے حقوق میں کوئی کوتاہی ہو بھی جائے تو ان کا درجہ یہ ہے کہ یہ اس کو برداشت کریں اور صبر سے کام لیں اور ان کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی نہ کریں۔

پچیسواں حکم: طلاق رجعی کا عدد

اسلام سے پہلے دستور تھا کہ دس بیس جتنی بار چاہتے زوجہ کو طلاق دیتے مگر عدت کے ختم ہونے سے پہلے رجعت کر لیتے پھر جب چاہتے طلاق دیتے اور رجعت کر لیتے اور اس صورت سے بعض شخص عورتوں کو اسی طرح بہت ستاتے اس واسطے یہ آیت اتری کہ طلاق جس میں رجعت ہو سکے کل دو بار ہے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ

ترجمہ: طلاق رجعی ہے دو بار تک۔ اس کے بعد رکھ لینا ہے موافق قاعدہ یا چھوڑ دینا ہے بھلے طریقے سے۔

تفسیر: (طلاق دو مرتبہ کی ہے پھر) دو مرتبہ طلاق دینے کے بعد دو اختیار ہیں (خواہ یہ کہ رجعت کر کے عورت کو قاعدہ کے مطابق رکھ لے، خواہ) یہ کہ رجعت نہ کرے، عدت پوری ہونے دے اور اس طرح (اچھے طریقے سے اس کو چھوڑ دے)

چھبیسواں حکم: خلع

وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّاۤ اَنْ يَّخَافَاۤ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾

ترجمہ: اور تم کو جائز نہیں کہ لو اس میں سے جو تم نے دیا عورتوں کو کچھ بھی مگر جب کہ خاوند بیوی دونوں ڈریں اس بات سے کہ قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے ضابطے۔ پھر اگر تم لوگ ڈرو اس بات سے کہ وہ دونوں قائم نہ رکھ سکیں گے اللہ کے ضابطے تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر اس مال میں جو عورت فدیہ کے طور پر دے۔ یہ اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطے ہیں سو ان سے آگے مت بڑھو اور جو کوئی آگے بڑھے اللہ کے مقرر کئے ہوئے ضابطوں سے تو وہی لوگ ہیں ظالم۔

تفسیر: (اور) اے مسلمانو! (تمہارے لئے یہ بات حلال نہیں کہ) بیویوں کو چھوڑنے کے وقت (ان سے کچھ بھی لو) اگرچہ جو لیا ہو وہ (اس) مال (میں سے) کیوں نہ ہو (جو تم نے) ہی مہر میں (ان کو دیا تھا مگر) ایک صورت میں البتہ حلال ہے، وہ (یہ کہ) تم میں سے کوئی (میاں بیوی) ایسے ہوں کہ (دونوں کو خطرہ ہو کہ) حقوق زوجیت کے بارے میں (وہ اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو اگر) اے مسلمانو (تم کو یہ خطرہ ہو کہ) تم میں سے کوئی میاں بیوی (وہ دونوں خدائی ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے تو دونوں پر کوئی گناہ نہ ہو گا) اس مال کے لینے دینے میں (جس کو دے کر عورت اپنی جان چھڑائے) بشرطیکہ مہر سے زیادہ نہ ہو یہ سب احکام (خدائی ضابطے ہیں تم ان سے باہر نہ نکلنا اور جو شخص خدائی ضابطوں کو توڑ کر باہر نکل جائے تو ایسے لوگ اپنا ہی نقصان کرنے والے ہیں)

فائدہ: عورت سے مال طے کر کے چھوڑنا اس کی دو صورتیں ہیں ایک خلع دوسرے مال پر طلاق۔ خلع یہ کہ مثلاً عورت کہے کہ تو اتنے مال پر مجھ سے خلع کر لے اور مرد کہے مجھ کو منظور ہے۔ اس کے کہتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت پر واجب ہو جائے گا۔ اور مال پر طلاق کی صورت یہ ہے کہ مثلاً مرد عورت سے کہے کہ تجھ کو اس قدر مال کے عوض طلاق ہے۔ اس کا حکم یہ ہے کہ اگر عورت منظور نہ کرے تو طلاق واقع نہیں ہوئی اور اگر منظور کر لے تو منظور کرتے ہی طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور اس قدر مال عورت کے ذمہ واجب ہو جائے گا۔

ستائیسواں حکم: تیسری طلاق کا حکم

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾

ترجمہ: پھر اگر اس عورت کو طلاق دی (یعنی تیسری بار) تو اب حلال نہیں اس خاوند

کے لئے وہ عورت اس کے بعد جب تک کہ وہ عورت نکاح نہ کرلے کسی اور خاوند سے اس کے سوا۔ پھر اگر طلاق دیدے دوسرا خاوند تو کچھ گناہ نہیں ان دونوں پر کہ باہم مل جائیں اگر اعتماد کریں کہ قائم رکھیں گے اللہ کے ضابطے اور یہ اللہ کے ضابطے ہیں اللہ بیان فرماتا ہے ان کو واسطے ان لوگوں کے لئے جو علم رکھتے ہیں۔

تفسیر: (پھر اگر دو طلاق) کے (بعد) کوئی (تیسری طلاق بھی دیدے) تو (پھر وہ عورت اس تیسری طلاق دینے) کے (بعد اس) شخص (کے لئے حلال نہ ہوگی جب تک وہ اس خاوند کے سوا دوسرے شخص کے ساتھ) عدت کے بعد (نکاح نہ کرے) اور صحبت بھی نہ ہو جائے۔ یہ شرط حدیث سے معلوم ہوئی۔ (پھر اگر یہ) دوسرا خاوند (اس کو طلاق دیدے) اور اس کی عدت بھی گذر جائے (تو ان دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دوبارہ آپس میں نکاح کر کے بدستور پھر مل جائیں، بشرطیکہ دونوں کو اپنے اوپر یہ اعتماد ہو کہ) آئندہ (خدائی ضابطوں کو قائم رکھیں گے) ورنہ پھر دوبارہ جھگڑے اور اتلاف حقوق کے گناہ میں مبتلا ہونے کا کیا فائدہ (اور یہ خدائی ضابطے ہیں، حق تعالیٰ ان کو بیان فرماتے ہیں ایسے لوگوں کے) عمل کے (لئے جو دانشمند ہیں) کیونکہ دانشمند ہی عمل کرتے ہیں اور جو بے دانشی سے عمل نہیں کرتے ان کے لئے یہ ضابطے الٹے ثبوت جرم کے دلائل ہو جاتے ہیں)

ربط: اوپر آیت اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ میں اِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اور تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ کا ذکر فرمایا ہے۔ اگلی آیت میں اس کو مکرر اس لئے ذکر فرماتے ہیں کہ ایام جاہلیت میں اس میں بہت کوتاہی کرتے تھے تو تکرار سے تاکید اور اہتمام حاصل ہوا۔

اٹھائیسواں حکم: سابقہ حکم کی تاکید اور احکام کو کھیل سمجھنے سے ممانعت

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْسَرِّحُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ ۪ وَّلَا تُمْسِكُوْهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوْا ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَا تَتَّخِذُوْٓا اٰيٰتِ اللّٰهِ هُزُوًا وَّاذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمَآ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۳۱﴾

ترجمہ: اور جب طلاق دی ہو تم نے عورتوں کو پھر وہ پہنچیں اپنی عدت گذرنے (کے قریب) کو تو رکھ لو ان کو بھلے طریقے سے یا چھوڑ دو ان کو بھلے طریقے سے اور نہ روکے رکھو ان کو

ستانے کے لئے تاکہ ان پر زیادتی کرو۔ اور جو ایسا کرے گا وہ بے شک اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور مت بناؤ اللہ کے احکام کو ہنسی اور یاد کرو اللہ کی نعمتیں جو تم پر ہیں اور اس کو جو اتاری تم پر کتاب اور حکمت کی باتیں کہ اللہ تم کو نصیحت کرتا ہے اس کے ذریعے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ سب کچھ جانتا ہے۔

تفسیر: (اور جب تم نے عورتوں کو) رجعی (طلاق دی ہو، پھر وہ اپنی عدت گذرنے کے قریب پہنچ جائیں) اور عدت ختم نہ ہوئی ہو (تو تم پر) واجب ہے کہ یا تو بھلے طریقے سے رجعت کر کے (نکاح میں رہنے دو، یا قاعدے کے موافق ان کو رہائی دو اور ان کو تکلیف پہنچانے کی غرض سے مت رو کو اس ارادہ سے کہ تم ان پر ظلم کرو) اس طرح سے کہ تم ان سے کچھ مال لو یا ان کو محض پریشان کرو (اور جو شخص ایسا) برتاؤ (کرے گا تو وہ) آخرت میں (اپنا ہی نقصان کرے گا۔ اور حق تعالیٰ کے احکام کو کھیل نہ بناؤ) کہ جس طرح چاہا عمل کر لیا اور نہ چاہا تو کیا ہی نہیں۔ (اور حق تعالیٰ کی جو تم پر نعمتیں ہیں ان کو یاد کرو، اور) خصوصا (اس کتاب و حکمت) کی باتوں (کو جو اللہ تعالیٰ نے تم پر) اس حیثیت سے (نازل فرمائی ہیں کہ ان کے ذریعے تم کو نصیحت فرماتے ہیں) اور یہ سب سے بڑی نعمت ہے۔ پس ان نعمتوں کو یاد کرنے سے انعام کرنے والے کے احکام کی وقعت دل میں پیدا ہو گی (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) جب یہ خوف اور یقین ہو گا تو احکام پر عمل بھی ہو گا

فائدہ۔ 1 : احکام پر عمل نہ کرنے کو جو ہنسی کھیل بنانا فرمایا ہے یہ مجازا ہے جو کہ صرف معصیت ہے گو شدید ہے اور اگر کوئی شخص احکام الہیہ کے ساتھ حقیقتاً استہزاء کرے وہ کافر ہو جاتا ہے خواہ عقیدہ بھی فاسد ہو یا عقیدہ صحیح ہو کیونکہ دین کی تحقیر تو دونوں حالتوں میں کی اور یہی اس کے کفر ہونے کی علامت ہے۔

2۔(i) اگر آپس میں موافقت نہ ہونے میں قصور عورت کا ہے اور وہ خود ہی خلع کا مطالبہ کرتی ہے تو گناہگار ہو گی اور مرد مال لینے میں گناہگار نہ ہو گا البتہ مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہو گا۔

(ii) اگر قصور مرد کا ہے تو مرد خلع کا مال لینے پر ہر حال میں گناہگار ہو گا اور عورت مال دینے سے گناہگار نہ ہو گی۔

(iii) اگر مرد عورت کو قصوروار سمجھتا ہو اور عورت مرد کو قصوروار سمجھتی ہو اور اس طرح دونوں میں سے ہر ایک اپنی رائے پر خود کو مظلوم اور دوسرے کو ظالم سمجھتا ہو تو مرد کو مال لینے پر گناہ نہ ہو گا لیکن مہر سے زیادہ لینا مکروہ ہے اور عورت کو بھی خلع کے مطالبہ میں گناہ نہ ہو گا۔ تفسیر میں جو یہ ہے کہ البتہ ایک

صورت میں حلال ہے تو اس سے یہی تیسری صورت مراد ہے۔

3۔ جس صورت میں مرد گناہگار ہو یا عورت گناہگار ہو خلع جب بھی صحیح اور نافذ ہو جائے گا اگرچہ گناہ کے ساتھ ہی سہی۔

انتیسواں حکم: دوسرے نکاح سے روکنے کی ممانعت

طلاق ملنے کے بعد جب عورت کسی دوسری جگہ نکاح کرنا چاہتی تو کبھی تو خود شوہر ہی اپنی ذلت سمجھ کر نکاح نہ کرنے دیتا اور کبھی عورت کے دوسرے رشتہ دار اپنی کسی دنیوی غرض سے اس کو نکاح نہ کرنے دیتے اور ایک جگہ ایسا ہوا کہ وہ عورت اور اس کا پہلا شوہر پھر نکاح کرنے پر رضامند ہو گئے تھے مگر اس عورت کے بھائی نے اس غصہ میں کہ اسی سے دوبارہ کیوں کرتی ہے روکا تھا۔ اس آیت میں سب صورتیں داخل ہیں اور ہر صورت میں روکنے کو منع فرمایا ہے۔

وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوهُنَّ أَنْ يَنْكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿۲۳۲﴾

ترجمہ: اور جب طلاق دی تم نے عورتوں کو پھر پورا کر چکیں اپنی عدت کو تو اب نہ روکو ان کو اس سے کہ نکاح کر لیں اپنے انہی خاوندوں سے جب کہ راضی ہو جائیں آپس میں بھلے طریقے سے۔ اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس کو جو کہ تم میں سے ایمان رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ اس میں تمہارے واسطے بڑی صفائی ہے اور بہت پاکیزگی اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔

تفسیر: اے مسلمانو (جب تم اپنی عورتوں کو طلاق دیدو) یعنی جب تم میں سے بعض اپنی بیویوں کو طلاق دیدیں (پھر وہ عورتیں اپنی میعاد) عدت (پوری کر چکیں) اور عدت پوری کر کے کسی سے نکاح کرنا چاہیں خواہ پہلے ہی شوہر سے یا کسی دوسری جگہ (تو تم ان کو اس امر سے مت روکو کہ وہ اپنے) تجویز کئے ہوئے (شوہروں سے نکاح کر لیں، جب کہ باہم رضامند ہو جائیں آپس میں قاعدہ کے موافق، اس مضمون سے نصیحت کی جاتی ہے اس شخص کو جو تم میں سے اللہ تعالیٰ اور روز قیامت پر یقین رکھتا ہو) یعنی ماننے کی ان ہی سے امید ہے اگرچہ نصیحت تو سب ہی کے لئے ہے (اس نصیحت کا قبول کرنا تمہارے لئے زیادہ صفائی اور

زیادہ پاکی کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ) تمہاری مصلحتوں کو (جانتے ہیں، تم نہیں جانتے) اس لئے اللہ تعالیٰ کے حکم کے سامنے اپنی رائے پر عمل مت کیا کرو۔

تیسواں حکم: دودھ پلانا

وَالْوَالِدَاتُ يُرْضِعْنَ أَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يُتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۚ وَعَلَى الْمَوْلُودِ لَهُ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَارَّ وَالِدَةٌ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُودٌ لَهُ بِوَلَدِهِ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذَٰلِكَ ۗ فَإِنْ أَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَإِنْ أَرَدْتُمْ أَنْ تَسْتَرْضِعُوا أَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِذَا سَلَّمْتُمْ مَا آتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوفِ ۗ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ ﴿٢٣٣﴾

ترجمہ: اور مائیں دودھ پلائیں اپنے بچوں کو دو برس پورے (یہ اس کے لئے ہے) جو چاہے کہ پوری کرے دودھ کی مدت۔ اور جس کا بچہ ہے یعنی باپ اسکے ذمہ ہے کھانا اور کپڑا ان عورتوں کا قاعدہ کے موافق۔ تکلیف نہیں دی جاتی کسی کو مگر اس کی گنجائش کے موافق، نہ تکلیف دی جائے ماں کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ باپ کو اس کے بچہ کی وجہ سے اور وارثوں پر بھی یہی لازم ہے پھر اگر ماں باپ چاہیں دودھ چھڑانا (یعنی دو برس کے اندر ہی) اپنی رضا اور مشورے سے تو ان پر کچھ گناہ نہیں۔ اور اگر تم لوگ چاہو کہ دودھ پلواؤ کسی دایہ سے اپنی اولاد کو تو بھی تم پر کچھ گناہ نہیں جب کہ حوالے کر دو جو تم نے دینا طے کیا تھا بھلے طریقے سے اور ڈرتے رہو اللہ سے اور جان لو کہ اللہ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں) خواہ نکاح باقی ہو یا طلاق ہو چکی ہو (یہ مدت اس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے) اور جو تکمیل نہ کرنا چاہے دو سال سے کم میں بھی چھڑا دینا درست ہے جیسا عنقریب آتا ہے (اور جس کا) شرعاً نسب کے اعتبار سے (بچہ ہے) یعنی باپ (اس کے ذمہ ہے ان) ماؤں (کا کھانا اور کپڑا بھلے طریقے پر) جب کہ وہ نکاح یا عدت میں ہوں اور جب

ان میں سے کوئی حالت نہ ہو تو ماں کی طلب پر بطور اجرت کے روٹی کپڑا ملے گا یا جو اجرت طے ہو۔ (کسی شخص کو) خدا کی طرف سے کوئی (حکم نہیں دیا جاتا مگر اس کی برداشت (کے موافق) سو عورتوں کو دودھ پلانا سہل تھا ان کو اس کا حکم دیا گیا اور مردوں کو خرچ کرنا آسان ہے اس لئے ان کو اس کا حکم دیا گیا (کسی ماں کو تکلیف نہ دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے اور نہ کسی باپ کو تکلیف دینی چاہئے اس کے بچہ کی وجہ سے) یعنی بچہ کے ماں باپ آپس میں کسی بات پر ضد بازی نہ کریں مثلاً ماں دودھ پلانے سے معذور ہو اور باپ اس پر یہ سمجھ کر زبردستی کرے کہ آخر اس کا بھی تو بچہ ہے مجبور ہو کر پلائے گی یا یہ کہ باپ مفلس ہو اور ماں کو کوئی معذوری بھی نہیں پھر دودھ پلانے سے یہ سمجھ کر انکار کرے کہ اس کا بھی تو بچہ ہے مجبور ہو کر کسی اور سے پلوائے گا (اور) اگر باپ زندہ نہ ہو تو (مذکورہ طریقے کی مثل) بچہ کی پرورش کا انتظام (اس) محرم قرابت دار (کے ذمہ ہے جو) شرعاً بچہ کے (وارث ہونے کا حق رکھتا) ہو۔ پھر یہ سمجھ لو کہ (اگر دونوں) ماں باپ دو سال سے کم میں (دودھ چھڑانا چاہیں اپنی رضامندی اور مشورہ سے تو) بھی (دونوں پر کسی قسم کا گناہ نہیں) مشورہ کی ضرورت اس وجہ سے ہے کہ بچہ کی مصلحت میں نظر کر لیں (اور اگر تم لوگ،) ماں کے ہوتے ہوئے بھی کسی ضروری مصلحت سے مثلاً یہ کہ ماں کا دودھ اچھا نہیں بچہ کو ضرر ہو گا (اپنے بچوں کو کسی اور انا کا دودھ پلوانا چاہو تب بھی تم پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ان کے حوالہ کر دو) خواہ پیشگی یا بعد میں جس طرح معاہدہ طے ہو جائے (جو کچھ ان کو دینا طے کیا ہے بھلے طریقے سے) اور اگر اجرت نہ پیشگی دے نہ بعد میں دے تو یہ بات نہ رہے گی کہ تم پر کوئی گناہ نہیں ہے بلکہ اجرت نہ دینے کا گناہ لازم رہے گا (اور حق تعالیٰ سے) ان سب احکام کے بارے میں (ڈرتے رہو اور یقین رکھو کہ حق تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب دیکھ رہے ہیں)

فائدہ: 1-ماں کو اگر کوئی عذر نہ ہو تو اس کے ذمہ عنداللہ واجب ہے کہ بچہ کو دودھ پلائے جب کہ وہ منکوحہ ہو یا عدت میں ہو اور اجرت لینا درست نہیں اس کو روٹی کپڑا ملے گا کیونکہ ان حالتوں میں روٹی، کپڑا ہی واجب ہوتا ہے۔

2-اگر طلاق کے بعد عدت گذر چکی ہو تو اس پر بلا اجرت دودھ پلانا واجب نہیں اور وہ اجرت طلب کر سکتی ہے کیونکہ اس حالت میں اس کے لئے کوئی روٹی کپڑا واجب نہیں ہے۔

3-اگر ماں دودھ پلانے سے انکار کرے تو ہم یوں سمجھیں گے کہ یہ غالباً معذور ہو گی اس لئے اس پر جبر نہ کیا جائے گا لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌ میں یہ مسئلہ بھی شامل ہے۔ البتہ اگر بچہ کسی کا دودھ ہی نہیں لیتا نہ اوپر کا دودھ پیتا ہے تو ماں کو مجبور کیا جائے گا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ میں یہ مسئلہ بھی داخل ہے۔

4- باپ کے ہوتے ہوئے بچہ کی پرورش کا خرچ صرف باپ کے ذمہ ہے۔ اور جب باپ مر جائے اس میں یہ تفصیل ہے کہ اگر بچہ مال کا مالک ہے تب تو اس مال میں سے اس کا خرچ نکالا جائے گا اور اگر مال کا مالک نہیں تو اس کے مالدار عزیزوں میں جو اس کے محرم ہیں یعنی جن سے کبھی نکاح نہیں ہو سکتا اور شرعا اس کی میراث کے مستحق بھی ہیں ان کے ذمہ میراث میں استحقاق کی نسبت وشرح کے موافق خرچ واجب ہو گا۔

اکتیسواں حکم: شوہر کی وفات کی عدت

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ (۲۳۴)

ترجمہ: اور جو لوگ مر جائیں تم میں سے اور چھوڑ جائیں اپنی عورتیں تو چاہئے کہ وہ عورتیں انتظار میں رکھیں اپنے آپ کو چار مہینے اور دس دن، پھر جب وہ پورا کر لیں اپنی عدت کو تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس بات میں کہ کچھ کریں وہ اپنے حق میں قاعدے کے موافق۔ اور اللہ تمہارے تمام کاموں سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور جو لوگ تم میں وفات پا جاتے ہیں اور بیویاں چھوڑ جاتے ہیں وہ بیویاں اپنے آپ کو) نکاح وغیرہ سے (انتظار میں) روکے (رکھیں چار مہینے اور دس دن۔ پھر جب اپنی عدت کی میعاد ختم کر لیں تو تم کو) بھی (کچھ گناہ نہ ہو گا، ایسی بات) کے جائز رکھنے (میں کہ وہ عورتیں اپنی ذات کے لئے) نکاح کی (کچھ کارروائی کریں قاعدہ کے موافق) البتہ اگر وہ کوئی بات شرعی قاعدہ کے خلاف کریں اور تم باوجود روک سکنے کے نہ روکو تو تم بھی شریک گناہ ہو گے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے تمام افعال کی خبر رکھتے ہیں)

فائدہ: 1- یہ عدت اس بیوہ کی ہے جس کو حمل نہ ہو اور اگر حمل ہو تو بچہ پیدا ہونے تک اس کی عدت ہے خواہ جنازہ لے جانے سے پہلے ہی پیدا ہو جائے یا چار مہینے دس دن سے بھی زیادہ میں ہو۔ یہ مسئلہ سورت طلاق میں آئے گا۔

2- یہ جو فرمایا کہ اگر عورتیں شرعی قاعدے کے موافق کچھ کریں تو تم کو بھی گناہ نہ ہو گا اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کوئی کام شرع کے خلاف کرے تو دوسروں پر واجب ہوتا ہے کہ بشرط قدرت اس کو روکیں ورنہ یہ لوگ بھی گناہ گار ہوتے ہیں۔

3- قاعدہ کے موافق سے یہ مراد ہے کہ جو نکاح تجویز ہو وہ شرعاً صحیح اور جائز ہو اور حلت کی تمام شرائط

موجود ہوں۔

بتیسواں حکم: عدت میں پیغام نکاح

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ۭ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ڛ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾

ترجمہ: اور کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ اشارہ میں کہو پیغام نکاح ان (اوپر مذکورہ عدت گذارنے والی) عورتوں کا یا پوشیدہ رکھو اپنے دل میں۔ اللہ کو معلوم ہے کہ تم ضرور ذکر کرو گے ان عورتوں کا لیکن ان سے وعدہ نہ کرو نکاح کا مگر یہی کہ کہہ دو کوئی بات رواج شریعت کے موافق۔ اور نہ ارادہ کرو تعلق نکاح کا یہاں تک کہ پہنچ جائے عدت اپنی انتہاء کو اور یقین رکھو کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ تمہارے دل میں ہے سو اس سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ اللہ بخشنے والا اور تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (اور تم پر کوئی گناہ نہیں ہو گا جو ان مذکورہ عورتوں کو) جو عدت وفات میں ہیں (پیغام) نکاح (دینے کے بارے مین کوئی بات اشارۃً کہہ دو) مثلاً یہ کہ مجھ کو ایک نیک عورت سے نکاح کی ضرورت ہے (یا اپنے دل میں) آئندہ ان سے نکاح کرنے کے ارادہ کو (پوشیدہ رکھو) جب بھی گناہ نہیں اور اس اجازت کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات معلوم ہے کہ تم ان عورتوں کا) ضرور (ذکر مذکور کرو گے) سو خیر ذکر مذکور کرو (لیکن ان سے) صاف لفظوں میں (نکاح کا وعدہ) اور گفتگو (مت کرو مگر یہ کہ کوئی بات شرعی (قاعدہ کے موافق کہو) تو مضائقہ نہیں اور وہ بات قاعدہ کے مطابق یہی ہے کہ اشارۃً کہو (اور تم) فی الحال (تعلق نکاح) کا ارادہ بھی مت کرو، یہاں تک کہ عدت اپنے مقررہ وقت پر ختم ہو جائے اور یقین رکھو اس کا کہ اللہ کو اطلاع ہے تمہارے دلوں کی بات کی سو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو) اور ناجائز کام کا دل میں ارادہ بھی مت کیا کرو (اور) یہ بھی (یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ معاف بھی کرنے والے ہیں) سو اگر کسی ناجائز کام کا ارادہ کیا تھا پھر توبہ کر لی تو معاف کر دیتے ہیں (اور حلیم بھی ہیں) سو اگر توبہ نہ کرنے والے کو سردست سزا نہ دیں تو اس کی وجہ اللہ کا حلم سمجھو دھوکا مت کھاؤ۔

تینتیسواں حکم: رخصتی سے قبل طلاق میں مہر کا حکم

رخصتی سے قبل طلاق کا مطلب یہ ہے کہ زوجین میں یک جائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آ جائے۔ اس میں پھر دو صورتیں ہیں یا تو اس نکاح کے وقت مہر مقرر نہیں ہوا یا مہر مقرر ہوا ہے۔ آئندہ آیتوں میں پہلی صورت کا پہلے ذکر ہے اور دوسری صورت کا بعد میں ہے۔

لَاجُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

ترجمہ: کچھ مواخذہ نہیں تم پر اگر طلاق دو تم عورتوں کو اس وقت کہ ان کو ہاتھ بھی نہ لگایا ہو اور نہ مقرر کیا ہو ان کے لئے کچھ مہر اور ان کو کچھ فائدہ پہنچاؤ، حیثیت والے پر اس کے موافق ہے اور تنگی والے پر اس کی موافق، ایسا فائدہ جو کہ قاعدے کے موافق ہے۔ واجب ہے نیک معاملہ لوگوں پر۔ اور اگر طلاق دو ان کو ہاتھ لگانے سے پہلے اور مقرر کر چکے تھے تم ان کے لئے مہر تو لازم ہوا آدھا اس (مہر) کا جو تم مقرر کر چکے تھے مگر یہ کہ معاف کر دیں عورتیں یا معاف کر دے وہ شخص کہ اس کے اختیار میں ہے تعلق نکاح کا یعنی خاوند اور تم (یعنی حقدار) معاف کر دو تو زیادہ قریب ہے تقوی کے۔ اور نہ بھلا دو احسان کرنا آپس میں۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے ہو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: پہلی صورت میں (تم پر) مہر کا (کچھ مواخذہ نہیں اگر بیویوں کو ایسی حالت میں طلاق دیدو کہ نہ ان کو تم نے ہاتھ لگایا ہے اور نہ ان کے لئے کچھ مہر مقرر کیا ہے) سو اس صورت میں مہر اپنے ذمہ مت سمجھو (اور) صرف (ان کو) ایک (فائدہ پہنچاؤ، صاحب وسعت کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے اور تنگدست کے ذمہ اس کی حیثیت کے موافق ہے، ایک خاص قسم کا فائدہ پہنچانا قاعدہ کے موافق جو واجب

ہے نیک معاملہ لوگوں پر) یعنی سب مسلمانوں پر، کیونکہ نیک معاملگی کا بھی سب ہی کو حکم ہے۔اس سے مراد کپڑوں کا ایک جوڑا دینا ہے۔

دوسری صورت میں (اور اگر تم ان بیویوں کو طلاق دو قبل اس کے کہ ان کو ہاتھ لگاؤ اور ان کے لئے کچھ مہر بھی مقرر کر چکے تھے تو) اس صورت میں (جتنا مہر تم نے مقرر کیا ہو اس کا نصف) واجب (ہے) اور نصف معاف (مگر) دو صورتیں اس مجموعی حکم سے مستثنیٰ ہیں، ایک صورت تو (یہ کہ وہ عورتیں) اپنا نصف بھی (معاف کر دیں) تو اس صورت میں نصف بھی واجب نہ رہا (یا دوسری صورت (یہ) ہے (کہ وہ شخص رعایت کر دے جس کے ہاتھ میں نکاح کا تعلق) رکھنا اور توڑنا (ہے) یعنی خاوند کہ وہ پورا مہر ہی اس کو دیدے (اور) اے اہل حق (تمہارا) اپنے حقوق کو (معاف کر دینا) بہ نسبت وصول کرنے کے (تقویٰ سے زیادہ قریب ہے) کیونکہ معاف کرنے سے ثواب ملتا ہے اور ثواب کا کام کرنا ظاہر ہے کہ تقویٰ کی بات ہے۔ (اور آپس میں احسان) اور رعایت (کرنے سے غفلت مت کرو) بلکہ ہر شخص دوسرے کے ساتھ رعایت کرنے کا خیال رکھا کرے (بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کو خوب دیکھتے ہیں) تو تم اگر کسی کے ساتھ رعایت واحسان کرو کے اللہ تعالیٰ اس کی جزائے خیر تم کو دیں گے۔

چونتیسواں حکم: نمازوں کی حفاظت

اس سے آگے پیچھے طلاق وغیرہ کے احکام ہیں، درمیان میں نماز کے احکام بیان فرمانا اس طرف اشارہ ہے کہ مقصود اصلی توجہ الی الحق ہے اور معاشرت اور معاملات کے احکام سے دیگر مصلحتوں کے علاوہ خاص اس توجہ کی حفاظت اور ترقی بھی مقصود ہے، چنانچہ جب ان کو خدائی احکام سمجھ کر عمل کیا جائے گا تو توجہ لازم ہوگی، پھر یہ کہ ان احکام میں حقوق عباد کی ادائیگی بھی ہے اور حقوق عباد کے اتلاف سے درگاہ الٰہی سے دوری ہوتی ہے، جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ حق تعالیٰ اور بندہ دونوں کی طرف سے بے توجہی ہوگی۔ چونکہ نماز میں توجہ الی اللہ زیادہ ظاہر ہے اس لئے اس کے درمیان میں لانے سے اس توجہ کے مقصود ہونے پر زیادہ دلالت ہوگی، تاکہ بندہ اس توجہ کو ہر وقت پیش نظر رکھے۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ﴿۲۳۸﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۹﴾

ترجمہ: حفاظت کرو سب نمازوں کی اور بیچ والی نماز کی اور کھڑے رہو اللہ کے آگے

ادب سے۔ پھر اگر تم کو ڈر ہو کسی کا تو کھڑے کھڑے پڑھ لو یا سوار ہو کر۔ پھر جس وقت تم امن میں ہو جاؤ تو یاد کرو اللہ کو جس طرح کہ تم کو سکھایا ہے جس کو تم نہ جانتے تھے۔

تفسیر: حفاظت (کرو سب نمازوں کی) عموماً (اور درمیان والی نماز) یعنی عصر (کی) خصوصاً (اور) نماز میں (کھڑے ہوا کرو اللہ کے سامنے عاجز بنے ہوئے، پھر اگر تم کو) باقاعدہ نماز پڑھنے میں کسی دشمن وغیرہ کا (اندیشہ ہو تو کھڑے کھڑے یا سواری پر چڑھے چڑھے) جس طرح ہو سکے خواہ قبلہ کی طرف بھی منہ ہو یا نہ ہو اور گو رکوع و سجود صرف اشارہ ہی سے ممکن ہو (پڑھ لیا کرو) اس حالت میں بھی اس پر محافظت رکھو اس کو ترک مت کرو (پھر جب تم کو) بالکل (اطمینان ہو جائے) اور اندیشہ جاتا رہے (تو تم خدا تعالیٰ کی یاد) یعنی نماز کی ادائیگی (اس طریقے سے کرو جو تم کو) اطمینان کی حالت میں (سکھایا ہے جس کو تم) پہلے سے (نہ جانتے تھے)

فائدہ: بعض احادیث اس بات پر دلیل ہیں کہ بیچ والی نماز عصر کی ہے کیونکہ اس کے ایک طرف دو نمازیں دن کی ہیں فجر اور ظہر اور ایک طرف دو نمازیں رات کی ہیں مغرب اور عشاء۔ اس کی تاکید خصوصیت کے ساتھ اس لئے کی کہ اکثر لوگوں کیلئے یہ وقت کام کی بھیڑ بھاڑ کا ہوتا ہے۔

پینتیسواں حکم: بیوہ کے لئے سکونت کی وصیت

جاہلیت میں شوہر کی وفات کی عدت ایک سال تھی اور اسلام میں بجائے ایک سال کے چار مہینے دس دن مقرر ہوئے جیسا کہ ما قبل میں آیت یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّ عَشْرًا سے معلوم ہو چکا ہے، اس لئے یہ حکم ہو گیا تھا کہ اگر عورت اپنی مصلحت سے خاوند کے ترکہ کے گھر میں رہنا چاہے تو سال بھر تک اس کو رہنے کا حق حاصل ہے اور اسی کے ترکہ سے اس مدت میں اس کو نان نفقہ بھی دیا جائے اس آیت میں اسی حکم کا بیان ہے اور خاوندوں کو حکم ہے کہ اس طرح کی وصیت کر جایا کریں، اور چونکہ یہ حق عورت کا تھا اس کو اس کے وصول کرنے نہ کرنے کا اختیار حاصل تھا اس لئے وارثوں کو تو گھر سے نکالنا جائز نہ تھا لیکن خود اس کو جائز تھا کہ چاہے تو اس کے گھر نہ رہے اور اپنا حق ورثہ کو چھوڑ دے بشرطیکہ عدت پوری ہو چکے، اسی طرح عدت کے بعد اس کے لئے کسی دوسرے مرد سے نکاح کرنا بھی درست تھا اور یہی مراد ہے قاعدہ کی بات سے، البتہ عدت کے اندر نکلنا اور نکاح کرنا وغیرہ سب گناہ تھا عورت کے لئے بھی اور جو منع کر سکے اور نہ روکے اس کے لئے بھی۔

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَ يَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ

مَّتَاعًا إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِي مَا فَعَلْنَ فِي أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ وَاللَّهُ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٤٠﴾

ترجمہ: اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویاں تو وہ وصیت کر جائیں اپنی بیویوں کے واسطے خرچ دینا ایک برس تک بغیر نکالنے کے گھر سے۔ پھر اگر وہ خود ہی نکل جائیں تو کچھ گناہ نہیں تم پر اس میں کہ کریں وہ عورتیں اپنے حق میں قاعدے کی بات اور اللہ زبردست ہے حکمت والا۔

تفسیر: (اور جو لوگ وفات پا جاتے ہیں تم میں سے اور چھوڑ جاتے ہیں بیویوں کو) ان کے ذمہ لازم ہے کہ (وہ وصیت کر جایا کریں اپنی بیویوں کے واسطے ایک سال تک) نان ونفقہ اور گھر میں سکونت رکھنے سے (نفع اٹھانے کی اس طور پر کہ وہ گھر سے نکالی نہ جائیں، ہاں اگر) چار مہینے دس دن کے بعد یا وضع حمل کے بعد یعنی پوری عدت گذار کر (خود نکل جائیں تو تم کو کوئی گناہ نہیں اس قاعدہ کی بات میں جس کو اپنے بارے میں) تجویز (کریں) جیسے نکاح وغیرہ (اور اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) ان کے حکم کے خلاف مت کرو (اور حکمت والے ہیں) کہ تمام احکام میں تمہاری مصلحتیں ملحوظ رکھی ہیں اگرچہ تمہارے فہم میں نہ آسکیں۔

فائدہ: جب میراث کی آیت نازل ہوئی اور میت کے چھوڑے ہوئے گھربار اور سب ترکہ میں سے عورت کو متعین حق دے دیا گیا تو وہ اپنے حصہ میں رہے اور اپنے حصہ میں سے خرچ کرے اور اس آیت کا حکم منسوخ ہو گیا۔

چھتیسواں حکم: جن عورتوں کو خلوت صحیحہ کے بعد طلاق ملے ان کو فائدہ پہنچانا

وَلِلْمُطَلَّقَاتِ مَتَاعٌ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِينَ ﴿٢٤١﴾ كَذَٰلِكَ يُبَيِّنُ اللَّهُ لَكُمْ آيَاتِهِ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُونَ ﴿٢٤٢﴾

ترجمہ: اور طلاق دی ہوئی عورتوں کے واسطے نفع دینا ہے قاعدہ کے موافق (یہ) مقرر ہوا ہے پرہیزگاروں پر، اسی طرح بیان فرماتا ہے اللہ تعالیٰ تمہارے واسطے اپنے احکام تاکہ تم سمجھ لو۔

تفسیر: (اور سب طلاق دی ہوئی عورتوں کے لئے کچھ کچھ فائدہ پہنچانا) کسی درجہ میں مقرر ہے (قاعدہ کے موافق) اور یہ (مقرر ہوا ہے ان پر جو) شرک وکفر سے (پرہیز کرتے ہیں) یعنی مسلمانوں پر خواہ یہ مقرر ہونا وجوب کے درجہ میں ہو یا استحباب کے مرتبہ میں (اسی طرح حق تعالیٰ تمہارے) عمل کرنے

کے (لئے اپنے احکام بیان فرماتے ہیں اس توقع پر کہ تم) ان کو (سمجھو) اور عمل کرو۔

فائدہ: اسی قسم کا حکم چند آیات پہلے بھی گذرا ہے مگر وہ ان عورتوں کے بارے میں تھا جن کو یکجائی اور خلوت صحیحہ سے پہلے طلاق مل گئی ہو۔ اس آیت میں ان عورتوں کو ذکر ہے جن کو اس کے بعد طلاق ملی ہو۔ ان کو فائدہ پہنچانا یہ ہے کہ جن کا مہر مقرر کیا گیا ہو ان کو پورا مہر دینا چاہئے اور جن کا مہر مقرر نہ ہوا ہو ان کو ان کا مہر مثل دینا چاہئے۔ اگر متاع سے مراد جوڑا ہی ہو تو وہ ان کے لئے مستحب ہے۔

ربط: ابواب بر کے یہاں تک مختلف انواع کے چھتیس حکم ذکر ہوئے۔ ان میں سے بعض کا تعلق عبادات سے ہے بعض کا معاشرت سے اور بعض کا مالی معاملات سے اور ان سب سے جیسا کہ چونتیسویں حکم کے فائدہ میں بیان ہوا مقصود اصلی توجہ الی اللہ ہے۔ چونکہ یہ بات عبادات میں زیادہ صراحت کے ساتھ موجود ہے لہذا عبادات سے متعلق احکام زیادہ مطمح نظر ٹھہرے۔ پھر عبادات دو طرح کی ہیں۔ ایک وہ جن کا نفع لازم ہے یعنی صرف کرنے والے کو ہوتا ہے جیسے نماز روزہ وغیرہ۔ دوسری وہ جن کا نفع متعدی ہے جیسے جہاد و انفاق وغیرہ۔ جس قسم کا نفع متعدی ہے اس کا فائدہ زیادہ ہے اور اس قسم کی عبادتوں میں دو عبادتیں اور بھی زیادہ کامل ہیں ایک جہاد کہ جان کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے دوسرے انفاق فی الخیر کہ مال کو اللہ کی راہ میں خرچ کرنا ہے۔ اس لئے اس سورت کے مختلف مواقع میں اور مضامین کی بنسبت ان دو مضمونوں کے بیان کا اہتمام بہت زیادہ کیا گیا ہے۔ اسی اہتمام کے تحت اگلی آیتوں میں ان دونوں کا بیان پھر تفصیل کے ساتھ ہوتا ہے چنانچہ آیت وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ میں جو ذرا آگے آتی ہے جہاد کا حکم صراحت سے مذکور ہے اور اسی کی تمہید کے لئے پہلے کی آیت (اَلَمْ تَرَاِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا) جو ابھی آتی ہے اور اس کی تکمیل کے لئے بعد کی آیتیں اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ جن میں طالوت و جالوت کا قصہ مذکور ہے لائی گئی ہیں اور آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ میں جو قاتلوا کے بعد آتی ہے اور اسی طرح طالوت و جالوت کے قصہ کے بعد کی آیات میں انفاق کی تاکید اور فضیلت اور اس کے ظاہری و باطنی آداب وغیرہ کے مضامین مذکور ہیں۔

سینتیسواں حکم: جہاد

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِیَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ثُمَّ اَحْیَاهُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَی النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا یَشْكُرُوْنَ ﴿۲۴۳﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جو کہ نکلے اپنے گھروں سے اور وہ ہزاروں تھے موت سے بچنے کیلئے پھر کہا ان کو اللہ نے کہ مر جاؤ پھر ان کو زندہ کر دیا بے شک اللہ فضل کرنے والا ہے لوگوں پر لیکن اکثر لوگ شکر نہیں کرتے۔

تفسیر: اے مخاطب جس طرح خود دیکھنے سے تحقیق واقعی ہوتی ہے (کیا تجھ کو ان لوگوں کے قصہ کی تحقیق نہیں ہوئی جو کہ اپنے گھروں سے نکل گئے اور وہ لوگ ہزاروں ہی تھے موت سے بچنے کے لئے سو اللہ نے ان کے لئے) حکم (فرمادیا کہ مر جاؤ) تو سب مر گئے (پھر ان کو زندہ کر دیا، بے شک اللہ تعالیٰ بڑا فضل کرنے والے ہیں لوگوں) کے حال (پر مگر اکثر لوگ شکر نہیں کرتے)

فائدہ: 1- یہ پہلی امتوں میں سے کسی کا قصہ ہے۔ کسی ایسے حادثہ سے بھاگے جس میں موت کا اندیشہ تھا۔ مشہور یہ ہے کہ بنی اسرائیل کی ایک جماعت تھی اور طاعون یا جہاد سے بھاگے تھے۔ خدا تعالیٰ نے ان کو یہ بات دکھادی کہ موت و حیات سب خدا کے قبضہ قدرت میں ہے۔ چنانچہ ان کو ایک دم سے موت آ گئی۔ پھر خدا تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے اور مشہور یہ ہے کہ حضرت حزقیل علیہ السلام پیغمبر کی دعا کے بعد ان کو زندہ کر دیا تا کہ ظاہری سبب کے بغیر موت اور ظاہری سبب کے بغیر حیات دونوں کا ان کو مشاہدہ ہو جائے۔

2- فضل کرنے سے یا تو یہی مراد ہے یعنی خواہ زندہ کر دینا یا اعتقاد درست کر دینا اور یا امت محمدیہ ﷺ کو اس قصہ کا سنانا مراد ہے کیونکہ ایسی بات بتانا جس سے عقیدہ اور عمل کی اصلاح ہو بلا شبہ بڑا فضل ہے۔ چنانچہ یہ قصہ اسی لئے سنایا گیا ہے کہ موت کے خوف کے سبب سے جہاد سے پیچھے نہ ہٹیں اور موت و حیات سب قبضہ الٰہی میں سمجھیں۔

3- یہ حیات ثانیہ ان کی آیات کے منافی نہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مر کر قیامت سے پہلے دنیا میں آنا نہیں ہوتا کیونکہ ان آیات میں عام عادت کی نفی ہے اور یہ حیات بطور خرق عادت کے ہوتی اور ایسا کبھی کبھی ہوا۔

ربط: آگے اس تمہید سے جو مقصود تھا یعنی جہاد اس کی تصریح فرماتے ہیں اور اس کی ہمت دلاتے ہیں۔

وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ ﴿٢٤٤﴾

ترجمہ: اور لڑو اللہ کی راہ میں اور جان لو کہ اللہ خوب سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (اس قصہ مذکورہ میں غور کرو) اور اللہ کی راہ میں قتال کرو اور یقین کر رکھو اس بات کا کہ اللہ تعالیٰ خوب سننے والے اور خوب جاننے والے ہیں (جہاد کرنے اور نہ کرنے والوں کی باتیں سنتے ہیں اور ہر ایک کی نیت جانتے ہیں اور سب کو مناسب جزا دیں گے)۔

ربط: جہاد میں جان خرچ کرنے کے ساتھ آگے مال خرچ کرنے کا بیان ہے۔

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً ؕ وَ اللّٰهُ یَقْبِضُ وَ یَبْصُۜطُ ۪ وَ اِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۴۵﴾

ترجمہ: کون شخص ہے ایسا جو قرض دے اللہ کو قرض اچھا پھر بڑھادے اللہ اس (کے ثواب) کو کئی گنا اور اللہ ہی تنگی کرتا ہے اور وہی کشائش کرتا ہے اور اسی کی طرف تم لوٹائے جاؤ گے۔

تفسیر: (کون شخص ہے) ایسا (جو اللہ تعالیٰ کو قرض دے) اخلاص کے ساتھ (اچھا قرض) یعنی حلال وپاکیزہ مال (پھر اللہ تعالیٰ اس) قرض کے ثواب (کو بڑھا کر بہت سے حصے کر دے اور) اس کا اندیشہ مت کرو کہ خرچ کرنے سے مال کم ہو جائے گا، کیونکہ یہ تو (اللہ) ہی کے قبضہ میں ہے وہی (کمی کرتے ہیں اور) وہی (فراخی کرتے ہیں) کچھ خرچ کرنے نہ کرنے پر اس کا اصلی مدار نہیں (اور تم اسی کی طرف) مرنے کے بعد (لوٹائے جاؤ گے) سو اس وقت نیک کام میں خرچ کرنے کی جزاء اور واجب موقع پر خرچ نہ کرنے کی سزا تم کو ملے گی۔

فائدہ: قرض مجازاً کہا ورنہ سب خدا ہی کی ملک ہے۔ مطلب یہ ہے کہ جیسے قرض کا عوض ضروری دیا جاتا ہے اس طرح تمہارے انفاق کا عوض ضرور ملے گا۔

2- بڑھانے کا بیان ایک حدیث میں آیا ہے کہ ایک کھجور اللہ کی راہ میں خرچ کی جائے تو خدا تعالیٰ اس کو اتنا بڑھاتے ہیں کہ وہ احد پہاڑ سے بڑی ہو جاتی ہے۔

اور ہر شخص جانتا ہے کہ اگر کھجور کے برابر احد پہاڑ کے ٹکڑے کئے جائیں تو بے شمار ہوں گے۔ تو اس حساب سے بڑھوتری کی حد سات سو تک نہیں رہی اور شان نزول سے بھی یہی بات معلوم ہوتی ہے چنانچہ حدیث میں ہے کہ جب سات سو گنا تک بڑھانے والی آیت نازل ہوئی تو آپ ﷺ نے دعا کی اے رب میری امت کو اور زیادہ دیجئے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

ربط: اس مقام میں مقصود قتال کی ترغیب زیادہ کرنا ہے۔ اوپر کا قصہ اسی کی تمہید ہے۔ انفاق کا مضمون اسی کی تائید ہے۔ آگے طالوت جالوت کا قصہ اس کی تاکید ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَ مَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَ قَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَ

اَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَ
اللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ
لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ؕ قَالُوْۤا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ
عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِى الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ يُؤْتِىْ مُلْكَهٗ
مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖۤ
اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ
اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ ع فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّىْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ
فَاِنَّهٗ مِنِّىْۤ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا
مِّنْهُمْ ؕ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا
الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ؕ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا
اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ مَعَ
الصّٰبِرِيْنَ ﴿۲۴۹﴾ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَاۤ اَفْرِغْ عَلَيْنَا
صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۵۰﴾ ؕ فَهَزَمُوْهُمْ
بِاِذْنِ اللّٰهِ ۙ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَ
عَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ؕ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ
لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۲۵۱﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے بنی اسرائیل کی ایک جماعت کو موسیٰ کے بعد جب انہوں نے کہا اپنے نبی سے مقرر کرو ہمارے لئے ایک بادشاہ تاکہ ہم لڑیں اللہ کی راہ میں۔ پیغمبر نے کہا کیا ہو سکتا ہے کہ اگر تم کو حکم دیا جائے لڑائی کا تو تم اس وقت نہ لڑو۔ وہ بولے ہم کو کیا ہے کہ ہم نہ لڑیں اللہ کی راہ میں حالانکہ ہم تو نکال دیئے گئے اپنے گھروں سے اور بیٹوں سے۔ پھر جب حکم ہوا ان کو لڑائی کا تو وہ سب پھر گئے مگر تھوڑے ان میں سے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظالموں کو۔ اور فرمایا ان سے ان کے نبی نے بیشک اللہ نے مقرر فرمادیا تمہارے لئے طالوت کو بادشاہ۔ کہنے لگے کیونکر ہو سکتی ہے اس کے لئے حکومت ہم پر حالانکہ ہم زیادہ مستحق ہیں سلطنت کے اس سے اور اس کو نہیں ملی کشایش مال میں۔ پیغمبر نے کہا بیشک اللہ نے منتخب فرمایا اس کو تم پر اور زیادہ دی فراخی اس کو علم اور جسم میں اور اللہ دیتا ہے ملک اپنا جس کو چاہے اور اللہ ہے وسعت دینے والا سب کچھ جاننے والا۔ اور کہا ان سے ان کے نبی نے کہ طالوت کی سلطنت کی نشانی یہ ہے کہ آئے گا تمہارے پاس ایک صندوق کہ جس میں تسکین ہے تمہارے رب کی طرف سے اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں ان میں سے جو چھوڑ گئی تھی موسیٰ کی اولاد اور ہارون کی اولاد اور لائیں گے اس صندوق کو فرشتے، بے شک اس میں پوری نشانی ہے تمہارے واسطے اگر تم یقین رکھتے ہو۔ پھر جب باہر نکلا طالوت فوجیں لے کر اس نے کہا بے شک اللہ تمہاری آزمائش کرنے والا ہے ایک نہر سے۔ جو پیئے گا پانی اس نہر کا تو وہ میرا (ساتھی) نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بے شک میرا ہے مگر جو کوئی بھرے ایک چلو اپنے ہاتھ سے۔ پھر پی لیا سب نے اس کا پانی بے تحاشا مگر تھوڑوں نے ان میں سے۔ پھر جب پار ہوا طالوت اور ایمان والے ساتھ اس کے تو کہنے لگے طاقت نہیں ہم کو آج جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلے کی۔ (یہ سن کر) کہنے لگے وہ لوگ جو یقین رکھتے تھے کہ ان کو اللہ سے ملنا ہے بارہا بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں غالب ہوئیں بڑی جماعتوں پر اللہ کے حکم سے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب سامنے ہوئے جالوت کے اور اس کی فوجوں کے تو بولے اے رب ہمارے ڈال دے ہمارے دلوں میں صبر اور جمائے رکھ ہمارے پاؤں اور ہماری مدد کر اس کافر قوم پر۔ پھر شکست دی مومنوں نے جالوت کے لشکر کو اللہ کے حکم سے اور قتل کر ڈالا داؤد نے جالوت کو اور دی داؤد کو اللہ نے سلطنت اور حکمت اور سکھایا ان کو جو چاہا۔ اور اگر نہ ہوتا دفع کرادینا اللہ کا بعض لوگوں کو بعض کے ذریعے تو خراب ہو جاتی زمین۔ لیکن اللہ بہت مہربان ہے جہان کے لوگوں پر۔

تفسیر: بنی اسرائیل نے اللہ تعالیٰ کے احکام کو چھوڑ دیا تھا کفار عمالقہ ان پر مسلط کر دیئے گئے۔ اس وقت ان لوگوں کو اصلاح کی فکر ہوئی۔ اس قصہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا

اے مخاطب (کیا تجھ کو بنی اسرائیل کی جماعت کا قصہ جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد ہوا ہے، تحقیق نہیں ہوا) جس سے پہلے ان پر کافر جالوت غالب آچکا تھا اور ان کے کئی علاقے اس نے دبا لئے تھے (جب کہ ان لوگوں نے اپنے ایک پیغمبر سے کہا کہ ہمارے لئے ایک بادشاہ مقرر کر دیجئے کہ ہم) اس کے ساتھ ہو کر (اللہ کی راہ میں) جالوت سے (قتال کریں، اس پیغمبر نے فرمایا کہ کیا یہ احتمال ہے اگر تم کو جہاد کا حکم دیا جائے کہ تم) اس وقت (جہاد نہ کرو، وہ لوگ کہنے لگے کہ ہمارے واسطے ایسا کونسا سبب ہو گا کہ ہم اللہ کی راہ میں جہاد نہ کریں، حالانکہ) جہاد کے لئے ایک محرک بھی ہے، وہ یہ کہ (ہم) ان کافروں کے ہاتھوں (اپنی بستیوں اور اپنے فرزندوں سے بھی جدا کر دیئے گئے ہیں) کیونکہ ان کی بعض بستیاں بھی کافروں نے دبالی تھیں اور ان کی اولاد کو بھی قید کر لیا گیا تھا (پھر جب ان لوگوں کو جہاد کا حکم ہوا تو سوائے ایک قلیل مقدار کے) باقی (سب پھر گئے) جیسا کہ آگے جہاد کی غرض سے بادشاہ کے مقرر ہونے کا اور ان لوگوں کے پھر جانے کا تفصیلاً بیان آتا ہے (اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو) یعنی حکم کی خلاف ورزی کرنے والوں کو (خوب جانتے ہیں) سب کو مناسب سزا دیں گے (اور ان لوگوں سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر طالوت کو بادشاہ مقرر فرمایا۔ کہنے لگے ان کو ہم پر حکمرانی کا کیسے حق حاصل ہو سکتا ہے حالانکہ بہ نسبت ان کے ہم حکمرانی کے زیادہ مستحق ہیں اور ان کو کچھ مالی وسعت بھی نہیں دی گئی) کیونکہ طالوت غریب آدمی تھے (ان پیغمبر نے) جواب میں (فرمایا کہ) اول تو (اللہ تعالیٰ نے تمہارے مقابلے میں ان کو منتخب فرمایا ہے) اور انتخاب کی مصلحتوں کو اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں (اور) دوسرے (علم) سیاست و حکمرانی (اور جسامت میں ان کو زیادتی دی ہے) اور بادشاہ ہونے کے لئے اس علم کی زیادہ ضرورت ہے تاکہ ملکی انتظام پر قادر ہو اور جسامت اس وجہ سے ہے کہ موافق و مخالف کے قلب میں وقعت و ہیبت پیدا ہو (اور) تیسرے (اللہ تعالیٰ) مالک الملک ہیں (اپنا ملک جس کو چاہیں دیں) ان سے کوئی سوال کرنے کا حق نہیں رکھتا (اور) چوتھے (اللہ تعالیٰ وسعت دینے والے ہیں) ان کو مال دیدینا کیا مشکل ہے جس کے اعتبار سے تم کو شبہ ہو اور (جاننے والے ہیں) کہ کون حکومت کرنے کی قابلیت رکھتا ہے (اور) جب ان لوگوں نے پیغمبر سے یہ درخواست کی کہ اگر ان کے اللہ کی جانب سے بادشاہ ہونے کی ظاہری و حسی دلیل کا ہم مشاہدہ کر لیں تو اور زیادہ اطمینان ہو جائے اس وقت (ان سے ان کے پیغمبر نے فرمایا کہ ان کے) منجانب اللہ (بادشاہ ہونے کی یہ علامت ہے کہ تمہارے پاس وہ صندوق) تمہارے عمل دخل کے بغیر آجائے گا (جس میں تسکین) اور

برکت (کی چیز ہے، تمہارے رب کی طرف سے) یعنی تورات، اور تورات کا منجانب اللہ ہونا ظاہر ہے (اور کچھ بچی ہوئی چیزیں ہیں جن کو حضرت موسیٰ وحضرت ہارون علیہما السلام کے آل واولاد چھوڑ گئے ہیں) یعنی ان حضرات کے کچھ ملبوسات وغیرہ، غرض (اس صندوق کو فرشتے لے آئیں گے۔ اس) طرح سے صندوق کے آجانے (میں تم لوگوں کے واسطے پوری نشانی ہے اگر تم یقین لانے والے ہو)۔ اس صندوق میں تبرکات تھے۔ جالوت جب بنی اسرائیل پر غالب آیا تھا یہ صندوق بھی لے گیا تھا۔ جب اللہ کو اس صندوق کا پہنچانا منظور ہوا تو یہ سامان کیا کہ وہ لوگ جہاں صندوق کو رکھتے تھے وہاں ہی سخت سخت بلائیں نازل ہوتیں۔ آخر ان لوگوں نے ایک گاڑی پر اس کو لاد کر بیلوں کو ہانک دیا۔ فرشتے اس کو ہانک کر یہاں پہنچا گئے جس سے بنی اسرائیل کو بڑی خوشی ہوئی اور طالوت تسلیم شدہ بادشاہ ہو گئے۔ (پھر جب) بنی اسرائیل نے طالوت کو بادشاہ تسلیم کر لیا اور جالوت کے مقابلے کے لئے لوگ جمع ہو گئے اور (طالوت فوجوں کو لے کر) اپنے مقام یعنی بیت المقدس سے عمالقہ کی طرف چلے تو (انہوں نے) اپنے ہمراہی پیغمبر کی وحی کے ذریعے دریافت کر کے ساتھیوں سے (کہا کہ اب حق تعالیٰ) صبر اور کم صبری میں (تمہارا امتحان کریں گے ایک نہر کے ذریعے) جو راہ میں آئے گی اور تم شدت تشنگی کے وقت اس پر گذرو گے (سو جو شخص اس سے) افراط کے ساتھ پانی پئے گا وہ تو میرے ساتھیوں میں نہیں اور جو اس کو زبان پر بھی نہ رکھے) اور اصل حکم بھی یہی ہے (وہ میرے ساتھیوں میں ہے، لیکن جو شخص اپنے ہاتھ سے ایک چلو بھر لے) تو اتنی رخصت ہے۔ اس امتحان کی غرض یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایسے موقعوں پر جوش وخروش میں بھیڑ بھاڑ بہت ہو جایا کرتی ہے لیکن وقت پر جمنے والے کم ہوتے ہیں اور اس وقت کمزوروں کا اکھڑ جانا باقی لوگوں کے بھی پاؤں اکھاڑ دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کو ایسے لوگوں کا علیحدہ کرنا منظور تھا اس کا یہ امتحان مقرر کیا گیا جو کہ نہایت ہی مناسب ہے کیونکہ لڑائی میں جفاکشی اور صبر و استقلال کی ضرورت ہوتی ہے۔ البتہ امتحان سے آگے عام عادت کے برخلاف یہ ہوا کہ زیادہ پانی پینے والے اللہ کے حکم سے زیادہ بیکار اور ناکارہ بھی ہو گئے۔ غرض وہ نہر راستے میں آئی، پیاس کی شدت تھی (سو سب نے اس سے) بے تحاشا (پینا شروع کر دیا، مگر تھوڑے سے آدمیوں نے ان میں سے) احتیاط کی، کسی نے بالکل نہ پیا ہوگا، کسی نے چلو سے زیادہ نہ پیا ہو گا (سو جب طالوت اور جو مومنین ان کے ہمراہ تھے نہر سے پار اتر گئے) اور اپنے مجمع کو دیکھا تو تھوڑے سے آدمی رہ گئے تھے۔ اس وقت بعضے آدمی آپس میں (کہنے لگے کہ آج تو) ہمارا مجمع اتنا کم ہے کہ اس حالت سے (ہم جالوت اور اس کے لشکر کے مقابلے کی طاقت نہیں معلوم ہوتی) یہ سن کر (ایسے لوگ جن کو یہ یقین پیش نظر (تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے روبرو پیش ہونے والے ہیں کہنے لگے کہ کثرت سے) ایسے واقعات ہو

چکے ہیں کہ (بہت سی چھوٹی چھوٹی جماعتیں بڑی بڑی جماعتوں پر خدا کے حکم سے غالب آ گئی ہیں) اصل چیز استقلال یعنی صبر ہے (اور اللہ تعالیٰ استقلال والوں کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور جب) عمالقہ کے علاقہ میں پہنچے اور (جالوت اور اس کی فوجوں کے سامنے میدان میں آگئے تو) دعا میں حق تعالیٰ سے (کہنے لگے کہ اے ہمارے پروردگار ہم) پر یعنی ہمارے قلوب پر (استقلال) غیب سے (نازل فرمائیے اور) مقابلہ کے وقت (ہمارے قدم جمائے رکھئے اور ہم کو اس کافر قوم پر غالب کیجئے، پھر طالوت والوں نے جالوت والوں کو خدا تعالیٰ کے حکم سے شکست دیدی اور داؤد علیہ السلام نے) جو کہ اس وقت طالوت کے لشکر میں تھے اور اس وقت تک نبوت وغیرہ نہ ملی تھی (جالوت کو قتل کر ڈالا) اور مظفر و منصور واپس آئے (اور) اس کے بعد (ان کو) یعنی داؤد علیہ السلام کو (اللہ تعالیٰ نے سلطنت اور حکمت) یہاں حکمت سے مراد نبوت ہے (عطاء فرمائی نیز اور بھی جو منظور ہوا ان کو تعلیم فرمایا؛ جیسے بغیر آلات کے زرہ بنانا اور جانوروں کی بولی سمجھنا، آگے اس واقعہ کی مصلحت عامہ ذکر فرماتے ہیں کہ (اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ اللہ تعالیٰ بعض آدمیوں کو جو کہ مفسد ہوں (بعضوں کے ذریعے سے) جو کہ مصلح ہوں وقتاً فوقتاً (دفع کرتے رہا کرتے ہیں) یعنی اگر مصلحین کو مفسدین پر غالب نہ کرتے رہتے (تو زمین) تمامتر (فساد سے پر ہو جاتی، ولیکن اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں جہان والوں پر) اس لئے وقتاً فوقتاً اصلاح فرماتے رہتے ہیں۔

فائدہ: کبھی جو اس کے برعکس ہو جاتا ہے تو اس میں کچھ اور مصلحتیں ہوتی ہیں لیکن اصلی مقصود اہل حق کا غلبہ ہوتا ہے چنانچہ آخری انجام اسی پر قرار پاتا ہے۔

ربط: چونکہ قرآن کریم کا ایک بڑا مقصد نبی کریم ﷺ کی نبوت کا اثبات بھی ہے، اس لئے جس جگہ مضمون کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے اس کا اعادہ کر دیا جاتا ہے، اس موقع پر اس قصہ کی صحیح صحیح خبر دینا جب کہ آپؐ نے نہ کسی سے پڑھا نہ کہیں سنا نہ دیکھا، ایک معجزہ ہے جو آپؐ کی نبوت کی صحیح دلیل ہے، اس لئے ان آیات میں آپؐ کی نبوت پر استدلال فرماتے ہیں:

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۭ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۲۵۲﴾

ترجمہ: یہ آیتیں اللہ کی ہیں ہم تجھ کو سناتے ہیں ٹھیک ٹھیک اور تو بے شک ہمارے رسولوں میں سے ہے۔

تفسیر: (یہ) آیتیں جن میں قصہ مذکور ہوا (اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ (آپ بلاشبہ پیغمبروں میں سے ہیں)۔

ربط: اوپر کی آیت میں ضمناً پیغمبروں کا اجمالی ذکر آیا تھا اس مناسبت سے اگلی آیت میں ان میں سے بعض حضرات کے کچھ حالات و کمالات اور پھر ان کے ذکر کی مناسبت سے ان کی امتوں کی ایک خاص حالت یعنی ان میں اختلاف کا واقع ہونا ذکر کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی حکمت و مصلحت کا تقاضا ہے۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ﴿۲۵۳﴾

ترجمہ: یہ سب رسول فضیلت دی ہے ہم نے بعض کو بعض پر۔ بعض ان میں وہ ہیں کہ کلام فرمایا ان سے اللہ نے اور بلند کیا ان میں سے بعضوں کو درجوں میں اور دیئے ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلے کھلے معجزے اور ہم نے تائید کی اسکی روح القدس یعنی جبرئیل سے۔ اور اگر اللہ چاہتا تو نہ لڑتے وہ لوگ جو ہوئے ان پیغمبروں کے بعد اس کے بعد کہ پہنچ چکے ان کے پاس صاف دلائل لیکن وہ اختلاف میں پڑ گئے، پھر کوئی تو ان میں ایمان لایا اور کوئی کافر ہوا۔ اور اگر اللہ چاہتا تو وہ باہم نہ لڑتے، لیکن اللہ کرتا ہے جو چاہے۔

تفسیر: (یہ حضرات مرسلین) جن کا ذکر ابھی اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں آیا ہے (ایسے ہیں کہ ہم نے ان میں سے بعضوں کو بعضوں پر فوقیت بخشی ہے) مثلاً (بعضے ان میں وہ ہیں جن سے اللہ تعالیٰ) فرشتہ کے واسطہ کے بغیر (ہم کلام ہوئے ہیں) مراد ہیں موسیٰ علیہ السلام (اور ان میں سے بعضوں کو بہت سے درجوں میں) اعلیٰ مقام سے (سرفراز کیا اور ہم نے) حضرت (عیسےٰ بن مریم) علیہ السلام (کو کھلے دلائل) یعنی معجزات (عطا فرمائے اور ہم نے ان کی تائید روح القدس) یعنی جبرئیل علیہ السلام (سے فرمائی) جو ہر وقت یہود سے ان کی حفاظت کرنے کے لئے ساتھ رہتے تھے (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو) اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے مجبور کر دیتے کہ امت کے (جو لوگ ان) پیغمبروں (کے بعد ہوئے ہیں) کبھی دین میں اختلاف کر کے (باہم قتل و قتال نہ کرتے اس کے بعد کہ ان کے پاس) امر حق کے (دلائل)

پیغمبروں کی معرفت (پہنچ چکے تھے) جن کا تقاضا خود یہ تھا کہ دین حق کے قبول پر متفق رہتے (ولیکن) چونکہ اللہ تعالیٰ کو بعض حکمتیں منظور تھیں، اس لئے اس عالم کو آزمائش کا مقام ہی رکھا اور ان میں زبردستی مذہبی اتفاق نہیں پیدا کیا اور (وہ لوگ باہم) دین میں (مختلف ہوئے، سوان میں کوئی تو ایمان لایا اور کوئی کافر رہا) پھر اس اختلاف میں قتل و قتال تک بھی نوبت پہنچ گئی (اور اگر اللہ تعالیٰ کو منظور ہوتا تو وہ لوگ باہم قتل و قتال نہ کرتے، لیکن اللہ تعالیٰ) اپنی حکمت سے (جو چاہتے ہیں) اپنی قدرت سے (وہی کرتے ہیں)

فائدہ: اس مضمون میں نبی کریم ﷺ کو ایک گونہ تسلی دینا ہے کیونکہ جب آپ کی رسالت دلیل سے ثابت تھی جس کو اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں بھی فرمایا ہے۔ اور پھر بھی منکرین نہ مانتے تھے، تو یہ آپؐ کے رنج وافسوس کا موقع تھا، اس لئے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سنادی کہ اور بھی پیغمبر مختلف درجوں کے گذرے ہیں، لیکن کسی کی امت میں بھی ایسا نہیں ہوا کہ سب کے سب ایمان لے آئے ہوں بلکہ کسی نے موافقت کی کسی نے مخالفت کی اور اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمتیں ہوتی ہیں گو ہر شخص پر منکشف نہ ہوں، مگر اجمالاً اتنا عقیدہ رکھنا ضروری ہے کہ کوئی حکمت ضرور ہے۔

اڑتیسواں حکم: انفاق فی سبیل اللہ

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّ لَا شَفَاعَةٌ ۭ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۵۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو اس میں سے جو ہم نے تم کو روزی دی پہلے اس دن کے آنے سے کہ جس میں نہ خرید و فروخت ہے اور نہ دوستی اور نہ سفارش اور جو کافر ہیں وہی ہیں ظالم۔

تفسیر: (اے ایمان والو خرچ کر لو ان چیزوں سے جو ہم نے تم کو دی ہیں قبل اس کے کہ وہ دن آ جائے) یعنی قیامت کا دن (جس میں) کوئی چیز اعمال خیر کا بدل نہ ہو سکے گی، کیونکہ اس میں (نہ تو خرید و فروخت ہوگی) کہ کوئی چیز دے کر اعمال خیر خرید لو (اور نہ) ایسی (دوستی ہوگی) کہ کوئی تم کو اپنے اعمال خیر دیدے (اور نہ) بلا اذن الٰہی کسی کی (کوئی سفارش ہوگی) جس سے اعمال خیر کی تم کو حاجت نہ رہے (اور کافر لوگ ہی ظلم کرتے ہیں) کہ بدنی طاقت اور مال کو بے موقع استعمال کرتے ہیں، اس طرح سے کہ بدنی و مالی طاعت کو ترک کرتے ہیں اور مالی و بدنی معصیت کو اختیار کرتے ہیں۔ تم تو ایسے نہ بنو۔

ربط: اوپر کی آیت میں بلا اذن الٰہی شفاعت و سفارش کی نفی سے جس طرح سے قیامت کے دن اعمال خیر پر قدرت نہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی طرح حق تعالیٰ کی عظمت شان بھی ظاہر ہوتی ہے کہ ان کے روبرو کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں۔ اس مناسبت سے اگلی آیت میں جس کا لقب آیۃ الکرسی ہے توحید ذات اور کمال صفات ذکر فرماتے ہیں تاکہ عظمت شان کی خوب تاکید ہو جائے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ
اَلْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ
وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ یَعْلَمُ
مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا یُحِیْطُوْنَ بِشَیْءٍ مِّنْ
عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَ
لَا یَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِیُّ الْعَظِیْمُ ﴿۲۵۵﴾

ترجمہ: اللہ کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں، زندہ ہے سنبھالنے والا ہے نہیں پکڑ سکتی اس کو اونگھ اور نہ نیند۔ اسی کا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور ایسا کون ہے جو سفارش کرے اس کے پاس مگر اس کی اجازت سے۔ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے روبرو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا کہ وہی چاہے۔ سما لیا ہے اس کی کرسی نے تمام آسمانوں اور زمین کو اور گراں نہیں اس کو حفاظت ان دونوں کی اور وہی ہے سب سے برتر عظمت والا۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ) ایسا ہے کہ (اس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، زندہ ہے) جس کو کبھی موت نہیں آسکتی (سنبھالنے والا ہے) تمام عالم کا (نہ اس کو اونگھ پکڑ سکتی ہے اور نہ نیند) پکڑ سکتی ہے۔ (اسی کے مملوک ہیں سب جو کچھ) بھی (آسمانوں میں) موجودات (ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں۔ ایسا کون شخص ہے جو اس کے پاس) کسی کی (سفارش کر سکے اس کی اجازت کے بغیر۔ وہ جانتا ہے ان) تمام موجودات (کے تمام حاضر و غائب حالات کو اور وہ موجودات اس کی معلومات میں سے کسی چیز کو اپنے احاطہ علمی میں نہیں لا سکتے مگر جس قدر) علم دینا وہی (چاہے۔ اس کی کرسی) اتنی بڑی ہے کہ اس (نے سب آسمانوں اور زمین کو

اپنے اندر لے رکھا ہے اور اللہ تعالیٰ کو ان دونوں) آسمان و زمین (کی حفاظت کچھ گراں نہیں گزرتی وہ عالی شان عظیم الشان ہے)

فائدہ: 1- قیامت میں انبیاء اولیاء گناہگاروں کی شفاعت کریں گے لیکن حق تعالیٰ کی اجازت کے بعد۔

2- کرسی ایک جسمانی شے ہے جو عرش سے چھوٹی اور آسمانوں سے بڑی ہے۔ ایک حدیث میں ہے حضرت ابوذرؓ نے رسول ﷺ سے کرسی کے بارے میں پوچھا آپ نے فرمایا اے ابوذر ساتوں آسمان اور ساتوں زمین کرسی کے سامنے ایسے ہیں جیسے ایک حلقہ یعنی چھلا ایک میدان میں پڑا ہو اور عرش اس کرسی سے اتنا بڑا ہے جیسے وہ میدان اس چھلے سے بڑا ہے۔

ربط: اوپر آیت اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ میں پیغمبر ﷺ کی رسالت اور آیت الکرسی میں حق سبحانہ و تعالیٰ کی توحید کا ذکر ہوا اور یہی دو باتیں دین اسلام کے اصل الاصول ہیں۔ ان کے اثبات سے دین اسلام کی حقانیت ثابت ہوئی۔ اگلی آیت میں اس پر تفریع کرتے ہوئے اسلام کا محل اکراہ نہ ہونا ارشاد فرماتے ہیں۔

لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۭ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٥٦﴾

ترجمہ: زبردستی نہیں دین کے معاملہ میں۔ بے شک جدا ہو چکی ہے ہدایت گمراہی سے۔ اب جو کوئی نہ مانے شیطان کو اور یقین لائے اللہ پر تو اس نے پکڑ لیا حلقہ مضبوط جو ٹوٹنے والا نہیں اور اللہ سب کچھ سننے والا جاننے والا ہے۔

تفسیر: (دین) اسلام کے قبول کرنے (میں زبردستی) کا بذات خود کوئی موقع (نہیں) کیونکہ (ہدایت یقیناً گمراہی سے ممتاز ہو چکی ہے) یعنی اسلام کا حق ہونا قطعی دلائل سے واضح ہو چکا ہے، تو اس میں اکراہ کا موقع ہی کیا ہے، اکراہ تو اس چیز کے قبول کرنے میں ہوتا ہے جس کی خوبی واضح نہ ہو جبکہ اسلام کی خوبی یقیناً ثابت ہے (تو جو شخص شیطان سے بداعتقاد ہو اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خوش اعتقاد) یعنی اسلام قبول کرلے (تو اس نے بڑا مضبوط حلقہ تھام لیا جو کسی طرح ٹوٹ نہیں سکتا اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں) ظاہری اقوال کے (اور خوب جاننے والے ہیں) باطنی احوال کے۔ سو اگر کوئی صرف زبان سے اسلام

لائے گا اور دل میں کفر رکھے گا تو ہم سے چھپ نہیں سکتا۔ ہم آپ ہی اس سے نمٹ لیں گے اس لئے جو اسلام قبول کرے صدق دل سے کرے۔

فائدہ: 1-اسلام کو مضبوط پکڑنے والا چونکہ ہلاکت اور محرومی سے محفوظ رہتا ہے، اس لئے اس کو ایسے شخص سے تشبیہ دی جو کسی مضبوط رسی کا حلقہ ہاتھ میں مضبوط تھام کر گرنے سے مامون رہتا ہے اور جس طرح ایسی رسی کے ٹوٹ کر گرنے کا خطرہ نہیں اور یوں کوئی رسی ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے، اسی طرح اسلام میں کسی قسم کی ہلاکت اور خسران نہیں ہے اور خود کوئی اسلام کو ہی چھوڑ دے تو اور بات ہے۔

2-ایمان کے قبول پر جبر و اکراہ ممکن بھی نہیں اس لئے کہ ایمان کا تعلق قلب کے ساتھ ہے ظاہری اعضاء کے ساتھ نہیں جب کہ جبر و اکراہ کر کے ظاہری اعضاء سے تو اپنی مرضی کروائی جا سکتی ہے دل سے نہیں منوایا جا سکتا۔

3-جہاد و قتال سے لوگوں کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا بلکہ اس سے مقصود اسلام کا غالب رہنا ہے خواہ مخالف کے اسلام قبول کر لینے سے یا صرف رعیت اور محکوم وماتحت بننے سے۔

4-ارتداد پر جو قتل کی سزا ہے وہ دین قبول کرنے میں نہیں ہے بلکہ اپنی خوشی سے دین قبول کرنے کے بعد اس کو چھوڑنے میں ہے۔

ربط: اوپر اسلام کے حق ہونے اور کفر کے باطل ہونے کا بیان کرنا مقصود تھا۔ اس کے ضمن میں مومن کی خوبی بھی ذکر کر دی گئی۔ آگے مستقل طور پر مومن کی خوبی اور کافر کی مذمت کو بیان کرتے ہیں۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۥ وَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـئُهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

ترجمہ: اللہ ساتھی ہے ان کا جو ایمان لائے۔ نکالتا ہے ان کو اندھیروں سے روشنی کی طرف۔ اور جو لوگ کافر ہوئے ان کے ساتھی ہیں شیطان نکالتے ہیں ان کو روشنی سے اندھیروں کی طرف۔ یہی لوگ ہیں دوزخ میں رہنے والے وہ اسی میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ ساتھی ہے ان لوگوں کا جو ایمان لائے، ان کو) کفر کی (تاریکیوں سے نکال کر یا

بچا کر نور) اسلام (کی طرف لاتا ہے اور جو لوگ کافر ہیں ان کے ساتھی شیاطین ہیں) انسی یا جنی (وہ ان کو نور) اسلام (سے نکال کر یا بچا کر) کفر کی (تاریکیوں کی طرف لے جاتے ہیں، ایسے لوگ) جو اسلام کے بجائے کفر اختیار کریں (دوزخ میں رہنے والے ہیں) اور (یہ لوگ اس میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے)

ربط: اہل ایمان کے نور اور اہل کفر کے ظلمات کا ذکر ہوا۔ آگے اس کی تائید اور نظیر کے طور پر تین قصے بیان فرماتے ہیں جن میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ایک اور بندہ خدا کو نور ہدایت اور قوت ایمان عطا ہونا اور نمرود کا گمراہی و کفر کی ظلمت میں گرفتار ہونا مذکور ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۵۸﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو جس نے جھگڑا کیا ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں اس وجہ سے کہ دی تھی اللہ نے اس کو سلطنت، جب کہا ابراہیم نے میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے وہ بولا میں بھی زندہ کرتا ہوں اور مارتا ہوں۔ کہا ابراہیم نے بے شک وہ لاتا ہے سورج کو مشرق سے اب تو لے آ اس کو مغرب سے۔ تب حیران رہ گیا وہ کافر۔ اور اللہ سیدھی راہ نہیں دکھاتا بے انصافوں کو۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تجھ کو) جس طرح خود دیکھنے سے یقینی تحقیق ہوتی ہے اس طرح یقینی طور سے (اس شخص کا قصہ تحقیق نہیں ہوا) یعنی نمرود کا (جس نے ابراہیم) علیہ السلام (سے مباحثہ کیا تھا ان کے پروردگار کے) وجود کے (بارے میں) کیونکہ وہ خدا کے وجود ہی کا منکر تھا (اس وجہ سے کہ خداتعالیٰ نے اس کو سلطنت دی تھی) یعنی چاہئے تو یہ تھا کہ نعمت سلطنت پر احسان مانتا اور ایمان لاتا، اس کے برعکس انکار اور کفر شروع کر دیا اور یہ مباحثہ اس وقت شروع ہوا تھا (جب ابراہیم علیہ السلام نے) اس کے پوچھنے پر کہ خدا کیسا ہے جواب میں (فرمایا کہ میرا پروردگار ایسا ہے کہ وہ جلاتا ہے اور مارتا ہے) یعنی زندہ کرنا

اور مارنا اس کی صفات خاصہ میں سے ہے وہ کوڑھ مغز جلانے مارنے کا مطلب تو سمجھا نہیں (کہنے لگا کہ) یہ کام تو میں بھی کر سکتا ہوں کہ (میں بھی جلاتا اور مارتا ہوں) چنانچہ جس کو چاہوں قتل کر دوں یہ تو مارنا ہے اور جس کو چاہوں قتل سے معاف کر دوں یہ جلانا ہے (ابراہیم علیہ السلام نے) جب دیکھا کہ بالکل ہی بھدی عقل کا ہے کہ اس کو جلانا اور مارنا سمجھتا ہے، حالانکہ جلانے کی حقیقت بے جان چیز میں جان ڈال دینا ہے، اسی طرح مارنا یہ ہے کہ اس کی جان اپنے اختیار سے نکالے نہ یہ کہ مثلاً اس کی گردن الگ کر دے اور جان اس کے اختیار کے بغیر نکل جائے ورنہ یہ اختیار بھی ہونا چاہئے تھا کہ گردن الگ کر دے اور جان نہ نکلنے دے۔ اور قرائن سے یہ معلوم ہو گیا کہ یہ جلانے اور مارنے کی حقیقت نہیں سمجھے گا، (اس لئے) دوسرے جواب کی طرف متوجہ ہوئے اور (فرمایا کہ) اچھا (اللہ تعالیٰ آفتاب کو) روزانہ (مشرق سے نکالتا ہے تو) ایک ہی دن (مغرب سے نکال) کر دکھا (اس پر متحیر رہ گیا وہ کافر) اور کچھ جواب نہ بن آیا۔ اس کا تقاضا تھا کہ وہ ہدایت کو قبول کرتا، مگر اپنی گمراہی پر جما رہا اس لئے ہدایت نہ ہوئی (اور اللہ تعالیٰ) کی عادت ہے کہ (ایسے بے انصافوں کو) جو گمراہی کو اختیار کرتے ہیں (ہدایت نہیں فرماتے، بلکہ عادت یہ ہے کہ پہلے کوئی حق کو قبول کرنے کا ارادہ کرے پھر اللہ تعالیٰ ہدایت کو پیدا فرماتے ہیں کیونکہ اختیاری افعال میں جو ارادہ نہ کرے اللہ تعالیٰ اس فعل کو پیدا نہیں کرتے۔

فائدہ: 1- اگر کہا جائے کہ ارادہ بھی تو اللہ کے پیدا کرنے پر موقوف ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر اور قدرت الٰہی کی حقیقت تو اپنی جگہ لیکن ہر انسان اپنے آپ کو ارادہ کرنے میں بلا کسی جبر کے با اختیار سمجھتا ہے۔ اتنی واضح وجدانی حقیقت کو درمیان سے نہیں نکالا جا سکتا اور انسان کے ساتھ معاملہ اسی وجدانی حقیقت پر ہوتا ہے۔

2- بعض لوگوں کو یہ شبہ ہوا کہ اس کو یہ کہنے کی گنجائش تھی کہ اگر خدا موجود ہے تو وہی مغرب سے نکالے، اس شبہ کا دفع اس طرح سے ہے کہ اس کے قلب میں بلا اختیار یہ بات پڑ گئی ہو گی کہ خدا ضرور ہے اور یہ مشرق سے نکالنا اسی کا فعل ہے، اور وہ مغرب سے بھی نکال سکتا ہے، اور یہ شخص پیغمبر ہے، اس کے کہنے سے ضرور ایسا ہو گا اور ایسا ہونے سے کہیں اور لینے کے دینے نہ پڑ جائیں، مثلاً لوگ اس معجزے کو دیکھ کر مجھ سے منحرف ہو کر ان کے طریقے کو اختیار کر لیں اور ذرا سی جحت میں سلطنت جاتی رہے، یہ جواب تو اس لئے نہ دیا اور دوسرا کوئی جواب تھا نہیں، اس لئے حیران رہ گیا۔

دوسرا قصہ

أَوْ كَالَّذِي مَرَّ عَلَىٰ قَرْيَةٍ وَهِيَ خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۖ فَأَمَاتَهُ اللَّهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهُ ۖ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ۖ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ۖ قَالَ بَل لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانظُرْ إِلَىٰ طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۖ وَانظُرْ إِلَىٰ حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ آيَةً لِّلنَّاسِ ۖ وَانظُرْ إِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوهَا لَحْمًا ۚ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ قَالَ أَعْلَمُ أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٥٩﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے اس شخص کو کہ گذرا وہ ایک بستی پر اس حال میں کہ وہ گری پڑی تھی اپنی چھتوں پر۔ بولا کیونکر زندہ کرے گا اس کو اللہ اس کی موت کے بعد۔ پھر مردہ رکھا اس شخص کو اللہ نے سو برس۔ پھر اٹھایا اس کو۔ کہا تو کتنی دیر (اس حالت میں) رہا، بولا میں رہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ۔ کہا نہیں بلکہ تو رہا سو برس۔ اب دیکھ اپنا کھانا اور پینا سڑا نہیں، اور دیکھ اپنے گدھے کو اور ہم نے (تیرے ساتھ جو کیا وہ اس لئے) تاکہ تجھ کو نمونہ بنائیں لوگوں کے واسطے اور دیکھ ہڈیوں کی طرف کہ ہم ان کو کس طرح ابھار کر جوڑ دیتے ہیں پھر ان پر پہناتے ہیں گوشت، پھر جب اس پر ظاہر ہوا یہ حال تو کہہ اٹھا کہ میں جانتا ہوں کہ بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (کیا تم کو اس طرح کا قصہ بھی معلوم ہے، کہ ایک شخص تھا کہ) چلتے چلتے (ایک بستی پر ایسی حالت میں اس کا گذر ہوا کہ اس کے مکانات اپنی چھتوں پر گر گئے تھے) یعنی پہلے چھتیں گریں پھر ان پر دیواریں گر گئیں، مراد یہ ہے کہ کسی حادثہ سے وہ بستی ویران ہو گئی تھی، اور سب آدمی مر مرا گئے تھے، وہ شخص یہ حالت دیکھ کر حیرت سے (کہنے لگا کہ) معلوم نہیں (اللہ تعالیٰ اس بستی کو) یعنی اس کے مردوں کو (اس کے مرے پیچھے کس کیفیت سے) قیامت میں (زندہ کریں گے) یہ تو یقین تھا کہ اللہ تعالیٰ قیامت میں مردوں کو زندہ کر دیں گے، مگر اس وقت کے زندہ کرنے کا جو خیال غالب ہوا تو اس امر کے عجیب ہونے کی وجہ سے ایک حیرت سی دل پر غالب ہو گئی اور چونکہ خدا تعالیٰ ایک کام کو کئی طرح کر سکتے ہیں، اس لئے طبیعت اس کی متلاشی ہوئی کہ خدا جانے زندہ کرنے کی کیا صورت ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ اس کا

تماشا اس کو دنیا ہی میں دکھادیں، تاکہ ایک نظیر کے واقعہ ہو جانے سے لوگوں کو زیادہ ہدایت ہو (سو) اس لئے (اللہ تعالیٰ نے اس شخص) کی جان قبض کر کے اس (کو سو برس تک مردہ رکھا پھر) سو برس کے بعد (اس کو زندہ کر اٹھایا) اور پھر (پوچھا کہ تو کتنی مدت اس حالت میں رہا؟ اس شخص نے جواب دیا کہ ایک دن رہا ہوں گا، یا ایک دن سے بھی کم) یہ کنایہ ہے قلیل مدت سے (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نہیں، بلکہ تو) اس حالت میں (سو برس رہا ہے) اور اگر اپنے بدن کے اندر تغیر نہ ہونے سے تعجب ہو (تو اپنے کھانے پینے) کی (چیز کو دیکھ لے کہ) ذرا (نہیں سڑی گلی) ایک قدرت تو ہماری یہ ہے (اور) دوسری قدرت دیکھنے کے واسطے (اپنے) سواری کے (گدھے کی طرف نظر کر) کہ گل سڑ کر کیا حال ہو گیا ہے اور ہم عنقریب اس کو تیرے سامنے زندہ کئے دیتے ہیں (اور) ہم نے تجھ کو اس لئے مار کر زندہ کیا ہے (تاکہ ہم تجھ کو) اپنی قدرت کا (ایک نمونہ لوگوں کے لئے بنادیں) کہ اس نمونہ سے بھی قیامت کے روز زندہ ہونے پر استدلال کر سکیں (اور) اب اس گدھے کی (ہڈیوں کی طرف نظر کر کہ ہم ان کو کس طرح (ترکیب دیئے دیتے ہیں، پھر ان پر گوشت چڑھا دیتے ہیں) پھر اس میں جان ڈال دیتے ہیں، غرض یہ سب امور یوں ہی کر دیئے گئے (پھر جب یہ سب کیفیت اس شخص کو) مشاہدہ سے (واضح ہو گئی تو) بے اختیار جوش میں آکر (کہہ اٹھا کہ میں) دل سے (یقین رکھتا ہوں کہ بے شک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر پوری قدرت رکھتے ہیں)

فائدہ: حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ یہ شخص حضرت عزیر علیہ السلام تھے۔

تیسرا قصہ

وَإِذْ قَالَ إِبْرٰهِيمُ رَبِّ أَرِنِي كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى ۖ قَالَ أَوَلَمْ تُؤْمِنْ ۖ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِي ۖ قَالَ فَخُذْ أَرْبَعَةً مِّنَ الطَّيْرِ فَصُرْهُنَّ إِلَيْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَأْتِينَكَ سَعْيًا ۚ وَاعْلَمْ أَنَّ اللّٰهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ﴿٢٦٠﴾

ترجمہ: اور یاد کر جب کہا ابراہیم نے اے پروردگار میرے دکھادے مجھ کو کیسے زندہ کرے گا تو مردے، فرمایا کیا تو نے یقین نہیں کیا۔ کہا کیوں نہیں لیکن (یہ درخواست ہے) اس واسطے کہ اطمینان ہو جائے میرے دل کو۔ فرمایا تو پکڑ لے چار پرندے پھر ان کو ہلالے اپنے ساتھ،

پھر رکھ دے ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک حصہ پھر ان کو بلا، چلے آئیں گے تیرے پاس اڑتے ہوئے اور جان لے کہ بے شک اللہ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (اور اس وقت) کے واقعہ (کو یاد کرو جب کہ ابراہیم علیہ السلام نے) حق تعالیٰ سے (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار مجھ کو) یہ (دکھا دیجئے کہ آپ مردوں کو) قیامت میں مثلاً (کس کیفیت سے زندہ کریں گے) یعنی زندہ کرنے کا تو یقین ہے، لیکن زندہ کرنے کی مختلف صورتیں اور کیفیتیں ہو سکتی ہیں وہ معلوم نہیں، اس لئے وہ معلوم کرنے کو دل چاہتا ہے، اس سوال سے کسی کم سمجھ آدمی کو اس کا شبہ ہو سکتا تھا کہ معاذ اللہ ابراہیم علیہ السلام کو مرنے کے بعد زندہ ہونے پر ایمان و یقین نہیں، اس لئے حق تعالیٰ نے خود یہ سوال قائم کر کے بات کھول دی، چنانچہ ابراہیم علیہ السلام سے اس درخواست کے جواب میں اول (ارشاد فرمایا کہ کیا تم) اس پر (یقین نہیں لاتے، انہوں نے) جواب میں (عرض کیا کہ یقین کیوں نہ لاتا، لیکن) اس غرض سے یہ درخواست کرتا ہوں کہ میرے قلب کو) زندہ کرنے کی معین صورت کے مشاہدہ کرنے سے (سکون ہو جائے) اور ذہن دوسرے احتمالات سے چکر میں نہ پڑے (ارشاد ہوا کہ اچھا تو تم چار پرندے لو پھر ان کو) پال کر (اپنے ساتھ ہلا لو) تا کہ ان کی خوب شناخت ہو جائے (پھر) سب کو ذبح کر کے اور ہڈیوں پروں سمیت ان کا قیمہ سا کر کے اس کے کئی حصے کر و اور کئی پہاڑ اپنی مرضی سے انتخاب کر کے (ہر پہاڑ پر ان میں سے ایک ایک حصہ رکھ دو) اور (پھر ان سب کو بلاؤ) دیکھو (تمہارے پاس) زندہ ہو کر تیزی سے اڑتے چلے آئیں گے اور خوب یقین رکھو اس بات کا کہ حق تعالیٰ زبردست) قدرت والے (ہیں) سب کچھ کر سکتے ہیں پھر بھی بعض باتیں نہیں کرتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (حکمت والے) بھی (ہیں) ہر کام حکمت و مصلحت کے مطابق کرتے ہیں۔

ربط: آگے پھر انفاق فی سبیل اللہ کے مضمون کی طرف پلٹتے ہیں۔

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ۭ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

ترجمہ: مثال ان لوگوں (کے خرچ کئے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں ایسی ہے کہ جیسے ایک دانہ اس سے اگیں سات بالیں ہر بال میں سو سو دانے ہوں اور اللہ

بڑھاتا ہے جس کے واسطے چاہے اور اللہ بڑی وسعت والا ہے سب کچھ جاننے والا ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی اللہ کی رضا کے لئے امور خیر میں (اپنے مال خرچ کرتے ہیں ان) کے خرچ کئے ہوئے مال کی (حالت) اللہ کے نزدیک (ایسی ہے جیسے ایک دانہ کی حالت جس سے) فرض کرو (سات بالیں اگیں) اور (ہر بال کے اندر سو دانے ہوں) اسی طرح خدا تعالیٰ ان کے خرچ کئے ہوئے مال کا ثواب سات سو گنا تک بڑھاتا ہے (اور یہ افزونی خدا تعالیٰ جس کو چاہتا ہے) اس کے اخلاص اور مشقت کے بقدر عطا فرماتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں کسی چیز کی کمی نہیں وہ سب کو یہ افزونی دے سکتے ہیں مگر ساتھ ہی (جاننے والے) بھی (ہیں) اس لئے اخلاص نیت وغیرہ کو دیکھ کر عطا فرماتے ہیں۔

فائدہ: 1- نیک کام میں خرچ کرنا نیت کے اعتبار سے تین قسم کا ہے ایک نمائش کے ساتھ۔ اس کا کچھ ثواب نہیں جیسا عنقریب آتا ہے۔

دوسرے ادنی درجہ کے اخلاص کے ساتھ۔ اس کا ثواب دس گنا ملتا ہے من جاء بالحسنة فله عشر امثالها میں اس ادنی کا ہی بیان ہے۔

تیسرے زیادہ اخلاص یعنی اس کے اوسط یا اعلیٰ درجہ کے ساتھ۔ اس کے لئے اس آیت میں وعدہ ہے دس سے سات سو تک اخلاص کے مختلف درجوں کے مطابق۔ اور اوپر ایک آیت مَنْ ذَا الَّذِیْ یقرض اللہ قرضا حسنا میں بیان ہو چکا ہے کہ اس سات سو کے وعدہ کے بعد اور زیادہ کا بھی وعدہ ہو گیا ہے۔

اسی طرح مشقت کی قلت و کثرت سے بھی تفاوت ہو جاتا ہے مثلاً دس ہزار روپے کے مالک کے لئے پانچ سو صدقہ کرنا کم مشقت ہے جب کہ سو روپے کے مالک کے لئے پانچ روپے دینا زیادہ مشقت ہے۔

ربط: آگے انفاق فی الخیر کی قبولیت کی بعض شرائط ذکر کی جاتی ہیں۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَاۤ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَاۤ اَذًى لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۶۲﴾ قَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ وَّ مَغْفِرَةٌ خَيْرٌ مِّنْ صَدَقَةٍ يَّتْبَعُهَاۤ اَذًى ۗ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَلِيْمٌ ﴿۲۶۳﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں، پھر خرچ کر کے نہ احسان رکھتے

ہیں اور نہ ستاتے ہیں۔ انہی کے لئے ہے ثواب ان کا ان کے رب کے یہاں، اور نہ ڈر ہو گا ان پر اور نہ غمگین ہوں گے، مناسب بات کہنا اور درگذر کرنا بہتر ہے اس خیرات سے جس کے پیچھے ہو ستانا اور اللہ بے پرواہے نہایت تحمل والا ہے۔

تفسیر: (جو لوگ اپنا مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں پھر خرچ کرنے کے بعد نہ تو) جس کو دیا ہے اس پر زبان سے (احسان جتلاتے ہیں اور نہ) برتاؤ سے اس کو (آزار پہنچاتے ہیں ان لوگوں کو ان) کے عمل (کا ثواب ملے گا ان کے پروردگار کے پاس اور) قیامت کے دن نہ (ان پر کوئی خطرہ ہو گا اور نہ وہ مغموم ہوں گے) اور ناداری کے وقت جواب میں معقول و (مناسب بات کہہ دینا اور) اگر سائل بد تمیزی سے غصہ دلائے یا اصرار سے تنگ کرے تو اس سے (درگذر کرنا) ہزار درجہ (بہتر ہے ایسی خیرات) دینے (سے جس کے بعد آزار پہنچایا جائے اور اللہ تعالیٰ) خود (غنی ہیں) کسی کے مال کی ان کو حاجت نہیں، جو کوئی خرچ کرتا ہے اپنے واسطے کرتا ہے پھر آزار کس بناء پر پہنچایا جائے اور آزار دینے پر جو فوراً سزا نہیں دیتے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ (حلیم) بھی (ہیں)۔

ربط: آگے احسان جتلانے اور آزار پہنچانے اور ان کے ساتھ نمائش کرنے سے انفاق کے ثواب کے استحقاق کے باطل ہونے کو ایک مثال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں جس سے مقصود ان امور سے منع فرمانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰى ۙ كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۶۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت ضائع کرو اپنی خیرات احسان رکھ کر اور ایذا دے کر اس شخص کی طرح جو خرچ کرتا ہے اپنا مال لوگوں کے دکھانے کو اور یقین نہیں رکھتا ہے اللہ پر اور قیامت کے دن پر سو اس کی مثال ایسی ہے جیسے صاف بڑا پتھر کہ اس پر پڑی ہے کچھ مٹی پھر برسا اس پر زور کا مینہ تو کر چھوڑا اس کو بالکل صاف۔ کچھ ہاتھ نہیں لگتا ایسے لوگوں کے ثواب اس چیز کا

جوانہوں نے کیااور اللہ نہیں دکھاتا راہ کافروں کو۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم احسان جتلا کر یا ایذاء پہنچا کر اپنی خیرات) کے ثواب کے استحقاق (کو برباد مت کرو جس طرح وہ شخص) خود خیرات کو برباد کر دیتا ہے (جو اپنا مال خرچ کرتا ہے) محض (لوگوں کو دکھلانے کی غرض سے اور ایمان نہیں رکھتا اللہ پر اور یوم قیامت پر) ایمان کی نفی اس بات کا قرینہ ہے کہ اس شخص سے مراد منافق ہے (سو اس شخص کی حالت ایسی ہے جیسے ایک چکنا پتھر) فرض کرو اس پر (جب کچھ مٹی) آگئی (ہو) اور اس مٹی میں کچھ گھاس پھونس جم آیا ہو (پھر اس پر زور کی بارش پڑ جائے سو اس کو) جیسا تھا ویسا ہی (بالکل صاف کر دے) اسی طرح اس منافق کے ہاتھ سے اللہ کی راہ میں کچھ خرچ ہو گیا جو ظاہر میں ایک نیک عمل معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ثواب کی امید ہو سکتی ہے لیکن اس کے نفاق نے اس شخص کو ویسا ہی کورا ثواب سے خالی چھوڑ دیا، چنانچہ قیامت میں (ایسے لوگوں کو اپنی کمائی ذرا بھی ہاتھ نہ لگے گی) کیونکہ کمائی نیک عمل ہے اور اس کا ہاتھ لگنا ثواب کا ملنا ہے اور ثواب ملنے کی شرط ایمان اور اخلاص ہے اور ان لوگوں میں یہ مفقود ہے، کیونکہ ریاکار بھی ہیں اور کافر بھی ہیں (اور اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کو) قیامت کے روز ثواب کے گھر یعنی جنت کا (راستہ نہ بتلائیں گے) کیونکہ کفر کی وجہ سے ان کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا جس کا ثواب آخرت میں ذخیرہ ہوتا اور وہاں حاضر ہو کر اس کے صلہ میں جنت میں پہنچائے جاتے۔

فائدہ: جب مسلمان کسی دوسرے کے ساتھ بھلائی کرتا ہے مثلاً اس کو صدقہ خیرات دیتا ہے یا کسی اور طریقے سے اس کی مدد کرتا ہے تو وہ ثواب کا مستحق بنتا ہے لیکن ثواب کا ملنا اس پر موقوف ہے کہ وہ ایک تو احسان نہ جتلائے اور دوسرے جس کی مدد کی ہے اس کو ایذاء نہ پہنچائے اگر وہ یہ کام نہیں کرتا تب تو اس کو ثواب ملتا ہے اور اگر ان میں سے کوئی کام وہ کرتا ہے تو اس کو ثواب نہیں دیا جاتا اور دوسرے کے ساتھ بھلائی کار خیر میں شمار نہیں ہوتی۔

ربط: غیر مقبول صدقات باطلہ کی مثال بیان فرما کر آگے مقبول صدقات کی مثال بیان فرماتے ہیں۔

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ وَتَثْبِيْتًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ كَمَثَلِ جَنَّةٍۢ بِرَبْوَةٍ اَصَابَهَا وَابِلٌ فَاٰتَتْ اُكُلَهَا ضِعْفَيْنِ ۚ فَاِنْ لَّمْ يُصِبْهَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۶۵﴾

ترجمہ: اور مثال ان لوگوں (کے خرچ کئے ہوئے مال) کی جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی خوشی حاصل کرنے کو اور اپنے دلوں کو پختہ کرنے کو ایسی ہے جیسے ایک باغ ہے بلند زمین پر اس پر پڑا زور کا مینہ تو لایا وہ باغ اپنا پھل دو چند اور اگر نہ پڑا اس پر مینہ تو پھوار ہی کافی ہے، اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتا ہے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں) کے خرچ کئے ہوئے مال (کی حالت جو اپنے مالوں کو خرچ کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کی غرض سے) جو کہ خاص اس عمل سے ہوگی (اور اس غرض سے کہ اپنے نفسوں) کو اس عمل شاق کا خوگر بنا کر ان (میں پختگی پیدا کریں) تاکہ دوسرے اعمال صالحہ سہولت سے ہوا کریں۔ پس ان لوگوں کے خیرات صدقات کی حالت (مثل حالت ایک باغ کے ہے جو کسی ٹیلے پر ہو کہ) اس جگہ کی ہوا لطیف اور بار آور ہوتی ہے اور (اس پر زور کی بارش پڑی ہو پھر وہ) باغ لطافت ہوا اور بارش کے سبب اور باغوں سے یا اور دفعوں سے (دوگنا) چوگنا (پھل لایا ہو اور اگر ایسے زور کا مینہ نہ پڑے تو ہلکی پھوار) یعنی خفیف بارش (بھی اس کو کافی ہے) کیونکہ زمین اور اس کا موقع محل اچھا ہے (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں کو خوب دیکھتے ہیں) اس لئے جب وہ زیادہ اخلاص دیکھتے ہیں ثواب بڑھا دیتے ہیں۔

فائدہ: تثبیت کی وضاحت یہ ہے کہ یہ بات تجربہ سے ثابت ہے کہ جس کام میں نفس کو قدرے مشقت ہو اس کے بار بار کرنے سے اور عادت بنا لینے سے نفس کے اندر مشقت کی برداشت کا ایک ملکہ راسخہ پیدا ہو جاتا ہے جس سے دوسرے اعمال میں بھی پس و پیش نہیں کرتا اور نفس کی مزاحمت کی صفت کمزور اور مغلوب ہو جاتی ہے۔

ربط: اس مقام پر تین قسم کے صدقات کا بیان ہے۔

قسم اول: جس میں صدقہ کی صحت وبقا کی شرائط پائی جائیں۔ یہ اس رکوع کے اول کی دو آیتوں میں اور اس آیت وَ مَثَلُ الَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ الخ میں دو مثالوں کے ضمن میں مذکور ہے کَمَثَلِ جَنَّۃٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ الخ اور کَمَثَلِ جَنَّۃٍ بِرَبْوَۃٍ الخ

قسم دوم: جس میں صحت کی شرط نہ پائی جائے یعنی ایمان و اخلاص میں سے دونوں یا کوئی ایک نہ پایا جائے۔ اسکو کَالَّذِیْ یُنْفِقُ مَالَہٗ رِئَآءَ النَّاسِ الخ میں اس مثال کے ساتھ بیان فرمایا کمثل صفوان الخ

قسم سوم: جس میں صحت کی شرط تو پائی گئی لیکن بقاء کی شرط نہ ہوئی یعنی احسان جتلانے اور آزار پہنچانے کو ترک کرنا۔ اس کو اگلی آیت میں ایک مثال کے ساتھ بیان فرماتے ہیں۔

أَيَوَدُّ أَحَدُكُمْ أَنْ تَكُونَ لَهُ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيلٍ وَّأَعْنَابٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهٰرُ لَهُ فِيهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَأَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهُ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ فَأَصَابَهَآ إِعْصَارٌ فِيهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُونَ ﴿۲۶۶﴾

ترجمہ: کیا پسند کرتا ہے تم میں سے کوئی یہ کہ ہو اس کا ایک باغ کھجوروں کا اور انگوروں کا بہتی ہوں نیچے اس کے نہریں۔ اس کو اس باغ میں سب طرح کا میوہ حاصل ہو اور آگیا اس پر بڑھاپا اور اس کی اولاد ہے ضعیف تب آپڑا اس باغ پر ایک بگولا جس میں آگ تھی جس سے وہ باغ جل اٹھا، یوں ہی بیان کرتا ہے تم کو اللہ مثالیں تاکہ تم غور کرو۔

تفسیر: (بھلا تم میں سے کسی کو یہ بات پسند ہے کہ اس کا ایک باغ ہو کھجوروں کا اور انگوروں کا) یعنی اس میں زیادہ درخت ان کے ہوں اور (اس شخص کے یہاں اس باغ میں) کھجوروں اور انگوروں کے علاوہ (اور بھی ہر قسم کے) مناسب (میوے ہوں اور اس شخص کا بڑھاپا آگیا ہو) جو کہ زیادہ احتیاج کا زمانہ ہوتا ہے (اور اس کے اہل وعیال بھی ہوں، جن میں) کمانے کی (قوت نہیں) اس صورت میں اہل وعیال سے بھی اس کو خبر گیری کی توقع نہیں ہوگی، پس ذریعہ معاش صرف وہی باغ ہوا (سو) ایسی حالت میں یہ قصہ ہو کہ (اس باغ پر ایک بگولہ آئے جس میں آگ) کا مادہ (ہو پھر) اس سے (وہ باغ جل جائے)۔ ظاہر بات ہے کسی کو اپنے لئے یہ بات پسند نہیں آسکتی، پھر اسی کے مشابہ تو یہ بات بھی ہے کہ اول صدقہ دیا یا کوئی اور نیک کام کیا جس کے قیامت میں کار آمد ہونے کی امید ہو جو کہ انتہائی احتیاج کا وقت ہوگا اور اللہ تعالیٰ کے یہاں زیادہ قبولیت کا مدار انہیں طاعات پر ہوگا پھر ایسے وقت میں معلوم ہوگا کہ ہمارے احسان جتلانے یا غریب کو ایذاء دینے سے ہماری طاعات تو ثواب سے خالی رہ گئیں، اس وقت کیسی سخت حسرت ہوگی کہ کیسی کیسی آرزوؤں کا خون ہوگیا۔ پس جب تم مثال کے واقعہ کو پسند نہیں کرتے تو اپنی طاعات پر ثواب کے استحقاق کے ابطال کو کیسے گوارا کرتے ہو (اللہ تعالیٰ اسی طرح مثالیں بیان فرماتے ہیں تمہارے) سمجھانے کے (لئے تاکہ تم سوچا کرو) اور سوچ کر اس کے موافق عمل کیا کرو۔

فائدہ: اعمال وطاعات کے باطل اور خراب ہونے کی تحقیق:

اعمال میں انوار و برکات کی شرط یہ ہے کہ آدمی گناہوں میں مشغول ہونے سے بچے کیونکہ جب

طاعات کے بعد معاصی اور گناہوں میں مشغول و منہمک ہو جاتا ہے تو ان طاعات کے انوار و برکات جاتے رہتے ہیں جس کا اثر دنیا میں یہ ہوتا ہے کہ طاعت کی جو حلاوت دل میں پیدا ہوئی تھی وہ زائل ہو جاتی ہے اور ایک طاعت سے دوسری طاعت میں بھی کمی، ناغہ اور سستی ہونے لگتی ہے۔ نور و برکت کے جاتے رہنے کو بھی کہیں کہیں آیات و احادیث میں حبط وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ مشہور حبط اصطلاحی یعنی عمل کا بالکل ختم اور ناقابل اعتبار ہو جانا اس سے یہ مختلف ہے۔

ربط: انفاق میں جن امور کی رعایت ضروری ہے ان میں سے بعض کا ذکر تو ہو چکا جیسے احسان جتلانے اور آزار پہنچانے اور دکھلاوے کو ترک کرنا۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ چیز ردی اور خراب نہ ہو۔ اس کو آگے بیان فرماتے ہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِىٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

ترجمہ: اے ایمان والو خرچ کرو ستھری چیزیں اپنی کمائی میں سے اور اس چیز میں سے کہ جو ہم نے پیدا کی تمہارے واسطے زمین سے۔ اور قصد نہ کرو ردی چیز کا کہ اس میں سے تم خرچ کرو حالانکہ تم اس کو کبھی نہ لو گے مگر یہ کہ چشم پوشی کر جاؤ۔ اور جان رکھو کہ اللہ بے پرواہ ہے تعریفوں والا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) نیک کام میں (خرچ کرو عمدہ چیز کو اپنی کمائی میں سے اور) عمدہ چیز کو (اس میں سے جو کہ ہم نے تمہارے) کام میں لانے کے (لئے زمین سے پیدا کیا اور ردی) ناکارہ (چیز کی طرف نیت مت لے جایا کرو کہ اس میں سے خرچ کر دو حالانکہ) ویسی ہی چیز اگر کوئی تم کو تمہارے واجب حق کے عوض یا ہدیہ میں دینے لگے تو (تم کبھی اس کے لینے والے نہیں، ہاں مگر چشم پوشی) اور رعایت (کر جاؤ) تو اور بات ہے (اور یہ یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ کسی کے محتاج نہیں) جو ایسی ناکارہ چیزوں سے خوش ہوں (تعریف کے لائق ہیں) یعنی ذات و صفات میں کامل ہیں تو ان کے دربار میں چیز بھی کامل تعریف کے لائق ہی پیش کرنا چاہئے۔

فائدہ: 1- یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جس کے پاس عمدہ چیز ہو اور خرچ کر سکتا ہو اور پھر وہ بری نکمی چیز خرچ کرے۔ اور جس کے پاس اچھی چیز ہو ہی نہیں اس کے لئے یہ ممانعت نہیں ہے اور اس کی وہ بری بھی مقبول ہے۔

2- عشری زمین میں عشر واجب ہے ان الفاظ کی وجہ سے وَمِمَّا اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِنَ الْاَرْضِ

ربط: آگے تنبیہ فرماتے ہیں کہ ہم نے جو تم کو انفاق کی اور اس میں عمدگی کی رعایت کی ترغیب دی ہے اس میں شیطان بہکایا کرتا ہے تم اس کے بہکاوے پر عمل مت کرنا۔

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۸﴾ يُّؤْتِى الْحِكْمَةَ مَنْ يَّشَآءُ ۚ وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِىَ خَيْرًا كَثِيْرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ﴿۲۶۹﴾

ترجمہ: شیطان ڈراوا دیتا ہے تم کو تنگدستی کا اور حکم دیتا ہے بے حیائی کا اور اللہ وعدہ دیتا تم کو اپنی بخشش اور فضل کا اور اللہ بہت کشائش والا ہے سب کچھ جانتا ہے، عنایت کرتا ہے سمجھ جس کو چاہے، اور جس کو سمجھ دی گئی اس کو بڑی خوبی دی گئی۔ اور نصیحت وہی قبول کرتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر: (شیطان تم کو محتاجی سے ڈراتا ہے) کہ اگر خرچ کرو گے یا اچھا مال خرچ کرو گے تو محتاج ہو جاؤ گے (اور تم کو بے حیائی کی بات) یعنی بخل (کا مشورہ دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ تم سے وعدہ کرتا ہے) اس کی راہ میں خرچ کرنے پر اور اچھی چیز خرچ کرنے پر (اپنی طرف سے گناہ معاف کر دینے کا اور زیادہ دینے کا) یعنی چونکہ نیک جگہ خرچ کرنا طاعت ہے اور طاعت سے معصیت کا کفارہ ہو جاتا ہے، لہذا اس سے گناہ بھی معاف ہوتے ہیں اور حق تعالیٰ کسی کو دنیا میں بھی اور آخرت میں تو سب کو ہی خرچ کا عوض بھی زیادہ کر کے دیتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ وسعت والے ہیں) وہ سب کچھ دے سکتے ہیں (خوب جاننے والے ہیں) نیت کے موافق ثمرہ دیتے ہیں۔ اور یہ سب مضامین بہت واضح ہیں، لیکن ان کو وہی سمجھتا ہے جس کو دین کا فہم ہو اور اللہ تعالیٰ (دین کا فہم جس کو چاہتے ہیں دے دیتے ہیں اور) سچ تو یہ ہے کہ (جس کو دین کا فہم دیا جائے اس کو بڑی خیر کی چیز دی گئی) کیونکہ دنیا کی کوئی نعمت اس کے برابر نافع نہیں (اور نصیحت وہی لوگ قبول کرتے

ہیں جو عقل والے ہیں) یعنی جو صحیح عقل رکھتے ہیں۔

فائدہ: 1- یہاں ڈراوے سے مراد دور دراز کے وہم ہیں جو باوجود مالی گنجائش کے نیک کام میں خرچ کرنے کے وقت وقتاً فوقتاً دل میں آیا کرتے ہیں۔ ایسے وہم میں ڈالنا یہ شیطان کا کام ہے اور بخیل لوگ ایسے وہموں میں مبتلا رہتے ہیں۔ اس آیت میں اس پر عمل کرنے کی ممانعت ہے کیونکہ جب گنجائش ہے تو مناسب مقدار کے خرچ کرنے سے محتاجی کا احتمال ہی غلط ہے لہذا آیت کا حاصل یہ ہوا کہ ایسے انفاق میں ضرر تو بالکل نہیں اور نفع ہر طرح کا ہے کہ مغفرت بھی ملے اور فضل بھی۔ پس سمجھ بوجھ کا تقاضا یہی ہے کہ ایسی حالت میں شیطانی وسوسہ کو ہرگز قبول نہ کرے۔

ہاں اگر کوئی شخص واقعی محتاج ہو تو شریعت خود ایسے شخص کو صدقات و تبرعات سے روکتی ہے اور ایسے شخص کے خرچ نہ کرنے کو بخل بھی نہیں کہہ سکتے۔

2- دین کا فہم سب سے زیادہ نافع اس لئے ہے کہ اس سے عقائد درست ہوتے ہیں اعمال کی توفیق ہوتی ہے اور عقائد و اعمال پر آخرت میں نجات اور ثواب ہے اور دنیا کی کوئی نعمت ثواب اور نجات کی برابری نہیں کر سکتی۔

ربط: اوپر انفاق کی جن شرائط کی رعایت کا حکم فرمایا آگے اس رعایت کی تاکید ایک پیرایہ میں فرماتے ہیں کہ ہم کو سب خبر رہا کرتی ہے ہر کام کو درستی کے ساتھ کیا کرو۔

وَمَآ اَنۡفَقۡتُمۡ مِّنۡ نَّفَقَةٍ اَوۡ نَذَرۡتُمۡ مِّنۡ نَّذۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ يَعۡلَمُهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ﴿۲۷۰﴾

ترجمہ: اور جو بھی خرچ کرتے ہو تم خیرات یا مانتے ہو کوئی منت تو بے شک اللہ کو سب معلوم ہے اور نہیں ہے ظالموں کا کوئی مددگار۔

تفسیر: (اور تم لوگ جو کسی قسم کا خرچ کرتے ہو یا کسی طرح کی نذر مانتے ہو سو حق تعالیٰ کو سب کی یقیناً اطلاع ہے اور بے جا کام کرنے والوں کا) قیامت میں (کوئی حمایتی نہ ہوگا)

فائدہ: یہ کہنے سے کہ اللہ کو اس کی اطلاع ہے یہ مقصود ہے کہ ہم اس کی جزا دیں گے۔ یہ اس لئے سنایا تاکہ شرائط کی رعایت کی ترغیب اور عدم رعایت سے ڈر ہو اور بے جا کام کرنے والوں سے وہ لوگ مراد ہیں جو ضروری شرائط کی رعایت نہیں کرتے بلکہ احکام کی مخالفت کرتے ہیں۔

ربط: آگے انفاق کے متعلق اس بات کی تحقیق ہے کہ اس کا اظہار افضل ہے یا اس کا اخفاء

اِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَاِنْ تُخْفُوْهَا وَتُؤْتُوْهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۷۱﴾

ترجمہ: اگر ظاہر کرکے دو خیرات تو کیا ہی اچھی بات ہے اور اگر اس کو چھپاؤ اور فقیروں کو دے دو تو وہ بہتر ہے تمہارے حق میں اور دور کر دے گا کچھ گناہ تمہارے اور اللہ تمہارے کاموں سے خوب خبردار ہے۔

تفسیر: (اگر تم ظاہر کرکے دو صدقات کو تب بھی اچھی بات ہے اور اگر ان کا اخفاء کرو اور) اخفاء کے ساتھ (فقیروں کو دیدو تب اخفاء تمہارے لئے زیادہ بہتر ہے اور اللہ تعالیٰ) اس کی برکت سے (تمہارے کچھ گناہ بھی دور کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کی خوب خبر رکھتے ہیں)

فائدہ: امام حسن بصریؒ کا قول ہے کہ یہ آیت فرض اور نفل سب صدقات کو شامل ہے اور سب میں اخفاء ہی افضل ہے۔ اس میں دینی مصلحت بھی ہے کہ ریا سے زیادہ دوری ہے لینے والا بھی نہیں شرماتا اور دنیوی مصلحت بھی ہے کہ اپنے مال کی مقدار عام لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتی۔ البتہ اگر کسی موقع پر کسی عارض کی وجہ سے مثلاً رفع تہمت یا دوسروں کی پیروی کی امید سے اظہار کو ترجیح ہو جائے تو یہ اخفاء کے فی نفسہ افضل ہونے کے خلاف نہیں۔

ربط: آگے یہ بتاتے ہیں کہ صدقہ خیرات دینے میں کچھ مسلمان کی تخصیص نہیں ہے اگر کافر بھی حاجت مند ہو تو اس کے ساتھ احسان کرنے سے دریغ مت کرو بشرطیکہ اہل اسلام کو نقصان پہنچانے کے درپے نہ رہتا ہو۔

لَيْسَ عَلَيْكَ هُدٰىهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلِاَنْفُسِكُمْ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْنَ اِلَّا ابْتِغَآءَ وَجْهِ اللّٰهِ ۗ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ يُّوَفَّ اِلَيْكُمْ وَاَنْتُمْ لَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۲﴾

ترجمہ: تیرا ذمہ نہیں ان کو راہ پر لانا اور لیکن اللہ راہ پر لائے جس کو چاہے، اور جو کچھ خرچ کرتے ہو تم مال سو اپنے ہی واسطے۔ اور نہیں خرچ کرتے ہو مگر اللہ ہی کی رضا جوئی میں۔ اور جو

خرچ کرتے ہو خیرات سو پوری دی جائے گی تم کو اور تمہارا حق کچھ کم نہ کیا جائے گا۔

تفسیر: چونکہ بہت سے صحابہ کفار کو اس مصلحت سے خیرات نہ دیتے تھے کہ شاید اسی تدبیر سے کچھ لوگ مسلمان ہو جائیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی یہی رائے دی تھی اس لئے اس آیت میں دونوں طرح کے خطاب کر کے ارشاد فرماتے ہیں کہ اے محمد ﷺ (ان) کافروں (کو ہدایت پر لے آنا کچھ آپ کے ذمہ) فرض واجب (نہیں) جس کے لئے ایسے اہتمام کئے جائیں (ولیکن) یہ تو (خدا تعالیٰ) کا کام ہے (جس کو چاہیں ہدایت پر لے آئیں) آپ کا کام صرف ہدایت کا پہنچا دینا ہے خواہ کوئی ہدایت پر آئے یا نہ آئے اور ہدایت کا پہنچا دینا امداد کی ممانعت پر موقوف نہیں (اور) اے مسلمانو! (جو کچھ تم خرچ کرتے ہو اپنے فائدہ کی غرض سے کرتے ہو اور) اس فائدہ کا بیان یہ ہے کہ (تم اور کسی غرض سے خرچ نہیں کرتے سوائے حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے جس پر پر ثواب ملتا ہے اور یہ بات) ہر حاجت مند کی حاجت پوری کرنے سے حاصل ہوتی ہے، پھر مسلمان فقیر کی تخصیص کیوں کی جائے (اور) نیز (جو کچھ مال خرچ کر رہے ہو یہ سب) یعنی اس کا عوض اور ثواب (پورا پورا تم) ہی (کو) آخرت میں (مل جائے گا اور تمہارے لئے اس میں ذرا کمی نہ کی جائے گی) سو تم کو اپنے عوض سے مطلب رکھنا چاہئے اور عوض ہر حال میں ملے گا پھر تم کو اس سے کیا بحث کہ ہمارا صدقہ مسلمان ہی کو ملے کافر کو نہ ملے۔

ربط: اوپر صدقات میں مومن کی تخصیص نہ ہونے کا ذکر ہوا اب بیان کرتے ہیں کہ اگرچہ حاجت کے وقت سب کو دینا چاہئے لیکن اصل استحقاق ان لوگوں کا ہے جن میں خاص صفتیں ہوں یعنی اپنی طرف سے تو ایسوں ہی کو تفتیش کر کے دے اور بلا تفتیش جس کی حاجت پر اطلاع ہو جائے اس کو دے دیا کرے۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ لَا يَسْئَلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۷۳﴾

ترجمہ: خیرات ان فقیروں کے لئے ہے جو رو کے ہوئے ہیں اللہ کی راہ میں چل پھر نہیں سکتے زمین میں۔ سمجھتا ہے ان کو ناواقف مالدار ان کے سوال نہ کرنے سے۔ تو پہچانتا ہے ان کو ان کی علامت سے، نہیں سوال کرتے لوگوں سے لپٹ کر۔ اور جو کچھ خرچ کرو گے مال وہ بے شک

اللہ اسکو جانتا ہے۔

تفسیر: (اصل حق ان حاجت مندوں کا ہے جو مقید ہو گئے ہوں اللہ کی راہ) یعنی دین کی خدمت (میں) اور اسی خدمت دین میں مقید اور مشغول رہنے سے (وہ لوگ) طلب معاش کے لئے (کہیں زمین میں چلنے پھرنے کا) عادۃ (امکان نہیں رکھتے) اور ناواقف ان کو مالدار خیال کرتا ہے ان کے سوال سے بچنے کے سبب سے) البتہ (تم ان لوگوں کو ان کے علامت) یعنی ہیئت (سے پہچان سکتے ہو) کیونکہ فقر و فاقہ سے چہرے اور بدن میں ایک گونہ اضمحلال ضرور آجاتا ہے اور یوں (وہ لوگوں سے لپٹ کر مانگتے نہیں پھرتے) جس سے کوئی ان کو حاجت مند سمجھے، یعنی مانگتے ہی نہیں، کیونکہ اکثر جو لوگ مانگنے کے عادی ہیں وہ لپٹ کر ہی مانگتے ہیں (اور) ان لوگوں کی خدمت کرنے کو (جو مال خرچ کرو گے بے شک حق تعالیٰ کو اس کی خوب اطلاع ہے) دیگر لوگوں کو دینے کے مقابلہ میں ان کی خدمت کا زیادہ ثواب دیں گے۔

ربط: آگے یہ بتانا مقصود ہے کہ انفاق فی الخیر میں کسی زمانہ اور کسی حالت کی تخصیص نہیں جب موقع ہو خرچ کرنا چاہئے سب مقبول ہے۔

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

ترجمہ: جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مال اللہ کی راہ میں رات کو اور دن کو چھپا کر اور ظاہر میں تو ان کے لئے ثواب ہے ان کا اپنے رب کے پاس اور نہ ڈر ہے ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

(جو لوگ خرچ کرتے ہیں اپنے مالوں کو رات میں اور دن میں) اوقات کی تخصیص کے بغیر (پوشیدہ اور اعلانیہ) حالات کی تخصیص کے بغیر (سو ان لوگوں کو ان کا ثواب ملے گا) قیامت کے روز (ان کے رب کے پاس) جاکر (اور) اس روز (نہ ان پر کوئی خطرہ) واقعہ ہونے والا ہی (ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے)۔

ربط: ابواب البر کے تحت بہت سے احکام کا پہلے بیان ہو چکا ہے بعض احکام کا یہاں سے بیان شروع ہوتا ہے اور ان بقیہ احکام کی مناسبت انفاق کے مضمون کے ساتھ بھی ہے کیونکہ یہ سب احکام انفاق کی طرح مال ہی کے ساتھ متعلق ہیں۔

انتالیسواں حکم: سود کی حرمت و مذمت

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا

لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِىْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَمَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَيُرْبِى الصَّدَقٰتِ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾

ترجمہ: جو لوگ کھاتے ہیں سود نہیں اٹھیں گے قیامت کو مگر جس طرح اٹھتا ہے وہ شخص کہ جس کے حواس کھو دیئے ہوں جن نے لپٹ کر۔ یہ حالت ان کی اس واسطے ہے کہ انہوں نے کہا کہ بیع بھی تو ایسی ہی ہے جیسے سود حالانکہ اللہ نے حلال کیا ہے بیع کو اور حرام کیا ہے سود کو۔ پھر جس کو پہنچی نصیحت اپنے رب کی طرف سے اور وہ باز آگیا تو اس کے واسطے ہے جو پہلے ہو چکا اور معاملہ اس کا اللہ کے حوالے ہے۔ اور جو کوئی پھر عود کرے تو وہی لوگ ہیں دوزخ والے وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔ مٹاتا ہے اللہ سود کو اور بڑھاتا ہے خیرات کو اور اللہ خوش نہیں ہوتا کسی کفر کرنے والے گنہگار سے۔

تفسیر: (جو لوگ سود کھاتے ہیں) یعنی لیتے ہیں (نہیں کھڑے ہوں گے) قیامت میں قبروں سے (مگر جس طرح کھڑا ہوتا ہے ایسا شخص جس کو شیطان نے خبطی) یعنی حیران و مدہوش (بنا دیا ہو لپٹ کر۔ یہ سزا اس لئے ہوگی کہ ان) سود خور (لوگوں نے) سود کے حلال ہونے پر استدلال کرنے کے لئے (کہا تھا کہ بیع بھی تو مثل سود کے ہے) کیونکہ اس میں بھی مقصود نفع حاصل کرنا ہوتا ہے اور بیع یقیناً حلال ہے، پھر سود جو کہ اس کی مثل ہے اس کو بھی حلال ہونا چاہئے (حالانکہ) دونوں میں کھلا فرق ہے کہ (اللہ تعالیٰ) جو احکام دینے کے مالک ہیں انہوں (نے بیع کو حلال فرمایا ہے اور سود کو حرام کر دیا ہے) اس سے زیادہ اور کیا فرق ہوگا (پھر جس شخص کو اس کے پروردگار کی طرف سے) اس بارے میں (نصیحت پہنچی اور وہ) اس سود کے فعل اور اس کفر کے قول سے یعنی سود کو حلال کہنے سے (باز آگیا) اور حرام سمجھنے لگا اور لینا بھی چھوڑ دیا

(تو جو کچھ) شریعت کے اس حکم کے آنے سے (پہلے) لینا (ہو چکا ہے وہ اس کا رہا) یعنی ظاہر میں شرع کے نزدیک اس کی یہ توبہ قبول ہوگئی اور لیا ہوا مال اس کی ملک ہے (اور) باطنی (معاملہ اس کا) کہ وہ دل سے باز آیا ہے یا منافقانہ توبہ کرلی ہے، یہ (خدا کے حوالے رہا) اگر دل سے توبہ کی ہوگی عند اللہ نافع ہوگی ورنہ کالعدم ہوگی، تم کو بدگمانی کا کوئی حق نہیں (اور جو شخص) مذکور نصیحت سن کر بھی اسی قول اور اسی فعل کی طرف (پھر عود کرے تو) اس وجہ سے کہ ان کا یہ فعل خود گناہ کبیرہ ہے (یہ لوگ دوزخ میں جائیں گے) اور اس وجہ سے کہ ان کا یہ قول کفر ہے (وہ اس) دوزخ (میں ہمیشہ رہیں گے) اور گو سود لینے سے فی الحال مال بڑھتا نظر آتا ہے، لیکن انجام کار (اللہ تعالیٰ سود کو مٹاتے ہیں) کبھی تو دنیا ہی میں سب برباد ہو جاتا ہے ورنہ آخرت میں تو یقینی بربادی ہے، کیونکہ وہاں اس پر عذاب ہوگا (اور) اس کے برخلاف صدقہ دینے میں گو فی الحال مال گھٹتا معلوم ہوتا ہے لیکن انجام کار اللہ تعالیٰ (صدقات کو بڑھاتے ہیں) کبھی تو دنیا میں بھی ورنہ آخرت میں تو یقیناً بڑھاتے ہیں کہ وہاں اس پر بہت سا ثواب دیتے ہیں، جیسا اوپر آیات میں مذکور ہوا (اور اللہ تعالیٰ پسند نہیں کرتے) بلکہ مبغوض رکھتے ہیں (کسی کفر کرنے والے کو) جو کہ ذکر کردہ قول کے مثل کلمات کفر منہ سے بکے اور اسی طرح پسند نہیں کرتے (کسی گناہ کے کام کرنے والے کو) جو کہ فعل مذکور یعنی سود کے مثل کبائر کا مرتکب ہو۔

فائدہ: 1- قیامت میں سود خور کی جنون کی حالت کو جو تشبیہ دی گئی ہے اس شخص کی حالت سے جس کو شیطان نے لپٹ کر خبطی کردیا ہو اس سے معلوم ہوا کہ آسیب کا لپٹ جانا امر ممکن ہے اور اس کی حقیقت یہ ہے کہ جنات میں بعض خبیث ہوتے ہیں وہ بعض دفعہ کسی شخص کو تکلیف پہنچاتے ہیں اور ان کے تسلط سے انسان بدحواس ہو جاتا ہے۔

2- قیامت میں جو یہ سزا دی جائے گی تو جرم کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ اس شخص کا یہ کہنا انما البیع مثل الربوا دین کے بارے میں اس شخص کی بے عقلی کی وجہ سے ہے۔ اس لئے اس کو سزا بھی زوال عقل کی دی جائے گی۔ اسی طرح یہ فعل یعنی سود لینا بھی بے عقلی پر دلیل ہے کیونکہ جس علم پر عمل نہ ہو وہ گویا علم اور عقل ہے ہی نہیں۔

3- اللہ تعالیٰ نے ان کے مذکور استدلال کا جو جواب دیا ہے وہ حاکمانہ ہے جو قوانین کے بیان کے وقت بالکل کافی اور نہایت مناسب ہے۔

ربط: اوپر سود کے باب میں بد اعتقاد اور بد عمل لوگوں کا ذکر تھا آگے قرآن کی عادت کے مطابق

صحیح اعتقاد اور نیک عمل لوگوں کا ذکر فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ

اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾

ترجمہ: بلاشبہ جو لوگ ایمان لائے اور عمل نیک کئے اور قائم رکھا نماز کو اور دیتے رہے زکوۃ ان کے لئے ہے ثواب ان کا ان کے رب کے پاس اور نہ ان کو خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے نیک کام کئے اور) بالخصوص (نماز کی پابندی کی اور زکوۃ دی، ان کے لئے ان کا ثواب ہو گا ان کے پروردگار کے پاس اور) آخرت میں (ان پر کوئی خطرہ) واقع ہونے والا (نہیں ہو گا اور نہ وہ) کسی مقصود کے فوت ہونے سے (مغموم ہوں گے)

فائدہ: اوپر کی آیت میں سود خوروں کا قول اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ان کے کفر پر دلالت کرتا تھا اس کے بالمقابل اس آیت میں اٰمَنُوْا کا ذکر لائے اور وہاں ان کی سود کی بد عملی مذکور تھی جس سے ان لوگوں کا دنیا کی طرف راغب ہونا مفہوم ہوتا تھا یہاں ان کی نیک عملی کو عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے اور انکی اللہ کی طرف رغبت کو اَقَامُوا الصَّلٰوةَ سے اور بجائے سود کا مال حاصل کرنے کے مال خرچ کرنے کو اٰتَوُا الزَّكٰوةَ سے بیان کیا۔

ربط: اوپر آئندہ سود لینے سے ممانعت تھی آگے پچھلے چڑھے ہوئے سود کا حکم بتاتے ہیں

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ

كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ

وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ

وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرو اللہ سے اور چھوڑ دو جو کچھ باقی رہ گیا ہے سود اگر ہو تم ایمان والے۔ پس اگر نہیں چھوڑتے تو اعلان سن لو لڑائی کا اللہ سے اور اس کے رسول سے۔ اور اگر توبہ کرتے ہو تو تمہارے واسطے ہے اصل مال تمہارا۔ نہ تم (کسی پر) ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا

جائے گا۔

تفسیر: (اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور جو کچھ سود کا بقایا ہے اس کو چھوڑ دو اگر تم ایمان والے ہو) کیونکہ ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ اللہ کی اطاعت کی جائے (پھر اگر تم) اس پر عمل (نہ کرو گے تو اعلان سن لو جنگ کا اللہ کی طرف سے اور اس کے رسولؐ کی طرف سے) یعنی تمہارے خلاف جہاد ہوگا (اور اگر تم توبہ کر لوگے تو تم کو تمہارے اصل اموال مل جائیں گے) اس قانون کے بعد (نہ تم کسی پر ظلم کرنے پاؤ گے) کہ تم اصل مال سے زیادہ لینے لگو (اور نہ تم پر کوئی ظلم کرنے پائے گا) کہ تمہارا اصل مال بھی نہ دلایا جائے۔

فائدہ: آیت میں جو جہاد کے لئے فرمایا ہے اس کی تفصیل یہ ہے کہ اگر سود کو حرام تو سمجھتا ہے لیکن پھر بھی سود لینا نہیں چھوڑتا تو جہاد کی وجہ یہ ضابطہ ہے کہ جو مسلمان کسی خاص شرعی حکم کے خلاف کرے اور حاکم کے کہنے پر بھی باز نہ آئے تو اس پر جبر کرنا چاہئے۔ پھر اگر یہ چند آدمی ہوں تو تب تو جبر چل جائے گا اور اگر وہ محض جبر کو خاطر میں نہ لائے بلکہ گروہ و جماعت بنا کر مقابلہ کرے تو ان کے خلاف جہاد کرنا چاہئے کیونکہ ایسے لوگوں کا حکم باغیوں کا سا ہے۔ اور اگر سود کو حلال سمجھتا ہے تو حرمت کا حکم آنے کے بعد بھی اس کو حلال سمجھنا کفر اور ارتداد ہے جس کی حد قتل ہے۔

چالیسواں حکم: مفلس کو مہلت دینا واجب ہے:

اگرچہ یہ حکم عام ہے لیکن ماقبل کے ساتھ ایک خاص مناسبت بھی ہے وہ یہ کہ سود خوروں کا قاعدہ ہے کہ میعاد پر مطالبہ کرنے پر اگر مقروض مہلت مانگتا تو مہلت کے عوض اور سود لیتے تھے۔ اگلی آیت سے اس رسم بد کو مٹانا مقصود ہے۔

وَاِنْ كَانَ ذُوْعُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾

ترجمہ: اور اگر ہے تنگدست تو مہلت دینی چاہئے کشائش ہونے تک اور بخش دو تو بہت بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو خبر ہے۔

تفسیر: (اور اگر) قرضدار (تنگ دست ہے) اور اس لئے میعاد پر نہ دے سکے (تو) اس کو (مہلت دینے کا حکم ہے آسودگی) یعنی اس کے پاس ادائیگی کی گنجائش ہونے (تک اور یہ) بات (کہ) بالکل (معاف ہی کر دو اور زیادہ بہتر ہے تمہارے لئے اگر تم کو اس کے ثواب کی (خبر ہو)۔

ربط: اوپر کے احکام میں چونکہ بظاہر مالی نفع کا کچھ کم ہونا معلوم ہوتا ہے جیسا کہ خیال ہوتا ہے کہ سود چھوڑنے میں آمدنی کم ہوئی اور مہلت دینے میں آمدنی دیر سے حاصل ہوئی اور مال کی محبت طبعی ہے اس لئے مکلفین کا ان احکام میں کوتاہی کرنا بعید نہ تھا لہذا اس مقام میں کوتاہی کرنے پر کسی قدر ترہیب اور ڈراوا مناسب ہوا۔

وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَ هُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿٢٨١﴾

ترجمہ: اور ڈرتے رہو اس دن سے جس دن تم لوٹائے جاؤ گے اللہ کی طرف پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔

(اور) مسلمانو! (اس دن سے ڈرو جس میں تم) سب (اللہ تعالیٰ کی پیشی میں لوٹائے جاؤ گے پھر ہر شخص کو اس کا کیا ہوا) یعنی اس کا بدلہ (پورا پورا ملے گا اور ان پر کسی قسم کا ظلم نہ ہوگا) تو تم پیشی کے لئے اپنی کارگزاری درست رکھو اور کسی قسم کی خلاف ورزی مت کرو۔

اکتالیسواں حکم: قرض سے متعلق

اس حکم میں کئی جزو ہیں یعنی

1- قرض کی دستاویز لکھنے کا مشورہ۔ یہ لکھنا جمہور علماء کے نزدیک مستحب ہے۔ اگر کوئی نہ لکھے لکھائے تو گناہگار نہیں۔ صرف مصلحت ہے تاکہ اختلاف کا احتمال نہ رہے۔

2- کاتب کو دستاویز لکھنے سے انکار کی ممانعت۔ یہ بھی استحباب کے لئے ہے۔ اسی لئے اگر کاتب لکھنے پر اجرت لے تو جائز ہے۔

3- دستاویز مقروض کی جانب سے ہو۔

4- گواہ بنانا۔

(ا) چونکہ ثبوت کا مدار گواہی پر ہے لہذا دستاویز لکھنا ضروری نہیں ہے اور اگر لکھی جائے تو یہ ضروری نہیں کہ اس پر گواہوں کے دستخط بھی ہوں صرف ان کا سن لینا یا دستاویز کو دیکھ لینا یا واقعہ کا مشاہدہ کر لینا اگرچہ دستاویز بھی نہ ہو کافی ہے۔ لیکن دستاویز پر گواہوں کا دستخط کر دینا یادداشت کی سہولت اور احتیاط و مصلحت کا موجب ہے کیونکہ اکثر اپنے دستخط دیکھ کر وہ بات یاد آجاتی ہے۔

(ب) گواہ بننے کے لئے بلانے پر جانا مستحب ہے۔ البتہ گواہ بن جانے کے بعد طلب پر گواہی کے لئے جانا بعض صورتوں میں فرض ہے۔

5- گواہوں کو انصاف سے گواہی دینا اور ان کے لئے گواہی دینے سے انکار کی ممانعت۔

6- قرض کے عوض گروی رکھنا۔

رہن و گروی رکھنا سفر و حضر دونوں میں جائز ہے۔ یہاں آیات میں سفر کی تخصیص اس وجہ سے ہے کہ حضر کی بنسبت سفر میں اس کی زیادہ ضرورت پڑتی ہے کیونکہ حضر میں اطمینان اور توثیق کے اور ذرائع مثلاً کتابت اور گواہ بنانا میسر ہوتے ہیں جو سفر میں اکثر اوقات میسر نہیں ہوتے۔

7- گواہی کو چھپانے کی حرمت۔

گواہی کا چھپانا دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ بالکل بیان نہ کرے دوسرے یہ کہ غلط بیان کرے۔ دونوں میں اصل واقعہ چھپ جاتا ہے اور دونوں صورتیں حرام ہیں۔ گواہی چھپانے کو دل کا گناہ کہا تاکہ کوئی شخص اس کو محض زبان کا گناہ نہ سمجھ لے کیونکہ اس کا ارادہ تو دل ہی سے ہوا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ۭ وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـــًٔا ۭ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ ھُوَ فَلْيُمْلِلْ وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ۭ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّهَدَاۗءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىھُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىھُمَا الْاُخْرٰى ۭ وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَاۗءُ اِذَا مَا دُعُوْا ۭ وَلَا تَسْــَٔـمُوْٓا اَنْ تَكْتُبُوْهُ صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰٓى اَجَلِهٖ ۭ ذٰلِكُمْ

أَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ وَأَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَأَدْنٰى أَلَّا تَرْتَابُوا إِلَّا أَنْ تَكُونَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيرُونَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَلَّا تَكْتُبُوهَا ۗ وَأَشْهِدُوا إِذَا تَبَايَعْتُمْ ۚ وَلَا يُضَارَّ كَاتِبٌ وَلَا شَهِيدٌ ۚ وَإِنْ تَفْعَلُوا فَإِنَّهُ فُسُوقٌ بِكُمْ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۖ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٨٢﴾ وَإِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَلَمْ تَجِدُوا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَقْبُوضَةٌ ۖ فَإِنْ أَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِي اؤْتُمِنَ أَمَانَتَهُ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهُ ۗ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ عَلِيمٌ ﴿٢٨٣﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب تم آپس میں معاملہ کرو ادھار کا کسی وقت مقرر تک تو اس کو لکھ لیا کرو اور چاہیئے کہ لکھ دے تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا انصاف سے اور انکار نہ کرے لکھنے والا لکھنے سے۔ جیسا سکھایا اس کو اللہ نے سو اس کو چاہیئے کہ لکھ دے۔ اور لکھواوے وہ شخص کہ جس پر قرض ہے اور ڈرے اللہ سے جو اس کا رب ہے اور کم نہ کرے اس میں سے کچھ۔ پھر اگر وہ شخص کہ جس پر قرض ہے بے عقل ہے یا ضعیف ہے یا آپ نہیں لکھوا سکتا تو بتادے کارکن اس کا انصاف سے۔ اور گواہ بنالو دو گواہ اپنے مردوں میں سے پھر اگر نہ ہوں دو مرد تو ایک مرد اور دو عورتیں ہوں ان لوگوں میں سے کہ جن کو تم پسند کرتے ہو گواہوں میں تاکہ اگر بھول جائے ایک ان میں سے تو یاد دلادے اس کو دوسری۔ اور انکار نہ کریں گواہ جس وقت بلائے جائیں۔ اور اکتاہٹ نہ کرو اس کے لکھنے سے چھوٹا ہو معاملہ یا بڑا اس کی میعاد تک۔ یہ بات پوری انصاف والی ہے اللہ کے نزدیک اور بہت درست رکھنے والی ہے گواہی کو اور زیادہ قریب ہے اس کے کہ تم شبہ میں نہ پڑو مگر یہ کہ سودا ہو ہاتھوں ہاتھ لیتے دیتے ہو اس کو آپس میں تو تم پر کچھ گناہ نہیں اس کے نہ لکھنے میں۔ اور گواہ بنالیا کرو جب تم سودا کرو۔ اور ضرر نہ دیا جائے لکھنے والا اور نہ گواہ اور اگر ایسا کرو تو یہ گناہ کی

بات ہے تمہارے اندر۔اور ڈرتے رہو اللہ سے۔اور تم کو سکھاتا ہے اللہ۔اور اللہ ہر ایک چیز کو جانتا ہے۔اور اگر تم سفر میں ہو اور نہ پاؤ کوئی لکھنے والا تو گروی اشیاء قبضہ میں رکھنی چاہئیں۔پھر اگر اعتبار کرلے ایک دوسرے کا تو چاہئے کہ پورا ادا کرے وہ شخص کہ جس پر اعتبار کیا گیا اپنی امانت کو اور ڈرتا رہے اللہ سے جو رب ہے اس کا اور مت چھپاؤ تم گواہی کو اور جو شخص اس کو چھپائے تو بے شک گنا ہگار ہے دل اس کا اور اللہ تمہارے کاموں کو خوب جانتا ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو جب معاملہ کرنے لگو ادھار کا) خواہ دام ادھار ہوں یا جو چیز خریدنا ہے وہ ادھار ہو جیسے بیع سلم میں (ایک میعاد معین تک) کے لئے (تو اس) کی یاد داشت و دستاویز (کو لکھ لیا کرو اور یہ ضروری ہے کہ تمہارے درمیان) جو (کوئی لکھنے والا) ہو وہ (انصاف کے ساتھ لکھے) یعنی کسی کی رعایت کر کے مضمون میں کمی بیشی نہ کرے (اور لکھنے والا لکھنے سے انکار بھی نہ کرے جیسا کہ خدا نے اس کو) لکھنا (سکھایا ہے اس کو چاہئے کہ لکھ دیا کرے اور) کاتب کو (وہ شخص) بتادے اور (لکھوادے جس کے ذمہ وہ حق واجب ہو) کیونکہ دستاویز کا حاصل حق کا اقرار کرنا ہوتا ہے تو جس کے ذمہ حق ہے اسی کا اقرار ضروری ٹھہرا (اور) لکھاتے وقت (اللہ تعالیٰ سے جو اس کا پروردگار ہے ڈرتا رہے اور اس) حق (میں سے ذرہ برابر بتانے میں (کمی نہ کرے۔پھر جس شخص کے ذمہ حق واجب تھا وہ اگر ضعیف العقل) یعنی معتوہ یا مجنون (ہو یا ضعیف البدن) یعنی نابالغ یا پیر فرتوت (ہو یا) اور کسی اتفاقی امر سے (خود) بیان کرنے کی اور (لکھانے کی قدرت نہ رکھتا ہو) مثلاً گونگا ہے اور لکھنے والا اس کا اشارہ نہیں سمجھتا، یا مثلاً دوسرے ممالک کا رہنے والا ہے اور مختلف زبان بولتا ہے اور لکھنے والا اس کی بولی نہیں سمجھتا (تو) ایسی حالت میں (اس کا کارکن ٹھیک طور پر لکھوادے۔اور دو شخصوں کو اپنے مردوں میں سے گواہ) بھی (کرلیا کرو) اور شریعت میں دعوی کے ثبوت کا اصل مدار یہی گواہ ہیں گو دستاویز نہ ہو۔دستاویز لکھنے سے یاد داشت کی آسانی ہوتی ہے کہ اس کا مضمون دیکھ کر اور سن کر طبعی طور پر اکثر تمام واقعہ یاد آجاتا ہے، جیسا عنقریب قرآن ہی میں آتا ہے (پھر اگر وہ دو گواہ مرد) میسر (نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں) گواہ بنالی جائیں (ایسے گواہوں میں سے جن کو تم) ان کے معتبر ہونے کی وجہ سے (پسند کرتے ہو) اور ایک مرد کی جگہ دو عورتیں اس لئے تجویز کی گئیں (تاکہ ان دونوں عورتوں میں سے کوئی ایک بھی) شہادت کے کسی حصہ کو خواہ ذہن سے یا شہادت کے وقت بیان کرنے سے (بھول جائے تو ایک دوسری کو یاد دلادے) اور یاد دلانے کے بعد شہادت کا مضمون مکمل ہو جائے۔(اور گواہ بھی انکار نہ کیا کریں جب) گواہ بننے کے لئے بلائے (جایا کریں) کہ اس میں اعانت

ہے اپنے بھائی کی (اور تم اس) دین (کے اس کی میعاد تک) بار بار (لکھنے سے اکتایا مت کرو خواہ وہ) معاملہ دین کا (چھوٹا ہو یا بڑا ہو یہ لکھ لینا انصاف کا زیادہ قائم رکھنے والا ہے اللہ کے نزدیک اور گواہی کو زیادہ درست رکھنے والا ہے اور زیادہ لائق ہے اس بات کا کہ تم) معاملہ کے متعلق (کسی شبہ میں نہ پڑو) اس لئے لکھ ہی لینا اچھا ہے (مگر یہ کہ کوئی سودا دست بدست ہو جس کو باہم لیتے دیتے ہو تو اس کے نہ لکھنے میں تم پر کوئی الزام) اور مضرت (نہیں اور) اتنا اس میں بھی ضرور کیا کرو کہ اس کے (خرید و فروخت کے وقت گواہ کر لیا کرو) شاید کل کو کوئی بات نکل آئے مثلاً بائع کہنے لگے کہ مجھ کو دام ہی وصول نہیں ہوئے، یا یہ چیز میں نے فروخت ہی نہیں کی یا مشتری کہنے لگے کہ میں نے تو واپسی کا اختیار بھی لے لیا تھا یا ابھی تو سودے کی چیز پوری میرے پاس نہیں پہنچی (اور) جس طرح ہم نے اوپر کاتب اور گواہ کو منع کیا ہے کہ کتابت اور شہادت سے انکار نہ کریں اسی طرح ہم تم کو بھی تاکید کرتے ہیں کہ تمہاری طرف سے (نہ کسی کاتب کو تکلیف دی جائے اور نہ کسی گواہ کو) مثلاً اپنی مصلحت کے لئے ان کی کسی مصلحت میں خلل نہ ڈالا جائے (اور اگر تم ایسا کرو گے تو اس میں تم کو گناہ ہو گا اور خدا تعالیٰ سے ڈرو) اور جن کاموں سے اس نے منع کیا ہے وہ مت کرو (اور) اللہ تعالیٰ کا تم پر احسان ہے کہ (تم کو) مفید احکام کی (تعلیم فرماتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سب چیزوں کے جاننے والے ہیں) تو وہ فرماں بردار اور نافرمان کو بھی جانتے ہیں ہر ایک کو مناسب جزادیں گے۔ (اور اگر تم) دین کا معاملہ کرنے کے وقت (کہیں سفر میں ہو اور) دستاویز لکھنے کے واسطے وہاں (کوئی کاتب نہ پاؤ سو) ایسی حالت میں اطمینان کا ذریعہ (رہن رکھنے کی چیزیں) ہیں (جو) مدیون کی طرف سے صاحب حق کے (قبضہ میں دیدی جائیں اور اگر) ایسے وقت میں بھی (ایک فریق معاملہ دوسرے کا اعتبار کرتا ہو اور اس لئے رہن کی ضرورت نہ سمجھے تو (جس شخص کا اعتبار کر لیا گیا ہے) یعنی مدیون (اس کو چاہئے کہ دوسرے کا حق) پورا پورا (ادا کر دے اور اللہ تعالیٰ سے جو کہ اس کا پروردگار ہے ڈرے) اور اس کا حق نہ مارے۔ (اور شہادت کا اخفاء مت کرو) خواہ اس طرح کہ شہادت کو سرے سے بیان ہی نہ کرنے یا اس طرح کہ غلط بیانی کرے اور اس طرح دونوں اصل واقعہ مخفی ہو جائے (اور جو شخص اس کا اخفاء کرے گا اس کا قلب گناہگار ہو گا) صرف زبان نہیں (اور اللہ تعالیٰ تمہارے کئے ہوئے کاموں کو خوب جانتے ہیں) سو اگر کوئی اخفاء کرے گا اللہ تعالیٰ کو اس کا علم ضرور ہے سو وہ سزا دیں گے۔

فائدہ : عورت کی شہادت مرد کے مقابلہ میں نصف مقرر کی گئی ہے تو جو لوگ قرآن کو مانتے ہیں انکو تو اس پر اعتراض کا کوئی حق نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ مالک ہیں جس طرح کا حکم چاہیں دیں۔ انہوں نے یہ

حکم دے دیا اور قرآن میں وہ ثابت بھی ہے تو اب ماننے بغیر چارہ نہیں۔ البتہ وہ حکمت والے بھی ہیں انکا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں اگرچہ ہمیں اسکا علم نہ ہو اور یہ کوئی پابندی نہیں کہ ہمیں ہر حکمت کا ضرور علم بھی ہو۔ علاوہ ازیں قانون اکثریت کو پیش نظر رکھ کر بنایا جاتا ہے اور عورتوں کی اکثریت کی یادداشت اور یہ صلاحیت کہ بات کو خصوصا پچھلی بات کو پورا پورا اور صحیح صحیح بیان کردیں مردوں کے برابر نہیں ہے۔

ربط: اوپر شہادت چھپانے کو قلب کا گناہ بتایا تھا اس لئے اگلی آیتوں میں اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہیں کہ قلب کے بد نما افعال میں سے کس فعل پر گناہ ہے کس فعل پر نہیں جس کا خلاصہ یہ ہے کہ ان افعال میں جو اختیاری ہیں جیسے عقائد فاسدہ اور اخلاق ذمیمہ اور معصیت کا عزم ان پر تو گناہ ہے اور غیر اختیاری جیسے وساوس تو ان پر گناہ نہیں۔

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

ترجمہ: اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور اگر ظاہر کرو گے جو تمہارے دلوں میں ہے یا چھپاؤ گے اس کو حساب لے گا تم سے اس کا اللہ پھر بخشے گا جس کو چاہے اور عذاب کرے گا جس کو چاہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

(اللہ ہی کی ملک میں ہیں سب) مخلوقات (جو کچھ آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہیں) جیسے خود زمین و آسمان بھی اسی کی ملک میں ہیں اور جب وہ مالک ہیں تو ان کو اپنی مملوکہ اشیاء میں ہر طرح قانون بنانے کا حق ہے، اس میں کسی کو کہنے کی مجال نہ ہونی چاہئے، جیسا کہ ایک قانون یہ بنایا ہے کہ (جو باتیں) فاسد عقائد یا مذموم اخلاق یا گناہوں پر پختہ عزم وارادہ ہونے کی (تمہارے نفسوں میں ہیں ان کو اگر تم) زبان و جوارح سے (ظاہر کرو گے) مثلاً زبان سے کلمہ کفر کہہ دیا یا اپنے تکبر وغیرہ کا خود اظہار کر کے کہہ دیا کہ میں فلاں سے اچھا ہوں یا کسی گناہ جس کا قصد تھا اس کو کر ہی ڈالا (یا کہ) دل ہی میں (پوشیدہ رکھو گے) دونوں حالتوں میں (حق تعالیٰ تم سے) دوسرے معاصی کی طرح ان کا (حساب لیں گے پھر) حساب لینے کے بعد سوائے کفر و شرک کے (جس کے لئے) بخشنا (منظور ہو گا بخش دیں گے اور جس کو) سزا دینا (منظور ہو گا سزا دیں گے اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں)

ربط: زبان اور جوارح کے افعال دو قسم کے ہیں۔ اختیاری جیسے ارادہ سے بولنا اور ارادہ سے کسی کو مارنا اور غیر اختیاری جیسے زبان سے کہنا چاہتا تھا کچھ اور بلا ارادہ نکل گیا کچھ یا رعشہ سے ہاتھ کو حرکت ہو۔ ان میں اختیاری افعال پر ثواب و عذاب ہو گا اور غیر اختیاری پر نہ ہو گا۔ اسی طرح قلب کے افعال بھی دو قسم کے ہیں اختیاری جیسے کفر کا عقیدہ جس کو جان بوجھ کر دل میں جمایا ہو یا خود سوچ کر اپنے کو بڑا سمجھنا اور اس خیال کو قائم رکھنا، یا پختہ ارادہ کرنا کہ شراب پیوں گا۔ اور غیر اختیاری جیسے کفر یا معصیت کے برے برے وسوسے آنا۔ ان میں بھی اختیاری پر مواخذہ ہے اور غیر اختیاری پر نہیں۔

جس طرح زبان و جوارح کے اختیاری افعال میں سے سوائے کفر کے باقی میں احتمال ہے کہ یا تو بخش دیئے جائیں یا ان پر ایک وقت تک کے لئے سزا ہو اسی طرح قلوب کے اختیاری افعال کا بھی یہی معاملہ ہے۔ مگر چونکہ اس آیت میں اختیاری ہونے کی صراحت ذکر نہ تھی اس لئے صحابہ ظاہر الفاظ کے عموم کو دیکھ کر کہ وہ اختیاری و غیر اختیاری دونوں کو شامل ہیں گھبرا گئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ اب تک تو ہم ایسے افعال کے مکلف تھے جو ہماری طاقت و اختیار میں تھے جیسے نماز و روزہ و زکوۃ و حج و جہاد، اب یہ آیت آئی ہے یہ تو ہماری طاقت سے خارج ہے۔ اگر چہ رسول ﷺ اس آیت کا صحیح مطلب جانتے تھے لیکن انتہائی خشیت کے غلبہ سے آپ کی نظر بھی الفاظ کے ظاہری عموم کی طرف پہنچی جس طرح آپ نے آیت اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ (آپ منافقین کے لئے استغفار کیجئے یا ان کے لئے استغفار نہ کیجئے۔ اگر آپ ان کے لئے ستر مرتبہ بھی استغفار کریں تب بھی اللہ ہرگز ان کی مغفرت نہ کرے گا) کے نازل ہونے کے باوجود ایک منافق کی نماز جنازہ پڑھی اور حضرت عمرؓ کے عرض کرنے پر فرمایا کہ مجھ کو استغفار کرنے نہ کرنے کا اختیار دیا گیا ہے میں نے ایک جانب کو اختیار کر لیا۔ اس کی بنیاد بھی انتہائی رحمت کا غلبہ تھا جس کی وجہ سے آپ نے الفاظ کے ظاہری معنی یعنی اختیار پر نظر کی۔ اسی طرح یہاں ہوا۔ اس لئے از خود تفسیر کرنے کے بجائے آپ نے وحی کا انتظار فرمایا۔ البتہ چونکہ صحابہ کے الفاظ سے بظاہر اعتراض مفہوم ہوتا تھا اس لئے ان کو ادب و انقیاد کی تعلیم کی خاطر فرمایا کیا تم چاہتے ہو کہ اہل کتاب کی طرح سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا کہو بلکہ یوں کہنا چاہئے سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَ اِلَيْكَ الْمَصِيْرُ چنانچہ صحابہ نے اس طرح کہا لیکن جو معنی انہوں نے سمجھا تھا اس کی بنا پر اطاعت کرتے ہوئے زبان لڑکھڑاتی تھی۔ اس کہنے پر اللہ تعالیٰ نے اگلی دو آیتیں نازل فرمائیں جن میں سے ایک میں مسلمانوں کی مداح اور دوسری میں آیت بالا کی تفسیر ارشاد فرمائی۔

مسلمانوں کی مدح

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۟ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾

ترجمہ : مان لیا رسول نے جو کچھ اتارا گیا اسکی طرف اس کے رب کی طرف سے اور مسلمانوں نے بھی۔ سب نے مانا اللہ کو اور اس کے فرشتوں کو اور اس کی کتابوں کو اور اس کے رسولوں کو۔ (کہتے ہیں کہ) ہم فرق نہیں کرتے کسی میں اس کے پیغمبروں میں سے۔ اور کہہ اٹھے کہ ہم نے سنا اور قبول کیا۔ تیری بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے رب اور تیری ہی طرف لوٹنا ہے۔

تفسیر: (اعتقاد رکھتے ہیں رسول ﷺ اس چیز کے حق ہونے کا جو ان کے پاس ان کے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے) یعنی قرآن (اور) دوسرے مومنین بھی (عقیدہ رکھتے ہیں اللہ پر) کہ وہ موجود ہے اور واحد ہے اور ذات وصفات میں کامل ہے (اور اس کے فرشتوں پر) کہ وہ موجود ہیں اور گناہوں سے پاک ہیں اور مختلف کاموں پر مقرر ہیں (اور اس کی کتابوں پر) کہ اصل میں سب سچی ہیں (اور اس کے سب پیغمبروں پر) کہ وہ پیغمبر ہیں اور سچے ہیں اور پیغمبروں پر عقیدہ رکھنا ان کا اس طور پر ہے کہ یہ کہتے ہیں (کہ ہم اس کے پیغمبروں میں سے کسی میں) عقیدہ رکھنے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی کو پیغمبر سمجھیں کسی کو نہ سمجھیں (اور ان سب نے یوں کہا کہ ہم نے) آپ کا ارشاد (سنا اور) اس کو (خوشی سے قبول کیا ہم آپ سے بخشش چاہتے ہیں اے ہمارے پروردگار اور آپ ہی کی طرف) ہم سب کو (لوٹنا ہے)

فائدہ: اصل مقصود تو مومنین کی مدح فرمانا ہے لیکن ان کی مدح کی تقویت کے لئے ان کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کو بھی شامل کر دیا جس میں اس طرف اشارہ ہو گیا کہ رسول اللہ ﷺ کے ایمان کا کامل ہونا تو بلا شبہ یقینی ہے اسی طرح ان کا ایمان بھی کامل ہونے کی وجہ سے اس قابل ہے کہ رسول کے ایمان کے ذیل میں ذکر کر کیا جائے اگرچہ کمال کے درجوں میں تفاوت اپنی جگہ ہے۔

آیت بالا کی تفسیر:

لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ

ترجمہ: اللہ تکلیف نہیں دیتا کسی کو مگر جس قدر اس کی گنجائش ہے، اسی کو ملتا ہے جو اس نے کمایا اور اسی پر پڑتا ہے جو اس نے کیا۔

تفسیر: یعنی ہم نے جو پہلی آیت میں کہا ہے کہ نفوس کی پوشیدہ باتوں پر بھی محاسبہ ہوگا اس سے مراد غیر اختیاری امور نہیں بلکہ صرف اختیاری امور ہیں کیونکہ (اللہ تعالیٰ کسی کو) احکام شرعیہ میں (مکلّف نہیں بناتا مگر اسی کا جو اس کی طاقت) اور اختیار (میں ہو، اس کو ثواب بھی اسی کا ہوتا ہے جو ارادہ سے کرے اور اس پر عذاب بھی اسی کا ہوگا جو ارادہ سے کرے) اور جو وسعت سے باہر ہے اس کا مکلّف نہیں کیا گیا اور جس کے ساتھ قصد اور ارادہ متعلق نہیں اس کا نہ ثواب ہے نہ عذاب اور وساوس چونکہ انسانی اختیار اور طاقت سے خارج ہیں تو ان کے آنے کو حرام نہیں کیا اور ان کے روکنے کو واجب نہیں کیا اور نہ ان پر عذاب رکھا۔

فائدہ : 1: حدیث سے اس مضمون کی اور وضاحت ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ حق تعالیٰ نے میری امت سے ان باتوں سے درگذر فرمایا ہے جو دل میں خیالات پیدا ہوں جب تک عمل نہ کرے یا تکلم نہ کرے (رواہ البخاری) اور عمل فعل اختیاری کو کہتے ہیں جس میں قلب کے افعال اختیاری بھی شامل ہیں۔

2: اس آیت سے قاعدہ کلیہ نکلا کہ غیر اختیاری امور کی نہ تکلیف ہے اور نہ ہی ان پر آخرت کا عذاب ہے۔ اور جس طرح اس قاعدہ کلیہ میں قلب کے غیر اختیاری امور شامل ہیں اسی طرح وہ ظاہری افعال جو غیر اختیاری ہوں وہ بھی داخل میں مثلاً وہ افعال جو خطا سے (یعنی بلا قصد) یا نسیان سے صادر ہو جائیں کیونکہ اہتمام کے باوجود یاد نہ رہنا بھی اختیار سے خارج ہے۔ آگے ان سب باتوں کو دعا کی شکل میں سکھایا۔

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۲۸۶﴾

ترجمہ: اے رب ہمارے نہ پکڑ ہم کو اگر ہم بھولیں یا چوکیں، اے رب ہمارے اور نہ رکھ ہم پر بوجھ بھاری جیسا رکھا تھا تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر۔ اے رب ہمارے اور نہ اٹھوا ہم سے

وہ بوجھ کہ جس کی ہم کو طاقت نہیں اور درگذر کر ہم سے اور بخش ہم کو اور رحم کر ہم پر۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے مدد کر ہماری کافروں پر۔

تفسیر: (اے ہمارے رب ہماری گرفت نہ فرمائیے اگر ہم بھول جائیں یا چوک جائیں، اے ہمارے رب) ہماری یہ بھی درخواست ہے کہ (ہم پر کوئی سخت حکم نہ بھیجئے جیسے ہم سے پہلے لوگوں پر آپ نے بھیجے تھے، اے ہمارے رب اور) ہم یہ بھی درخواست کرتے ہیں کہ (ہم پر کوئی ایسا بار) تکلیف کا دنیا یا آخرت میں (نہ ڈالئے جس کی ہم کو سہار نہ ہو اور درگذر کیجئے ہم سے اور بخش دیجئے ہم کو اور رحم کیجئے ہم پر آپ ہمارے کارساز ہیں) اور کارساز تو طرفدار ہوتا ہے (سو آپ ہم کو کافر لوگوں پر غالب کیجئے)

سورۃ ال عمران

ربط: یہ پوری سورت گذشتہ سورت بقرہ کے آخری جملہ و انصرنا علی القوم الکافرین کے ساتھ مربوط ہے کیونکہ اس سورت کے زیادہ حصوں میں کفار سے زبان کے ساتھ اور تلوار کے ساتھ جہاد کا تذکرہ ہے جس کی وجہ توحید میں اختلاف ہے لہذا اس سورت کو توحید کے مضمون سے شروع کیا ہے۔

سُوْرَۃُ اٰلِ عِمْرٰنَ مَدَنِیَّۃٌ — بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ — اٰیَاتُھَا ۲۰۰ رُکُوْعَاتُھَا ۲۰

شروع اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم والا ہے

الٓمّٓ ﴿۱﴾ اللّٰہُ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ الْحَیُّ الْقَیُّوْمُ ﴿۲﴾

ترجمہ: الم۔ اللہ نہیں کوئی معبود مگر وہی زندہ ہے سب کا تھامنے والا۔

تفسیر: (الم۔ اللہ تعالیٰ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود نہیں) اور وہ (زندہ) جاوید (ہیں سب چیزوں کے سنبھالنے والے ہیں)

فائدہ: حی و قیوم کی صفات ذکر کرنے میں معبودان باطلہ کے معبود نہ ہونے کی عقلی دلیل کی طرف اشارہ ہے کیونکہ ان میں اللہ تعالیٰ کی سی صفات نہیں ہیں۔ دلیل کا حاصل یہ ہے کہ جو چیز ازلی و ابدی نہ ہو اور اپنی حفاظت میں خود دوسرے کی محتاج ہو وہ معبود بننے کے لائق نہیں ہو سکتی کیونکہ عبادت انتہائی

درجہ کے تذلل وعاجزی کو کہتے ہیں اور یہ صرف اسی کا حق ہے جس کو انتہائی درجہ کی عزت حاصل ہو جو اس ذات کے لئے خاص ہے جو انتہائی درجہ کی کامل ہو۔ تو جو اپنی حیات وبقا میں دوسرے کا محتاج ہو وہ تو انتہائی ناقص ہے لہذا عبادت اس کا حق نہیں ہو سکتا۔

ربط: آگے توحید کی نقلی دلیل مذکور ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل کردہ تمام کتابیں بھی اور تمام انبیاء جن کا نبی ہونا معجزات سے ثابت ہے ان کی خبریں بھی توحید پر متفق ہیں۔

نَزَّلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَاَنْزَلَ التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ۙ﴿۳﴾ مِنْ قَبْلُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَاَنْزَلَ الْفُرْقَانَ ؕ

ترجمہ: اتاری تجھ پر کتاب واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرنے والی ہے اپنے سے پہلی کتابوں کی اور اتارا توریت اور انجیل کو پہلے سے بطور ہدایت لوگوں کے لئے اور اتاریں فیصلہ کن چیزیں (حق وباطل کے درمیان)

تفسیر: (اللہ تعالیٰ نے آپ کے پاس قرآن بھیجا ہے واقعیت کے ساتھ اس کیفیت سے کہ وہ تصدیق کرتا ہے ان) آسمانی (کتابوں کی جو اس سے پہلے ہو چکی ہیں اور) اسی طرح (بھیجا تھا تورات اور انجیل کو اس کے قبل لوگوں کی ہدایت کے واسطے) اور اسی سے قرآن کا ہدایت ہونا بھی لازم آ گیا کیونکہ ہدایت کی تصدیق کرنے والی بھی ہدایت ہوتی ہے (اور اللہ تعالیٰ نے) انبیاء کی تصدیق کے واسطے (بھیجے حق وباطل کے درمیان فیصلے کرنے والے امور (مثلاً معجزات وغیرہ)

ربط: آگے منکرین توحید کے لئے وعید بیان فرماتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ لَهُمْ عَذَابٌ شَدِيْدٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۴﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ منکر ہوئے اللہ کی آیتوں کے ان کے واسطے سخت عذاب ہے اور اللہ زبردست ہے بدلہ لینے والا ہے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ منکر ہیں اللہ تعالیٰ کی ان (آیتوں کے) جو توحید پر دلالت کرتی ہیں (ان کے لئے سخت سزا ہے اور اللہ تعالیٰ غلبہ) اور قدرت (والے ہیں) کہ بدلہ لے سکتے ہیں اور (بدلہ لینے

والے) بھی (ہیں) یعنی انتقام کا امکان اور وقوع دونوں باتیں ثابت ہیں۔

ربط: آگے توحید کا تتمہ مذکور ہے

إِنَّ اللَّهَ لَا يَخْفَىٰ عَلَيْهِ شَيْءٌ فِي الْأَرْضِ وَلَا فِي السَّمَاءِ ۝٥ هُوَ الَّذِي يُصَوِّرُكُمْ فِي الْأَرْحَامِ كَيْفَ يَشَاءُ ۚ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ۝٦

ترجمہ: بے شک اللہ پر چھپی نہیں ہے کوئی چیز زمین میں اور نہ آسمان میں، وہی ہے جو تمہارا نقشہ بناتا ہے رحموں میں جس طرح چاہتا ہے، نہیں کوئی لائق عبادت مگر وہی زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: بے شک (اللہ تعالیٰ سے کوئی چیز چھپی ہوئی نہیں ہے) نہ کوئی چیز (زمین میں اور نہ) کوئی چیز (آسمان میں) لہذا ان کا علم بھی نہایت کامل ہے (وہ ایسی ذات) پاک (ہے کہ تمہاری صورت) شکل (ماں کے پیٹ میں بناتا ہے، جس طرح چاہتا ہے) کسی کی کیسی صورت اور کسی کی کیسی صورت، لہذا ان کی قدرت بھی کامل ہے، حیات اور قیومیت اور علم اور قدرت جو امہات یعنی بنیادی صفات میں سے ہیں ان میں کامل طور سے موجود ہیں اور اس درجہ کمال میں کوئی ان کے ساتھ شریک نہیں جس سے ثابت ہوا کہ (کوئی عبادت کے لائق نہیں، سوائے اس) ذات پاک (کے) اور (وہ غلبہ والے ہیں) منکر توحید سے انتقام لے سکتے ہیں لیکن (حکمت والے) بھی (ہیں) کہ مصلحت سے دنیا میں ڈھیل دے رکھی ہے۔

ربط: نجران کے کچھ عیسائی نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور مذہبی گفتگو شروع کی۔ آپ ﷺ نے اپنی گفتگو میں تثلیث کے ابطال پر اللہ تعالیٰ کی صفات حی اور قیوم وغیرہ سے استدلال فرمایا جس کو انہیں تسلیم کرنا پڑا۔ ان میں سے بعض عیسائیوں نے لفظ روح اللہ اور کلمۃ اللہ سے جو کہ قرآن میں واقع ہوئے ہیں استدلال کیا تو ان موہم کلمات کے بارے میں اگلی آیت میں جواب دیتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ ایسے کلمات جن کی مراد مخفی ہو ان سے استدلال درست نہیں بلکہ عقائد کا مدار تو واضح نصوص پر ہوتا ہے جب کہ وہ نصوص جن کی مراد مخفی ہو اور ان کی تفسیر معلوم نہ ہو ان کی تو زیادہ تفتیش کی بھی اجازت نہیں ان پر صرف اجمالی ایمان کافی ہے اور وہی واجب ہے۔

هُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَآءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَآءَ تَاْوِيْلِهٖ ۚ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ؔ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝

ترجمہ: وہی ہے جس نے اتاری تجھ پر کتاب۔ اس میں بعض آیتیں ہیں محکم (یعنی ان کے معنی واضح ہیں) وہ اصل مدار ہیں کتاب کی اور دوسری ہیں متشابہ (یعنی جن کے معنی معلوم یا معین نہیں) سو جن کے دلوں میں کجی ہے وہ پیروی کرتے ہیں متشابہات کی گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور (غلط) مطلب ڈھونڈنے کرنے کی غرض سے حالانکہ ان کا مطلب کوئی نہیں جانتا سوائے اللہ کے۔ اور مضبوط علم والے کہتے ہیں ہم یقین لائے اس پر، سب ہمارے رب کی طرف سے ہیں اور (سمجھانے سے) صرف وہی سمجھتے ہیں جو عقل والے ہیں۔

تفسیر: (وہ) اللہ تعالیٰ (ایسا ہے جس نے نازل کیا تم پر کتاب کو۔ اس کا ایک حصہ وہ آیتیں ہیں جو کہ محکم ہیں) یعنی ان کے معنی و مراد واضح ہیں (اور یہی آیتیں اصل مدار ہیں کتاب) یعنی قرآن (کا) اس لئے جن آیتوں کے معنی ظاہر نہ ہوں ان کو بھی محکم یعنی ظاہر المعنی آیات کے موافق ہی سمجھا جائے گا (اور دوسری آیتیں ایسی ہیں جو کہ متشابہ ہیں) جن کے معنی معلوم یا معین نہیں ہیں۔ (سو جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ تو اس کے اسی حصہ کے پیچھے ہو لیتے ہیں جو متشابہ ہے گمراہی پھیلانے کی غرض سے اور غلط مطلب ڈھونڈنے کی غرض سے) تاکہ اپنے غلط عقیدہ میں اس سے فائدہ حاصل کریں (حالانکہ اس کا صحیح مطلب حق تعالیٰ کے سوا کوئی اور نہیں جانتا) اور اسی واسطے (جو لوگ علم) دین (میں پختہ کار اور) فہیم ہیں (وہ ایسی آیتوں کے متعلق یوں کہتے ہیں کہ ہم ان پر) اجمالاً (یقین رکھتے ہیں سب) آیتیں خواہ وہ محکم ہوں یا متشابہ ہوں (ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں) پس ان کے جو کچھ معنی اور مراد فی الواقع ہوں وہ حق ہیں (اور نصیحت کی بات کو وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو کہ اہل عقل ہیں) یعنی عقل کا تقاضا بھی یہی ہے

کہ مفید اور ضروری بات میں مشغول ہو نقصان دہ اور فضول باتوں میں نہ لگے۔

متشابہ کی تعریف: کسی متشابہ لفظ یا آیت کی تعریف یہ ہے کہ اس کی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو یقینی طور سے معلوم نہ ہو۔

متشابہ کی اقسام: متشابہ کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب بھی کسی کو معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات دوسرے یہ کہ اس کا لغوی مطلب تو معلوم ہو مگر عقل یا نقل وہ معنی مراد لینے سے مانع ہو۔ پھر اس دوسری قسم کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ اس کا لغوی مطلب واحد ہو جیسے سمع، بصر اور کلام وغیرہ کہ ان میں سے ہر ایک کا معنی ایک ہی ہے متعدد نہیں دوسرے یہ کہ اس کے لغوی مطلب متعدد ہوں یعنی ایک سے زیادہ ہوں۔ پھر متعدد ہونے کی صورت میں یا تو کسی قطعی یا ظنی دلیل سے کسی ایک معنی و مطلب کو ترجیح حاصل ہو گئی ہو یا حاصل نہ ہوئی ہو۔

متشابہ کے احکام: (1) حروف مقطعات میں سب کا مذہب یہی ہے کہ ان میں تفویض واجب ہے یعنی ہم یہ عقیدہ رکھیں کہ ان کا یقینی علم اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے۔

(2) سمع، بصر اور کلام میں سب کے نزدیک ان کی تفسیر کرنا یعنی ان کا لغوی مطلب بتانا جائز ہے مگر اس قید کے ساتھ کہ ہمارا جیسا سننا نہیں اور ہمارا جیسا دیکھنا نہیں اور ہمارا جیسا بولنا نہیں۔ (یعنی جس طرح ہم سننے دیکھنے اور بولنے کیلئے کان، آنکھ اور زبان کے محتاج ہیں اللہ تعالیٰ کسی چیز کے محتاج نہیں)

(3) جس کے لغوی مطلب متعدد ہوں ان میں اگر کسی معنی کو ترجیح نہ دی گئی ہو نہ قطعی دلیل سے اور نہ ہی ظنی دلیل سے تو اس میں بھی سکوت واجب ہے اسی وجہ سے امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ نے اس حدیث کہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں میں دہر ہوں کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں نہیں جانتا دہر سے کیا مراد ہے۔ اور جس میں کسی ایک معنی کو ترجیح دی گئی ہو۔

(ا) اگر اس کو اصل لفظ سے تعبیر کریں تب تو کوئی اختلاف نہیں البتہ احتیاط کے طور پر ابہام کو دور کرنے کے لئے یہ قید یعنی "جو اس کی شایان شان ہے" بڑھا دی جائے۔ مثلاً **استوی علی العرش** جب کہ استواء کے لفظ سے ہی اس کو تعبیر کریں۔

(ب) اور اگر اصل لفظ چھوڑ کر دوسرے لفظ سے تفسیر کی جائے تو اس میں دو مسلک ہیں۔

i- **سلف کا مسلک:** یہ ہے کہ اس سے حقیقی لغوی معنی ہی مراد لئے جائیں مثلاً استواء کے حقیقی معنی استقرار، بلند ہونا اور توجہ کرنا یہ تینوں ہیں اور یہ تینوں استواء کی تفسیریں ہیں پھر کسی دلیل سے ان میں سے

کسی ایک کو ترجیح دی گئی ہو۔ان کے ساتھ بھی ہمارا جیسا استقرار نہیں اور ہمارا جیسا بلند ہونا نہیں اور ہمارا جیسا متوجہ ہونا نہیں کی قید بھی لگے گی۔

ii- متاخرین کا مسلک: یہ ہے کہ اصل مسلک تو وہی ہے جو سلف کا ہے لیکن وہ لوگ جن کی عقلیں کمزور ہیں اور اصل معنی کو سمجھنے میں ان کو دشواری ہوتی ہے تو ان کی تشویش کو دور کرنے کے لئے اس کا مجازی یا کنائی مطلب لیتے ہیں مثلاً استواء سے غلبہ مراد لینا۔

فائدہ: پس روح اللہ اور کلمۃ اللہ بھی ایسے ہی متشابہ کلمات میں سے ہیں۔البتہ عقلی اور شرعی قواعد پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی مراد کا حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام ذی روح ہیں اور ان کے وجود کا سبب اللہ تعالیٰ کا امر اور کلمہ (کن) ہے۔

ربط: آگے ان حق پرستوں کا دوسرا کمال ذکر ہے کہ علمی کمال رکھنے کے باوجود اس پر مغرور نہیں تھے بلکہ اللہ تعالیٰ سے حق پر استقامت کی دعا کرتے تھے۔

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً ۚ اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ﴿۸﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ جَامِعُ النَّاسِ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿۹﴾

ترجمہ: "اے رب ہمارے نہ ٹیڑھا کر ہمارے دلوں کو بعد اس کے جب ہدایت کر چکا تو ہم کو اور عنایت کر ہم کو اپنے پاس سے رحمت۔ تو ہی ہے سب کچھ دینے والا۔اے رب ہمارے تو جمع کرنے والا ہے لوگوں کو ایک دن میں جس میں کچھ شبہ نہیں، بے شک اللہ خلاف نہیں کرتا وعدہ کا۔

تفسیر: (اے ہمارے پروردگار ہمارے دلوں کو کج نہ کیجئے، بعد اس کے کہ آپ ہم کو) حق کی طرف ہدایت کر چکے ہیں اور ہم کو اپنے پاس سے رحمت) خاصہ (عطا فرمائیے) وہ رحمت یہ ہے کہ راہ مستقیم پر قائم رہیں (بلاشبہ آپ بڑے عطا فرمانے والے ہیں، اے ہمارے پروردگار!) ہم کجی سے بچنے کی اور حق پر قائم رہنے کی دعا کسی دنیاوی غرض سے نہیں مانگتے، بلکہ محض آخرت کی نجات کے واسطے مانگتے ہیں کیونکہ ہمارا عقیدہ ہے کہ (آپ بلاشبہ تمام آدمیوں کو) میدان حشر میں (جمع کرنے والے ہیں اس دن میں جس) کے آنے (میں ذرا شک نہیں) یعنی قیامت کے دن میں اور شک نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے آنے کا اللہ تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے اور (بلاشبہ اللہ تعالیٰ خلاف نہیں کرتے وعدہ کا) اس لئے قیامت کا آنا ضرور ہے اور اس واسطے ہم کو اس کی فکر ہے۔

ربط: یہاں تک زبانی جہاد کا بیان تھا۔ آگے تلوار کے ساتھ جہاد کا بیان ہے اور منکرین توحید و رسالت کے لئے وعید ہے جو صراحت کے ساتھ بارہویں آیت میں مذکور ہے۔ اس سے پہلے کی آیت بطور تمہید ہے۔

اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَ لَاۤ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَیْــٴًـاؕ وَ اُولٰٓىٕكَ هُمْ وَ قُوْدُ النَّارِۙ ﴿۱۰﴾ كَدَاْبِ اٰلِ فِرْعَوْنَۙ وَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِهِمْؕ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَاۚ فَاَخَذَهُمُ اللّٰهُ بِذُنُوْبِهِمْؕ وَ اللّٰهُ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۱۱﴾ قُلْ لِّلَّذِیْنَ كَفَرُوْا سَتُغْلَبُوْنَ وَ تُحْشَرُوْنَ اِلٰى جَهَنَّمَؕ وَ بِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہر گز کام نہ آئیں گے ان کو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلے میں کچھ بھی اور وہی ہیں ایندھن دوزخ کے (ان کا معاملہ ایسا ہے) جیسے معاملہ فرعون والوں کا اور جو ان سے پہلے تھے۔ جھٹلایا انہوں نے ہماری آیتوں کو تو پکڑا ان کو اللہ نے ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ سخت عذاب والا ہے۔ کہہ دے کافروں کو کہ جلد تم مغلوب ہو گے اور جمع کئے جاؤ گے دوزخ کی طرف اور کیا برا ہے ٹھکانا۔

تفسیر: (بلا شبہ جو لوگ کفر کرتے ہیں ہر گز ان کے کام نہیں آسکتے ان کے مال) دولت (اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں ذرہ برابر بھی۔ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن ہوں گے) ان لوگوں کا معاملہ ایسا ہے (جیسا معاملہ تھا فرعون والوں کا اور ان سے پہلے والے) کافر (لوگوں کا)۔ وہ معاملہ یہ تھا (کہ انہوں نے ہماری آیتوں کو) یعنی اخبار و احکام کو (جھوٹا بتلایا، اس پر اللہ تعالیٰ نے ان کی گرفت فرمائی ان کے گناہوں کے سبب اور اللہ تعالیٰ) کی گرفت بڑی سخت ہے، کیونکہ ان کی شان یہ ہے کہ وہ (سخت سزا دینے والے ہیں)۔ اس طرح معاملہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے ہماری آیتوں کی تکذیب کی، سو ان کو بھی ایسی ہی سزا ہو گی اور (ان کفر کرنے والے لوگوں سے) یوں بھی (فرما دیجئے کہ) تم یہ نہ سمجھنا کہ یہ پکڑ صرف آخرت میں ہو گی، بلکہ یہاں اور وہاں دونوں جگہ ہو گی، چنانچہ دنیا میں (عنقریب تم) مسلمانوں کے ہاتھ سے (مغلوب کئے جاؤ گے اور) آخرت میں (جہنم کی طرف جمع کر کے لے جائے جاؤ گے اور) جہنم کیا (ہی برا ٹھکانا ہے)

فائدہ: آیت میں کفار سے مراد خاص کفار ہیں جن سے یہ خطاب ہوا تھا چنانچہ مشرکین پر قتل اور قید کی مصیبت اور یہود پر قتل و قید کے ساتھ جزیہ اور جلاوطنی کی بھی سزا ہوئی۔

ربط: اوپر کفار کے مغلوب ہونے کی خبر دی گئی ہے۔ آگے اس کی ایک مثال بطور دلیل کے بیان فرماتے ہیں۔

قَدْ كَانَ لَكُمْ اٰيَةٌ فِىْ فِئَتَيْنِ الْتَقَتَا ۭ فِئَةٌ تُقَاتِلُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَاُخْرٰى كَافِرَةٌ يَّرَوْنَهُمْ مِّثْلَيْهِمْ رَاْىَ الْعَيْنِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤَيِّدُ بِنَصْرِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ فِىْ ذٰلِكَ لَعِبْرَةً لِّاُولِى الْاَبْصَارِ ﴿۱۳﴾

ترجمہ: بے شک گذر چکا ہے تمہارے سامنے بڑا نمونہ دو فوجوں میں جو ایک دوسرے کے مقابل ہوئیں، ایک فوج لڑتی ہے اللہ کی راہ میں اور دوسری فوج کافروں کی ہے۔ دیکھتے ہیں یہ اپنے کو مسلمانوں سے دو چند صریح آنکھوں سے اور اللہ قوت دیتا ہے اپنی مدد سے جس کو چاہے، اسی میں عبرت ہے دیکھنے والوں کے لئے۔

تفسیر: (بے شک تمہارے) استدلال کے (لئے بڑا نمونہ گذر چکا ہے دو گروہوں) کے واقعہ (میں جو کہ باہم) بدر کی لڑائی میں (ایک دوسرے سے مقابل ہوئے تھے، ایک گروہ تو) یعنی مسلمان (اللہ کی راہ میں لڑتے تھے اور دوسرا گروہ کافر لوگ تھے) اور کافر تعداد میں اس قدر زیادہ تھے کہ (یہ کافر اپنے) گروہ (کو دیکھ رہے تھے کہ ان مسلمانوں سے کئی حصے) زیادہ (ہیں) اور دیکھنا بھی کچھ وہم وخیال کا نہیں بلکہ (کھلی آنکھوں دیکھنا) جس کے واقعی ہونے میں شبہ نہیں تھا لیکن کفار کے اس قدر زیادہ تعداد میں ہونے کے باوجود پھر بھی اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غالب کیا (اور) غالب اور مغلوب کرنا محض قبضہ خداوندی میں ہے (اللہ تعالیٰ اپنی امداد سے جس کو چاہتے ہیں قوت دیتے ہیں) سو (بلاشک اس) واقعہ (میں بڑی عبرت ہے) اور نمونہ (ہے دیکھنے والوں کے لئے)

فائدہ: جنگ بدر میں مسلمان تین سو تیرہ تھے اور کفار ایک ہزار تھے یعنی تین گنا سے بھی زیادہ تھے۔ اس آیت میں اسی کثرت کو بیان فرمایا ہے کہ کفار آنکھوں سے مشاہدہ کرتے تھے کہ ہماری جماعت زیادہ ہے مگر پھر بھی انجام دیکھ لیا کہ مسلمان ہی غالب رہے۔ اس سے ہر منصف عاقل استدلال کر سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے دین کو غالب کرنا چاہتے ہیں تو کفار کی کثرت اور مالداری اس کو روک نہیں سکتی۔

ربط: اوپر آیت اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لَنْ تُغْنِیَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ میں اموال واولاد کا آخرت میں کام نہ آنا بیان فرمایا تھا جس سے ان چیزوں کا بے قدر ہونا لازم آیا تھا۔ اب آگے اسی بات کو صراحت کے ساتھ ذکر کرتے ہیں۔ اور اس کے بعد آخرت کی نعمتوں کا قابل قدر اور قابل رغبت ہونا اور ان نعمتوں کا تقویٰ سے حاصل ہونا ذکر فرمایا اور اس کے بعد تقویٰ کی کچھ تفصیل کی اس طرح سے کہ اس کے بعض شعبے مثلاً ایمان اور مناجات اور صبر اور صدق اور قنوت اور انفاق اور استغفار ذکر کئے۔

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوٰتِ مِنَ النِّسَآءِ وَالْبَنِيْنَ وَالْقَنَاطِيْرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْاَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ؕ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ ﴿۱۴﴾ قُلْ اَؤُنَبِّئُكُمْ بِخَيْرٍ مِّنْ ذٰلِكُمْ ؕ لِلَّذِيْنَ اتَّقَوْا عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَاَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ وَّرِضْوَانٌ مِّنَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿۱۵﴾ اَلَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اِنَّنَآ اٰمَنَّا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۶﴾ اَلصّٰبِرِيْنَ وَالصّٰدِقِيْنَ وَالْقٰنِتِيْنَ وَالْمُنْفِقِيْنَ وَالْمُسْتَغْفِرِيْنَ بِالْاَسْحَارِ ﴿۱۷﴾

ترجمہ: خوشنما کر دی گئی ہے لوگوں کیلئے مرغوب چیزوں کی محبت جیسے عورتیں اور بیٹے اور خزانے جمع کئے ہوئے سونے اور چاندی کے اور گھوڑے نشان لگائے ہوئے اور مویشی اور کھیتی۔ یہ سامان ہے دنیا کی زندگی کا اور اللہ ہی کے پاس ہے خوبی انجام کی۔ کہہ دے کیا بتاؤں میں تم کو اس سے بہتر۔ پرہیزگاروں کے لئے انکے رب کے ہاں باغ ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور عورتیں ہیں ستھری کی ہوئی اور رضامندی ہے اللہ کی اور اللہ نگاہ رکھے ہوئے ہیں بندوں پر۔ وہ جو کہتے ہیں اے رب ہمارے ہم ایمان لے آئے سو بخش دے ہم کو گناہ ہمارے اور بچا ہم کو دوزخ کے عذاب سے اور صبر کرنیوالے ہیں اور سچے ہیں اور حکم بجالانے والے ہیں اور خرچ کرنے والے ہیں اور گناہ بخشوانے والے ہیں پچھلی رات میں۔

تفسیر: (خوشنما معلوم ہوتی ہے) اکثر (لوگوں کو محبت مرغوب چیزوں کی) مثلاً (عورتیں ہوئیں بیٹے ہوئے، لگے ہوئے ڈھیر ہوئے سونے اور چاندی کے، نشان لگے ہوئے گھوڑے ہوئے) یا دوسرے (مویشی ہوئے اور زراعت ہوئی) لیکن (یہ سب استعمالی چیزیں ہیں دنیوی زندگانی کی اور انجام کار کی خوبی) کی چیز (تو اللہ ہی کے پاس ہے) جو موت کے بعد کام آئے گی جس کی تفصیل اگلی آیت میں آتی ہے (آپ) ان لوگوں سے یہ (فرما دیجئے کیا میں تم کو ایسی چیز بتا دوں جو) بدرجہا (بہتر ہو ان) مذکورہ (چیزوں سے) سو سنو (ایسے لوگوں کے لئے جو) اللہ تعالیٰ سے (ڈرتے ہیں ان کے مالک) حقیقی (کے پاس ایسے باغ ہیں) یعنی بہشت (جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان) بہشتوں (میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے رہیں گے) اور ان کے لئے (ایسی بیویاں ہیں جو) ہر طرح سے یعنی جسمانی گندگیوں سے بھی اور اخلاقی عیوب سے بھی پاک اور (صاف ستھری کی ہوئی ہیں اور) ان کے لئے (خوشنودی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے) بھالتے (ہیں بندوں) کے حال (کو) اس لئے ڈرنے والوں کی یہ نعمتیں دیں گے، آگے ان ڈرنے والوں کی بعض صفات تفصیل سے ذکر کی جاتی ہیں۔ یہ (ایسے لوگ) ہیں (جو کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے اور ہم کو دوزخ کے عذاب سے بچا لیجئے) اور وہ لوگ (صبر کرنے والے ہیں اور راستباز ہیں اور) اللہ تعالیٰ کے سامنے (اطاعت گزاری کرنے والے ہیں اور) نیک کاموں میں مال کے (خرچ کرنے والے ہیں اور اخیر شب میں) اٹھ اٹھ کر (گناہوں کی معافی چاہنے والے ہیں)

فائدہ: 1- یہ جو فرمایا کہ ان چیزوں کی محبت خوشنما معلوم ہوتی ہے تو اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ محبت و میلان اکثر حالات میں لغزش کا باعث ہو جانے کی وجہ سے ڈر کی چیز تھی مگر اکثر لوگ اس کو ضرر کا سبب نہیں جانتے بلکہ اس کو ہر حال میں اچھا سمجھتے ہیں۔

2- یہ جو کہا کہ ہم ایمان لے آئے سو آپ ہمارے گناہوں کو معاف کر دیجئے یہ اس وجہ سے ہے کہ ایمان کے بغیر مغفرت نہیں ہوتی۔

ربط: صورت کے شروع کے حصہ میں نصاری کے مقابلہ و مناظرہ میں توحید کا اثبات اور اسکے ضمن میں تثلیث کا ابطال کیا گیا ہے اور درمیان کے مضامین اسی کی مناسبت سے لائے گئے تھے۔ اب اسی توحید کے مضمون کی طرف لوٹتے ہیں اور اس کے بعد کی آیتوں میں بالترتیب یہ باتیں ذکر کیں (1) اسلام کے حق ہونے کی تصریح اور (2) اہل کتاب کی حجت بازی کا جواب۔ پھر (3) حق کے قبول نہ کرنے والوں کی مذمت پر تتمہ کے

طور پر اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی اوراس کے مستبعد سمجھنے کو قدرت کاملہ کے اثبات کے ساتھ دور کرنا پھر (5) مومنین کو کفار کی دوستی سے ممانعت پھر (6) توحید کا رسول کے اتباع کے بغیر معتبر نہ ہونا پھر (7) رسول اللہ ﷺ کی رسالت اور محبوبیت کی تائید کے لئے چند مقبولین کے قصے۔

توحید کے مضمون کے طرف رجوع

شَهِدَ اللّٰهُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۙ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَاُولُوا الْعِلْمِ قَآئِمًا بِالْقِسْطِ ؕ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ: گواہی دی اللہ نے کہ کوئی لائق بندگی نہیں اس کے سوااور فرشتوں نے اور علم والوں نے بھی (اس شان سے کہ) وہی قائم کرنے والا ہے عدل کا۔ کوئی لائق بندگی نہیں سوااس کے۔ زبردست ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (گواہی دی ہے اللہ تعالیٰ نے) کتب سماویہ میں (اس) مضمون (کی کہ سوائے اس ذات) پاک (کے کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں اور فرشتوں نے بھی) اپنے ذکر و تسبیح میں اس کی گواہی دی ہے کیونکہ ان کے اذکار توحید سے بھرے ہوئے ہیں (اور) دوسرے (اہل علم نے بھی) اپنی تقریرات و تحریرات میں اس کی گواہی دی ہے جیسا کہ ظاہر ہے (اور معبود بھی وہ اس شان سے ہیں کہ) ہر چیز کا (عدل واعتدال کے ساتھ انتظام رکھنے والے ہیں) یعنی وہ ایسے نہیں کہ صرف اپنی تعظیم وعبادت ہی کراتے ہوں بلکہ وہ سب کے کام بھی بناتے ہیں اور ایک مرتبہ پھر کہا جاتا ہے کہ (ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں وہ زبردست ہیں حکمت والے ہیں۔

فائدہ: یہ نقلی دلیل خاص اہل کتاب کے مقابلہ میں ہے جو نقلی دلائل کے منکر نہ تھے۔ رہے توحید کے عقلی دلائل تو وہ اور دوسرے مواقع پر مذکور ہیں۔

1- اسلام کے حق ہونے کی تصریح

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللّٰهِ الْاِسْلَامُ ۗ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًۢا بَيْنَهُمْ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹﴾

ترجمہ: بے شک دین جو ہے اللہ کے یہاں (سو یہی) اسلام ہے اور مخالف نہیں ہوئے جو دیئے گئے کتاب مگر اس کے بعد کہ آچکا ان کے پاس علم، آپس کی ضد اور حسد سے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کے حکموں کا تو اللہ جلدی حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (بلا شبہ) حق اور مقبول (دین اللہ تعالیٰ کے نزدیک صرف اسلام ہی ہے اور) اس کے حق ہونے میں اہل اسلام کے ساتھ (اہل کتاب نے جو اختلاف کیا) اس طرح سے کہ اسلام کو باطل کہا (تو ایسی حالت کے بعد کہ ان کو) اسلام کے حق ہونے کی (دلیل پہنچ چکی تھی، محض آپس کی ضد اور حسد کی وجہ سے) یعنی اسلام کے حق ہونے میں شبہ کی کوئی وجہ نہیں ہوئی بلکہ ان میں باہمی ضد اور حسد کی وجہ سے دوسروں سے بڑا بننے کا مادہ ہے اور اسلام لانے میں یہ سرداری جو ان کو اب عوام پر حاصل ہے فوت ہوتی تھی اس لئے اسلام کو قبول نہیں کیا بلکہ الٹا اس کو باطل بتانے لگے (اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے احکام کا انکار کرے گا) جیسا ان لوگوں نے کیا (تو بلا شبہ اللہ تعالیٰ بہت جلد) اس کا (حساب لینے والے ہیں) اور ظاہر ہے کہ ایسے شخص کے حساب کا انجام عذاب ہوگا۔

(2) مخالفین کی حجت بازی کا جواب

فَإِنْ حَاجُّوكَ فَقُلْ أَسْلَمْتُ وَجْهِيَ لِلَّهِ وَمَنِ اتَّبَعَنِ ۗ وَقُلْ لِلَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ وَالْأُمِّيِّينَ أَأَسْلَمْتُمْ ۚ فَإِنْ أَسْلَمُوا فَقَدِ اهْتَدَوْا ۖ وَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِالْعِبَادِ ﴿٢٠﴾

ترجمہ: پھر بھی اگر تجھ سے جھگڑیں تو کہہ دے میں نے تابع کیا اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور انہوں نے بھی کہ جنہوں نے میری پیروی کی۔ اور کہہ دے ان کو جو دیئے گئے کتاب اور ان پڑھوں کو کہ کیا تم بھی تابع ہوتے ہو۔ پھر اگر وہ تابع ہو جائیں تو انہوں نے سیدھی راہ پائی اور اگر منہ پھیریں تو تیرے ذمہ صرف پہنچا دینا ہے اور اللہ نگاہ میں رکھے ہوئے ہیں بندوں کو۔

تفسیر: اسلام کی حقانیت پر دلیل قائم ہونے کے بعد (پھر بھی اگر یہ لوگ آپؐ سے خواہ مخواہ کا جھگڑا کریں اور (حجتیں نکالیں تو آپ) جواب میں (فرما دیجئے کہ) تم مانو یا نہ مانو (میں تو اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکا اور جو میرے پیرو تھے وہ بھی) اپنا رخ خاص اللہ کی طرف کر چکے، یہ کنایہ ہے اس سے کہ ہم سب اسلام اختیار کر چکے، جس میں اعتقاد الوہیت کے اعتبار سے قلب کا رخ خاص اللہ ہی کی طرف ہوتا

ہے، کیونکہ دوسرے مذاہب میں کچھ کچھ شرک شامل ہو گیا تھا (اور) اس جواب کے بعد اب سوال کے طور پر (کہئے اہل کتاب سے اور ان پڑھوں) یعنی مشرکین عرب (سے کہ کیا تم بھی اسلام لاتے ہو؟ سو اگر وہ لوگ اسلام لے آئیں تو وہ لوگ بھی راہ) راست پر (آجائیں گے اور اگر وہ لوگ) اس سے بدستور (روگردانی رکھیں سو) آپ اس کا بھی غم نہ کیجئے، کیونکہ (آپ کے ذمہ صرف) احکام خداوندی کا (پہنچادینا ہے اور) آگے (اللہ تعالیٰ خود دیکھ) اور سمجھ (لیں گے) اپنے (بندوں کو) آپؐ سے کوئی باز پرس نہیں ہے۔

فائدہ: یہ خیال ہو کہ منکرین کے مقابلہ میں اتنا کہہ دینا کب کافی ہو سکتا ہے کہ اگر تم نہیں مانتے تو میں تو مان چکا ہوں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ یہ ہر منکر کے مقابلہ میں نہیں فرمایا گیا بلکہ خاص ان منکرین کے مقابلہ میں جن کا انکار کسی شبہ سے نہ تھا بلکہ دلائل قائم ہونے کے بعد محض عناد اور عداوت سے تھا۔ جب ان کو کوئی شبہ نہیں تو ان کے سامنے دلائل کو مکرر بیان کرنا بے کار ہے۔ اس وقت یہی آخری جواب ہے کہ خیر تم نہیں مانتے تو نہ مانو ہم تو مان چکے۔

(3) حق قبول نہ کرنے والوں کی مذمت

ربط: شروع سورت میں کلام کا زیادہ رخ نصاریٰ کی طرف تھا، پھر آیت بالا میں الذین اوتوا الکتب کا عنوان نصاریٰ اور یہود دونوں کو شامل تھا، اب ان آیات میں یہود کے بعض خاص احوال کا بیان ہے۔ اس آیت کی تفسیر میں خود حضور ﷺ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل نے تینتالیس نبیوں کو ایک وقت میں قتل کیا، ان کی نصیحت کے لئے ایک سو ستر بزرگ کھڑے ہوئے، اسی دن ان کا بھی کام تمام کر دیا۔

إِنَّ الَّذِينَ يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَيَقْتُلُونَ الَّذِينَ يَأْمُرُونَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ أَلِيمٍ ﴿٢١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمَا لَهُمْ مِنْ نَاصِرِينَ ﴿٢٢﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ انکار کرتے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو ناحق اور قتل کرتے ہیں ان کو جو حکم کرتے ہیں عدل کرنے کا لوگوں میں سے سو خوشخبری سنا دے ان کو عذاب دردناک کی۔ یہی ہیں کہ ضائع ہوئے عمل ان کے دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی

نہیں ہوگا ان کا مددگار۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کی آیات کے ساتھ) جیسے یہود کہ انجیل اور قرآن کو نہیں مانتے تھے (اور قتل کرتے ہیں پیغمبروں کو) اور وہ قتل کرنا خود ان کے خیال میں بھی (ناحق) ہوتا ہے (اور) نیز (قتل کرتے ہیں ایسے شخصوں کو جو) افعال و اخلاق کے (عدل و اعتدال کی تعلیم دیتے ہیں، سو ایسے لوگوں کو خبر سنا دیجئے ایک دردناک سزا کی) اور (یہ وہ لوگ ہیں کہ) مذکورہ افعال کے مجموعہ کے سبب سے (ان کے سب اعمال) صالحہ (غارت ہوگئے دنیا میں) بھی (اور آخرت میں) بھی (اور) سزا کے وقت (ان کا کوئی حامی و مددگار نہ ہوگا)

فائدہ: دنیا میں غارت ہونا یہ ہے کہ ان کے ساتھ اہل اسلام کا سا معاملہ نہ ہوگا اور آخرت میں یہ کہ ان کی مغفرت نہ ہوگی۔

یہود کی تقبیح و مذمت کا تتمہ

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُدْعَوْنَ اِلٰى كِتٰبِ اللّٰهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ يَتَوَلّٰى فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ وَهُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۲۳﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ۪ وَّغَرَّهُمْ فِىْ دِيْنِهِمْ مَّا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۲۴﴾ فَكَيْفَ اِذَا جَمَعْنٰهُمْ لِيَوْمٍ لَّا رَيْبَ فِيْهِ ۣ وَوُفِّيَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۵﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان لوگوں کو جن کو دیا گیا ایک حصہ کتاب کا وہ بلائے جاتے ہیں اللہ کی کتاب کی طرف تاکہ وہ کتاب ان کے درمیان حکم کرے پھر منہ پھیرتے ہیں بعضے ان میں سے اعراض کرتے ہوئے۔ یہ اس واسطے ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم کو ہرگز نہ لگے گی آگ (دوزخ کی) مگر چند دن گنتی کے اور دھوکہ دیا ان کو ان کے دین میں ان باتوں نے جو وہ گھڑتے تھے۔ پھر کیا حال ہوگا جب ہم ان کو جمع کریں گے ایک دن کہ اس کے آنے میں کچھ شبہ نہیں اور پورا دیا جائے گا ہر کوئی جو اس نے کیا اور ان کی حق تلفی نہ کی جائے گی۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (کیا آپ نے ایسے لوگ نہیں دیکھے جن کو کتاب) سماوی یعنی تورات (کا ایک) کافی (حصہ دیا گیا) کہ اگر ہدایت کے طالب ہوتے تو وہ حصہ اس غرض کی تکمیل کے لئے کافی تھا۔ اور اس کو ایک حصہ اس وجہ سے کہا کہ باقی میں لفظی یا معنوی تحریف ہو چکی تھی (اور اسی کتاب اللہ کی طرف اس غرض سے ان کو بلایا بھی جاتا ہے کہ وہ ان کے درمیان) مذہبی اختلاف کا (فیصلہ کر دے۔ پھر بھی (ان میں سے بعض لوگ انحراف کرتے ہیں بے رخی کرتے ہوئے) اور (یہ) بے اعتنائی (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ یوں کہتے ہیں) اور یہی ان کا اعتقاد ہے (کہ ہم کو صرف گنتی کے تھوڑے دنوں تک دوزخ کی آگ لگے گی) پھر مغفرت ہو جائے گی (اور ان کو دھوکہ میں ڈال رکھا ہے ان کے دین کے بارے میں ان کی تراشی ہوئی باتوں نے) جیسے اسی تراشے ہوئے عقیدہ نے ان کو دھوکہ دیا کہ ہم انبیاء کی اولاد ہیں اور اس خاندانی بزرگی کی وجہ سے ہماری نجات ضرور ہو جائے گی، اس کے نتیجہ میں وہ کتاب اللہ سے مزید بے اعتنائی کرنے لگے (سو) ان کفریہ احوال وافعال واقوال کے سبب (ان کا کیا) برا (حال ہو گا جب کہ ہم ان کو اس دن میں جمع کرلیں گے جس) کے آنے (میں ذرا شبہ نہیں اور) اس دن میں (پورا پورا بدلہ دیا جائے گا ہر شخص کو جو کچھ اس نے دنیا میں کیا تھا اور ان لوگوں پر) بدلہ کے وقت بالکل (ظلم نہ کیا جائے گا) کہ نہ تو حق میں کوئی کمی کی جائے گی اور نہ بلا جرم یا جرم سے زیادہ سزا ہو گی۔

(5) اہل اسلام کے غلبہ کی پیشین گوئی

دعا کے عنوان سے اور اللہ تعالیٰ کو اس پر قدرت ہونا

قُلِ اللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِی الْمُلْكَ مَنْ تَشَآءُ وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَآءُ ۫ وَتُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ ؕ بِیَدِكَ الْخَیْرُ ؕ اِنَّكَ عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۶﴾ تُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ فِی الَّیْلِ ۫ وَتُخْرِجُ الْحَیَّ مِنَ الْمَیِّتِ وَتُخْرِجُ الْمَیِّتَ مِنَ الْحَیِّ ۫ وَتَرْزُقُ مَنْ تَشَآءُ بِغَیْرِ حِسَابٍ ﴿۲۷﴾

ترجمہ: تو کہہ یا اللہ مالک سلطنت کے تو سلطنت دیتا ہے جس کو چاہے اور سلطنت چھین لیتا ہے جس سے چاہے اور عزت دیتا ہے جس کو چاہے اور ذلیل کرتا ہے جس کو چاہے۔ تیرے

ہاتھ میں ہے سب خیر۔ بے شک تو ہر چیز پر قادر ہے۔ تو داخل کرتا ہے رات کو دن میں اور داخل کرتا ہے دن کو رات میں اور تو نکالتا ہے زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے اور تو رزق دیتا ہے جس کو چاہتا ہے بے شمار۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) اللہ تعالیٰ سے (یوں کہئے کہ اے اللہ مالک تمام ملک کے آپ ملک) کا جتنا حصہ چاہیں (جس کو چاہیں دیدیتے ہیں اور جس) کے قبضہ (سے چاہیں ملک) کا حصہ (لے لیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں غالب کردیتے ہیں اور جس کو آپ چاہیں پست کردیتے ہیں آپ ہی کے اختیار میں ہے سب بھلائی، بلاشبہ آپ ہر چیز پر پوری قدرت رکھنے والے ہیں، آپ) بعض موسموں میں (رات) کے اجزاء (کو دن میں داخل کردیتے ہیں) جس سے دن بڑا ہونے لگتا ہے (اور) بعض موسموں میں (دن) کے اجزاء (کو رات میں داخل کردیتے ہیں) جس سے رات بڑھنے لگتی ہے (اور آپ جان دار چیز کو بے جان سے نکال لیتے ہیں) جیسی انڈے سے بچہ (اور بے جان چیز کو جان دار سے نکال لیتے ہیں) جیسے (پرندہ سے) انڈہ (اور آپ جس کو چاہتے ہیں بے شمار رزق عطا فرماتے ہیں) یعنی ہر طرح کی قدرت ہے تو کمزوروں کو قوت وسلطنت دے دینا کیا مشکل ہے۔

فائدہ: خیر اور بھلائی کی تخصیص اس لئے مناسب ہوئی کہ یہاں خیر کا مانگنا مقصو ہے۔

6- مومنین کو کفار کے ساتھ دوستی سے ممانعت

کیونکہ جب کفار کی قباحتیں مثلاً آیات کا انکار اور اللہ ورسول سے عداوت وغیرہ معلوم ہو چکی تو ایسے قبیح اور برے اور خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کہاں مناسب ہے۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ

مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللّٰهِ فِيْ شَيْءٍ اِلَّآ اَنْ تَتَّقُوْا مِنْهُمْ تُقٰىةً ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ الْمَصِيْرُ ﴿۲۸﴾ قُلْ اِنْ تُخْفُوْا مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ اَوْ تُبْدُوْهُ يَعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَيَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۹﴾ يَوْمَ تَجِدُ كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ مِنْ خَيْرٍ

مُّحْضَرًا ۚۖۛ وَّمَا عَمِلَتْ مِنْ سُوْٓءٍ ۚۛ تَوَدُّ لَوْ اَنَّ بَيْنَهَا وَبَيْنَهٗۤ اَمَدًاۢ بَعِيْدًا ؕ وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفْسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝۳۰

ترجمہ: نہ بنائیں مسلمان کافروں کو دوست مسلمانوں کو چھوڑ کر اور جو کوئی یہ کام کرے تو نہیں اس کو اللہ سے کوئی تعلق مگر اس حالت میں کہ کرتے ہو تم ان سے بچاؤ۔ اور اللہ تم کو ڈراتا ہے اپنے سے اور اللہ ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ تو کہہ اگر تم چھپاؤ گے اپنے سینوں کی بات یا اسے ظاہر کرو گے جانتا ہے اس کو اللہ اور اس کو معلوم ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔ جس دن پائے گا ہر شخص جو کچھ کہ کی ہے اس نے نیکی اپنے سامنے پیش کی ہوئی اور جو کچھ کہ کی ہے اس نے برائی۔ آرزو کرے گا کہ اس کے درمیان اور اس دن کے درمیان پڑ جائے مسافت دور کی اور ڈراتا ہے تم کو اللہ اپنے سے اور اللہ بہت مہربان ہے بندوں پر۔

تفسیر: (مسلمانوں کو چاہئے کہ) ظاہراً یا باطناً (کفار کو دوست نہ بنائیں مسلمانوں) کی دوستی (سے تجاوز کر کے) یہ تجاوز دو صورت سے ہوتا ہے، ایک یہ کہ مسلمانوں سے بالکل دوستی نہ رکھیں، دوسری یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ بھی دوستی ہو اور کفار کے ساتھ بھی، دونوں صورتیں ممانعت میں داخل ہیں (اور جو شخص ایسا) کام (کرے گا سو وہ اللہ کے ساتھ دوستی رکھنے کے کسی شمار میں نہیں) کیونکہ جن دو شخصوں میں باہم عداوت ہو ایک سے دوستی کر کے دوسرے سے دوستی کا دعویٰ قابل اعتماد نہیں ہو سکتا (مگر ایسی صورت میں) ظاہری دوستی کی اجازت ہے (کہ تم ان) کے شر اور ضرر (سے) اس طریقے سے (بچاؤ کرتے ہو اور اللہ تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات سے ڈراتا ہے) کہ اس کی ذات سے ڈر کر احکام کی مخالفت مت کرو (اور خدا ہی کی طرف لوٹ کر جانا ہے) اس وقت کی سزا کا خوف کرنا ضروری ہے (آپ) ان سے (فرما دیجئے کہ اگر تم) دل ہی دل میں (پوشیدہ رکھو گے اپنا مافی الضمیر یا اس) کو زبان و جوارح سے (ظاہر کرو گے اللہ تعالیٰ اس کو) ہر حال میں (جانتے ہیں اور) اسی کی کیا تخصیص ہے (وہ تو سب کچھ جانتے ہیں جو کچھ کہ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے) کوئی چیز اگرچہ وہ کفار کے ساتھ دوستی ہی ہو ان سے مخفی نہیں (اور) علم کے ساتھ (اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت بھی کامل رکھتے ہیں) سو اگر تم کسی امر قبیح کا ارتکاب کرو گے خواہ ظاہراً یا باطناً جس میں کفار کے ساتھ دوستی بھی شامل ہے تو وہ تم کو سزا دے سکتے ہیں

(جس روز) ایسا ہو گا (کہ ہر شخص اپنے اچھے کئے ہوئے کاموں کو سامنے لایا ہوا پائے گا اور اپنے برے کئے ہوئے کاموں کو) بھی پائے گا۔ اس روز (اس بات کی تمنا کرے گا کہ کیا خوب ہوتا جو اس شخص کے اور اس روز کے درمیان دور دراز کی مسافت) حائل (ہوتی تاکہ اپنے اعمال بد کا معائنہ نہ کرنا پڑتا (اور) تم سے پھر مکرر کہا جاتا ہے کہ (خدا تعالیٰ تم کو اپنی) عظیم الشان (ذات) سے ڈراتے ہیں اور یہ ڈرانا اس وجہ سے ہے کہ (اللہ تعالیٰ) اپنے (بندوں) کے حال (پر نہایت مہربان ہیں) اور اس مہربانی سے اس بات کو پسند کرتے ہیں کہ یہ سزائے آخرت سے بچے رہیں اور بچنے کا طریقہ ہے اعمال بد کا ترک کرنا جو عام طور سے ڈرانے کے بغیر نہیں ہوتا اس لئے ڈراتے ہیں۔ تو یہ ڈرانا عین شفقت و رحمت ہے۔

فائدہ: کفار کے ساتھ حسن سلوک میں تین قسم کے معاملے ہوتے ہیں (1) موالات یعنی دلی دوستی (2) مدارات یعنی ظاہری دوستی و خوش خلقی (3) مواسات یعنی احسان و نفع رسانی۔

ان معاملات میں یہ تفصیل ہے۔

i- موالات تو کسی حال میں جائز نہیں۔

ii- مدارات تین حالتوں میں درست ہے۔ ایک دفع ضرر کے واسطے۔ دوسرے اس کافر کی دینی مصلحت یعنی ہدایت کی توقع کے واسطے۔ تیسرے کافر مہمان کے اکرام کے طور پر۔

اپنی مصلحت و منفعت مال یا جاہ کے لئے یہ درست نہیں اور بالخصوص جب کہ اس میں اپنے دینی ضرر کا خوف ہو تو بدرجہ اولی یہ ظاہری دوستی اور میل جول حرام ہے۔

iii- مواسات کا حکم یہ ہے کہ اہل حرب یعنی کفار کے ملک والے کافر کے ساتھ یہ ناجائز ہے اور ذمی کے ساتھ جائز ہے۔

(7) توحید کا رسول کی اتباع کے بغیر معتبر نہ ہونا

قُلْ إِن كُنتُمْ تُحِبُّونَ اللَّهَ فَاتَّبِعُونِي يُحْبِبْكُمُ اللَّهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٣١﴾ قُلْ أَطِيعُوا اللَّهَ وَالرَّسُولَ ۖ فَإِن تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ الْكَافِرِينَ ﴿٣٢﴾

ترجمہ: تو کہہ اگر تم محبت رکھتے ہو اللہ سے تو میرا اتباع کرو محبت کرے گا تم سے اللہ اور بخشے گا گناہ تمہارے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے، تو کہہ اطاعت کیا کرو اللہ کی اور رسول کی پھر اگر

اعراض کریں تو اللہ محبت نہیں کرتا کافروں سے۔

تفسیر: (آپ) لوگوں سے (فرمادیجئے کہ اگر تم) بزعم خود (خدا تعالیٰ سے محبت رکھتے ہو) اور محبت رکھنے کی وجہ سے یہ بھی چاہتے ہو کہ خدا تعالیٰ بھی تم سے محبت کرے (تو تم لوگ) اس مقصد کے لئے اپنے کفر یا سابقہ گناہوں سے توبہ بھی کرو اور پوری طرح (میرا اتباع کرو) کیونکہ اسی کی خاطر مجھے تمہارے لئے نمونہ بنا کر بھیجا گیا ہے۔ جب تم ایسا کرو گے (خدا تعالیٰ تم سے محبت کرنے لگیں گے اور تمہارے سب گناہوں کو معاف کردیں گے اور اللہ بڑے معاف کرنے والے اور بڑی عنایت فرمانے والے ہیں) اور (آپ یہ) بھی (فرمادیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ تعالیٰ کی کہ اصل مقصود تو وہی ہے (اور) اطاعت کیا کرو (رسول کی) یعنی میری اطاعت اس حیثیت سے کرنا ضروری ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں انہوں نے میری معرفت اپنی اطاعت کے طریقے بتائے ہیں (پھر) اس پر بھی (اگر وہ لوگ) آپ کی اطاعت سے جس کا ادنیٰ درجہ رسالت کا اعتقاد رکھنا ہے (اعراض کریں سو) وہ لوگ سن رکھیں کہ (اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں کرتے) اور اس صورت میں یہ لوگ کافر ہوں گے سو ان کو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرنا یا اس کے محبوب ہونے کی ہوس رکھنا محض بے حقیقت ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی رسالت کی تائید میں چند مقبول حضرات کا ذکر

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۳۳﴾ ذُرِّيَّةًۢ بَعْضُهَا مِنْۢ بَعْضٍ ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۳۴﴾

ترجمہ: بے شک اللہ نے منتخب کیا آدم کو اور نوح کو اور ابراہیم کی اولاد کو اور عمران کی اولاد کو سارے جہان پر۔ اولاد تھے ان کے بعض دوسرے بعض کی اور اللہ سننے والا جاننے والا ہے"۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ نے) نبوت کے لئے (منتخب فرمایا ہے) حضرت (آدم) علیہ السلام (اور) حضرت (نوح) علیہ السلام (کو اور) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کی اولاد) میں سے بعضوں (کو) جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام، اور تمام انبیاء بنی اسرائیل حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں، اور ہمارے رسول ﷺ کہ اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں (اور عمران کی اولاد) میں سے بعضوں (کو)۔ اگر یہ عمران حضرت موسیٰ علیہ السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام ہیں، اور اگر یہ عمران

حضرت مریم علیہا السلام کے والد ہیں تو اولاد سے مراد حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام ہیں، غرض ان حضرات کو نبوت کے لئے (تمام جہان) کی مخلوقات پر منتخب فرمایا ہے (بعضے ان میں بعضوں کی اولاد ہیں) جیسے آدم علیہ السلام کی اولاد سب ہیں، اسی طرح نوح علیہ السلام کی اولاد سب ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں اولاد عمران بھی ہے (اور اللہ تعالیٰ خوب سننے والے ہیں خوب جاننے والے ہیں) کہ سب کے قول سنتے ہیں سب کے احوال کو جانتے ہیں، بس جن کے اقوال واحوال کو شان نبوت کے مناسب جانا ان کو نبی بنادیا۔

فائدہ: یہاں یہ بات بتانا مقصود ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے آباؤاجداد میں نبوت رہی ہے اگر آپ کو نبوت مل گئی تو بعید کیا ہے۔

مقبول حضرات میں سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تفصیلی قصہ

إِذْ قَالَتِ امْرَأَتُ عِمْرَانَ رَبِّ إِنِّي نَذَرْتُ لَكَ مَا فِي بَطْنِي مُحَرَّرًا فَتَقَبَّلْ مِنِّي إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿٣٥﴾ فَلَمَّا وَضَعَتْهَا قَالَتْ رَبِّ إِنِّي وَضَعْتُهَا أُنْثَىٰ وَاللَّهُ أَعْلَمُ بِمَا وَضَعَتْ وَلَيْسَ الذَّكَرُ كَالْأُنْثَىٰ وَإِنِّي سَمَّيْتُهَا مَرْيَمَ وَإِنِّي أُعِيذُهَا بِكَ وَذُرِّيَّتَهَا مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ ﴿٣٦﴾

ترجمہ: جب کہا عمران کی عورت نے کہ اے میرے رب میں نے نذر کیا تیرے جو کچھ میرے پیٹ میں ہے آزاد کیا ہوا سو تو مجھ سے قبول کر بے شک تو ہی ہے اصل سننے والا جاننے والا۔ پھر جب اس کو جنا بولی اے میرے رب میں نے تو اس کو لڑکی جنا اور اللہ کو خوب معلوم ہے جو کچھ اس نے جنا اور نہیں ہے بیٹا جیسی وہ بیٹی۔ اور میں نے اس کا نام رکھا مریم اور میں تیری پناہ میں دیتی ہوں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان مردود سے۔

تفسیر: وہ وقت بھی یاد (کرنے کے) قابل ہے (جب) حضرت مریم کے والد (عمران کی بیوی نے) حالت حمل میں حق تعالیٰ سے (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میں نے نذر) یعنی منت (مانی ہے آپ) کی عبادت (کے لئے اس بچے کی جو میرے شکم میں ہے) کہ وہ خانہ خدا کی خدمت کے واسطے (آزاد) فارغ (کیا ہوا) اور میں اس کو اپنے کام میں نہ لگاؤں گی (سو آپ) اس کو (مجھ سے قبول کر لیجئے، بے شک

آپ خوب سننے والے خوب جاننے والے ہیں) کہ میری عرض کو سن رہے ہیں اور میری نیت کو جان رہے ہیں۔ اس زمانہ میں نرینہ اولاد کے ساتھ ایسی نذر ماننا مشروع تھا۔ انہوں نے اس گمان سے نذر مانی تھی کہ شاید لڑکا پیدا ہو (پھر جب) ان خاتون نے (لڑکی جنی) تو ان کو رنج ہوا کہ یہ تو بیت المقدس کی خدمت کے لائق نہیں کیونکہ یہ کام تو مردوں کا ہے، اس لئے حسرت سے (کہنے لگیں کہ اے میرے پروردگار! میں نے تو حمل سے لڑکی جنی) حق تعالی فرماتے ہیں کہ وہ اپنے خیال سے حسرت کر رہی تھیں (حالانکہ خدا تعالی زیادہ جانتے ہیں اس) لڑکی کی شان (کو جو انہوں نے جنی اور) کسی طرح بھی (وہ لڑکا) جو انہوں نے چاہا تھا (اس لڑکی کے برابر نہیں) ہو سکتا تھا، بلکہ یہ لڑکی ہی افضل ہے کہ اس کے کمالات و برکات عجیب و غریب ہوں گے، یہ ارشاد خداوندی بطور جملہ معترضہ کے تھا، پھر ان خاتون کا قول ہے (اور میں نے اس لڑکی کا نام مریم رکھا اور میں اس کو اور اس کی اولاد کو) اگر کبھی اولاد ہو (آپ کی پناہ) اور حفاظت (میں دیتی ہوں شیطان مردود سے)

فائدہ: مریم بمعنی عبادت گزار نام رکھنے کی تصریح میں یہ اشارہ ہے کہ میں اپنی نذر پر حتی الامکان قائم ہوں۔ اس لڑکی کو بھی مسجد کے لئے فارغ کر دوں گی اگر خدمت کے لئے نہیں تو عبادت کے لئے سہی۔

غرض یہ کہ حضرت مریم علیہا السلام کی والدہ ان کو لے کر مسجد بیت المقدس میں پہنچیں اور وہاں کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے جن میں حضرت زکریا علیہ السلام بھی تھے، جاکر کہا کہ اس لڑکی کو میں نے خاص خدا کے لئے مانا ہے، اس لئے میں اپنے پاس نہیں رکھ سکتی، سو اس کو لائی ہوں، آپ لوگ رکھئے،

حضرت مریم کے والد حضرت عمران اس مسجد کے امام تھے اور حالت حمل میں ان کی وفات ہو چکی تھی، ورنہ سب سے زیادہ مستحق ان کے لینے کے وہ تھے، لڑکی کے باپ بھی تھے اور مسجد بیت المقدس کے امام بھی، اس لئے بیت المقدس کے مجاوروں اور عبادت گزاروں سے ہر شخص ان کو لینے اور پالنے کی خواہش رکھتا تھا، حضرت زکریا علیہ السلام نے اپنی ترجیح کی یہ وجہ بیان فرمائی کہ میرے گھر میں ان کی خالہ ہیں اور وہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے، اس لئے ماں کے بعد وہی رکھنے کی مستحق ہے، مگر اور لوگ اس ترجیح پر راضی اور متفق نہیں ہوئے، آخر قرعہ اندازی پر اتفاق قرار پایا، اور قرعہ نکالنے کی صورت بھی عجیب و غریب خلاف عادت ٹھہری جس کا بیان آگے آئے گا، اس میں بھی حضرت زکریا علیہ السلام کامیاب ہوئے۔

چنانچہ حضرت مریمؑ ان کو مل گئیں اور انہوں نے بعض روایات کے مطابق ایک انا کو نوکر رکھ کر دودھ پلوایا، پھر جب وہ کچھ بڑی ہو گئیں ان کو مسجد کے متعلق ایک عمدہ حجرہ میں لا کر رکھا، جب کہیں جاتے

اس کو قفل لگا کر جاتے، پھر آ کر کھول لیتے، اسی قصہ کا ذکر مختصر آگے آتا ہے یعنی۔

فَتَقَبَّلَهَا رَبُّهَا بِقَبُولٍ حَسَنٍ وَّاَنْۢبَتَهَا نَبَاتًا حَسَنًا ۙ وَّكَفَّلَهَا زَكَرِيَّا ۚ كُلَّمَا دَخَلَ عَلَيْهَا زَكَرِيَّا الْمِحْرَابَ ۙ وَجَدَ عِنْدَهَا رِزْقًا ۚ قَالَ يٰمَرْيَمُ اَنّٰى لَكِ هٰذَا ۗ قَالَتْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ اِنَّ اللّٰهَ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۳۷﴾

ترجمہ: پھر قبول کیا اس کو اس کے رب نے اچھی طرح کا قبول اور بڑھایا اس کو اچھی طرح بڑھانا اور سپرد کیا اسے زکریا کے۔ جس وقت آتے اس کے پاس زکریا حجرے میں پاتے اس کے پاس کچھ رزق کہتے اے مریم کہاں سے آیا تیرے پاس یہ وہ کہتی یہ اللہ کے پاس سے آتا ہے بے شک اللہ رزق دیتا ہے جس کو چاہے بے مشقت۔

تفسیر: (پس ان) مریم علیہا السلام (کو ان کے رب نے بطریق احسن قبول فرمالیا اور عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا اور) حضرت (زکریا) علیہ السلام کو (ان کا سرپرست بنایا) (جب کبھی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (ان کے پاس) اس (عمدہ حجرہ میں) جس میں ان کو رکھا تھا (تشریف لاتے تو ان کے پاس کچھ رزق کی چیزیں پاتے) جو ظاہری میووں اور باطنی وروحانی معارف دونوں ہی پر مشتمل تھیں اور (یوں فرماتے کہ اے مریم یہ چیزیں تمہارے واسطے کہاں سے آئیں) جب کہ مکان مقفل ہے، باہر سے کسی کے آنے جانے کا امکان نہیں (وہ کہتیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس) جو خزانہ غیب ہے اس میں (سے آئیں، بے شک اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں رزق عطا فرماتے ہیں) جیسا اس موقع پر محض فضل سے (بے مشقت) عطا فرمایا۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ عمدہ طور پر ان کو نشو ونما دیا اس کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ ابتدا سے عبادت وطاعت میں مشغول رکھا۔ دوسرے یہ کہ اور بچوں کی معمولی نشو ونما سے ان کا ظاہری نشو ونما زائد تھا۔

حضرت زکریا علیہ السلام کی اس وقت تک اولاد نہ تھی۔ خود بھی بوڑھے ہو چکے تھے اور بیوی بھی بانجھ تھیں۔ ایسے حالات میں عام طور سے اولاد نہیں ہو سکتی۔ اگرچہ خرق عادت کے طور پر قدرت خداوندی کا ان کو پورا یقین تھا کہ وہ ذات ان حالات میں بھی اولاد دے سکتی ہے لیکن خلاف عادت ہونے کی وجہ سے درخواست کی جرات نہ کرتے تھے۔ اب جو دیکھا کہ اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت رزق عطا فرمایا ہے تو اب آپ کو بھی سوال کی جرات ہوئی اس لئے درخواست پیش کی۔

هُنَالِكَ دَعَا زَكَرِيَّا رَبَّهٗ ۚ قَالَ رَبِّ هَبْ لِيْ مِنْ لَّدُنْكَ ذُرِّيَّةً طَيِّبَةً ۚ اِنَّكَ سَمِيْعُ الدُّعَآءِ ﴿۳۸﴾

ترجمہ: وہیں دعا کی زکریا نے اپنے رب سے کہا اے رب میرے عطا کر مجھ کو اپنے پاس سے اولاد پاکیزہ بے شک تو سننے والا ہے دعا کا۔

تفسیر: (اس موقع پر دعا کی) حضرت (زکریا) علیہ السلام (نے اپنے رب سے۔ عرض کیا کہ اے میرے رب عنایت کیجئے مجھ کو خاص اپنے پاس سے کوئی اچھی) یعنی بابرکت اور نیک کردار (اولاد بے شک آپ بہت سننے والے ہیں دعا کے)

فائدہ: حضرت زکریا علیہ السلام کی دعا چند جگہ مختلف مضامین کے ساتھ نقل ہے۔ تو ان کی دعا میں یہ سب ہی مضامین تھے پھر مقام کی مناسبت سے کوئی کہیں ذکر کردیا اور کوئی کہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔

فَنَادَتْهُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَهُوَ قَآئِمٌ يُّصَلِّيْ فِي الْمِحْرَابِ ۙ اَنَّ اللّٰهَ يُبَشِّرُكَ بِيَحْيٰى مُصَدِّقًا ۢ بِكَلِمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَسَيِّدًا وَّحَصُوْرًا وَّنَبِيًّا مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۳۹﴾

ترجمہ: پھر اس کو آواز دی فرشتوں نے جب وہ کھڑے تھے نماز میں محراب کے اندر کہ اللہ تجھ کو خوش خبری دیتا ہے یحیٰی کی جو تصدیق کرنے والا ہے اللہ کے کلمہ کی اور سردار ہوگا اور نفس کو بہت روکنے والا ہوگا اور نبی ہوگا صالحین سے ہوگا۔

تفسیر: (پس پکار کر کہا ان سے فرشتوں نے جب کہ وہ کھڑے نماز پڑھ رہے تھے محراب میں) یعنی مسجد میں امام کی جگہ پر (کہ اللہ تعالیٰ آپ کو بشارت دیتے ہیں یحیٰی) نام کا بیٹا عطا ہونے (کی جن کے احوال یہ ہوں گے کہ وہ کلمۃ اللہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت (کی تصدیق کرنے والے ہوں گے اور) دوسرے (مقتدائے) دین (ہوں گے اور) تیسرے (اپنے نفس کو) لذات سے (بہت روکنے والے ہوں گے اور) چوتھے (نبی بھی ہوں گے) اور پانچویں (اعلیٰ درجہ کے شائستہ ہوں گے)

فائدہ: 1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اس لئے کہتے ہیں کہ وہ محض اللہ تعالیٰ کے کلمہ

یعنی حکم سے خلاف عادت بغیر باپ کے پیدا کئے گئے۔

2-حصوراً، حضرت یحییٰ علیہ السلام کی یہ تیسری صفت بیان کی گئی کہ وہ اپنے نفس کو لذات سے بہت روکنے والے تھے اور لذات سے روکنے میں مباح خواہشوں سے بچنا بھی داخل ہے مثلاً اچھا کھانا، اچھا پہننا اور نکاح وغیرہ کرنا، اس صفت کو موقع مدح میں فرمانے سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ افضل طریقہ یہی ہے، حالانکہ احادیث سے نکاح کی فضیلت ثابت ہے۔ تحقیق اس کی یہ ہے کہ جس شخص کی حالت حضرت یحییٰ علیہ السلام کی سی ہو کہ اس پر آخرت کا خیال اس قدر غالب ہو کہ اس کے غلبہ کی وجہ سے نہ بیوی کی ضرورت محسوس کرے اور نہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنے کی فرصت ہو، ایسے شخص کے لئے یہی افضل ہے، اسی وجہ سے جن احادیث میں نکاح کی فضیلت آئی ہے ان میں یہ بھی قید مذکورہ ہے: من استطاع منکم الباءۃ یعنی جو آدمی نکاح کرنے کی قدرت رکھتا ہو اور زوجیت کے حقوق ادا کرسکتا ہو تو اس کے لئے نکاح کرنا افضل ہے ورنہ نہیں۔

3- فرشتوں کے ان کی نماز میں باتیں کرنے میں باوجودیکہ باتوں سے حضور قلب فوت ہو جاتا ہے اس وجہ سے مضائقہ نہ تھا کہ وہ پیغام خداتعالیٰ کا تھا اس کی طرف توجہ عین حضور قلب ہے۔

قَالَ رَبِّ اَنّٰى يَكُوْنُ لِىْ غُلٰمٌ وَّقَدْ بَلَغَنِىَ الْكِبَرُ وَامْرَاَتِىْ عَاقِرٌ ۚ قَالَ كَذٰلِكَ اللّٰهُ يَفْعَلُ مَا يَشَآءُ ﴿۴۰﴾ قَالَ رَبِّ اجْعَلْ لِّىْۤ اٰيَةً ۚ قَالَ اٰيَتُكَ اَلَّا تُكَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَيَّامٍ اِلَّا رَمْزًا ۚ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ كَثِيْرًا وَّسَبِّحْ بِالْعَشِىِّ وَالْاِبْكَارِ ﴿۴۱﴾

ترجمہ: کہا اے رب میرے کس طرح ہوگا میرے لڑکا حالانکہ پہنچ چکا مجھ کو بڑھاپا اور عورت میری بانجھ ہے فرمایا اسی طرح۔ اللہ کرتا ہے جو چاہے۔ کہا اے رب میرے مقرر کر میرے لئے کچھ نشانی فرمایا نشانی تیری یہ ہے کہ نہ بات کرے گا تو لوگوں سے تین دن مگر اشارہ سے اور یاد کر اپنے رب کو بہت اور تسبیح کر شام اور صبح۔

تفسیر: حضرت (زکریا) علیہ السلام (نے) جناب باری میں (عرض کیا کہ اے میرے پروردگار میرے لڑکا کس طرح ہوگا حالانکہ مجھ کو بڑھاپا آپہنچا اور میری بیوی بھی) بڑھاپے کی وجہ سے (بچہ جننے کے

قابل نہیں ہے، اللہ تعالیٰ نے) جواب میں (فرمایا کہ ایسی حالت میں ہی لڑکا ہو جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ جو کچھ ارادہ کریں کر دیتے ہیں، انہوں نے عرض کیا کہ اے پروردگار) تو پھر (میرے واسطے کوئی نشانی مقرر فرمادیجئے) جس سے مجھے معلوم ہو جائے کہ اب حمل ہو گیا (اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تمہاری نشانی یہی ہے کہ تم، لوگوں سے تین روز تک باتیں نہ کر سکو گے۔ سوائے) ہاتھ یا سر وغیرہ کے (اشارہ کے) جب یہ نشانی دیکھو تو سمجھ جانا کہ اب گھر میں امید ہے (اور) اس زمانہ میں جب آدمیوں سے گفتگو کرنے کی قدرت نہ رہے ذکر اللہ پر قدرت رہے گی تو (اپنے رب کو) دل سے بھی (بکثرت یاد کرنا اور) زبان سے بھی (تسبیح تقدیس (کرنا دن ڈھلے بھی اور صبح کو بھی) کیونکہ ذکر اللہ کی قدرت اس وقت بھی پوری رہے گی۔

فائدہ: 1- اَنّٰی یَکُوْنُ لِیْ غُلٰمٌ: حضرت زکریا علیہ السلام باوجودیکہ قدرت خداوندی کے معتقد بھی تھے اور نمونہ کا مشاہدہ بھی کر چکے تھے اور خود ہی درخواست کی تھی اور قبولیت کا علم بھی ہو گیا تھا، پھر اس کہنے کے کیا معنی کہ لڑکا کس طرح ہو گا؟ بات در حقیقت یہ ہے کہ آپ کا یہ سوال کرنا اللہ کی قدرت میں شک کی وجہ سے نہیں تھا، بلکہ اس سے مقصود کیفیت کا معلوم کرنا تھا کہ آیا ہم دونوں میاں بیوی کی جو موجودہ حالت ہے کہ دونوں خوب بوڑھے ہیں، یہی حالت رہے گی یا اس میں کچھ تبدیلی کی جائے گی، اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا کہ نہیں تم بوڑھے ہی رہو گے، اور اسی حالت میں تمہارے اولاد ہو گی،

2- قال اٰیَتُکَ اَلَّا تُکَلِّمَ النَّاسَ ثَلٰثَةَ اَیَّامٍ اِلَّا رَمْزًا حضرت زکریا علیہ السلام کا نشانی معلوم کرنے سے مقصود یہ تھا کہ ہمیں جلدی خوشی ہو اور حمل ٹھہرتے ہی شکر میں مشغول ہوں، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ نشانی عطا کی کہ آپ تین دن تک لوگوں سے سوائے اشارے کے کوئی کلام نہیں کر سکیں گے،

اس نشانی میں لطافت یہ ہے کہ نشانی کی درخواست سے جو ان کا مقصود تھا کہ شکر ادا کریں تو نشانی ایسی تجویز کی گئی کہ سوائے اس مقصود کے دوسرے کام ہی کے نہ رہیں گے، نشانی بھی ہو گی اور مقصود بھی حاصل ہو گیا۔

ربط: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں جو حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ آیا تھا درمیان میں مناسبت کی وجہ سے حضرت زکریا علیہ السلام کا ذکر آ گیا تھا۔ آگے پھر حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ پورا فرماتے ہیں۔

وَاِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىكِ وَطَهَّرَكِ وَاصْطَفٰىكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾ يٰمَرْيَمُ اقْنُتِيْ لِرَبِّكِ وَ اسْجُدِيْ وَارْكَعِيْ مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾

ترجمہ: اور جب فرشتے بولے اے مریم اللہ نے تجھ کو منتخب کیا اور ستھرا بنادیا اور منتخب کیا تجھ کو سب جہان کی عورتوں پر۔ اے مریم اطاعت کرتی رہ اپنے رب کی اور سجدہ کر اور رکوع کر ساتھ رکوع کرنے والوں کے۔

تفسیر: اور وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے (کہا اے مریم بلاشک اللہ تعالیٰ نے تم کو منتخب) یعنی مقبول (فرمایا ہے اور) تمام ناپسندیدہ افعال و اخلاق سے (پاک بنایا ہے اور) مقبول فرمانا کچھ ایک دو عورتوں کے اعتبار سے نہیں، بلکہ اس زمانہ کی (تمام جہان بھر کی عورتوں کے مقابلہ میں منتخب فرمایا ہے) اور فرشتوں نے یہ بھی کہا کہ (اے مریم اطاعت کرتی رہو اپنے پروردگار کی اور سجدہ کیا کرو اور رکوع کیا کرو) یعنی نماز پڑھا کرو (ان لوگوں کے ساتھ جو رکوع کرنے والے ہیں) یعنی نماز پڑھنے والے ہیں۔

فائدہ: اس آیت سے معلوم ہوا کہ فرشتوں کا کلام کرنا خواص نبوت میں سے نہیں ہے۔ اسی طرح صحیح مسلم میں حضرت عمران بن حصینؓ کو فرشتوں کا سلام کرنا مروی ہے۔ نبوت کا خاصہ کلام الٰہی ہے جو امت تک تبلیغ کے لئے نازل کیا گیا ہو خواہ فرشتے کے ذریعے سے ہو یا اور کسی طریقے سے۔

ربط: اوپر اور آگے حضرت زکریا علیہ السلام اور حضرت مریم علیہا السلام دونوں کے قصے کچھ کچھ مذکور ہیں اور چونکہ گذشتہ واقعات کی اس طرح سے خبر دینا کہ نہ کسی سے سنا ہو نہ خود دیکھا ہو نہ کسی کتاب میں پڑھا ہو جیسے رسول اللہ ﷺ کی شان تھی خرق عادت میں سے ہے جو دیگر شرائط کے ہوتے ہوئے نبوت کی دلیل ہے۔ اس لئے اگلی آیت میں آپ ﷺ کی نبوت پر ان قصوں کے بتانے سے استدلال فرماتے ہیں۔

ذٰلِكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَيْبِ نُوْحِيْهِ اِلَيْكَ ؕ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يُلْقُوْنَ اَقْلَامَهُمْ اَيُّهُمْ يَكْفُلُ مَرْيَمَ ۠ وَمَا كُنْتَ لَدَيْهِمْ اِذْ يَخْتَصِمُوْنَ ﴿۴۴﴾

ترجمہ: یہ قصے غیب کی خبروں میں سے ہیں جو ہم بھیجتے ہیں تجھ کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ ڈالنے لگے اپنے قلم کہ کون پرورش میں لے مریم کو اور تو نہ تھا ان کے پاس جب وہ جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (یہ قصے) جو اوپر ذکر ہوئے جناب رسول اللہ ﷺ کے اعتبار سے اس وجہ سے کہ آپ کے پاس کوئی ظاہری ذریعہ ان کے معلوم کرنے کا نہ تھا (غیب کی خبروں میں سے ہیں جن کی وحی بھیجتے ہیں ہم آپؐ کے پاس) اور وحی کے ذریعہ سے آپ یہ خبریں معلوم کر کے دوسروں کو بتاتے ہیں (اور) ظاہر ہے کہ جو لوگ حضرت مریم علیہا السلام کے رکھنے میں اختلاف کر رہے تھے جس کا فیصلہ بالآخر قرعہ اندازی پر قرار پایا تھا (آپ ان لوگوں کے پاس نہ تو اس وقت موجود تھے جب کہ وہ) قرعہ کے طور پر (اپنے اپنے قلموں کو) پانی میں (ڈالتے تھے) اور قرعہ نکلنے کی یہ صورت قرار پائی تھی کہ جس کا قلم پانی کی حرکت کے خلاف الٹا بہہ جائے وہ مستحق سمجھا جائے گا سو قرعہ سے غرض اس امر کا طے کرنا تھا (کہ ان سب میں کون شخص حضرت مریم علیہا السلام کی کفالت) پرورش (کرے) پس آپ نہ تو اس وقت موجود تھے (اور نہ آپ ان کے پاس اس وقت موجود تھے جب کہ وہ لوگ) قرعہ اندازی سے قبل اس معاملہ میں (باہم اختلاف کر رہے تھے) جس کو دور کرنے کے لئے یہ قرعہ اندازی طے پائی تھی اور ان خبروں کے دریافت ہونے کے لئے دوسرے وسائط کا نہ ہونا بھی یقیناً معلوم ہے، پس ایسی حالت میں یہ غیبی خبریں ہیں جو آپ کی نبوت کی دلیل ہیں۔

قرعہ کا حکم

کوئی چیز یا حق کسی کو ملے اس کی دو صورتیں ہیں۔

1- یا تو شریعت میں کسی خاص سبب کی وجہ سے اس کے حقدار معلوم ہوں مثلاً زید اور خالد نے برابر کے پیسے ملا کر ایک سائیکل خریدی۔ تو خریداری کے سبب کی وجہ سے دونوں اس میں برابر کے حقدار ہیں۔ ایسی صورت میں قرعہ اندازی کرنا ناجائز ہے مثلاً دونوں یہ طے کریں کہ قرعہ اندازی کرتے ہیں اور جس کے نام کا قرعہ نکلے پوری سائیکل وہ لے۔ تو یہ ناجائز ہے اور جوئے میں شامل ہے۔

2- یا شریعت میں کسی کے حقدار بننے کا خاص سبب موجود نہ ہو پھر آپس کی رائے سے کسی کو وہ حق دے دیا جائے مثلاً مشترک زمین کی تقسیم کرنی ہے۔ ایک غربی حصہ ہے اور ایک شرقی حصہ ہے۔ آپس کی رائے سے ان میں سے ایک غربی حصہ لے لے اور دوسرا شرقی حصہ لے لے یہ جائز ہے۔ اس صورت میں قرعہ اندازی سے کام لینا بھی جائز ہے۔

ربط: اوپر کی آیت بطور جملہ معترضہ کے تھی جو نبوت کے اثبات کے لئے لائی گئی تھی۔ آگے پھر حضرت مریم علیہا السلام کا قصہ مذکور ہے جس میں زیادہ مقصود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بیان کرنا ہے۔

إِذْ قَالَتِ الْمَلَائِكَةُ يَا مَرْيَمُ إِنَّ اللَّهَ يُبَشِّرُكِ بِكَلِمَةٍ مِنْهُ اسْمُهُ الْمَسِيحُ عِيسَى ابْنُ مَرْيَمَ وَجِيهًا فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَمِنَ الْمُقَرَّبِينَ ﴿٤٥﴾ وَيُكَلِّمُ النَّاسَ فِي الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَمِنَ الصَّالِحِينَ ﴿٤٦﴾

ترجمہ: جب کہا فرشتوں نے اے مریم بے شک اللہ تجھ کو بشارت دیتا ہے ایک کلمہ کی اپنے سے جس کا نام مسیح عیسیٰ بن مریم ہے مرتبہ والا ہے دنیا میں اور آخرت میں اور (اللہ کے) مقربین میں سے ہے۔ اور باتیں کرے گا لوگوں سے ماں کی گود میں اور ادھیڑ عمر میں اور شائستہ لوگوں میں سے ہے۔

تفسیر: اس وقت کو یاد کرو (جب فرشتوں نے) حضرت مریم علیہا السلام سے یہ بھی (کہا کہ اے مریم بے شک اللہ تعالیٰ تم کو بشارت دیتے ہیں ایک کلمہ کی جو منجانب اللہ ہو گا) یعنی ایک بچہ پیدا ہونے کی جو بغیر باپ کے پیدا ہونے کے سبب کلمۃ اللہ کہلائے گا (اس کا نام) ولقب (مسیح عیسیٰ بن مریم ہو گا) ان کے یہ حالات ہوں گے کہ (مرتبہ والے ہوں گے خدا تعالیٰ کے نزدیک دنیا میں) بھی کہ ان کو نبوت عطا ہو گی (اور آخرت میں) بھی کہ اپنی امت کے مومنین کے بارے میں مقبول الشفاعت ہوں گے (اور) جیسے ان میں نبوت و شفاعت کی صفت ہو گی جس کا تعلق دوسروں سے بھی ہے، اسی طرح ذاتی کمال کے ساتھ بھی موصوف ہوں گے مثلاً اللہ کے نزدیک (مقربین میں سے ہوں گے اور) صاحب معجزہ بھی ہوں گے (لوگوں سے) دونوں حالت میں یکساں (کلام کریں گے، گہوارہ میں) یعنی بالکل بچپن میں بھی (اور بڑی عمر میں) بھی دونوں کلاموں میں تفاوت نہ ہو گا (اور) اعلیٰ درجہ کے (شائستہ لوگوں میں سے ہوں گے)

فائدہ: حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان پر اٹھائے جانے کے وقت ان کی عمر تقریباً تیس پینتیس سال کے درمیان تھی جو جوانی کا زمانہ تھا۔ ادھیڑ عمر جس کو عربی میں کہل کہتے ہیں وہ اس دنیا میں ان کی ہوئی ہی نہ تھی اس لئے ادھیڑ عمر میں لوگوں سے کلام اس وقت ہو سکتا ہے جب وہ دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں اس لئے جس طرح ان کا بچپن کا کلام معجزہ تھا اسی طرح ادھیڑ عمر کا کلام بھی معجزہ ہے۔

قَالَتْ رَبِّ أَنَّى يَكُونُ لِي وَلَدٌ وَلَمْ يَمْسَسْنِي بَشَرٌ قَالَ كَذَٰلِكِ اللَّهُ يَخْلُقُ مَا يَشَاءُ إِذَا قَضَىٰ أَمْرًا فَإِنَّمَا يَقُولُ لَهُ كُنْ فَيَكُونُ ﴿٤٧﴾

ترجمہ: بولی اے رب میرے کس طرح ہو گا میرے لڑکا حالانکہ ہاتھ نہیں لگایا مجھ کو کسی بشر نے فرمایا اسی طرح۔ اللہ پیدا کرتا ہے جو چاہے جب ارادہ کرتا ہے کسی کام کا تو یہی کہتا ہے اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو جاتا ہے۔

تفسیر: (حضرت مریم علیہا السلام بولیں اے میرے پروردگار کس طرح ہو گا میرے بچہ حالانکہ مجھ کو کسی بشر نے) صحبت کے طور پر (ہاتھ نہیں لگایا) نہ جائز طریقے سے اور نہ ناجائز طریقے سے اور کوئی بچہ جائز طریقے سے عام طور سے مرد کے بغیر پیدا نہیں ہوتا، تو معلوم نہیں کہ ویسے ہی محض قدرت خداوندی سے بچہ ہو گا یا مجھ کو نکاح کا حکم کیا جائے گا (اللہ تعالیٰ نے) جواب میں فرشتے کے واسطے سے (فرمایا ایسے ہی) مرد کے بغیر (ہو گا) کیونکہ (اللہ تعالیٰ جو چاہیں پیدا کر دیتے ہیں) یعنی کسی چیز کے پیدا ہونے کے لئے صرف ان کا چاہنا کافی ہے، کسی واسطہ سے یا سبب خاص کی ان کو حاجت نہیں اور ان کے چاہنے کا طریقہ یہ ہے کہ (جب کسی چیز کو) پورا (کرنا چاہتے ہیں تو اس کو کہہ دیتے ہیں کہ) موجود (ہو جا، بس وہ چیز) موجود (ہو جاتی ہے) پس جس چیز کو اسباب و وسائط کے بعد موجود ہونے کو کہدیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے اور جس چیز کو اسباب و وسائط کے بغیر موجود ہونے کو کہہ دیا وہ اسی طرح ہو جاتی ہے۔

فائدہ: اس کی عقلی دلیل یہ ہے کہ اسباب و وسائط بھی آخر شے ہیں اگر ان کے لئے بھی اسباب و وسائط کی حاجت ہو تو ان میں بھی یہی کلام ہو گا اور یہ سلسلہ لا متناہی چلے گا جو محال ہے۔

وَيُعَلِّمُهُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ ﴿۴۸﴾ وَرَسُوْلًا اِلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۥ اَنِّيْ قَدْ جِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۙ اَنِّيْٓ اَخْلُقُ لَكُمْ مِّنَ الطِّيْنِ كَهَيْـَٔةِ الطَّيْرِ فَاَنْفُخُ فِيْهِ فَيَكُوْنُ طَيْرًا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ وَاُحْيِ الْمَوْتٰى بِاِذْنِ اللّٰهِ ۚ وَاُنَبِّئُكُمْ بِمَا تَاْكُلُوْنَ وَمَا تَدَّخِرُوْنَ ۙ فِيْ بُيُوْتِكُمْ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۴۹﴾ وَمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيَّ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ وَجِئْتُكُمْ بِاٰيَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۣ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ﴿۵۰﴾

إِنَّ اللَّهَ رَبِّي وَرَبُّكُمْ فَاعْبُدُوهُ هَٰذَا صِرَاطٌ مُّسْتَقِيمٌ ﴿٥١﴾

ترجمہ: اور سکھائے گا اس کو کتابت اور سمجھ کی باتیں اور توریت اور انجیل اور بنائے گا اس کو پیغمبر بنی اسرائیل کی طرف کہ میں آیا ہوں تمہارے پاس پوری نشانی لے کر تمہارے رب کی طرف سے کہ میں بنا دیتا ہوں تمہارے لئے گارے سے پرندے کی شکل پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو ہو جاتا ہے وہ پرندہ اللہ کے حکم سے، اور اچھا کرتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص والے کو اور زندہ کرتا ہوں مردوں کو اللہ کے حکم سے، اور بتا دیتا ہوں تم کو جو تم کھا کر آتے ہو اور جو تم رکھ کر آتے ہو اپنے گھروں میں۔ اس میں نشانی پوری ہے تمہارے لئے اگر تم ایمان لانے والے ہو اور (اس طور پر آیا ہوں کہ) سچا بتاتا ہوں اپنے سے پہلی کتاب کو جو توریت ہے اور اس واسطے (آیا ہوں) کہ حلال کردوں تمہارے لئے بعض وہ چیزیں جو حرام کی گئی تھیں تم پر اور آیا ہوں تمہارے پاس نشانی لے کر تمہارے رب کی۔ سو اللہ سے ڈرو اور میرا کہا مانو بے شک اللہ ہے رب میرا اور رب تمہارا سو اس کی بندگی کرو یہی ہے راہ سیدھی۔

تفسیر: اور اے مریم اس باسعادت بچے کی یہ فضیلتیں ہوں گی کہ (اللہ ان کو تعلیم فرمائیں گے کتابت) یعنی لکھنا (اور سمجھ کی باتیں اور) بالخصوص (توریت اور انجیل اور ان کو) تمام (بنی اسرائیل کی طرف) پیغمبر بنا کر یہ مضمون دے کر (بھیجیں گے کہ) **انی قد جئتکم** ...... **مستقیم تک** یعنی (میں تم لوگوں کے پاس) اپنی نبوت پر (کافی دلیل لے کر آیا ہوں وہ یہ ہے کہ میں تم لوگوں کے) یقین لانے کے (لئے گارے سے ایسی شکل بناتا ہوں جیسی پرندہ کی شکل ہوتی ہے پھر اس) مصنوعی شکل (کے اندر پھونک مار دیتا ہوں جس سے وہ) سچ مچ کا جاندار (پرندہ بن جاتا ہے خدا کے حکم سے) ایک معجزہ تو یہ ہوا (اور میں اچھا کر دیتا ہوں مادرزاد اندھے کو اور برص کے بیمار کو اور زندہ کر دیتا ہوں مردوں کو خدا کے حکم سے) یہ دوسرا تیسرا معجزہ ہوا (اور میں تم کو بتا دیتا ہوں جو کچھ اپنے گھروں میں کھا) کھا کر (آتے ہو اور جو) گھروں میں (رکھ آتے ہو) یہ چوتھا معجزہ ہوا (بلاشبہ ان) مذکورہ معجزات (میں) میرے نبی ہونے کی (کافی دلیل ہے تم لوگوں کے لئے اگر تم ایمان لانا چاہو۔ اور میں اس طور پر آیا ہوں کہ (تصدیق کرتا ہوں اس کتاب کی جو مجھ سے پہلے) نازل ہوئی (تھی یعنی تورات کی اور اس لئے آیا ہوں کہ تم لوگوں کے واسطے بعض ایسی چیزیں حلال کردوں جو) موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں (تم پر حرام کر دی گئی تھیں) سو ان کی حرمت

میری شریعت میں منسوخ ہو گی (اور) نسخ کے بارے میں میرا یہ دعویٰ بلا دلیل نہیں ہے بلکہ میں ثابت کر چکا ہوں کہ (میں تمہارے پاس تمہارے رب کی) جانب سے اپنی نبوت کی (دلیل لے کر آیا ہوں) لہذا میں نبی ہوں اور نبی کا قول دعویٰ نسخ میں حجت ہے (حاصل یہ کہ) جب میرا نبی ہونا دلائل سے ثابت ہو چکا تو میری تعلیم کے موافق (تم لوگ اللہ تعالیٰ) کے حکم کی مخالفت (سے ڈرو اور) دین کے بارے میں (میرا کہنا مانو) اور میری دینی تعلیم کا یہ خلاصہ یہ ہے کہ (بے شک اللہ تعالیٰ میرے بھی رب ہیں اور تمہارے بھی رب ہیں) یہ تو حاصل ہے عقیدہ کی تکمیل کا (سو تم) لوگ اس (رب کی عبادت کرو) یہ حاصل ہوا عمل کی تکمیل کا (بس یہ ہے راہ راست) دین کی جس میں عقائد و اعمال دونوں کی تکمیل ہو اسی سے نجات اور وصول الی اللہ میسر ہوتا ہے۔

فائدہ: 1 مادر زاد اندھے اور برص کے بیمار کے لئے اگرچہ اسباب طبعیہ میں علاج بھی ہو لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لئے اس کے معجزہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ ان سے اسباب طبعیہ کے بغیر مریض صحیح ہو جاتے تھے۔

2: پرندہ کی شکل بنانا تصویر تھا جو اس شریعت میں جائز تھا، ہماری شریعت میں اس کا جواز منسوخ ہو گیا۔

فَلَمَّآ اَحَسَّ عِيْسٰى مِنْهُمُ الْكُفْرَ قَالَ مَنْ اَنْصَارِيْٓ اِلَى اللّٰهِ ؕ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ نَحْنُ اَنْصَارُ اللّٰهِ ۚ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ۚ وَاشْهَدْ بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ ﴿۵۲﴾ رَبَّنَآ اٰمَنَّا بِمَآ اَنْزَلْتَ وَاتَّبَعْنَا الرَّسُوْلَ فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۵۳﴾

ترجمہ: پھر جب معلوم کیا عیسیٰؑ نے بنی اسرائیل کا کفر، بولا کون ہیں میرے مددگار اللہ کی راہ میں۔ کہا حواریوں نے ہم ہیں مدد کرنے والے اللہ کے، ہم یقین لائے اللہ پر اور تو گواہ رہ کہ ہم نے فرمانبرداری کو قبول کیا۔ اے ہمارے رب ہم نے یقین کیا اس چیز کا جو تو نے اتاری اور ہم نے تابعداری کی رسول کی سو تو لکھ لے ہم کو ماننے والوں میں۔

ترجمہ: غرض مذکورہ بشارت کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسی شان سے پیدا ہوئے اور بنی اسرائیل سے مذکورہ مضمون کی گفتگو ہوئی اور معجزات ظاہر فرمائے، مگر بنی اسرائیل عام طور سے آپ کی نبوت کے منکر رہے (سو جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان سے انکار دیکھا) اور انکار کے ساتھ درپے

ایذاء بھی دیکھا اور اتفاقاً کچھ لوگ ان کو ایسے ملے جو حواریین کہلاتے تھے، تو ان حواریین سے (آپ نے فرمایا کوئی ایسے آدمی بھی ہیں جو) دین حق میں مخالفین و منکرین کے مقابلہ میں (میرے مددگار ہو جائیں اللہ کے واسطے) جس سے دعوت دین میں مجھے کوئی ایذاء نہ پہنچائے (حواریین بولے کہ ہم ہیں اللہ کے) دین کے (مددگار ہم اللہ تعالیٰ پر) آپ کی دعوت کے مطابق (ایمان لائے اور آپ اس) بات (کے گواہ رہئے کہ ہم) اللہ تعالیٰ کے اور آپ کے (فرمانبردار ہیں)۔ پھر ان حواریوں نے مزید اہتمام و توثیق کے لئے اللہ تعالیٰ سے مناجات کی کہ (اے ہمارے رب ہم ایمان لائے ان چیزوں) یعنی ان احکام (پر جو آپ نے نازل فرمائیں اور پیروی اختیار کی ہم نے) ان (رسول کی سو) ہمارا ایمان قبول فرما کر (ہم کو ان لوگوں کے ساتھ لکھ دیجئے جو) مذکورہ باتوں کی (تصدیق کرتے ہیں) یعنی مومنین کاملین کے زمرہ میں ہمارا بھی شمار فرمایئے۔

فائدہ: لفظ حواری حور سے ماخوذ ہے جس کے معنے لغت میں سفیدی کے ہیں، اصطلاح میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے مخلص ساتھیوں کو ان کے اخلاص اور صفائی قلب کی وجہ سے یا ان کی سفید پوشاک کی وجہ سے حواری کا لقب دیا گیا ہے، جیسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں کو صحابی کا لقب ملا۔ بعض مفسرین نے حواریین کی تعداد بارہ بتائی ہے۔ اور کبھی لفظ حواری مطلقاً مددگار کے معنے میں بھی بولا جاتا ہے، اسی معنی پر ایک حدیث میں ارشاد ہے کہ ہر نبی کا کوئی حواری یعنی مخلص ساتھی ہوتا ہے، میرے حواری زبیر ہیں۔

وَمَكَرُوْا وَمَكَرَ اللّٰهُ ۗ وَاللّٰهُ خَيْرُ الْمٰكِرِيْنَ ﴿٥٤﴾ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَىَّ وَمُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَجَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ اِلَىَّ مَرْجِعُكُمْ فَاَحْكُمُ بَيْنَكُمْ فِيْمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٥٥﴾

ترجمہ: اور داؤ چلا ان کافروں نے اور داؤ چلا اللہ نے اور اللہ سب داؤ چلنے والوں سے بہتر ہے جس وقت کہا اللہ نے اے عیسیٰ بے شک میں لینے والا ہوں تجھ کو اور اٹھانے والا ہوں تجھ کو اپنی طرف اور پاک کرنے والا ہوں تجھ کو کافروں سے اور کرنے والا ہوں ان کو جو تیرے تابع ہوئے غالب ان لوگوں پر جنہوں نے انکار کیا قیامت کے دن تک پھر میری طرف ہے تم سب کا لوٹنا پھر فیصلہ کردوں گا تمہارے درمیان جس بات میں تم جھگڑتے تھے۔

تفسیر: (اور ان لوگوں نے) جو کہ بنی اسرائیل یعنی یہود میں سے آپ کی نبوت کے منکر تھے آپ کو ہلاک کرنے اور ایذاء پہنچانے کے لئے (خفیہ تدبیر کی) چنانچہ مکرو حیلہ سے آپ کو گرفتار کر کے سولی دینے پر آمادہ ہوئے (اور اللہ تعالیٰ نے) آپ کو محفوظ رکھنے کے لئے (خفیہ تدبیر فرمائی) جس کی حقیقت کا ان لوگوں کو بھی پتہ نہ لگا، کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب میں سے ایک جوان کو جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دریافت فرمانے پر آپ کی خاطر قربانی دینے کو تیار ہو گئے تھے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی شکل پر بنادیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھالیا جس سے وہ محفوظ رہے اور وہ ہم شکل سولی دیا گیا، ان لوگوں کو اس تدبیر کا علم تک بھی نہ ہو سکا اور دفع پر تو کیا قدرت ہوتی (اور اللہ تعالیٰ سب تدبیریں کرنے والوں سے اچھے ہیں) کیونکہ دوسروں کی تدبیریں ضعیف ہوتی ہیں اور کبھی قبیح اور بے موقع بھی ہوتی ہیں، جب کہ حق تعالیٰ کی تدبیریں قوی بھی ہوتی ہیں اور ہمیشہ خیر محض ہوتی ہیں اور حکمت کے موافق ہوتی ہیں (اللہ تعالیٰ نے) حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے جب کہ وہ گرفتاری کے وقت متردد اور پریشان ہوئے چار وعدے کئے (فرمایا اے عیسیٰ) کچھ غم نہ کرو (بے شک میں تم کو پورا) یعنی بدن اور روح سمیت (لیتا ہوں اور اپنی طرف) یعنی عالم بالا کی طرف (اٹھائے لیتا ہوں) یہ پہلا وعدہ ہوا (اور تم کو ان لوگوں) کی تہمت (سے پاک کرنے والا ہوں جو) تمہارے (منکر ہیں) یہ دوسرا وعدہ ہوا۔ یہ اس طرح پورا ہوا کہ رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور یہود کے سب بے جا الزامات اور افتراء کو جو وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذمہ لگاتے تھے مثلاً ان کے نسب کو مطعون کرنا اور ان کو الوہیت کا دعویدار بتانا ان سب کو صاف کر دیا چنانچہ قرآن مجید میں یہ مضامین جابجا صراحت کے ساتھ مذکور ہیں۔ (اور جو لوگ تمہارا کہنا ماننے والے) یعنی تمہاری نبوت کی تصدیق کرنے والے ہیں) ان کو غالب رکھنے والا ہوں ان لوگوں پر جو کہ) تمہارے (منکر ہیں روز قیامت تک) گو اس وقت یہ منکرین غلبہ اور قدرت رکھتے ہیں۔ یہ تیسرا وعدہ ہوا۔ (پھر) جب قیامت آ جائے گی اس وقت (میری طرف ہو گی سب کی واپسی) دنیا و برزخ سے (سو میں) اس وقت (تمہارے سب کے (درمیان) عملی (فیصلہ کر دوں گا ان امور میں جن میں تم باہم اختلاف کرتے تھے) اور ان امور میں سے ایک عیسیٰ علیہ السلام کا معاملہ بھی ہے۔ یہ چوتھا وعدہ ہوا۔

فائدہ: 1 وعدہ یہ ہوا کہ آپ کے متبعین آپ کے منکرین پر قیامت تک غالب رہیں گے۔ یہاں اتباع سے مراد خاص اتباع ہے یعنی اعتقاد نبوت اور متبعین سے مراد وہ لوگ ہیں جو آپ کی نبوت کے معتقد ہیں۔ تو اس میں نصاریٰ اور اہل اسلام دونوں داخل ہیں گو اس وقت نصاریٰ کا اتنا اتباع آخرت کی نجات کے

واسطے اس لئے کافی نہیں کہ وہ ایک دوسرے ضروری جزء میں اتباع نہیں کرتے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام جناب رسول اللہ ﷺ پر ایمان لانے کے لئے بھی فرما گئے تھے یہ اس کو نہیں مانتے۔ لیکن یہاں اتباع کامل مراد ہی نہیں۔ اور منکرین سے مراد یہود ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے منکر ہیں۔

2- قیامت کے دن فیصلہ کرنے سے مراد یہ ہے کہ کھلی آنکھوں سے دکھادیا جائے گا کہ کیا حق ہے اور کیا باطل ہے ورنہ دلائل سے تو اب بھی دنیا میں حق و باطل کے درمیان فیصلہ موجود ہے۔

ربط: اوپر آیت میں مذکور تھا کہ میں ان اختلاف کرنے والوں کے درمیان قیامت کے روز فیصلہ کروں گا۔ اگلی آیت میں اس فیصلہ کا بیان ہے۔

فَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَاُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۫ وَمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۵۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۷﴾

ترجمہ: سو وہ لوگ جو کافر ہوئے ان کو عذاب کروں گا سخت عذاب دنیا میں اور آخرت میں اور کوئی ان کا مددگار نہ ہو گا اور وہ لوگ جو ایمان لائے اور کام نیک کئے سو ان کو پورا دے گا ان کے اجر اور اللہ پسند نہیں کرتے ظلم کرنے والوں کو۔

تفسیر: فیصلہ کی (تفصیل یہ ہے کہ جو لوگ) ان اختلاف کرنے والوں میں سے (کافر تھے سو ان کو) ان کے کفر پر (سخت سزا دوں گا) دونوں ہی جہاں میں (دنیا میں بھی) کہ وہ تو ہو بھی چکی (اور آخرت میں بھی) کہ وہ باقی رہی (اور ان لوگوں کا کوئی حامی) مددگار (نہ ہو گا۔ اور جو لوگ مومن تھے اور انہوں نے نیک کام کئے تھے سو ان کو اللہ تعالیٰ ان کے) ایمان اور نیک کاموں کے (ثواب دیں گے۔ اور) کفار کو سزا ملنے کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ محبت نہیں رکھتے) ایسے (ظلم کرنے والوں سے) جو خدا تعالیٰ یا پیغمبروں کے منکر ہوں یعنی چونکہ یہ ظلم عظیم ہے، معافی کے قابل نہیں، اس لئے اللہ کے شدید غصہ کے مستحق ہو کر سزا یاب ہوں گے۔

فائدہ: 1- یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ قیامت کے فیصلہ کے بیان میں یہ کہنے کا کیا مطلب ہے کہ میں دنیا و آخرت میں سزا دوں گا کیونکہ اس وقت دنیوی سزا تو نہیں ہو سکتی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ قرب قیامت کا وہ زمانہ جس میں بڑی بڑی نشانیاں ظاہر ہوں گی مثلاً دجال کا نکلنا اور تمام یہودیوں کا قتل کیا

جانااس کو بھی قیامت کے فیصلہ میں شمار کر لیا ہے تو دنیا کی سزا وہ ہو گی جو قرب قیامت میں ہو گی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دجال کو قتل کریں گے اور یہود کو چن چن کر ماریں گے کوئی یہودی جان نہ بچا سکے گا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صلیب کو توڑیں گے اور نصاری کے باطل عقائد کی اصلاح کر کے تمام دنیا کو ایمان کے راستہ پر ڈال دیں گے۔ اس وقت بھی تمام جھگڑوں کا فیصلہ ہو کر مذہبی اختلافات مٹ مٹا کر ایک دین اسلام رہ جائے گا۔

2- کفار پر دنیا میں جو بھی مصیبتیں اور تکلیفیں آتی ہیں وہ محض سزا کے طور پر ہوتی ہیں جب کہ جو مسلمانوں پر آتی ہیں وہ یا تو آزمائش کے طور پر ہوتی ہیں یا گناہوں کے کفارے کے طور پر ہوتی ہیں۔

ربط: یہ قصہ یہاں تک ختم ہو گیا۔ آگے خارق عادت ہونے کی وجہ سے اس قصہ کے بتانے کو رسول اللہ ﷺ کی نبوت کی دلیل بتاتے ہیں۔

ذٰلِكَ نَتْلُوْهُ عَلَيْكَ مِنَ الْاٰيٰتِ وَالذِّكْرِ الْحَكِيْمِ ۝۵۸

ترجمہ: یہ قصہ ہم پڑھ سناتے ہیں تم کو نشانیوں اور حکمت والے ذکر میں سے ہے۔

تفسیر: (یہ) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مذکور قصہ (ہم تم کو) بذریعہ وحی کے (پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں جو کہ) آپ کی نبوت کی (نشانیوں میں سے ہے حکمت آمیز مضامین میں سے ہے)

فائدہ: یعنی یہ قصہ فی نفسہ بھی علم و حکمت کی باتوں پر مشتمل ہے کیونکہ اس میں قدرت الٰہیہ اور دیگر علوم پر دلالت ہے اور آپ کے اعتبار سے بھی یہ آپ کے دعوائے نبوت کی سچائی کی دلیل ہے کیونکہ دیگر سابقہ قصوں کی طرح یہ قصہ بھی آپ کو کسی اور ذریعہ سے حاصل نہیں ہوا۔ تو ایسی حالت میں اس کی خبر دینا خارق عادت ہے جو دلائل نبوت میں سے ہے۔

ربط: جیسے شروع سورت میں نصاری کے خلاف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کی نفی پر دلائل قائم کئے تھے قصہ ختم ہونے کے بعد آگے پھر اسی مضمون کا بیان ہے۔ نصاری کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ ہونے کی وجہ سے ان کی الوہیت یا ان کے ابن اللہ ہونے کا شبہ ہوا اس لئے اس استدلال کا ناکافی ہونا بتاتے ہیں۔

اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۝۵۹ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُنْ مِّنَ الْمُمْتَرِيْنَ ۝۶۰

ترجمہ: بے شک عیسیٰ کی مثال ہے اللہ کے نزدیک جیسے مثال آدم کی بنایا اس کو مٹی سے پھر کہا اس کو کہ ہو جا سو وہ ہو گیا، حق وہ ہے جو تیرے رب کی طرف سے ہے پھر تو مت ہو شک کرنے والوں میں سے۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک) یعنی ان کے علم میں اور ان کی تجویز میں جو ہمیشہ سے ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام (کی مثال) یعنی ان کی عجیب حالت حضرت (آدم) علیہ السلام کی مثال اور عجیب حالت (کے مشابہ ہے کہ ان) آدم علیہ السلام (کو) یعنی ان کے قالب کو (مٹی سے بنایا پھر ان) کے قالب (کو حکم دیا کہ) زندہ (ہو جا، پس وہ زندہ ہو گئے) یہ (امر واقعی) جو اوپر مذکور ہوا (آپ کے پروردگار کی طرف سے) بتلایا گیا (ہے سو آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے)۔

فائدہ: 1 حاصل یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا بے باپ پیدا ہونا قدرت الٰہیہ سے کوئی بعید نہیں چنانچہ ان سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام بے باپ اور بے ماں کے محض مٹی سے ہی پیدا ہو چکے ہیں تو بے باپ کے پیدا ہونے میں دونوں شریک ہیں بلکہ حضرت آدم علیہ السلام میں تو تعجب زائد ہے کہ بے ماں کے بھی محض مٹی سے پیدا ہوئے۔ پھر جب آدم علیہ السلام کی الوہیت کا کوئی قائل نہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ اسلام کی الوہیت کا شبہ اس بنا پر کیسے ہو سکتا ہے۔

2 یہ جو فرمایا کہ آپ شبہ کرنے والوں میں سے نہ ہو جائیے اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ میں شبہ کرنے کا احتمال تھا کیونکہ ایسی بات کبھی تو اس مخاطب کے اعتبار سے کہی جاتی ہے جس میں شبہ کرنے کا احتمال ہے اور کبھی اگرچہ مخاطب میں شبہ کرنے کا احتمال نہیں ہوتا لیکن خود مضمون کے موکد اور عظیم الشان ہونے کی بنا پر کہی جاتی ہے مثلاً کسی اہم تقریب کے انتظام میں اپنے قابل اعتماد آدمی کو کہ جس سے سستی کرنے کا اندیشہ نہیں محض انتظام کی اہمیت کی وجہ سے تاکید کی جاتی ہے کہ سستی نہ کرنا۔

ربط: اوپر کی تقریر حق کے طلب گاروں کو سمجھانے کے لئے تھی آگے ضد بازی کرنے والوں کے ساکت کرنے کا طریقہ بتاتے ہیں۔

فَمَنْ حَآجَّكَ فِيهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ فَقُلْ تَعَالَوْا نَدْعُ اَبْنَآءَنَا وَاَبْنَآءَكُمْ وَنِسَآءَنَا وَنِسَآءَكُمْ وَاَنْفُسَنَا وَاَنْفُسَكُمْ ۣ ثُمَّ نَبْتَهِلْ فَنَجْعَلْ لَّعْنَتَ اللّٰهِ عَلَى الْكٰذِبِيْنَ ﴿۶۱﴾

ترجمہ: پھر جو کوئی جھگڑا کرے تجھ سے اس قصہ میں بعد اس کے کہ آ چکا تیرے پاس علم تو کہہ دے آؤ، بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تمہارے بیٹے اور اپنی عورتیں اور تمہاری عورتیں اور اپنی جان اور تمہاری جان پھر التجا کریں ہم سب اور لعنت کریں اللہ کی ان پر کہ جو جھوٹے ہیں۔

تفسیر: (پس جو آپ سے عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کے پاس علم) واقعی (آنے کے بعد) اب بھی (حجت کرے تو آپ) جواب میں یوں (فرما دیجئے کہ) اچھا اگر دلیل سے نہیں مانتے تو پھر (آ جاؤ ہم) اور تم (بلا) کر جمع کر (لیں اپنے بیٹوں کو اور تمہارے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور تمہاری عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو اور خود تم کو پھر ہم) سب مل کر (خوب دل سے دعاء کریں اس طور پر کہ اللہ کی لعنت بھیجیں ان پر جو) اس بحث میں (ناحق پر ہوں)

فائدہ: اس طور پر بد دعا کرنے کو مباہلہ کہتے ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ اگر دلیل سے گفتگو ختم نہ ہو تو مباہلہ کر لو۔

مباہلہ کے احکام

1- مباہلہ میں اصل خود مباحثہ کرنے والوں کا جمع ہو کر مذکور مضمون کے ساتھ بد دعا کرنا ہے اپنے اعزہ و اقارب کو جمع کرنا ضروری نہیں لیکن اس سے اہتمام اور بڑھ جاتا ہے کیونکہ ان کے ضرر یا ہلاکت سے خود طبعاً انسان کو رنج ہوتا ہے۔

2- رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں نجران کے عیسائیوں کا ایک وفد آیا۔ ان سے آپ کی مذہبی گفتگو ہوئی یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کلام کی نوبت پہنچی۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ آپ نے ان کو اس مضمون کی خبر دی اور خود حضرت فاطمہ اور حضرت علی اور حضرات حسن و حسینؓ کے ساتھ تشریف لا کر مباہلہ کے لئے تیار ہوئے۔ ان میں سے ایک نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم کو ان کا نبی ہونا معلوم ہے نبی سے مباہلہ کر کے فلاح نہیں ہو سکتی ہم سب بلاشبہ ہلاک ہو جائیں گے۔ پھر انہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ صلح کر لی اور جزیہ دینے کو قبول کیا۔ حدیث میں آتا ہے کہ اگر وہ لوگ مباہلہ کر لیتے تو ان کو اہل اور اموال سب ہلاک ہو جاتے۔

3- اگر بالفرض بد دعا کا اثر ظاہر نہ ہو یا اس میں تاخیر ہو تو اشتباہ نہ ہونا چاہئے کیونکہ حق و باطل کی تعیین کے لئے شرعی دلائل کافی ہیں مباہلہ پر موقوف نہیں۔ اس سے زیادہ غرض زبانی جھگڑے کو ختم کرنا ہے۔

4- مباہلہ امور قطعیہ میں کیا جا سکتا ہے اختلافی اور ظنی مسائل میں جائز نہیں۔

ربط: اوپر عیسیٰ علیہ السلام کے بے باپ پیدا ہونے سے ان کی الوہیت پر استدلال کرنے کا

ابطال اور جواب پورا ہو گیا۔ آگے اہتمام کے لئے اس مضمون کا حق ہونا اور نتیجہ کے طور پر حق تعالیٰ کا الٰہ واحد ہونا بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ هَٰذَا لَهُوَ الْقَصَصُ الْحَقُّ ۚ وَمَا مِنْ إِلَٰهٍ إِلَّا اللَّهُ ۚ وَإِنَّ اللَّهَ لَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٦٢﴾

ترجمہ: بے شک یہی ہے بیان سچا اور کوئی لائق بندگی نہیں ہے سوا اللہ کے اور بے شک اللہ ہی ہے زبردست حکمت والا۔

تفسیر: (بے شک یہ) جو کچھ (مذکور) ہوا (وہی ہے سچی بات اور کوئی معبود ہونے کے لائق نہیں بجز اللہ تعالیٰ کے) یہ توحید ذاتی ہوئی (اور بلاشک اللہ تعالیٰ ہی غلبہ والے حکمت والے ہیں) یہ توحید صفاتی ہوئی۔

ربط: جو فسادی لوگ اتنی حجتوں کے بعد بھی نہ مانیں ان کا معاملہ اپنے حوالہ ہونا بتاتے ہیں۔

فَإِنْ تَوَلَّوْا فَإِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِالْمُفْسِدِينَ ﴿٦٣﴾

ترجمہ: پھر اگر وہ منہ پھیریں تو اللہ جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو۔

تفسیر: (پھر اگر) حق قبول کرنے سے (سرتابی کریں تو) آپ ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کیجئے کیونکہ (بے شک اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں فساد کرنے والوں کو)

ربط: اوپر نصاریٰ سمیت اہل کتاب سے مناظرہ تھا جس کو عمدہ طریقے سے پورا کر کے اب آگے لطف و نرمی کے ساتھ ان کو پھر حق کی دعوت دی جاتی ہے۔

قُلْ يَا أَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا إِلَىٰ كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمْ أَلَّا نَعْبُدَ إِلَّا اللَّهَ وَلَا نُشْرِكَ بِهِ شَيْئًا وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللَّهِ ۚ فَإِنْ تَوَلَّوْا فَقُولُوا اشْهَدُوا بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب آؤ ایک بات کی طرف جو برابر ہے ہمارے درمیان اور تمہارے درمیان کہ بندگی نہ کریں مگر اللہ کی اور شریک نہ ٹھہرائیں اس کا کسی کو اور نہ بنائے ہمارا کوئی کسی کو رب سوائے اللہ کے پھر اگر وہ اعراض کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ فرما دیجئے کہ اے اہل کتاب آؤ ایک ایسی بات کی طرف جو کہ ہمارے اور تمہارے درمیان) مسلم ہونے میں (برابر ہے) وہ (یہ) ہے (کہ بجز اللہ تعالیٰ کے ہم کسی اور کی عبادت نہ کریں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں، اور ہم میں سے کوئی کسی دوسرے کو رب قرار نہ دے خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر پھر اگر) اس کے بعد بھی (وہ لوگ) حق سے (اعراض کریں تو تم) مسلمان (لوگ کہہ دو کہ تم) ہمارے (اس) اقرار (کے گواہ رہو کہ ہم تو تابعدار ہیں) اور حکم کو مانتے ہیں اگر تم نہ مانو تو نہ مانو۔

فائدہ: اس مضمون کو مسلم اس لئے کہا کہ سب شریعتوں میں اس کی تعلیم ہوئی اور اہل کتاب بھی ضابطہ کے طور پر اس کو مانتے ہیں کہ توحید فرض ہے اور شرک کفر ہے اور کسی مخلوق کو رب قرار دینا شرک ہے لیکن اس کے باوجود وہ شرک میں اس لئے مبتلا تھے کہ وہ اس کو شرک اور خلاف توحید نہ سمجھتے تھے۔ اس تقریر میں لطف و مہربانی کی صورت یہ ہوئی کہ اصول و ضابطہ کی بات سامنے رکھ دی تاکہ اپنے اختیار کردہ بعض تفصیلی عقائد کے شرک ہونے کو سمجھنا آسان ہو جائے۔

اہل کتاب کے مشرک ہونے کی وجہ یہ تھی کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی وہ بعض صفات جو اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ خاص ہیں دوسروں کے لئے بھی مانتے تھے اگرچہ اتنا فرق مانتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کو وہ صفات خود بخود حاصل ہیں یعنی ان کی ذاتی ہیں اور دوسروں کو اللہ کے دیئے سے حاصل ہیں یعنی ان کے لئے عطائی ہیں حالانکہ یہ فرق ان صفات میں تو روا ہے جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص نہیں ہیں ان میں جائز نہیں جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہیں مثلاً الوہیت اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت عزیر علیہ السلام کے لئے اس کو مانتے تھے۔ اسی طرح مطاع علی الاطلاق ہونا یعنی ہر حال میں قابل اطاعت ہونا اللہ تعالیٰ کی صفت خاصہ ہے لیکن اہل کتاب اپنے احبار اور رہبان کے لئے اسکو مانتے تھے کیونکہ ان کے حرام و حلال ٹھہرانے کو اگرچہ کتاب الٰہی کی تصریح کے خلاف ہو معتبر مانتے تھے۔

ربط: اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں میں سے ہر ایک اپنی تائید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارے میں دعویدار تھے کہ وہ ان کے طریقہ پر تھے جیسا کہ ایک بار نجران کے نصاریٰ اور کچھ علمائے یہود نے رسول اللہ ﷺ کے سامنے اس کا اظہار بھی کیا۔ جہاں ان کو حق قبول کرنے اور شرک چھوڑنے کی دعوت دی وہیں یہ بھی وضاحت کر دی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو شرک سے بہت دور تھے تمہارا ان کو اپنے اپنے طریق پر ماننا عقل و نقل دونوں کی رو سے غلط ہے۔

يَٰٓأَهْلَ ٱلْكِتَٰبِ لِمَ تُحَآجُّونَ فِىٓ إِبْرَٰهِيمَ وَمَآ أُنزِلَتِ ٱلتَّوْرَىٰةُ وَٱلْإِنجِيلُ إِلَّا مِنۢ بَعْدِهِۦٓ ۚ أَفَلَا تَعْقِلُونَ ﴿٦٥﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ حَٰجَجْتُمْ فِيمَا لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ فَلِمَ تُحَآجُّونَ فِيمَا لَيْسَ لَكُم بِهِۦ عِلْمٌ ۚ وَٱللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٦٦﴾ مَا كَانَ إِبْرَٰهِيمُ يَهُودِيًّا وَلَا نَصْرَانِيًّا وَلَٰكِن كَانَ حَنِيفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ مِنَ ٱلْمُشْرِكِينَ ﴿٦٧﴾ إِنَّ أَوْلَى ٱلنَّاسِ بِإِبْرَٰهِيمَ لَلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ وَهَٰذَا ٱلنَّبِىُّ وَٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ ۗ وَٱللَّهُ وَلِىُّ ٱلْمُؤْمِنِينَ ﴿٦٨﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں جھگڑتے ہو ابراہیم کی بابت حالانکہ نہیں اتاری گئیں توریت اور انجیل مگر اس کے بعد۔ کیا تم عقل نہیں کرتے۔ ارے تم ہی لوگ جھگڑ چکے جس بات میں تم کو کچھ خبر تھی، اب کیوں جھگڑتے ہو جس بات میں تم کو کچھ خبر نہیں اور اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔ نہ تھا ابراہیم یہودی اور نہ تھا نصرانی لیکن تھا حنیف (یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار) اور فرمانبردار اور نہ تھا مشرکوں میں سے۔ بے شک لوگوں میں زیادہ قریب ہیں ابراہیم سے وہ جنہوں نے ان کی اتباع کی اور یہ نبی اور جو ایمان لائے (اس نبی پر) اور اللہ دوست ہے مسلمانوں کا۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں حجت کرتے ہو) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے بارے میں) کہ وہ طریق یہودیت پر تھے یا نصرانیت پر تھے (حالانکہ نہیں نازل کی گئی تورات اور انجیل، مگر ان کے) زمانہ کے بہت (بعد) اور یہ دونوں طریق ان دونوں کتابوں کے نزول کے بعد سے ظاہر ہوئے پہلے سے ان کا وجود ہی نہ تھا، پھر حضرت ابراہیمؑ ان طریقوں پر کس طرح ہو سکتے ہیں (کیا) ایسی خلاف عقل بات منہ سے نکالتے ہو اور (پھر سمجھتے نہیں ہو، ہاں تم ایسے ہو کہ ایسی بات میں حجت کر ہی چکے تھے جس) سے تم کو کسی قدر تو واقفیت تھی) مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے واقعات اور نبی آخر الزمان کی بشارتیں وغیرہ حالانکہ ان میں بھی تمہاری غلطی ظاہر ہو گئی جیسے علم کے باوجود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا بیٹا کہنا اور تورات وانجیل میں ان بشارتوں کا مصداق آپ ﷺ کو نہ ماننا (تو ایسی بات میں) پھر (کیوں حجت کرتے ہو جس سے تم کو سرے سے واقفیت نہیں) اور کیوں دعوی کئے چلے جاتے ہو کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام یہودی یا

عیسائی تھے۔ اور اگر یہ مطلب لیتے ہو کہ ان کی شریعت ہمارے مذہب سے زیادہ قریب اور موافق تھی تو یہ بھی غلط ہے اور اس کی بھی تمہارے پاس کوئی دلیل اور ثبوت نہیں تو اسے خدا کے سپرد کردو۔

اور (اللہ تعالیٰ) ابراہیم علیہ السلام کے طریق کو خوب (جانتے ہیں تم نہیں جانتے) جب تم ایسے بے سروپا دعوے کرتے ہو جس سے علم اور عدم علم میں فرق ہی نہیں رہتا تو اب اللہ تعالیٰ سے ان کے طریق کو سنو کہ (ابراہیم علیہ السلام نہ تو یہودی تھے اور نہ نصرانی تھے، لیکن) البتہ (طریق مستقیم) والے اور (فرمانبردار تھے اور مشرکین میں سے) بھی (نہ تھے) سو یہود اور نصاریٰ کو تو مذہبی طریق کے اعتبار سے ان کے ساتھ کوئی مناسبت نہ ہوئی، ہاں (بلاشبہ سب آدمیوں میں زیادہ خصوصیت رکھنے والے) حضرت (ابراہیم) علیہ السلام (کے ساتھ البتہ وہ لوگ تھے جنہوں نے ان کے وقت میں (ان کا اتباع کیا تھا اور یہ نبی) محمد ﷺ (ہیں، اور یہ ایمان والے) جو نبی ﷺ کی امت ہیں۔ (اور اللہ تعالیٰ حامی ہیں ایمان والوں کے) کہ ان کو ان کے ایمان کا ثواب دیں گے۔

ربط: اہل کتاب کو دعوت حق دی گئی لیکن ان سے قبول کرنے کی توقع نہیں الا من شاء اللہ اور یہ گمراہی میں اس درجہ چلے گئے ہیں کہ چاہتے ہیں کہ دوسرے اہل حق کو بھی گمراہ کیا جائے۔

وَدَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يُضِلُّوْنَكُمْ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّاۤ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۶۹﴾

ترجمہ: آرزو کرتے ہیں بعض اہل کتاب میں سے کہ کسی طرح گمراہ کریں تم کو اور گمراہ نہیں کرتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں سمجھتے۔

تفسیر: (دل سے چاہتے ہیں بعضے لوگ اہل کتاب میں سے اس بات کو کہ تم کو) دین حق سے (گمراہ کر دیں اور وہ کسی کو گمراہ نہیں کر سکتے مگر خود اپنے آپ کو) گمراہ کرنے کے وبال میں گرفتار کر رہے ہیں (اور اس کی سمجھ نہیں رکھتے۔)

ربط: آگے اہل کتاب کے ضلال و اضلال پر ان کو ملامت فرماتے ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۷۰﴾ يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَلْبِسُوْنَ الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۷۱﴾

ترجمہ: اے اہل کتاب کیوں انکار کرتے ہو اللہ کی آیتوں کا حالانکہ تم (انکا) اقرار کرتے ہو۔ اے اہل کتاب کیوں خلط کرتے ہو سچ کو جھوٹ کے ساتھ اور چھپاتے ہو سچی بات حالانکہ تم جانتے ہو۔

تفسیر: (اے اہل کتاب کیوں کفر کرتے ہو اللہ تعالیٰ کی) ان (آیتوں کے ساتھ) جو تورات اور انجیل میں نبوت محمدیہؐ پر دلالت کرتی ہیں، کیونکہ حضور ﷺ کی نبوت کا انکار کرنا ان آیات کی تکذیب کرنا ہے جو کفر ہے (حالانکہ تم) اپنی زبان سے (اقرار کرتے ہو) کہ وہ آیات حق ہیں، یہ تو ملامت ہوئی ان کے ضلال و گمراہی پر آگے اضلال یعنی دوسروں کو گمراہ کرنے کی کوشش پر ملامت فرماتے ہیں کہ (اے اہل کتاب کیوں مخلوط کرتے ہو واقعی) مضمون یعنی نبوت محمدیہؐ (کو غیر واقعی) یعنی تحریف شدہ عبارت یا فاسد تفسیر (سے اور) کیوں (چھپاتے ہو واقعی بات کو حالانکہ تم جانتے ہو) کہ حق بات چھپا رہے ہو۔

فائدہ: اَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ اور اَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ کے الفاظ سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اگر وہ اقرار حق نہ کریں یا ان کو علم نہ ہو تو ان کے لئے کفر جائز ہوگا، کیونکہ کفر تو اپنی ذات کے اعتبار سے ایک قبیح فعل ہے، یہ ہر حالت میں ناجائز ہے، البتہ علم واقرار کے بعد کفر اختیار کرنے میں ملامت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔

ربط: آگے اہل حق کو گمراہ کرنے کی ان کی ایک تدبیر کا ذکر فرماتے ہیں۔

وَقَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِیْٓ اُنْزِلَ عَلَى الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَلَا تُؤْمِنُوْٓا اِلَّا لِمَنْ تَبِعَ دِیْنَكُمْ قُلْ اِنَّ الْهُدٰى هُدَى اللّٰهِ اَنْ یُّؤْتٰٓى اَحَدٌ مِّثْلَ مَآ اُوْتِیْتُمْ اَوْ یُحَآجُّوْكُمْ عِنْدَ رَبِّكُمْ قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ ﴿۷۳﴾ یَّخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْمِ ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اور کہا بعض اہل کتاب نے مان لو جو کچھ اتارا گیا مسلمانوں پر شروع دن میں اور منکر ہو جاؤ آخر دن میں شاید وہ پھر جائیں اور نہ یقین کرو مگر اسی کا جو چلے تمہارے دین پر۔ کہہ

دے کہ بے شک ہدایت وہی ہے جو اللہ کی ہدایت ہے (اے اہل کتاب تم ایسی باتیں اس حسد سے کہتے ہو) کہ اور کسی کو بھی کیوں دیا گیا جیسا کچھ تم کو دیا گیا تھا یا وہ غالب کیوں آگئے تم پر تمہارے رب کے پاس۔ تو کہہ فضل اللہ کے ہاتھ میں ہے دیتا ہے جس کو چاہے اور اللہ بہت گنجائش والا ہے خبردار ہے خاص کرتا ہے اپنی مہربانی کے ساتھ جس کو چاہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔

تفسیر: (اور اہل کتاب میں سے بعض لوگوں نے) باہمی مشورہ کے طور پر کہا کہ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کی ایک تدبیر ہے کہ ظاہراً (ایمان لے آؤ اس) کتاب (پر جو نازل کی گئی ہے) بواسطہ رسول اللہ ﷺ کے (مسلمانوں پر) مراد یہ کہ قرآن پر ایمان لے آؤ (شروع دن میں) یعنی صبح کے وقت (اور) پھر انکار کر بیٹھو آخر دن یعنی شام کو (کیا عجب) کہ اس تدبیر سے مسلمانوں کو بھی قرآن اور اسلام کے حق ہونے میں شبہ پڑ جائے اور (وہ) اپنے دین سے (پھر جائیں) اور یہ خیال کریں کہ یہ لوگ علم والے ہیں اور بے تعصب بھی ہیں کہ اسلام قبول کر لیا، اس پر بھی جو پھر گئے تو ضرور اسلام کا غیر حق ہونا ان کو علمی دلائل سے ثابت ہو گیا ہوگا اور ضرور انہوں نے اسلام میں کوئی خرابی دیکھی ہو گی جب ہی تو اس سے پھر گئے (اور) اہل کتاب نے یہ بھی باہم کہا کہ مسلمانوں کے دکھانے کو صرف ظاہری ایمان لانا اور یہ ذہن میں رکھنا کہ کہیں مسلمانوں کی باتوں اور عقیدوں پر یقین نہ کرنے لگو کیونکہ اس طرح تو تم خود ہی بدل جاؤ گے اس لئے (یقین تو صرف اسی کی بات کا کرنا جو تمہارے دین کی پیروی کرتا ہو)

حق تعالیٰ ان کی تدبیر کے لچر ہونے کا اظہار فرماتے ہیں کہ (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ) ان چالاکیوں سے کچھ نہیں ہوتا، کیونکہ (یقیناً ہدایت) جو بندوں کو ہوتی ہے وہ (ہدایت اللہ کی) طرف سے ہوتی (ہے) پس جب ہدایت قبضہ خداوندی میں ہے تو وہ جس کو ہدایت پر قائم رکھنا چاہیں اس کو کوئی دوسرا کسی تدبیر سے نہیں ہٹا سکتا ہے۔ آگے ان کے اس مشورہ و تدبیر کی علت بتاتے ہیں کہ اے اہل کتاب تم (ایسی باتیں اس لئے کرتے ہو کہ کسی اور کو بھی ایسی چیز مل رہی ہے جیسی تم کو ملی تھی) یعنی کتاب اور دین آسمانی (یا وہ اور لوگ تم پر غالب آجائیں) اس دین حق کی تعیین میں جو (تمہارے رب کے نزدیک) ہے۔ علت کا حاصل یہ ہوا کہ تم کو مسلمانوں پر حسد ہے کہ ان کو آسمانی کتاب کیوں مل گئی، یا یہ لوگ ہم پر مذہبی مناظرہ میں کیوں غالب آجاتے ہیں، اس حسد کی وجہ سے اسلام اور اہل اسلام کے گرانے کی کوشش کر رہے ہو، آگے اس حسد کا رد ہے کہ (اے محمد ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ بے شک فضل تو خدا کے قبضہ میں ہے وہ اس کو جسے چاہیں عطا فرمائیں اور اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والے ہیں) ان کے یہاں فضل کی کمی نہیں

اور (خوب جاننے والے ہیں کہ کس وقت کس کو دینا مناسب ہے اس لئے (خاص کر دیتے ہیں اپنی رحمت) و فضل (کے ساتھ جس کو چاہیں اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں) پس اس وقت اپنی حکمت کے تقاضے سے مسلمانوں پر فضل ور حمت فرمادیا اس میں حسد کرنا فضول اور جہل ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی چند اور خرابیوں کا ذکر فرماتے ہیں مثلاً چند ایک کے علاوہ عام طور سے اہل کتاب کا مال میں خیانت کرنا۔

وَمِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُّؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ ۚ وَمِنْهُمْ مَّنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِدِيْنَارٍ لَّا يُؤَدِّهٖٓ اِلَيْكَ اِلَّا مَا دُمْتَ عَلَيْهِ قَآئِمًا ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لَيْسَ عَلَيْنَا فِى الْاُمِّيّٖنَ سَبِيْلٌ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۵﴾

ترجمہ: اور اہل کتاب میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ڈھیر مال کی تو ادا کر دیں تجھ کو اور ان میں سے بعض وہ ہیں کہ اگر تو ان کے پاس امانت رکھے ایک اشرفی تو ادا نہ کریں تجھ کو مگر جب تک کہ تو اس کے سر پر کھڑا رہے۔ یہ اس واسطے کہ انہوں نے کہہ رکھا ہے کہ نہیں ہے ہم پر امی لوگوں (کے حق لینے) میں کچھ گناہ اور بولتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور اہل کتاب میں سے بعض شخص ایسا ہے کہ) اے مخاطب (اگر تم اس کے پاس انبار کا انبار مال بھی امانت رکھ دو تو وہ) مانگنے کے ساتھ ہی (اس کو تمہارے پاس لا رکھے اور ان ہی میں سے بعض وہ شخص ہے کہ اگر تم اس کے پاس ایک دینار بھی امانت رکھ دو تو وہ بھی تم کو ادا نہ کرے) بلکہ امانت رکھانے کا بھی اقرار نہ کرے (مگر جب تک کہ تم) امانت رکھ کر (اس کے سر پر) برابر (کھڑے رہو) اس وقت تک تو انکار نہ کرے اور جہاں الگ ہوئے پھر ادا کرنے کا تو کیا ذکر ہے سرے سے امانت ہی سے انکار ہو جائے گا (یہ) امانت کا ادا نہ کرنا (اس سبب سے ہے کہ وہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم پر امی لوگوں) یعنی غیر اہل کتاب کے مال (کے بارے میں) اگر چوری چھپے لیا جائے تو مذہب کی رو سے (کسی طرح کا الزام نہیں) یعنی غیر اہل کتاب مثلاً قریش کا مال چرالینا یا چھین لینا سب جائز ہے۔ اللہ تعالیٰ آگے ان کے اس دعوئی کی تکذیب اس طرح فرماتے ہیں کہ (اور وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ لگاتے ہیں) کہ اس فعل کو حلال سمجھتے ہیں (اور دل میں وہ بھی جانتے ہیں) اللہ تعالیٰ نے اس کو حلال نہیں کیا، محض تراشیدہ دعوئی ہے۔

فائدہ: وَمِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ مَنْ اِنْ تَاْمَنْهُ بِقِنْطَارٍ يُؤَدِّهٖ اِلَيْكَ اس آیت میں بعض لوگوں کے امانت دار ہونے پر مدح کی گئی ہے، اگر اس بعض سے مراد وہ اہل کتاب ہیں جو ایمان لا چکے تھے تو ان کی تعریف کرنے میں کوئی اشکال نہیں، لیکن اگر خاص مومن مراد نہ ہوں بلکہ مطلقاً اہل کتاب ہوں جن میں غیر مسلم بھی شامل ہیں تو اس صورت میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کافر کا کوئی عمل مقبول نہیں ہوتا تو پھر ان کی مدح سے کیا فائدہ؟

جواب یہ ہے کہ کسی چیز کا مقبول ہونا اور چیز ہے اور اس کی مدح کرنا اور چیز ہے، مدح کرنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ کے ہاں مقبول بھی ہے، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ اچھی بات گو کافر کی ہو وہ بھی کسی درجہ میں اچھی ہی ہے، جس کا فائدہ اس کو دنیا میں "نیک نامی" ہے اور آخرت میں عذاب کی کمی کی صورت ملے گا۔

ربط: اوپر ویقولون سے اہل کتاب کے دعوی کی تکذیب تھی آگے ان آیات سے اس تکذیب کی تاکید اور ایفاء عہد کی فضیلت اور نقض عہد کی مذمت کی تصریح ہے۔

بَلٰى مَنْ اَوْفٰى بِعَهْدِهٖ وَاتَّقٰى فَاِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ يَشْتَرُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَاَيْمَانِهِمْ ثَمَنًا قَلِيْلًا اُولٰٓئِكَ لَا خَلَاقَ لَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللّٰهُ وَلَا يَنْظُرُ اِلَيْهِمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَلَا يُزَكِّيْهِمْ ۠ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۷۷﴾

ترجمہ: کیوں نہیں جو کوئی پورا کرے اپنا عہد اور پرہیزگاری کرے تو اللہ محبت کرتا ہے پرہیزگاروں سے۔ بے شک جو لوگ مول لیتے ہیں اللہ کے عہد پر اور اپنی قسموں پر تھوڑی سی قیمت ان کا کچھ حصہ نہیں آخرت میں اور نہ بات کرے گا ان سے اللہ اور نہ نگاہ کرے گا ان کی طرف قیامت کے دن اور نہ پاک کرے گا ان کو اور ان کے واسطے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: خائن پر (الزام کیوں نہ ہوگا) ضرور ہوگا، کیونکہ اس کے متعلق ہمارے یہ دو قانون ہیں ایک یہ کہ (جو شخص اپنے عہد کو) خواہ وہ عہد اللہ تعالیٰ سے ہوا ہو، یا بشرط جواز کسی مخلوق سے ہوا ہو (پورا کرے اور) اللہ تعالیٰ کی نافرمانی سے (پرہیزگاری کرے تو بے شک اللہ تعالیٰ محبوب رکھتے ہیں) ایسے (متقیوں کو) تو جو بدعہدی کر کے خیانت کرتے ہوں وہ اللہ کی محبت سے دور ہوں گے اور سزا کے مستحق

ہوں گے اور دوسرا قانون یہ ہے کہ (یقیناً جو لوگ تھوڑا معاوضہ) یعنی دینوی نفع (لے لیتے ہیں اس عہد کے مقابلہ میں جو) انہوں نے (اللہ تعالیٰ سے کیا ہے) مثلاً انبیاء علیہم السلام پر ایمان لانے کا (اور اپنی قسموں کے مقابلہ میں) مثلاً قسم کھا کر کچھ دینوی فائدے کے خاطر اس کو توڑتے ہیں (ان لوگوں کو آخرت میں) وہاں کی نعمت کا (کچھ حصہ نہ ملے گا اور نہ خدا تعالیٰ ان سے) لطف کا (کلام فرمائیں گے اور نہ قیامت کے روز ان کی طرف) نظر محبت سے (دیکھیں گے اور نہ ان کو) گناہوں سے (پاک کریں گے اور ان کے لئے درد ناک عذاب) تجویز (ہوگا)۔

فائدہ: اگر یہ آیت کفار کے حق میں لی جائے تو یہ سب وعیدیں ابد الآباد کے لئے ہیں اور اگر مسلمان فاجروں کو اس میں شامل کیا جائے تو یہ مطلب ہے کہ وہ کچھ عرصہ تک ان وعیدوں کے مستحق ہوں گے۔ ان کی سزا ابدی نہ ہوگی کیونکہ ایمان کی جزا بھی تو بالآخر ان کو ملنی ہے اور یہ بھی لازمی نہیں کہ ان کو سزا ضرور ہی ہو کیونکہ اہلسنت کے نزدیک بغیر سزا کے بھی معافی ہو سکتی ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی خیانت کی ایک عادت کا ذکر ہے کہ ایک خاص طریقے سے کتاب اللہ کی تحریف کرتے ہیں۔

وَاِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيْقًا يَّلْوٗنَ اَلْسِنَتَهُمْ بِالْكِتٰبِ لِتَحْسَبُوْهُ مِنَ الْكِتٰبِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتٰبِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَيَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۷۸﴾

ترجمہ: اور ان میں ایک فریق ہے کہ مروڑتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب (پڑھنے) میں تاکہ تم خیال کرو کہ وہ کتاب میں سے ہے حالانکہ وہ نہیں ہے کتاب میں سے۔ اور کہتے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ہے حالانکہ وہ نہیں ہے اللہ کی جانب سے اور اللہ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ وہ جانتے ہیں۔

تفسیر: (اور بے شک ان میں سے بعضے ایسے ہیں کہ کج کرتے ہیں اپنی زبانوں کو کتاب) پڑھنے (میں) یعنی ان میں کوئی لفظ یا کوئی تفسیر غلط ملا دیتے ہیں اور ایسے انداز میں اس کو پڑھتے ہیں (تاکہ تم لوگ جو اس کو سنو تو (اس) ملائی ہوئی چیز (کو) بھی (کتاب کا جزو سمجھو، حالانکہ وہ کتاب کا جزو نہیں اور) صرف دھوکہ دینے کے لئے اس عملی طریق پر اکتفاء نہیں کرتے بلکہ زبان سے بھی (کہتے ہیں کہ یہ) لفظ یا مطلب (خدا تعالیٰ کے پاس سے) جو الفاظ یا قواعد نازل ہوئے ہیں ان سے ثابت (ہے حالانکہ وہ) کسی طرح (خدا

تعالیٰ کے پاس سے نہیں) پس ان کا جھوٹا ہونا لازم آگیا، آگے تاکید کے لئے اس کی پھر تصریح ہے (اور اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ) اپنا جھوٹا ہونا دل میں خود بھی (وہ جانتے ہیں)۔

فائدہ: ممکن ہے کہ تحریف لفظی کرتے ہوں اور ممکن ہے کہ تفسیر غلط بتاتے ہوں۔ تحریف لفظی میں الفاظ میں ردوبدل کر کے یا اپنی طرف سے اضافہ کر کے دعویٰ کیا جاتا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ایسا ہی نازل ہوا ہے۔ غلط تفسیر میں یہ دعویٰ ہوتا ہے کہ یہ تفسیر اللہ تعالیٰ کی جانب سے مقرر کردہ قواعد شرعی سے ثابت ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں ہے۔

ربط: آگے اہل کتاب کی ایک اور خیانت کا ذکر کیا کہ جانتے بوجھتے انبیاء علیھم السلام پر بہتان تراشی کرتے ہیں جیسا کہ جب آپ ﷺ نے یہود اور نجران کے نصاریٰ کو اسلام کی دعوت دی تو ابو رافع قرظی ایک یہودی نے کہا کہ کیا آپ یہ چاہتے ہیں کہ ہم آپ کی عبادت کریں جیسے نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبادت کرتے ہیں۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّؤْتِيَهُ اللّٰهُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُوْلَ لِلنَّاسِ كُوْنُوْا عِبَادًا لِّيْ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلٰكِنْ كُوْنُوْا رَبّٰنِيّٖنَ بِمَا كُنْتُمْ تُعَلِّمُوْنَ الْكِتٰبَ وَبِمَا كُنْتُمْ تَدْرُسُوْنَ ﴿۷۹﴾ وَلَا يَاْمُرَكُمْ اَنْ تَتَّخِذُوا الْمَلٰٓئِكَةَ وَالنَّبِيّٖنَ اَرْبَابًا ؕ اَيَاْمُرُكُمْ بِالْكُفْرِ بَعْدَ اِذْ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۸۰﴾

ترجمہ: کسی بشر کا کام نہیں کہ اللہ اس کو دے کتاب اور حکمت اور پیغمبری پھر وہ کہے لوگوں کو کہ تم میرے بندے ہو جاؤ اللہ کو چھوڑ کر لیکن وہ تو یہ کہے گا کہ تم اللہ والے ہو جاؤ اس وجہ سے کہ تم سکھاتے ہو کتاب اور اس وجہ سے کہ تم خود بھی پڑھتے ہو اسے۔ اور نہ وہ یہ کہے گا تم کو کہ ٹھہرالو فرشتوں کو اور نبیوں کو رب۔ کیا وہ تم کو کفر کا حکم دے گا بعد اس کے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو۔

تفسیر: (کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ) تو (اس کو کتاب اور) دین کا (فہم اور نبوت عطا فرمائیں) جن میں سے ہر ایک کا تقاضا کفر و شرک سے ممانعت ہے اور (پھر وہ لوگوں سے) یوں

کہنے لگے کہ میرے بندے) یعنی عبادت کرنے والے (بن جاؤ، خدا تعالیٰ) کی توحید (کو چھوڑ کر) یعنی نبوت اور امر بالشرک جمع نہیں ہو سکتے (ولیکن) وہ نبی تو یہ (کہے گا کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ) یعنی صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو (اس وجہ سے کہ تم کتاب) الٰہی اوروں کو بھی (سکھاتے ہو اور اس وجہ سے کہ) خود بھی اس کو (پڑھتے ہو) اور اس کتاب میں توحید کی تعلیم ہے (اور نہ ہی) وہ بشر جس کو نبوت ملی ہے (یہ بات کہے گا کہ تم فرشتوں کو اور) یا دوسرے (نبیوں کو رب قرار دے لو۔ کیا) بھلا (وہ تم کو کفر کا حکم کرے گا اس کے بعد کہ تم) خاص اس عقیدہ میں خواہ فی الواقع یا بزعم خود (مسلمان ہو)

ربط: اوپر اہل کتاب کی ان کارروائیوں کا ذکر ہوا جو اسلام کی مخالفت میں اور اس کو نقصان پہنچانے میں ان سے ہوتی تھیں۔ آگے ترقی کر کے یہ بتاتے ہیں کہ مخالفت کرنے اور نقصان پہنچانے کی تو ان کو کب اجازت ہو سکتی تھی ان پر تو خود اسلام کو قبول کرنا واجب تھا کیونکہ اس مضمون کا عہد سب انبیاء علیہم السلام تک سے لیا گیا ہے تو ان کی امتوں پر تو بدرجہ اولیٰ واجب ہو گا اور عہد کو توڑنے پر وعید کے مستحق ہوں گے اور اس ذکر کے بعد اس عہد کو بالفعل توڑنے پر زجر و توبیخ بھی فرمائی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِیْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۱﴾ فَمَنْ تَوَلّٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ﴿۸۲﴾ اَفَغَيْرَ دِيْنِ اللّٰهِ يَبْغُوْنَ وَلَهٗٓ اَسْلَمَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ طَوْعًا وَّكَرْهًا وَّاِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد نبیوں سے کہ جو کچھ میں نے تم کو دیا کتاب اور علم پھر آئے تمہارے پاس کوئی رسول تصدیق کرنے والا اس کی جو تمہارے پاس ہے تو اس رسول پر ضرور ایمان لاؤ گے اور ضرور اس کی مدد کرو گے۔ فرمایا کہ کیا تم نے اقرار کیا اور اس (مضمون) پر قبول کیا میرا عہد۔ انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ فرمایا تو اب گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں پھر جو کوئی پھر جائے اس کے بعد تو وہی لوگ ہیں نافرمان۔ کیا اب (کوئی اور دین)

ڈھونڈ ہتے ہیں اللہ کے دین کے علاوہ حالانکہ اسی کا فرمانبر دار ہے جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے خوشی سے یالاچاری سے اور اسی کی طرف لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ نے عہد لیا) حضرات (انبیاء) علیہم السلام (سے کہ جو کچھ تم کو کتاب اور علم) شریعت (دوں) اور (پھر تمہارے پاس کوئی) اور (پیغمبر آئے جو تصدیق کرے اس کی جو تمہارے پاس) کی کتاب میں (ہے) جس کی صورت یہ ہے کہ اس کتاب میں جو اس رسول کی نشانیاں ہیں وہ اس میں پائی جاتی ہوں (تو تم ضرور اس رسول) کی رسالت (پر) دل سے (اعتقاد بھی لانا اور) ہاتھ پاؤں سے (اس کی مدد بھی کرنا) اس پیغمبر اور رسول سے مراد حضرت محمد ﷺ ہیں۔ پھر یہ عہد بیان کر کے (ارشاد فرمایا کہ آیا تم نے اقرار کیا اور اس مضمون پر میرا عہد اور حکم قبول کیا وہ بولے کہ ہم نے اقرار کیا، ارشاد فرمایا تو) اپنے اس اقرار پر (گواہ بھی رہنا) کیونکہ گواہی سے پھر جانے کو ہر شخص ہر حال میں برا سمجھتا ہے، بخلاف اقرار کرنے والے کے کہ صاحب غرض ہونے کی وجہ سے اس کا پھر جانا زیادہ مستبعد نہیں ہوتا، اسی طرح تم صرف اقراری کی طرح نہیں بلکہ گواہ کی طرح اس پر قائم رہنا (اور میں) بھی (اس) مضمون (پر تمہارے ساتھ گواہوں میں سے) یعنی واقعہ کی اطلاع اور علم رکھنے والا (ہوں، سو جو شخص) امتوں میں سے (روگردانی کرے گا) اس عہد سے (اس کے بعد) کہ انبیاء تک سے عہد لیا گیا اور امتیں تو کس شمار میں ہیں (تو ایسے ہی لوگ) پوری (نافرمانی کرنے والے) یعنی کافر (ہیں، کیا) دین اسلام سے جن کا عہد لیا گیا ہے روگردانی کر کے (پھر) اس (دین خداوندی کے سوا اور کسی طریقہ کو چاہتے ہیں حالانکہ حق تعالیٰ) کی یہ شان ہے کہ ان (کے) حکم کے (سامنے سب سر تسلیم کئے ہیں جتنے آسمانوں میں) ہیں (اور) جتنے (زمین میں ہیں خوشی اور اختیار سے یا مجبوری سے اور) اول تو اس عظمت ہی کا تقاضا یہ تھا کہ کوئی ان کے عہد کی مخالفت نہ کرے خاص کر جب کہ آئندہ سزا کا بھی ڈر ہو چنانچہ (سب خدا ہی کی طرف) قیامت کے روز (لوٹائے) بھی (جائیں گے) اور اس وقت مخالفین کو سزا ہو گی۔

فائدہ: 1-انبیاء علیہم السلام سے تو اس عہد کے لئے جانے کی قرآن پاک میں تصریح ہے اور یہ (عہد) یا تو اول عالم ارواح میں لیا گیا ہو گا یا صرف دنیا میں وحی سے لیا گیا ہو گا۔ باقی ان کی امتوں سے یا تو اسی وقت لیا ہو گا یا انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ لیا ہو گا اور چونکہ اس عہد اور وجوب کا انبیاء اور ان کی امتوں دونوں پر ہونا ظاہر ہے اس لئے امتوں سے عہد کو ذکر نہ کرنا مضر نہیں۔

2-اللہ تعالیٰ کے احکام دو قسم کے ہیں۔ ایک تکوینی جن کو پورا کرنا بندے کے اختیار میں نہیں جیسے

زندہ کرنا، مارنا اور بیمار کرنا وغیرہ۔ دوسرے تشریعی جن کو بجالانا بندے کے اختیار میں ہے مثلاً نماز پڑھنے کا حکم۔ اللہ تعالیٰ کے احکام تکوینیہ کے تو سب تابع ہیں خواہ دل سے ان پر راضی ہوں جیسے اللہ کے فرشتے اور نیک بندے ہوتے ہیں یا محض مجبور و لاچار ہوں جیسے عالم کا ذرہ ذرہ۔ اور نیک بندے اپنی خوشی سے احکام تشریعی کے بھی تابع فرمان ہیں۔ تو اللہ تعالیٰ کے تکوینی احکام تو سب ہی پر نافذ ہیں اور تشریعی احکام کو بھی بہت سے بندوں نے قبول کر رکھا ہے جس سے حاکم کی عظمت واضح ہے تو اَفَغَیْرَ دِیْنِ اللّٰہِ یَبْغُوْنَ میں فرمایا کہ کیا کوئی اور اس عظمت کا ہے جس کی موافقت کے لئے یہ اللہ کی مخالفت کرتا ہے۔

ربط: اوپر اسلام کی حقیقت کا ذکر ہوا تو اب رسول اللہ ﷺ کو حکم ہوا کہ اس کی حقیقت کا حاصل ظاہر فرمادیں۔

قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ عَلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ عَلٰٓی اِبْرٰھِیْمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَالنَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ وَنَحْنُ لَہٗ مُسْلِمُوْنَ ﴿۸۴﴾

ترجمہ: تو کہہ ہم ایمان لائے اللہ پر اور جو کچھ اتارا گیا ہم پر اور جو کچھ اتارا گیا ابراہیم پر اور اسماعیل پر اور اسحٰق پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور جو دیا گیا موسیٰ کو اور عیسیٰ کو اور سب نبیوں کو ان کے پروردگار کی طرف سے۔ ہم تفریق نہیں کرتے ان میں کسی ایک میں بھی اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ) دین اسلام کے اظہار کے لئے خلاصہ کے طور پر یہ (فرمادیجئے کہ ہم ایمان رکھتے ہیں اللہ پر اور اس) حکم (پر جو ہمارے پاس بھیجا گیا اور اس) حکم (پر جو) حضرت (ابراہیم و اسماعیل و یعقوب) علیہم السلام (اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گذرے ہیں ان (کی طرف بھیجا گیا اور اس) حکم و معجزہ (پر بھی جو) حضرت (موسیٰ و عیسیٰ) علیہما السلام (اور دوسرے نبیوں کو دیا گیا ان کے پروردگار کی طرف سے) سو ہم ان سب پر ایمان رکھتے ہیں اور ایمان بھی (اس کیفیت سے کہ ہم ان) حضرات (میں سے کسی ایک میں بھی) ایمان لانے کے معاملے میں (تفریق نہیں کرتے) کہ کسی پر ایمان رکھیں اور کسی پر نہ

رکھیں (اور ہم تو اللہ ہی کے مطیع ہیں) اس نے ہی دین ہم کو بتلایا ہم نے اختیار کر لیا۔

فائدہ: مقصود یہ ہے کہ اسلام کی اس حقیقت ہی سے اس کی خوبی ظاہر ہے پھر اس کو ترک کرنا سخت بد دینی اور ناانصافی ہے۔

ربط: آگے دین اللہ یعنی اسلام کے علاوہ کسی دوسرے طریقہ کا اللہ کے نزدیک مقبول نہ ہونا بتاتے ہیں۔

وَمَنْ يَّبْتَغِ غَيْرَ الْاِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ ۚ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۸۵﴾

ترجمہ: اور جو کوئی طلب کرے سوا دین اسلام کے اور کوئی دین سو اس سے ہر گز قبول نہ کیا جائے گا اور وہ آخرت میں گھاٹے والوں میں سے ہوگا۔

تفسیر: (اور جو شخص اسلام کے سوا کسی دوسرے دین کو طلب کرے گا تو وہ) دین (اس) شخص (سے) خدا تعالیٰ کے نزدیک (مقبول) و منظور (نہ ہوگا اور) وہ شخص (آخرت میں تباہ کاروں میں سے ہوگا) یعنی نجات نہ پائے گا۔

ربط: آگے اسلام سے اعراض کرنے والوں میں سے ان لوگوں کا بیان ہے جو اسلام کو قبول کرنے کے بعد پھر اس سے پھر گئے۔ ان میں بھی دو طرح کے ہیں۔ بعض تو اس کفر پر قائم رہے اور بعض پھر تائب ہو کر اسلام لے آئے۔ دونوں کا بیان آتا ہے۔

كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ قَوْمًا كَفَرُوْا بَعْدَ اِيْمَانِهِمْ وَشَهِدُوْٓا اَنَّ الرَّسُوْلَ حَقٌّ وَّجَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۸۶﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ اَنَّ عَلَيْهِمْ لَعْنَةَ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿۸۷﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿۸۸﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ وَاَصْلَحُوْا ۣ فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۸۹﴾

ترجمہ: کیسے ہدایت دے گا اللہ ایسے لوگوں کو کہ کافر ہو گئے اپنے ایمان لانے کے بعد اور

گواہی دینے کے بعد کہ بے شک رسول سچا ہے اور (اس کے بعد کہ) آئے ان کے پاس واضح دلائل ۔اور اللہ ہدایت نہیں دیتا ظالم لوگوں کو۔ ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر لعنت ہے اللہ کی اور فرشتوں کی اور لوگوں کی سب کی ہمیشہ رہیں گے اس میں نہ ہلکا کیا جائے گا ان سے عذاب اور نہ وہ مہلت دیئے جائیں گے مگر جنہوں نے توبہ کی اس کے بعد اور نیک کام کئے تو بیشک اللہ غفور ہے رحیم ہے۔

تفسیر: اول ان مرتدین کا بیان ہے جو کفر پر قائم رہ کر اس کو ہدایت سمجھتے رہے، چونکہ ان کا اعتقاد یادعویٰ یہ تھا کہ خدا تعالیٰ نے ہم کو اب ہدایت فرمائی، لہذا ان کی مذمت میں اس کی نفی بھی فرماتے ہیں کہ بھلا (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو کیسے ہدایت کریں گے جو کافر ہو گئے) دل سے (ایمان لانے کے بعد اور) زبان سے (اپنے اس اقرار کے بعد کہ رسول) ﷺ دعویٰ رسالت میں (سچے ہیں اور اس کے بعد کہ ان کو) حقانیت اسلام کے) واضح دلائل پہنچ چکے تھے، اور اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کیا کرتے) یہ مطلب نہیں کہ ایسوں کو کبھی اسلام کی توفیق نہیں دیتے، بلکہ مقصود ان کے مذکورہ بالا دعویٰ کی نفی کرنا ہے کہ وہ کہتے تھے کہ ہم نے جو اسلام چھوڑ کر یہ طریق اختیار کیا ہے تو اب ہم کو خدا نے ہدایت دی ہے، نفی کا خلاصہ یہ ہوا کہ جو شخص کفر کا بے ڈھنگا راستہ اختیار کرے وہ ہدایت خداوندی پر نہیں، اس لئے وہ یہ نہیں کہہ سکتا کہ مجھ کو خدا نے ہدایت دی ہے، کیونکہ ہدایت کا یہ راستہ نہیں ہے بلکہ ایسے لوگ یقیناً گمراہ ہیں اور (ایسے لوگوں کی سزا یہ ہے کہ ان پر اللہ تعالیٰ کی بھی لعنت ہوتی ہے اور فرشتوں کی بھی اور) بہت سے (آدمیوں کی بھی) غرض (سب کی) اور پھر وہ لعنت بھی ایسے طور پر رہے گی کہ (وہ ہمیشہ ہمیشہ) کے لئے (اسی) لعنت (میں رہیں گے) اور چونکہ اس لعنت کا اثر جہنم ہے تو حاصل یہ ہوا کہ وہ جہنم میں ہمیشہ رہیں گے اور (ان پر سے عذاب ہلکا بھی نہ ہونے پائے گا اور نہ) داخل ہونے سے قبل (ان کو) کسی میعاد تک (مہلت ہی دی جائے گی)

آگے ان کا بیان ہے جو پھر مسلمان ہو گئے ان کو اس حکم سے مستثنٰی فرماتے ہیں یعنی (ہاں مگر جو لوگ توبہ کر لیں اس) کفر (کے بعد) یعنی مسلمان ہو جائیں (اور اپنے) دل (کو) بھی (سنواریں) یعنی منافقانہ طور پر صرف زبان سے توبہ کافی نہیں (سو بے شک) ایسوں کے لئے (خدا تعالیٰ بخش دینے والے رحمت کرنے والے ہیں)

فائدہ: كَيْفَ يَهْدِي اللّٰهُ الخ اس آیت سے بظاہر یہ شبہ ہوتا ہے کہ کسی کو مرتد ہونے کے بعد

ہدایت نصیب نہیں ہوتی، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، کیونکہ بہت سے لوگ مرتد ہونے کے بعد ایمان قبول کر کے ہدایت یافتہ بن جاتے ہیں۔

جواب یہ ہے کہ یہاں جو ہدایت کی نفی کی گئی ہے اس کی مثال ہمارے محاورات میں ایسی ہے جیسے کسی بدمعاش کو کوئی حاکم اپنے ہاتھ سے سزا دے اور وہ کہے کہ مجھ کو حاکم نے اپنے ہاتھ سے خصوصیت عنایت فرمائی ہے اور اس کے جواب میں کہا جائے کہ ایسے بدمعاش کو ہم خصوصیت کیوں دینے لگے، یعنی یہ خصوصیت والی بات ہی نہیں۔ اور یہ مطلب نہیں ہوتا کہ ایسا شخص کسی طرح قابل خصوصیت نہیں ہو سکتا اگرچہ وہ شائستہ ہی بن جائے۔

ربط: اوپر توبہ کرنے والوں کو سزا سے مستثنیٰ فرمایا تھا اور ظاہر ہے کہ اس خاص توبہ کی حقیقت اسلام قبول کرنا ہے۔ چونکہ لفظ توبہ کو سن کر اور اس کی حقیقت میں غور نہ کر کے احتمال تھا کہ کوئی مرتد کہنے لگے کہ میں بھی تو توبہ کیا کرتا ہوں یعنی ان باتوں سے جو اس کی کفریہ دین میں بری ہیں تو میں بھی نجات کا مستحق ہوں گا اس لئے اگلی آیت میں اسلام کے بغیر محض گناہوں سے توبہ کا قبول نہ ہونا بیان فرماتے ہیں۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بَعْدَ إِيمَانِهِمْ ثُمَّ ازْدَادُوا كُفْرًا لَّن تُقْبَلَ تَوْبَتُهُمْ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الضَّالُّونَ ﴿٩٠﴾

ترجمہ: جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں ہر گز قبول نہ کی جائے گی ان کی توبہ اور وہی ہیں گمراہ۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اپنے ایمان لانے کے بعد پھر بڑھتے رہے کفر میں) یعنی کفر پر دوام رکھا ایمان نہیں لائے (ان کی توبہ) جو کہ اور گناہوں سے کرتے ہیں (ہر گز مقبول نہ ہو گی) کیونکہ معاصی سے توبہ ایک فرعی اور ذیلی اطاعت ہے اور ذیلی اطاعت کے مقبول ہونے کی شرط ایمان ہے (اور ایسے لوگ) اس توبہ کے بعد بھی بدستور (پکے گمراہ ہیں)

فائدہ: جو شروع سے کافر ہے اس کا بھی یہی حکم ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں کفر کے بڑھنے کا ذکر ہے جس کی تفسیر دوام علی الکفر ہے۔ اگلی آیت میں اس تفسیر کی تصریح ہے اور نیز اوپر کی آیت ظاہرا مرتد کے بارے میں تھی حالانکہ مذکورہ حکم عام ہے اس لئے اگلی آیت میں لفظ عام کے ساتھ اس کو بیان فرماتے ہیں نیز اوپر کی آیت میں قبول توبہ کی نفی تھی احتمال

باقی رہا کہ شاید خالی توبہ قبول نہ ہو کچھ فدیہ قبول ہو جائے اگلی آیت میں اس کی بھی نفی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْ اَحَدِهِمْ مِّلْءُ الْاَرْضِ ذَهَبًا وَّلَوِ افْتَدٰى بِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ وَّمَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ ﴿۹۱﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور مر گئے کافر ہی تو ہر گز قبول نہ کیا جائے گا کسی ایسے سے زمین بھر کر سونا اگرچہ وہ اس کو فدیہ میں دے ان کے لئے عذاب دردناک ہے اور کوئی نہیں ہو گا ان کا مددگار۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور وہ حالت کفر ہی میں مر بھی گئے سو ان میں سے کسی کا) بطور کفارہ (زمین بھر سونا بھی نہ لیا جائے گا اگرچہ وہ معاوضہ اسکو دینا بھی چاہے) اور بغیر دئے تو کون پوچھتا ہے (ان لوگوں کو دردناک سزا ہو گی اور انکے حامی مددگار بھی نہ ہونگے)

ربط: اوپر فدیہ دینے کا کفار کے لئے فائدہ مند نہ ہونے کا ذکر ہوا اس کی مناسبت سے آگے بتاتے ہیں کہ آخرت میں مومنین کو انفاق فی سبیل اللہ فائدہ مند ہو سکتا ہے اور اس میں یہ بھی اشارہ ہو گیا کہ اگر کفار اپنے اموال سے آخرت میں نفع اٹھانا چاہیں تو مسلمان ہو کر یہاں دنیا میں فی سبیل اللہ خرچ کریں۔

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ؕ وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

ترجمہ: ہرگز نہ حاصل کر سکو گے کامل نیکی جب تک نہ خرچ کرو اس چیز سے جو تم پسند کرتے ہو۔ اور جو تم خرچ کرو گے سو اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں۔

تفسیر: اے مسلمانو (تم خیر کامل) یعنی بڑے ثواب (کو کبھی حاصل نہ کر سکو گے یہاں تک کہ اپنی پیاری چیز سے کچھ اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرو گے اور) یوں (جو کچھ بھی خرچ کرو گے) گو غیر محبوب چیز ہو (اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں) مطلق ثواب اس پر بھی دیدیں گے، لیکن کمال ثواب حاصل کرنے کا وہی طریقہ ہے۔

فائدہ: آیت سے معلوم ہوا کہ ثواب تو ہر خرچ کرنے سے ہوتا ہے جو اللہ کی راہ میں کیا جائے مگر زیادہ ثواب محبوب چیز کے خرچ کرنے سے ہوتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کتاب سے محاجہ چلا آتا ہے کہیں یہود سے کہیں نصاریٰ سے اور کہیں دونوں سے۔ ایک محاجہ کا آگے ذکر آرہا ہے جس کا قصہ یہ ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ نے اصول اور اکثر فروع کے اعتبار سے اپنا ملت ابراہیمی پر ہونا بیان فرمایا تو یہود نے اعتراض کیا کہ آپ اونٹ کا گوشت اور دودھ استعمال کرتے ہیں حالانکہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر حرام تھا اور ہم تک یہ تحریم پہنچی ہے۔ اگلی آیت یہود کی تکذیب کے لئے نازل ہوئی۔

كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ اِلَّا مَا حَرَّمَ اِسْرَآءِیْلُ عَلٰى نَفْسِهٖ مِنْ قَبْلِ اَنْ تُنَزَّلَ التَّوْرٰىةُ ؕ قُلْ فَاْتُوْا بِالتَّوْرٰىةِ فَاتْلُوْهَاۤ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ ﴿۹۳﴾ فَمَنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَاُولٰٓىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۹۴﴾

ترجمہ: سب کھانے کی چیزیں حلال تھیں بنی اسرائیل کے لئے مگر وہ جو حرام کرلی تھی اسرائیل نے اپنے اوپر توریت نازل کئے جانے سے پہلے۔ تو کہہ لاؤ توریت اور پڑھو اس کو اگر تم سچے ہو، پھر جو کوئی باندھے اللہ پر جھوٹ اس کے بعد تو وہی ہیں بڑے بے انصاف۔

تفسیر: کھانے کی جن چیزوں میں گفتگو ہے مثلاً اونٹ کا گوشت اور دودھ تو یہ (سب کھانے کی چیزیں حضرت ابراہیمؑ کے وقت سے ہر گز حرام نہیں چلی آرہی ہیں بلکہ یہ چیزیں تورات کے نازل کئے جانے سے پہلے سوائے) اونٹ کے گوشت کے (جس کو اسرائیل) یعنی حضرت یعقوب علیہ السلام نے ایک خاص وجہ سے (اپنے نفس پر حرام کرلیا تھا) اور پھر وہ ان کی اولاد میں بھی حرام چلا آیا، باقی سب چیزیں خود (بنی اسرائیل پر) بھی (حلال تھیں) تو ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے ان کی تحریم کا دعویٰ کب صحیح ہو سکتا ہے، اور تورات کے نزول سے قبل اس واسطے فرمایا کہ نزول تورات کے بعد ان مذکورہ حلال چیزوں میں سے بھی بہت سی چیزیں حرام ہو گئی تھیں، جس کی کچھ تفصیل سورہ انعام کی اس آیت میں ہے وَ عَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِیْ ظُفُرٍ الی اخرھا۔ اور اگر اب بھی یہود کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے سے تحریم ہونے کا دعویٰ ہے تو اے محمد ﷺ ان سے (فرمادیجئے کہ) اچھا تو (پھر تورات لاؤ پھر اس کو پڑھو اگر تم) اپنے مذکورہ دعوی میں سچے ہو) اور اس میں کوئی آیت وغیرہ اس مضمون کی نکال دو کیونکہ دین کی نقل شدہ باتوں میں نص کی ضرورت ہوتی ہے اور تورات باقی ہے لہٰذا اس میں دکھادو۔ پھر چونکہ اس میں نہ دکھلا سکے تو ان کے اس دعوے کا جھوٹ ہونا ثابت ہو گیا، آگے اس پر مرتب کر کے فرماتے ہیں (سو جو شخص) دلیل سے (اس) جھوٹ کے ظاہر ہونے (کے بعد) بھی (اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بات کی تہمت لگائے) جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے وقت سے اونٹ کے گوشت وغیرہ کو حرام فرمایا ہے (تو ایسے لوگ بڑے بے انصاف ہیں)

فائدہ: 1- دراصل اس میں قصہ یہ ہوا کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کو عرق النساء کا مرض تھا، آپ نے نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ اس سے شفاء دیں تو سب سے زیادہ جو کھانا مجھ کو محبوب ہے اس کو چھوڑ دوں گا، ان کو شفاء ہو گئی اور سب سے زیادہ محبوب آپ کو اونٹ کا گوشت تھا اس کو ترک فرمادیا۔ ان کی پیروی میں ان کی اولاد نے بھی چھوڑ دیا تھا۔

2- نذر سے کسی حلال چیز کو حرام کرلینا ان کی شریعت میں جائز تھا ہماری شریعت میں جائز نہیں۔ سورۃ تحریم میں ہے يَا اَيُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ اور حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کرلینا اس کی

حقیقت یہ ہے کہ وہ قسم ہے کہ میں اس کو استعمال نہ کروں گا۔ تو اس قسم کو توڑنا اور پھر قسم کا کفارہ ادا کرنا واجب ہے۔

ربط: اوپر یہود کا کذب ثابت ہوا جس سے قرآن یعنی کلام الٰہی کا صدق عقلاً ثابت ہوا۔ آگے اس صدق کی تصریح اور پھر اس پر ایک تفریع مذکور ہے۔

قُلْ صَدَقَ اللّٰهُ ۗ فَاتَّبِعُوْا
مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿٩٥﴾

ترجمہ: تو کہہ سچ فرمایا اللہ نے سو تابع ہو جاؤ دین ابراہیم کے جو ایک ہی کا ہو گیا تھا اور نہ تھا شرک کرنے والوں میں سے

تفسیر: (آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ نے سچ کہہ دیا سو) اب (تم) کو چاہئے کہ قرآن کی حقانیت ثابت ہونے کے بعد (ابراہیم جو کہ حنیف تھے ان کے دین یعنی اسلام کا اتباع) اختیار (کرو اور وہ) ابراہیم علیہ السلام (مشرک نہ تھے)

یہود کے ایک اور اعتراض کا جواب: مسلمانوں کے اس دعوے پر کہ ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سب سے زیادہ قریب ہیں یہود کو یہ بھی اعتراض تھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے وطن اصلی عراق چھوڑ کر شام کو ہجرت کی وہیں رہے وہیں وفات پائی۔ ان کے بعد ان کی اولاد شام (یعنی فلسطین میں رہی۔ کتنے ہی انبیاء اسی مقدس سرزمین میں مبعوث ہوئے سب کا قبلہ بیت المقدس رہا جس کی وجہ سے بیت المقدس ہی سب سے زیادہ فضیلت والی جگہ بھی ہے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ اس کا تعلق بھی زیادہ ہے۔ اس کے جواب میں کعبہ کا افضل ہونا بتایا۔

اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِيْ بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّهُدًى
لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٦﴾ فِيْهِ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ مَّقَامُ اِبْرٰهِيْمَ ڬ وَمَنْ دَخَلَهٗ
كَانَ اٰمِنًا ۭ وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ
اِلَيْهِ سَبِيْلًا ۭ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٩٧﴾

ترجمہ: بے شک سب سے پہلا گھر جو مقرر کیا گیا لوگوں کے واسطے یہی ہے جو مکہ میں ہے برکت والا اور رہنما ہے جہان کے لوگوں کے لئے۔ اس میں نشانیاں ہیں ظاہر جیسے مقام ابراہیم اور جو اس کے اندر آیا وہ امن والا ہوا ہے۔ اور اللہ کے واسطے ہے لوگوں پر حج کرنا اس گھر کا (یعنی) جو شخص قدرت رکھتا ہو اس کی طرف راہ چلنے کی، اور جو نہ مانے تو پھر اللہ بے پرواہ ہے جہان کے لوگوں سے۔

تفسیر: (یقیناً وہ مکان جو سب) مکانات عبادت (سے پہلے لوگوں) کی عبادت گاہ بننے (کے واسطے) منجانب اللہ (مقرر کیا گیا وہ مکان ہے جو کہ) شہر (مکہ میں ہے) یعنی خانہ کعبہ (جس کی حالت یہ ہے کہ وہ برکت والا ہے) کیونکہ اس میں دینی نفع یعنی ثواب ہے (اور) عبادت خاص مثلاً نماز کا رخ بتلانے میں (جہان بھر کے لوگوں کا رہنما ہے)۔ مطلب یہ ہے کہ حج وہاں ہوتا ہے اور مثلاً نماز کا ثواب حدیث کی تصریح کے مطابق وہاں بہت زیادہ ہوتا ہے یہ تو وہاں پر موجود لوگوں کے لئے دینی برکت ہوئی۔ اور جو لوگ وہاں نہیں ہیں ان کو اس مکان کے ذریعے سے نماز کا رخ معلوم ہوتا ہے یہ رہنمائی ہوئی۔ غرض (اس میں) کچھ تشریعی کچھ تکوینی (کھلی نشانیاں) اس کی افضلیت کی موجود (ہیں) چنانچہ دو تشریعی نشانیوں یعنی اس کے بابرکت اور رہنما ہونے کا ذکر اوپر ہوا۔ آگے ایک تکوینی نشانی یعنی مقام ابراہیمؑ کا (ذکر) کرنے کے بعد دو اور تشریعی نشانیاں ذکر فرماتے ہیں۔ تو تشریعی نشانیاں کل چار ہوئیں۔ فرماتے ہیں کہ نشانیوں (میں سے ایک مقام ابراہیم) تکوینی نشانی (ہے اور) ایک تشریعی نشانی یہ ہے کہ (جو شخص اس) کے حدود متعلقہ (میں داخل ہو جائے وہ) شرعاً (امن والا ہو جاتا ہے اور) ایک اور تشریعی نشانی یہ ہے کہ (اللہ کے) خوش کرنے کے (واسطے لوگوں کے ذمہ اس مکان کا حج کرنا) فرض (ہے) مگر سب کے ذمہ نہیں بلکہ خاص خاص کے (یعنی اس شخص کے جو کہ طاقت رکھے وہاں تک) پہنچنے (کے سبیل کی۔ اور جو شخص) احکام خداوندی کا (منکر ہو تو خدا تعالیٰ کا کیا ضرر کیونکہ (اللہ تعالیٰ تمام جہان والوں سے غنی ہیں) کسی کے ماننے پر ان کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا بلکہ خود اس منکر ہی کا ضرر ہے۔

فائدہ 1: خانہ کعبہ کی اولیں تعمیر حضرت آدم علیہ السلام نے کی تھی اور اس کے منہدم ہو جانے کے بعد از سر نو حضرت ابراہیم و حضرت اسماعیل علیہما السلام نے کی۔ خانہ کعبہ کو سب سے پہلی عبادت گاہ بتا کر یہود کو یہ بھی جتلا دیا گیا کہ کعبہ تو بیت المقدس سے بھی قدیم تر ہے۔

2- مقام ابراہیم ایک پتھر ہے جس پر کھڑے ہو کر حضرت ابراہیم علیہ اسلام نے کعبہ کی تعمیر کی تھی اور اس پتھر میں آپ کے قدموں کا نشان بن گیا تھا اور اب وہ پتھر خانہ کعبہ سے ذرا فاصلہ پر مطاف میں ایک

محفوظ شیشے میں بند ہے۔

3-جواب کا حاصل یہ ہے کہ دیکھو یہ شرعی احکام خانہ کعبہ کے متعلق ہیں اور ان کا متعلق ہونا دلائل سے ثابت ہے جب کہ ایسے احکام بیت المقدس کے ساتھ متعلق نہیں ہیں لہذا کعبۃ اللہ کی افضلیت ثابت ہوئی۔

ربط: اوپر اہل کتاب کے اقوال پر رد ہوا ہے آگے ان کے ایک فعل پر رد وملامت ہے۔ جس کا قصہ یہ ہے۔

کہ ایک یہودی شماس بن قیس مسلمانوں سے بہت کینہ رکھتا تھا، اس نے ایک مجلس میں انصار کے دو قبیلوں اوس اور خزرج کو ایک جگہ مجتمع و متفق دیکھا تو حسد سے بے چین ہو گیا اور ان میں تفریق ڈالنے کی فکر میں لگا، آخر یہ تجویز کی کہ ایک شخص سے کہا کہ ان دونوں قبیلوں میں اسلام سے پہلے جو ایک بڑی جنگ عرصہ دراز تک رہ چکی ہے اور اس کے متعلق فریقین کے فخریہ اشعار ہیں وہ اشعار ان کی مجلس میں پڑھ دیئے جائیں، چنانچہ اشعار کا پڑھنا تھا فوراً ایک آگ سی بھڑک اٹھی اور آپس میں تو تکار ہونے لگی، یہاں تک کہ لڑائی کا موقع اور وقت تک مقرر ہو گیا، حضور ﷺ کو خبر ہوئی تو آپؐ ان کے پاس تشریف لائے، اور فرمایا کہ کیا اندھیر ہے، میرے ہوتے ہوئے پھر مسلمان ہونے اور باہم متفق و مانوس ہونے کے بعد یہ کیا جہالت ہے، کیا تم اسی حالت میں کفر کی طرف عود کرنا چاہتے ہو؟ سب متنبہ ہوئے اور سمجھا کہ یہ شیطانی حرکت تھی اور ایک دوسرے کے گلے لگ کر بہت روئے اور توبہ کی، اس واقعہ میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ۖ وَاللّٰهُ شَهِيْدٌ عَلٰى مَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۸﴾ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لِمَ تَصُدُّوْنَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَنْ اٰمَنَ تَبْغُوْنَهَا عِوَجًا وَّاَنْتُمْ شُهَدَآءُ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۹۹﴾

ترجمہ: تو کہہ اے اہل کتاب تم کیوں انکار کرتے ہو اللہ کے احکام کا حالانکہ اللہ باخبر ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔ تو کہہ اے اہل کتاب کیوں ہٹاتے ہو اللہ کی راہ سے اس کو جو ایمان لایا کہ ڈھونڈتے ہو اس میں کجی حالانکہ تم خود جانتے ہو اور اللہ بے خبر نہیں اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: اے محمد ﷺ آپ ان اہل کتاب سے (فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب تم) اسلام کی حقانیت کی دلیل ظاہر ہو جانے کے بعد (کیوں انکار کرتے ہو اللہ تعالیٰ کے احکام کا) خواہ وہ اصول ہوں یا فروع (حالانکہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب کاموں کی اطلاع رکھتے ہیں) تم کو اس سے بھی ڈر نہیں لگتا۔ اور اے محمد ﷺ ان سے یہ بھی (فرمادیجئے کہ اے اہل کتاب اللہ کی راہ) یعنی اس کے دین حق (سے ایسے شخص کو جو) اس کے دین حق ہونے پر (ایمان لاچکا کیوں ہٹانے کی کوشش کرتے ہو اس طور پر کہ کجی) کی باتیں (ڈھونڈتے ہو اس راہ میں) پیدا کرنے کے لئے جیسا کہ مذکورہ قصہ میں کوشش کی تھی کہ اس کارروائی سے ان کے اندر نااتفاقی پیدا کی جائے تاکہ ان کی اجتماعی قوت بھی برباد کی جائے اور ان بکھیڑوں میں ڈال کر ان کو دین حق سے بھی دور کیا جائے۔ (حالانکہ تم خود بھی) اس حرکت کے قبیح ہونے کی (اطلاع رکھتے ہو اور اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں سے بے خبر نہیں) وقت معین پر اس کی سزا دیں گے۔

ربط: آگے مسلمانوں کو تنبیہ اور فہمائش کی گئی ہے کہ اہل کتاب اور دوسرے لوگ جو تمہیں گمراہی میں مبتلا کرنا چاہتے ہیں ان کی گمراہی سے باخبر رہ کر بچنے کا اہتمام کریں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تُطِيْعُوْا فَرِيْقًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ يَرُدُّوْكُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ كٰفِرِيْنَ ۝١٠٠ وَكَيْفَ تَكْفُرُوْنَ وَاَنْتُمْ تُتْلٰى عَلَيْكُمْ اٰيٰتُ اللّٰهِ وَفِيْكُمْ رَسُوْلُهٗ ۗ وَمَنْ يَّعْتَصِمْ بِاللّٰهِ فَقَدْ هُدِيَ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝١٠١

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے ایک فریق کا ان لوگوں میں سے جو دیئے گئے کتاب تو وہ لوٹا دیں گے تم کو تمہارے ایمان لانے کے بعد کافر۔ اور تم کس طرح کافر ہوتے ہو حالانکہ پڑھی جاتی ہیں تم پر آیتیں اللہ کی اور تم میں اس کا رسول ہے۔ اور جو کوئی مضبوط پکڑے اللہ کو تو اس کو ہدایت دی گئی سیدھے راستے کی۔

تفسیر: (اے ایمان والو اگر تم کہنا مانو گے کسی فرقہ کا ان لوگوں میں سے جن کو کتاب دی گئی ہے) یعنی اہل کتاب میں سے تو وہ لوگ تمہیں تمہارے ایمان لانے کے بعد) اعتقاد کے یا عمل کے اعتبار سے (کافر بنادیں گے اور تم کس طرح کفر کرتے ہو) یعنی تمہارے لئے کفر کرنا کب روا ہو سکتا ہے (حالانکہ)

کفر سے مانع تمام اسباب جمع ہیں کیونکہ (تم کو اللہ تعالیٰ کے احکام) قرآن میں (پڑھ کر سنائے جاتے ہیں اور) پھر (اللہ کے رسول) ﷺ (تم میں موجود ہیں) اور یہ دونوں قوی ذرائع ہیں ایمان پر قائم رہنے کے پس تم کو چاہئے کہ ان دونوں ذریعوں کی تعلیم و تلقین کے موافق ایمان کی باتوں پر قائم رہو (اور) یاد رکھو کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کو مضبوط پکڑتا ہے) یعنی ایمان پر پورا قائم رہتا ہے، کیونکہ اللہ کو مضبوط پکڑنا یہی ہے کہ اس کی ذات و صفات کی تصدیق کرے، اس کے احکام کو مضبوط پکڑے کسی دوسرے مخالف کی موافقت نہ کرے (تو) ایسا شخص (ضرور راہ راست کی ہدایت کیا جاتا ہے) یعنی وہ راہ راست پر ہوتا ہے، اور راہ راست پر ہونا اصل بنیاد ہے ہر صلاح وفلاح کی، پس اس میں ایسے شخص کے لئے ہر صلاح وفلاح کی بشارت و وعدہ ہے۔

فائدہ: 1- تفسیر میں جو یہ کہا "اعتقاد کے یا عمل کے اعتبار سے کافر بنادیں گے" تو اس کا حاصل یہ ہے کہ کفر کا ایک معنی تو متعارف ہے اور وہ کفر اعتقادی ہے اور دوسرا معنی یہ ہے کہ اعتقاداً تو مومن ہو مگر کام کافروں کے سے کرے اس کو بھی مجازاً کفر کہہ دیتے ہیں۔ کفر عملی سے یہی مراد ہے۔ قرآن و حدیث میں اس کا استعمال بہت آیا ہے۔ پس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب کی اطاعت سے کفر کا ڈر ہے۔ اگر عقائد میں اطاعت کی جائے تو کفر اعتقادی ہوگا اور اگر اعمال و معاصی میں اطاعت کی جائے جیسے ان کے اشتعال دلانے سے آپس میں لڑنے کو تیار ہو گئے تو یہ کفر عملی ہوگا یعنی کافروں کا سا عمل ہوگا۔

2- صحابہ کے وقت میں تو رسول اللہ ﷺ موجود تھے اس لئے وفیکم رسولہ میں کوئی تکلف نہیں لیکن چونکہ مضمون تمام مسلمانوں کو عام ہے اس لئے آپ کی نبوت کے آثار یعنی تعلیمات و ہدایات کا قیامت تک موجود رہنا آپ کے موجود ہونے کی مانند ہے کیونکہ موجود ہونے کے زمانے میں بھی آپ کا ہادی ہونا اپنی تعلیمات و ہدایات کے اعتبار سے تھا پس اصل موثر یہی چیزیں ہیں۔

ربط: اہل کتاب کی گمراہ کرنے کی تدبیروں سے بچنے کے اہتمام کرنے کا اوپر ذکر ہوا۔ اس کے لئے ضرورت ہے کہ مسلمانوں کی اجتماعی قوت مضبوط ہو جس کے لئے دو چیزیں بہت ضروری ہیں ایک تقویٰ اور دوسرے باہمی اتفاق و اتحاد رکھنا اور اختلاف و تفریق سے بچنا۔ آگے اس کا ذکر ہے۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ حَقَّ تُقَاتِهِ وَلَا
تَمُوتُنَّ إِلَّا وَأَنْتُمْ مُسْلِمُونَ ﴿١٠٢﴾ وَاعْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا
وَلَا تَفَرَّقُوا وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ أَعْدَاءً

فَاَلَّفَ بَیۡنَ قُلُوۡبِکُمۡ فَاَصۡبَحۡتُمۡ بِنِعۡمَتِہٖۤ اِخۡوَانًا ۚ وَکُنۡتُمۡ عَلٰی شَفَا حُفۡرَۃٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنۡقَذَکُمۡ مِّنۡہَا ؕ کَذٰلِکَ یُبَیِّنُ اللّٰہُ لَکُمۡ اٰیٰتِہٖ لَعَلَّکُمۡ تَہۡتَدُوۡنَ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: اے ایمان والو ڈرتے رہو اللہ سے جیسا چاہئے اس سے ڈرنا، اور نہ تم مرنا مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔ اور مضبوط پکڑو رسی اللہ کی سب مل کر اور پھوٹ نہ ڈالو۔ اور یاد کرو احسان اللہ کا اپنے اوپر جب کہ تھے تم آپس میں دشمن پھر الفت ڈالی تمہارے دلوں میں تو اب ہو گئے اس کے فضل سے بھائی۔ اور تم تھے کنارے پر آگ کے ایک گڑھے کے پھر تم کو اس سے نجات دی۔ اسی طرح بیان کرتا ہے اللہ تمہارے لئے اپنے احکامات تاکہ تم راہ پر رہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو اللہ تعالیٰ سے) ایسا (ڈرا کرو جیسا اس سے ڈرنے کا حق ہے)۔ کامل ڈرنے کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح شرک و کفر سے بچے ہو اسی طرح تمام گناہوں سے بھی بچا کرو اور بلاوجہ شرعی لڑنا معصیت ہے تو اس سے بھی بچنا فرض ہے (اور سوائے) کامل (اسلام کے) جس کا حاصل وہی ہے جو کامل ڈرنے کا ہے (اور کسی حالت پر جان نہ دینا) یعنی اسی کامل تقویٰ اور کامل اسلام پر تادم مرگ قائم رہنا (اور مضبوط پکڑے رہو، اللہ تعالیٰ کی رسی کو) یعنی اللہ تعالیٰ کے دین کو جس میں اصول و فروع سب آگئے (اس طور پر کہ باہم سب متفق بھی رہو) جس کی اسی دین میں تعلیم بھی ہے (اور باہم نااتفاقی مت کرو) جس کی اسی دین میں ممانعت بھی ہے (اور تم پر جو اللہ تعالیٰ کا انعام) ہوا (ہے اس کو یاد کرو جب کہ تم) باہم (دشمن تھے) یعنی اسلام سے پہلے چنانچہ اوس و خزرج کے دو قبیلوں میں طویل مدت سے جنگ چلی آتی تھی اور عام طور پر اکثر عرب کے لوگوں کی یہی حالت تھی (پس اللہ تعالیٰ نے) اب (تمہارے قلوب میں) ایک دوسرے کی (الفت ڈال دی، سو تم خدا تعالیٰ کے) تالیف قلوب کے اس (انعام سے) اب (آپس میں بھائی بھائی کی طرح ہو گئے اور) ایک انعام جو کہ مذکورہ بالا انعام کی بھی اصل ہے یہ فرمایا کہ (تم لوگ بالکل دوزخ کے گڑھے کے کنارے) ہی (پر کھڑے تھے) یعنی کافر ہونے کی وجہ سے دوزخ سے اتنے قریب تھے کہ بس دوزخ میں جانے کے لئے صرف مرنے کی دیر تھی (سو اس) گڑھے (سے خدا تعالیٰ نے تمہاری جان بچائی) یعنی اسلام نصیب کیا جس نے جہنم سے نجات دلائی اور تمہاری آپس میں الفت کی بنیاد بھی بنا۔ تو اب تم ان انعاموں کی قدر پہچانو اور آپس کے جدال و قتال سے جو کہ اللہ کی معصیت ہے ان نعمتوں کو

زائل نہ کرو، کیونکہ باہمی جنگ وجدال سے پہلا انعام یعنی سب کے قلوب کا باہم مربوط اور مانوس ہونا تو خود ہی زائل ہو جائے گا اور دوسرا انعام یعنی دین اسلام بھی اس سے مختل اور کمزور ہو جائے گا اور جس طرح اللہ تعالیٰ نے یہ احکام واضح طور پر بیان فرمائے ہیں (اسی طرح اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو اپنے) اور (احکام) بھی (بیان کر کے بتاتے ہیں تاکہ تم لوگ راہ) راست (پر قائم رہو)

فائدہ: ڈرنے کے حق کا یہ مطلب نہیں کہ جیسی حق تعالیٰ کی عظمت کا حق ہے اس کے بقدر ڈرنا کیونکہ یہ تو کسی سے نہیں ہو سکتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ جتنا تمہارے ذمہ حق مقرر ہے اور وہ اتنا ہے کہ جس کی وجہ سے گناہوں سے بچتے رہو۔ اس کے مقابل میں تقوی کا ادنی درجہ ہے یعنی کفر و شرک سے بچنا اگرچہ معصیت میں مبتلا رہے۔ غرض آیت کا مطلب یہ ہے کہ ادنیٰ تقوی پر اکتفا نہ کرو۔ بلکہ اعلی اور کامل درجہ کا تقوی اختیار کرو جس میں گناہوں سے بچنا بھی آگیا۔

ربط: اجتماعی قوت اور باہمی اتحاد جس کا اوپر ذکر ہوا اس کی بقاء اس میں ہے کہ مسلمان صرف اپنے اعمال وافعال کی اصلاح پر بس نہ کرے بلکہ دوسرے بھائیوں کی اصلاح کی فکر بھی کریں۔

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

ترجمہ: اور چاہئے کہ رہے تم میں ایک جماعت ایسی (کہ اس کے افراد) نیک کام کی طرف بلاتے رہیں اور حکم کرتے رہیں اچھے کاموں کا اور منع کرتے رہیں برائی سے اور یہی ہیں فلاح پانے والے۔

تفسیر: (اور تم میں ایک جماعت ایسی ہونا ضروری ہے کہ) اور لوگوں کو بھی (خیر کی طرف بلایا کریں اور نیک کاموں کے کرنے کو کہا کریں اور برے کاموں سے روکا کریں اور ایسے لوگ) آخرت میں ثواب سے (پورے کامیاب ہوں گے)۔

فائدہ: جو شخص امر بالمعروف اور نہی عن المنکر پر قادر ہو یعنی قرائن سے اسے گمان غالب ہو کہ اگر میں امر و نہی کروں گا تو مجھ کو کوئی معتد بہ ضرر نہ پہنچے گا اس کے لئے واجب امور میں امر و نہی کرنا واجب ہے اور مستحب امور میں مستحب مثلاً پنجگانہ نماز فرض ہے تو ایسے شخص پر واجب ہو گا کہ بے نماز کو نصیحت کرے اور نوافل مستحب ہیں اس کی نصیحت کرنا مستحب ہو گا۔ اور جو شخص مذکورہ طریقے پر قادر نہ ہو اس پر امر و نہی کرنا واجب امور میں بھی واجب نہیں البتہ اگر ہمت کرے تو ثواب ملے گا۔

ربط: اوپر دین میں اتحاد واتفاق کا حکم تھا اور تفرق سے نہی تھی آگے اسی مضمون کی تفصیل ہے۔

وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ
تَفَرَّقُوْا وَاخْتَلَفُوْا مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْبَيِّنٰتُ ؕ وَاُولٰٓئِكَ
لَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۰۵﴾ يَّوْمَ تَبْيَضُّ وُجُوْهٌ وَّتَسْوَدُّ وُجُوْهٌ ۚ
فَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْوَدَّتْ وُجُوْهُهُمْ ۣ اَكَفَرْتُمْ بَعْدَ اِيْمَانِكُمْ
فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۱۰۶﴾ وَاَمَّا الَّذِيْنَ
ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللّٰهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ: اور مت ہو ان کی طرح جو متفرق ہو گئے اور اختلاف کرنے لگے بعد اس کے کہ پہنچ چکے ان کو واضح احکام اور ان کے لئے بڑا عذاب ہے۔ جس دن کہ سفید ہوں گے بعضے چہرے اور سیاہ ہوں گے بعضے چہرے سو وہ لوگ کہ سیاہ ہوئے چہرے ان کے (ان سے کہا جائے گا) کیا تم کافر ہو گئے اپنے ایمان لانے کے بعد تو اب چکھو عذاب بسبب اسکے جو تم کفر کرتے تھے۔ اور وہ لوگ کہ سفید ہوئے چہرے ان کے سو رحمت میں ہیں اللہ کی، اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (اور تم لوگ ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جنہوں نے) دین میں (باہم تفریق کر لی اور نفسانیت سے (باہم اختلاف کر لیا ان کے پاس واضح احکام پہنچنے کے بعد اور ان لوگوں کے لئے بڑی سزا ہو گی۔ اس روز) یعنی قیامت کے روز (کہ بعضے چہرے سفید) و روشن (ہو جائیں گے اور بعضے چہرے سیاہ) اور تاریک (ہوں گے، سو جن کے چہرے سیاہ ہو گئے ہوں گے ان سے کہا جائے گا کیا تم) ہی (لوگ کافر ہوئے تھے اپنے ایمان لانے کے بعد تو) اب (سزا چکھو بسبب اپنے کفر کے، اور جن کے چہرے سفید ہوں گے وہ اللہ کی رحمت) یعنی جنت (میں) داخل (ہوں گے) اور (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے)

فائدہ: 1۔ آیت میں جو تفریق واختلاف کی مذمت ہے اس سے مراد وہ تفریق ہے جو اصول دین میں ہو یا فروع میں نفسانیت کی وجہ سے ہو جیسا کہ اہل بدعت اور غرض پرستوں نے اہل سنت سے اختلاف کیا ہے کیونکہ اصول تو سب واضح ہوتے ہیں اور فروع بھی بعض ایسے واضح ہوتے ہیں کہ اگر نفسانیت نہ ہو تو اختلاف کی گنجائش نہیں ہوتی اور آیت میں بھی بینات یعنی واضح احکام کے آنے کا ذکر اس کی طرف

اشارہ ہے۔ لہذا جو فروع غیر واضح ہوں یا تو اس وجہ سے کہ ان کے بارے میں قرآن و حدیث میں کوئی صریح نص موجود نہیں یا بظاہر ان میں تعارض ہو تو ایسے فروع میں مجتہدین کا اختلاف ہو جانا اس آیت میں داخل نہیں اور اس کی اجازت کے لئے یہ حدیث کافی ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ نے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب کوئی حاکم شرعی اپنے اجتہاد سے کوئی حکم کرے اور وہ حکم ٹھیک ہو تو اس کو دو اجر ملتے ہیں اور جب اجتہاد سے حکم کرے اور وہ غلط ہو جائے تو اس کو ایک اجر ملتا ہے۔

2۔ کفر تم میں کفر سے مراد عام ہے خواہ انکار توحید ہو یا انکار رسالت ہو یا اعتقاد بدعت ہو کیونکہ یہ سب دلائل کے واضح ہونے کے بعد ہوتا ہے۔

ربط: اوپر مرحوم و مغضوب دونوں کی جزا و سزا کا بیان تھا آگے اس جزا و سزا کے وعدہ اور وعید کے اہم اور باوقعت ہونے کو تفصیل سے ذکر کرتے ہیں جو چار چیزوں پر موقوف ہے یعنی (1) جزا و سزا کی خبر کا صحیح ہونا اور (2) ان کا مناسب ہونا اور (3) لوگوں کا مملوک خداوندی ہونا جس کا تقاضا ہے کہ اللہ کی اطاعت واجب ہو اور (4) کسی غیر کا بالکل اختیار نہ ہونا۔

تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ؕ وَمَا اللّٰهُ يُرِيْدُ ظُلْمًا لِّلْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۱۰۹﴾

ترجمہ: یہ آیتیں ہیں اللہ کی ہم سناتے ہیں تجھ کو ٹھیک اور اللہ نہیں چاہتا ظلم کرنا مخلوقات پر۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ کہ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ کہ ہے زمین میں اور اللہ ہی کی طرف سب کام لوٹائے جائیں گے۔

تفسیر: (یہ) جو اوپر مذکور ہوئیں (اللہ تعالیٰ کی آیتیں ہیں جو صحیح صحیح طور پر ہم تم کو پڑھ کر سناتے ہیں) اس سے تو مضمون بالا کا صحیح ہونا معلوم ہوا (اور اللہ تعالیٰ مخلوقات پر ظلم کرنا نہیں چاہتے) پس جو کچھ کسی کے لئے جزا و سزا تجویز کی ہے وہ بالکل مناسب ہے۔ اس سے تجویز کردہ سزا و جزا کا مناسب ہونا معلوم ہوا (اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ آسمانوں میں اور زمین میں ہے) پس جب سب ان کی ملک ہیں تو ان سب کے ذمہ اطاعت واجب تھی، اس سے ان کا مملوک ہونا اور وجوب اطاعت ثابت ہوا (اور اللہ ہی کی طرف

سب مقدمات لوٹائے جائیں گے) کوئی دوسرا صاحب اختیار نہ ہوگا۔

ربط: سابقہ آیات میں مسلمانوں کو ایمان پر ثابت قدم رہنے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا خاص اہتمام کرنے کی ہدایت تھی، اس آیت میں اس کی مزید تاکید اس طرح کی گئی ہے کہ امت محمدؐیہ علیٰ صاحبہا الصلوۃ والسلام کو جو حق تعالیٰ نے تمام امتوں سے افضل واعلیٰ اور خیر الامم قرار دیا ہے اس کی بڑی وجہ ان کی یہی صفات ہیں لہذا ان میں کمی نہ آنے پائے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ ۗ وَلَوْ آمَنَ أَهْلُ الْكِتَابِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ ۚ مِنْهُمُ الْمُؤْمِنُونَ وَأَكْثَرُهُمُ الْفَاسِقُونَ ﴿١١٠﴾

ترجمہ: تم ہو بہترین امت جو نکالی گئی ہے لوگوں کے لئے حکم کرتے ہو اچھے کاموں کا اور منع کرتے ہو برے کاموں سے اور ایمان لاتے ہو اللہ پر۔ اور اگر ایمان لاتے اہل کتاب تو یہ بہتر ہوتا انکے لئے۔ کچھ تو ان میں سے ہیں ایمان والے اور اکثر ان میں نافرمان ہیں۔

تفسیر: اے امت محمدؐیہ (تم لوگ) سب اہل مذاہب سے (اچھی جماعت ہو کہ وہ جماعت) عام (لوگوں کے) نفع ہدایت پہنچانے کے (لئے نکالی گئی ہے) اور نفع پہنچانا جو اس امت کے خیر اور افضل ہونے کی وجہ ہے اس کی صورت یہ ہے کہ (تم لوگ) شریعت کے تقاضے کے مطابق زیادہ اہتمام کے ساتھ (نیک کاموں کا کہتے ہو اور بری باتوں سے روکتے ہو اور) خود بھی (اللہ تعالیٰ پر ایمان لاتے ہو) یعنی ایمان پر قائم رہتے ہو، یہاں اللہ پر ایمان میں وہ تمام عقائد و اعمال داخل ہیں جو اللہ کی طرف سے نازل ہوئے ہیں (اور اگر اہل کتاب) بھی جو تمہاری مخالفت کر رہے ہیں، تمہاری طرح (ایمان لے آتے تو ان کے لئے زیادہ اچھا ہوتا) کہ وہ بھی اہل حق کی اسی بہتر جماعت میں داخل ہو جاتے، مگر افسوس کہ وہ سب مسلمان نہ ہوئے بلکہ (ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں) جو رسول اللہ ﷺ پر ایمان لا کر داخل اسلام ہو گئے (اور زیادہ حصہ ان میں سے نافرمان) یعنی کافر (ہیں) کہ خاتم الانبیاء ﷺ پر ایمان نہیں لائے اور ان کی بہتر امت میں شامل نہیں ہوئے بلکہ جو بیچارے اسلام لے آئے ہیں ان کو دین و دنیا کا نقصان پہنچانے کے درپے ہیں۔

فائدہ: 1-اس آیت میں خطاب تمام امت محمدیہ کو عام ہے جیسا کہ ایک حدیث میں ہے رسول

اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ میری امت خیر امم ہے۔

2-دین کی چند اصطلاحات ہیں یعنی امر بالمعروف، نہی عن المنکر، دعوت و تبلیغ اور جہاد۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا تعلق مسلمان معاشرہ سے ہے کہ جب کوئی مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو کسی فرض یا واجب کی ادائیگی میں کوتاہی کرتا دیکھے تو اس کو امر بالمعروف کرے یعنی اس نیک کام کرنے کا حکم کرے اور جب کسی برائی کو ہوتا دیکھے تو کرنے والے کو اس سے اپنی استطاعت بھر روکے۔

دعوت و تبلیغ یہ ہے کہ مسلمانوں کو دین کے احکام و اخلاق کی دعوت دے، اس میں درس و تدریس اور وعظ و نصیحت سب صورتیں آگئیں، اور کافروں کو اسلام و ایمان کی دعوت دے

جہاد اللہ کے رستے میں کافروں اور باغیوں کی قوت و شوکت توڑنے کیلئے ان سے لڑائی میں اپنی قوت خرچ کرنے کو کہتے ہیں۔

یہاں آیت میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر سے لغوی معنی کے اعتبار سے ان کا عام معنی لیا گیا ہے جس میں چاروں باتیں شامل ہو گئیں۔ معروف یعنی بھلے کاموں میں اسلام و ایمان اور احکام و اخلاق فاضلہ سب شامل ہیں۔ کافر و مسلم کو ان کے حسب حال ان کی تلقین کرنا اور دعوت دینا اس میں شامل ہیں۔ منکر (یعنی برے کاموں) میں کفر، شرک، بدعات، قبیح رسوم، فسق و فجور اور ہر قسم کی بد اخلاقی اور نامعقول باتیں شامل ہیں۔ ان سے روکنا بھی کئی طرح ہو گا کبھی زبان سے، کبھی ہاتھ سے کبھی قلم سے اور کبھی تلوار سے۔ غرض جہاد بھی اس میں شامل ہو گیا۔

3۔ تفسیر میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے بارے میں جو یہ کہا گیا کہ تم زیادہ اہتمام کے ساتھ اس کو کرتے ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں اس سے مراد قوت بازو سے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ہے۔ امر و نہی میں یہ خود اعلیٰ درجہ ہے اور یہ درجہ اس امت میں دوسری امتوں کے مقابلے میں دو وجہوں سے زیادہ ہے۔ ایک جہاد کا مشروع ہونا جس سے کفر اور فساد کو دفع کرنا مقصود ہے دوسرے دعوت محمدیہ کے عام ہونے کی وجہ سے دعوت و تبلیغ، امر بالمعروف و نہی عن المنکر اور جہاد سب اقوام کے ساتھ ہے جو کہ اس آیت میں الناس کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے۔ اس امت کے برخلاف سابقہ امتوں میں اگرچہ امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ بھی موجود تھا لیکن بعض امتوں میں جہاد نہ تھا اور بعض میں اگرچہ جہاد تھا لیکن چونکہ سابقہ کسی نبی کی بعثت تمام اقوام کی طرف نہ تھی اس لئے وہ جہاد بھی تمام اقوام کو عام نہ تھا ظاہر ہے کہ زیادہ عمل سے زیادہ اجر ہوتا ہے۔ لیکن وجہ خیریت اس میں منحصر نہیں بلکہ خیریت کے اور وجوہ بھی

وارد ہوئے ہیں۔

4۔ ایمان پر قائم رہنے کو بھی وجہ خیریت بتایا ہے حالانکہ یہ بظاہر سب شریعتوں میں مشترک معلوم ہوتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ شریعت دوسری تمام شریعتوں سے اکمل ہے اور اکمل پر ایمان لانا اور اس پر قائم رہنا ظاہر ہے اکمل ہوگا لہذا اس اعتبار سے مشترک نہ رہا۔

ربط: پہلی آیت میں اہل کتاب کا مسلمانوں سے اعتقاد میں مخالف ہونا اور اس سے پہلے انکا مسلمانوں کو دینی ضرر پہنچانے کی تدبیر کرنا مذکور تھا آگے ان کا مسلمانوں کو دنیوی ضرر پہنچانے کی فکر کرنا اور اس کے ساتھ ان کی ناکامی کی پیشین گوئی سے تسلی کر دینا مذکور ہوتا ہے۔

لَنْ يَّضُرُّوْكُمْ اِلَّآ اَذًى ؕ وَاِنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ يُوَلُّوْكُمُ الْاَدْبَارَ ۫ قف ثُمَّ لَا يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

ترجمہ: وہ ہر گز کچھ ضرر نہ دے سکیں گے تمہیں مگر کچھ ستانا۔ اور اگر تم سے لڑیں گے تو پیٹھ پھیر دیں گے تم سے، پھر ان کی مدد نہ ہوگی۔

تفسیر: (وہ) اہل کتاب (تم کو ہر گز کوئی ضرر نہ پہنچا سکیں گے مگر ذرا ہلکی سی اذیت) یعنی زبانی برا بھلا کہہ کر دل دکھانا (اور اگر وہ) اس سے زیادہ کی ہمت کریں اور (تم سے قتال کریں تو تم کو پیٹھ دکھا کر بھاگ جائیں گے پھر) اس سے بڑھ کر یہ ہوگا کہ (کسی طرف سے ان کی امداد بھی نہ ہوگی)

فائدہ: یہ قرآن کی پیشگوئی اس طرح پوری ہوئی کہ اہل کتاب زمانہ نبوت میں کسی موقع پر بھی صحابہ کرام پر جو کہ (بقرینہ مقام) اس مضمون کے خاص مخاطب ہیں غالب نہ آسکے، خصوصاً یہود جن کی قبیح حرکتیں خصوصیت سے اس جگہ مذکور ہیں جن میں صحابہ کرام کے درمیان تفرقہ ڈالنے کی کارروائی بھی ہے، انجام یہ ہوا کہ یہ لوگ ذلیل و خوار ہوئے، بعض پر جزیہ لگایا گیا بعض مقتول ہوئے، بعض جلاوطن کئے گئے آئندہ آیت میں اسی مضمون کا تکملہ ہے:

ضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ اَيْنَ مَا ثُقِفُوْٓا اِلَّا بِحَبْلٍ مِّنَ اللّٰهِ وَحَبْلٍ مِّنَ النَّاسِ وَبَآءُوْ بِغَضَبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ

حَقٍّ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّ كَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ﴿١١٢﴾

ترجمہ: چھاپ دی گئی ان پر ذلت جہاں پائے جائیں سوائے اس حالت کے کہ ذمہ ہو اللہ کا اور ذمہ ہو لوگوں کا اور لوٹے ساتھ اللہ کے غصہ کے اور جما دی گئی ان کے اوپر حاجت مندی۔ یہ اس واسطے کہ وہ انکار کرتے رہے ہیں اللہ کی آیتوں کا اور قتل کرتے رہے ہیں پیغمبروں کو ناحق۔ یہ اس واسطے کہ نافرمانی کی انہوں نے اور وہ حد سے نکلتے تھے۔

تفسیر: (چھاپ دی گئی ہے ان پر ذلت جہاں کہیں بھی پائے جائیں گے مگر ہاں) دو ذریعوں سے وہ اس ذلت سے نجات پا سکتے ہیں (ایک تو ایسے ذمہ کے سبب جو اللہ کی طرف سے ہے، اور ایک ایسے ذمہ کے سبب جو آدمیوں کی طرف سے ہے) اللہ کی طرف کا ذمہ تو یہ ہے کہ کوئی کتابی غیر مسلم اللہ تعالیٰ کی عبادت میں اپنے طریق پر ایسا مشغول و مصروف ہو کہ مسلمانوں سے لڑتا بھڑتا نہ ہو، اس کو جہاد میں قتل نہیں کیا جاتا اگرچہ اس کی کافرانہ عبادت آخرت میں اس کے کام نہ آئے گی، اسی طرح اللہ کی طرف کے ذمہ میں یہ بھی آ گیا کہ وہ کتابی نابالغ ہو یا عورت ہو کہ شریعت اسلام کی رو سے ان کو بھی جہاد میں قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔ اور آدمیوں کی طرف کے ذمہ سے مراد معاہدہ اور صلح ہے جو دوسرے انسانوں سے ہو جائے خواہ وہ کافر ہوں یا مسلمان۔ مسلمانوں کے ساتھ ہو تو وجہ یہ ہے کہ شریعت اسلام میں جس شخص سے صلح کا کوئی معاہدہ ہو جائے وہ بھی مامون ہے اس کا قتل جائز نہیں (اور مستحق ہو گئے) یہ لوگ (غضب الٰہی کے اور جما دی گئی ان پر حاجتمندی) کہ ہمیشہ دوسروں کے محتاج ہی رہیں گے۔ یہ ذلت و غضب (اس وجہ سے ہوا کہ وہ لوگ منکر ہو جاتے تھے احکام الٰہیہ سے اور قتل کر دیا کرتے تھے پیغمبروں کو) اس طرح سے کہ وہ قتل خود ان کے نزدیک بھی (ناحق) ہوتا تھا (اور یہ ذلت و غضب اس وجہ سے بھی ہوا کہ انہوں نے اطاعت نہ کی اور دائرہ اطاعت سے نکل نکل جاتے تھے)

فائدہ: بحبل من الناس میں یہ صورت بھی داخل ہے کہ یہ لوگ مسلمانوں سے معاہدہ صلح کر کے محفوظ ہو جائیں اور یہ بھی شامل ہے کہ دوسری غیر مسلم طاقتوں سے معاہدہ صلح کر کے محفوظ ہو جائیں جیسا کہ حکومت اسرائیل کی موجودہ صورت ہے کہ کسی صاحب بصیرت پر مخفی نہیں کہ اسرائیل کی حکومت در حقیقت اہل یورپ و امریکہ کی مشترکہ چھاؤنی سے زیادہ نہیں۔ اس کی جو کچھ قوت نظر آتی ہے وہ سب غیروں کے بل بوتے پر ہے اگر یورپ اور امریکہ والے آج اس پر سے اپنا ہاتھ اٹھا لیں تو وہ ایک دن

اپنا وجود قائم نہیں رکھ سکتا۔

ربط: اوپر اہل کتاب کی قباحتوں کے ذکر میں منهم المومنون یعنی ان میں سے بعض تو مسلمان ہیں میں اجمالاً ان لوگوں کا استثناء کیا جو اہل کتاب میں سے مسلمان ہو گئے تھے جیسے عبد اللہ بن سلام اور ان کے بھائی اور ثعلبہ بن شعبہ۔ آگے اسی اجمالی استثناء کی تفصیل ہے۔

لَيْسُوْا سَوَآءً ۭ مِنْ اَھْلِ الْكِتٰبِ اُمَّةٌ قَاۗىِٕمَةٌ يَّتْلُوْنَ اٰيٰتِ اللّٰهِ اٰنَاۗءَ الَّيْلِ وَھُمْ يَسْجُدُوْنَ ﴿۱۱۳﴾ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْخَيْرٰتِ ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَمَا يَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَلَنْ يُّكْفَرُوْهُ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۱۵﴾

ترجمہ: وہ سب برابر نہیں۔ اہل کتاب میں ایک جماعت ہے سیدھی (راہ پر) پڑھتے ہیں آیتیں اللہ کی راتوں کے وقت اور وہ سجدے کرتے ہیں۔ ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور حکم کرتے ہیں اچھی بات کا اور منع کرتے ہیں برے کاموں سے اور دوڑتے ہیں نیک کاموں میں اور وہی لوگ نیکوں میں سے ہیں۔ اور جو کچھ کریں گے وہ لوگ نیک کام اس میں ان کی ہرگز ناقدری نہ کی جائے گی اور اللہ باخبر ہے پرہیزگاروں سے۔

تفسیر: (یہ) اہل کتاب (سب برابر نہیں) بلکہ (ان) ہی (اہل کتاب میں ایک جماعت وہ بھی ہے جو) دین حق پر (قائم ہیں) اور (اللہ کی آیتیں) یعنی قرآن (اوقات شب میں پڑھتے ہیں، اور وہ سجدہ کرتے ہیں یعنی نماز بھی پڑھتے ہیں) اور (اللہ پر اور قیامت والے دن پر) پورا پورا (ایمان رکھتے ہیں اور) دوسروں کو (نیک کام بتاتے ہیں اور بری باتوں سے روکتے ہیں، اور نیک کاموں میں دوڑتے ہیں اور یہ لوگ) اللہ کے نزدیک (شائستہ لوگوں میں) شمار کئے جاتے (ہیں اور یہ لوگ جو نیک کام کریں گے اس) کے ثواب (سے ہرگز محروم نہ کئے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اہل تقویٰ کو خوب جانتے ہیں) اور یہ لوگ چونکہ اہل تقویٰ ہیں تو حسب وعدہ جزاء کے مستحق ہیں۔

فائدہ: آیت کا حاصل ان لوگوں کی مدح ہے جنہوں نے ان صفات کو اختیار کیا ہے جو کہ اس

امت کی خیریت کے اسباب سے ہیں۔

ربط: آگے اہل کتاب میں سے جو لوگ مسلمان نہیں ہوئے ان کی مذمت ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ أَمْوَالُهُمْ وَلَا أَوْلَادُهُمْ مِنَ اللَّهِ شَيْئًا ۖ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ ﴿۱۱۶﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ جو کافر رہے ہر گز کام نہ آئیں گے انکو ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ کے مقابلہ میں کچھ۔ اور وہی لوگ ہیں دوزخ کی آگ والے وہ اس آگ میں ہمیشہ رہیں گے۔

تفسیر: (بے شک جو لوگ کافر رہے ہر گز ان کے کام نہ آئیں گے ان کے مال اور نہ ان کی اولاد اللہ تعالیٰ کے) عذاب کے (مقابلہ میں ذرا بھی اور وہ لوگ دوزخ والے ہیں) اور (وہ ہمیشہ ہمیشہ اسی میں رہیں گے) اور کبھی نجات نہ ہو گی۔

ربط: اوپر فرمایا کہ کفار کے اموال و اولاد کام نہ آئیں گے۔ چونکہ بعض کفار اپنے زعم میں نیکیوں میں بھی خرچ کیا کرتے تھے خواہ وہ نیکی سب کے نزدیک بالاتفاق ہو جیسے مسکین کو کھانا کھلانا یا اس میں اختلاف ہو جیسے اپنے مذہب کی تائید کرنا۔ اور بظاہر خرچ کرنے کے بعض مواقع کے بارے میں قبولیت کا گمان ہو سکتا تھا اس لئے عام کے الفاظ کے ساتھ اس گمان کو قطع کرتے ہیں کہ ان کا کوئی بھی خرچ و انفاق اللہ تعالیٰ کے ہاں قابل اعتبار نہیں خواہ کسی طرح ہو اور وجہ یہ ہے کہ اگر خرچ کا موقع نیکی نہیں ہے تب تو ظاہر ہے اور اگر واقع میں نیکی ہے تو اس کے لئے ایمان شرط ہے اور وہ مفقود ہے۔

مَثَلُ مَا يُنْفِقُونَ فِي هَٰذِهِ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا كَمَثَلِ رِيحٍ فِيهَا صِرٌّ أَصَابَتْ حَرْثَ قَوْمٍ ظَلَمُوا أَنْفُسَهُمْ فَأَهْلَكَتْهُ ۚ وَمَا ظَلَمَهُمُ اللَّهُ وَلَٰكِنْ أَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُونَ ﴿۱۱۷﴾

ترجمہ: مثال اسکی جو وہ خرچ کرتے ہیں اس دنیا کی زندگی میں جیسے ایک ہوا کہ اس میں ہو پالا جا لگی کھیتی کو ایک قوم کی کہ انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تھا پھر ہوا نے اس کھیتی کو تباہ کر دیا۔ اور اللہ نے ان پر ظلم نہیں کیا لیکن وہ اپنے اوپر ظلم کر رہے تھے۔

تفسیر: (وہ) کفار (جو کچھ خرچ کرتے ہیں اس دنیوی زندگانی میں اس کی حالت) برباد و ضائع ہونے میں (اس حالت کے مثل ہے کہ ایک ہوا ہو جس میں تیز سردی) یعنی پالا (ہو) اور (وہ لگ جائے ایسے لوگوں کی کھیتی کو جنہوں نے) بددینی سے (اپنا نقصان کر رکھا ہو پس وہ) ہوا (اس) کھیتی (کو برباد کر ڈالے)۔ اسی طرح ان لوگوں کا خرچ کرنا آخرت میں سب ضائع ہے (اور) اس ضائع کرنے میں (اللہ تعالیٰ نے ان پر) کوئی (ظلم نہیں کیا، لیکن وہ خود) کفر کے ارتکاب سے جو کہ مانع قبول ہے (اپنے آپ پر ظلم کر رہے تھے) اور خود کو ضرر کفر پہنچا رہے تھے کیونکہ نہ وہ کفر کرتے نہ ان کے سب نفقات ضائع ہوتے۔

فائدہ: 1۔ اولاد کا نافع نہ ہونا (دوبارہ) بیان نہیں کیا کیونکہ اس میں انفاق کی طرح کا کوئی احتمال نہیں تھا۔ وجہ یہ ہے کہ اگر وہ اولاد بھی کافر ہے تو وہ تو خود ہلاک و برباد ہے اور اگر وہ مومن ہے تو اور زیادہ ان کے دشمن ہوں گے اور یہ دونوں باتیں بہت واضح ہیں۔

2: انفاق کا ضیاع محض کافر کے ساتھ مخصوص ہے کیونکہ دنیا میں ضائع ہوا اور ہاتھ سے گیا اور آخرت میں کچھ بدلا بھی نہ ملے گا بخلاف مسلمان کے کہ اس کا دنیا میں جو کسی قسم کا نقصان ہوتا ہے اس کو اس کے عوض ثواب اور گناہوں کی معافی عطا ہوتی ہے جیسا کہ حدیثوں میں تصریح ہے۔

ربط: اوپر اہل کتاب خصوصاً یہود کی مختلف قباحتیں ذکر ہوئیں اور ان پر مذمت ہوئی آگے اہل ایمان کو خطاب کرتے ہیں کہ یہ جب ایسے ہیں تو ان سے دوستی یا دوستانہ برتاؤ مت رکھو۔

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا

بِطَانَةً مِّن دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ

بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ

قَدْ بَيَّنَّا لَكُمُ الْآيَاتِ إِن كُنتُمْ تَعْقِلُونَ ﴿١١٨﴾ هَا أَنتُمْ أُولَاءِ تُحِبُّونَهُمْ

وَلَا يُحِبُّونَكُمْ وَتُؤْمِنُونَ بِالْكِتَابِ كُلِّهِ وَإِذَا لَقُوكُمْ قَالُوا

آمَنَّا وَإِذَا خَلَوْا عَضُّوا عَلَيْكُمُ الْأَنَامِلَ مِنَ الْغَيْظِ قُلْ

مُوتُوا بِغَيْظِكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ بِذَاتِ الصُّدُورِ ﴿١١٩﴾ إِن

تَمْسَسْكُمْ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَاِنْ تُصِبْكُمْ سَيِّئَةٌ يَّفْرَحُوْا بِهَا ؕ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا لَا يَضُرُّكُمْ كَيْدُهُمْ شَيْئًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطٌ ﴿۱۲۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ بناؤ بھیدی کسی کو اپنوں کے سوا۔ وہ کمی نہیں کرتے تمہاری خرابی میں۔ وہ پسند کرتے ہیں تمہارے ضرر کو۔ نکلی پڑتی ہے دشمنی ان کے مونہوں سے اور جو کچھ مخفی ہے ان کے دلوں میں وہ اس سے بہت زیادہ ہے۔ ہم نے بتادیں تم کو علامتیں اگر تم عقل کرتے ہو۔ ہاں تم ہو کہ دوستی رکھتے ہو ان سے اور وہ تمہارے ساتھ دوستی نہیں رکھتے حالانکہ تم سب کتابوں کو مانتے ہو اور جب تم سے ملتے ہیں کہتے ہیں ہم مسلمان ہوئے ہیں اور جب اکیلے ہوتے ہیں تو کاٹ کاٹ کھاتے ہیں تم پر انگلیاں غصہ سے۔ تو کہہ مر جاؤ تم اپنے غصہ میں بے شک اللہ خوب جاننے والے ہیں دلوں کی باتیں۔ اگر پیش آئے تم کو کچھ بھلائی تو بری لگتی ہے ان کو اور اگر تم پر پہنچے کوئی برائی تو خوش ہوتے ہیں اس سے اور اگر تم صبر کرو اور (گناہوں سے) بچتے رہو تو کچھ نہ بگاڑے گا تمہارا ان کا مکر بیشک جو کچھ وہ کرتے ہیں سب کو اللہ گھیرے ہوئے ہیں۔

تفسیر: (اے ایمان والو اپنے) لوگوں کے (سوا) اور مذہب والوں میں سے (کسی کو) محبت کے برتاؤ میں (راز دار دوست مت بناؤ) کیونکہ (وہ لوگ تمہارے ساتھ فساد کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہیں رکھتے) اور دل سے بھی (تمہاری) دنیوی و دینی مضرت کی (تمنا رکھتے ہیں) ان کے دلوں میں تمہاری طرف سے اس قدر بغض بھرا ہے کہ (واقعی) وہ (بغض) بعض اوقات (ان کے منہ سے) بے اختیار بات چیت میں (ظاہر ہو پڑتا ہے اور جس قدر ان کے دلوں میں ہے وہ تو بہت زیادہ ہے) چنانچہ (ہم) ان کی عداوت کی (علامات) اور قرائن (تمہارے سامنے ظاہر کر چکے اگر تم عقل رکھتے ہو) تو ان یقینی علامات سے دیکھ لو۔ (ہاں) سمجھو (تم ہو کہ ان لوگوں سے محبت) کا برتاؤ (رکھتے ہو اور یہ لوگ تم سے اصلاً محبت نہیں رکھتے) نہ دل سے نہ برتاؤ سے (حالانکہ تم تمام) آسمانی (کتابوں پر ایمان رکھتے ہو) اس میں ان کی کتابیں بھی شامل ہیں اور وہ تمہاری کتاب یعنی قرآن پر ایمان نہیں رکھتے۔ مگر وہ تو باوجود تمہارے اس ایمان کے کبھی تم سے محبت نہیں رکھتے اور تم باوجود ان کے اس عدم ایمان کے بھی ان سے محبت رکھتے ہو (اور) چونکہ عام طور سے منافق بھی انہیں میں سے تھے اس لئے فرمایا کہ تم ان کے ظاہری دعویٰ ایمان سے شبہ مت کرنا

کہ وہ بھی تو ہماری کتاب پر ایمان رکھتے ہیں، کیونکہ (یہ لوگ جب تم سے ملتے ہیں) صرف تمہیں دکھانے کو منافقانہ طور پر (کہہ دیتے ہیں کہ ہم ایمان لے آئے، اور جب) تم سے (الگ ہوتے ہیں تو تم پر اپنی انگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں مارے غیظ) و غضب (کے) یہ کنایہ ہے شدت غضب سے (آپ) ان سے (کہہ دیجئے کہ تم مر جاؤ اپنے غصہ میں) مراد یہ کہ اگر تم مر بھی جاؤ گے تب بھی تمہاری مراد پوری نہ ہو گی (بیشک خدا تعالیٰ خوب جانتے ہیں دلوں کی باتوں کو) اس لئے ان لوگوں کے دلوں میں تمہارے لئے جو رنج و غبار اور عداوت بھری ہے سب بتادی اور ان کا یہ حال ہے کہ (اگر تم کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے) مثلاً تم میں باہم اتفاق ہو یا غیروں پر غلبہ ہو جائے (تو ان کے لئے موجب رنج ہوتی ہے) جس کا سبب اشد درجہ کا حسد ہے (اور اگر تم کو کوئی ناگوار حالت پیش آتی ہے تو اس سے) بڑے (خوش ہوتے ہیں) جس سے ان کی شماتت ثابت ہے، سوان کے جب یہ حالات ہیں تو وہ اس قابل کب ہیں کہ ان سے دوستی یا دوستی کا برتاؤ کیا جائے۔ ان کے مذکورہ حالات سننے کے بعد دلوں میں یہ خیال پیدا ہونا بعید نہیں تھا کہ یہ لوگ مسلمانوں کو ضرر پہنچانے میں کوئی کسر نہیں رکھیں گے، اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کی تسلی کے لئے فرمایا (اور اگر تم استقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو ان لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی) دنیا میں تو ان کو یہ ناکامی نصیب ہو گی اور آخرت میں دوزخ کی سزا ہو گی کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ ان کے اعمال پر) علمی (احاطہ رکھتے ہیں) کوئی عمل ان سے مخفی نہیں اس لئے وہاں سزا سے بچنے کے لئے کسی حیلہ حوالے کی گنجائش نہیں۔

فائدہ: 1- یہاں پر غیر مذہب والوں کو جو بھیدی اور رازدار دوست بنانے سے منع کیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ اپنے خاص انتظامی امور یعنی کلیدی عہدے کافروں کو نہ دیئے جائیں۔

2- آخر میں جو یہ فرمایا کہ ان کی تدبیر سے کچھ ضرر نہ ہو گا تو اس کو صبر و تقویٰ کے ساتھ مشروط کیا ہے۔ لہذا اگر کہیں مخالف کو غلبہ ہو گیا تو اکثر اوقات اس کی وجہ صبر و تقویٰ کی کمی ہوتی ہے۔ البتہ کبھی اللہ تعالیٰ مسلمانوں کی آزمائش و امتحان کی غرض سے بھی مخالف کو غلبہ عطا فرمادیتے ہیں جس میں مسلمانوں کے لئے بہت سے دینی و دنیوی فوائد ہوتے ہیں مثلاً ثواب اور تہذیب اخلاق۔ نیز رضا و توکل میں ترقی بھی ایک فائدہ ہے جس سے دل تشویش زدہ نہیں ہوتے بلکہ مضبوط اور جمے رہتے ہیں۔

ربط: یہاں تک زبانی مناظرہ کا مضمون تھا آگے ہتھیار کے ساتھ لڑائی کا مضمون ذکر ہے جس کے ضمن میں تین قصوں کی طرف اشارہ ہے یعنی غزوہ احد، غزوہ بدر اور غزوہ حمراء الاسد۔

اگلے مضمون کی ایک خاص مناسبت گذشتہ مضمون سے یہ بھی ہے کہ اوپر فرمایا اگر تم صبر واستقلال اور تقویٰ کے ساتھ رہو تو کافر لوگوں کی تدبیر تم کو ذرا بھی ضرر نہ پہنچا سکے گی۔ آگے کا مضمون اس کی دلیل کے طور پر لائے کہ تم کفار کے ساتھ اپنی لڑائی کے قصوں کو یاد کر لو جہاں صبر و تقویٰ پورا پورا کیا جیسے بدر وہاں کفار کی تدبیر سے کچھ ضرر نہ پہنچا اور تم غالب رہے اور جہاں اس میں کچھ کمی آگئی وہاں ضرر ہو گیا جیسے احد میں مغلوب ہو گئے پھر حمراء الاسد میں باوجودیکہ واقعہ احد سے تازہ زخم خوردہ تھے لیکن استقلال و تقویٰ سے کام لیا پھر کامیاب ہوئے۔ اس سے اوپر کے مضمون کی پوری تائید ہو گئی۔

قصہ غزوہ احد: 17 رمضان 2 ہجری بروز جمعہ جب غزوہ بدر میں جو کہ پہلا جہاد ہوا ہے کفار قریش کو شکست ہوئی تو وہ نصف شوال 3 ھجری میں بدلہ لینے کی غرض سے مدینہ پر چڑھ آئے۔ تین ہزار آدمیوں کا لشکر تھا۔ رسول اللہ ﷺ ایک ہزار آدمیوں کو لے کر میدان میں مقابلہ کے لئے تشریف لائے۔ میدان میں پہنچنے کے بعد عبداللہ بن ابی منافق جو دبا دبایا ساتھ ہو لیا تھا اپنے تین سو آدمیوں کو لے کر میدان سے واپس ہو گیا۔ اگرچہ کچھ منافقین مسلمانوں کے ساتھ رہے یا تو اس وجہ سے کہ ان کو علیحدہ ہونے کا اتفاقاً موقع نہ ملا ہو یا جان بوجھ کر اس مصلحت سے رہے ہوں کہ مسلمانوں کو موقع بموقع اپنی مرضی کے مشورے دیں یا مسلمانوں کے راز اپنی جماعت کو پہنچائیں۔ بعض صحابہ نے عبداللہ بن ابی کو سمجھایا بھی مگر وہ کہنے لگا کہ اگر طریقہ سے لڑائی کی بات ہوتی تو ہم شریک ہوتے بے فائدہ کون اپنی جان دے۔ بنی سلمہ اور بنی حارثہ انصار کے دو قبیلے تھے منافقین کو واپس ہوتے دیکھ کر ان کی ہمت میں بھی کچھ سستی پیدا ہونے لگی اور واپسی کا وسوسہ آنے لگا لیکن اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھا اور اس وسوسہ کو دفع کیا۔ غرض سات سو آدمی رہ گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے سب کی موقع سے میدان میں احد پہاڑ کے قریب صف بندی کی اور عبداللہ بن جبیر صحابی کو پچاس تیر اندازوں پر افسر بنا کے ایک مورچہ پر لشکر کے پشت کی طرف مقرر فرمایا کہ اس مورچہ کی حفاظت رکھو تاکہ دشمن ہماری پشت کی طرف سے نہ آئے اور یہیں سے تیر اندازی کرتے رہو۔ چنانچہ بڑے طریقے سے لڑائی شروع ہوئی اور مسلمان غالب آگئے۔ حضرت عبداللہ بن جبیر کے ساتھی یہ سمجھ کر کہ یہاں ٹھہرنے کا حکم دشمن سے خطرے کی وجہ سے تھا اب ہمارے ساتھی غالب آگئے ہیں اب کیا اندیشہ رہا اس لئے وہ حکم ختم ہو گیا اور سوائے بارہ آدمیوں کے سب اس جگہ سے جدا ہو کر کفار کے تعاقب میں چلے اور مال غنیمت کو جمع کرنے میں مشغول ہو گئے۔ کفار نے موقع پا کر مورچہ پر قبضہ کر لیا اور مسلمانوں کے پیچھے سے حملہ کر دیا۔ اب آگے بھی کفار اور پیچھے بھی کفار اور اسی حالت میں حضور کا دندان

مبارک یعنی اس کا ایک ریزہ شہید ہو گیا۔ اور کسی کافر نے اس میں پکار دیا کہ محمد ﷺ قتل ہو گئے۔ ان ناگہانی حوادث اور پریشانیوں سے مسلمان سراسیمہ ہو گئے اور سوائے ایک جماعت کے سب کے پاؤں اکھڑ گئے جو کہ ایسے حالات میں مستبعد نہیں۔

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾ اِذْ هَمَّتْ طَّآئِفَتٰنِ مِنْكُمْ اَنْ تَفْشَلَا ۙ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور جب صبح کو نکلا تو اپنے گھر سے جمانے لگا مسلمانوں کو لڑائی کے ٹھکانوں پر اور اللہ سب کچھ سنتا ہے جانتا ہے۔ جب قصد کیا دو جماعتوں نے تم میں سے کہ ہمت ہار دیں اور اللہ مددگار تھا ان کا اور اللہ ہی پر چاہئے کہ بھروسہ کریں مسلمان۔

تفسیر: (اور) وہ وقت بھی یاد کرنے کے قابل ہے (جب کہ آپ صبح کے وقت) لڑائی کی تاریخ سے پہلے (اپنے گھر سے) اس غرض سے (نکلے) کہ (مسلمانوں کو) کفار سے (جنگ کرنے کے لئے مناسب مقامات پر جمانے کے لئے آمادہ کر رہے تھے) پھر اسی تجویز کے مطابق سب کو ان مقامات پر جما دیا (اور اللہ تعالیٰ) اس وقت کی باتیں (سب سن رہے تھے) اور اس وقت کے حالات (سب جان رہے تھے) اسی کے ساتھ یہ قصہ بھی ہوا (جب تم) مسلمانوں (میں سے دو جماعتوں نے) کہ وہ بنی سلمہ اور بنی حارثہ ہیں (دل میں خیال کیا کہ ہمت ہار دیں) اور ہم بھی عبداللہ ابن ابی منافق کی طرح اپنے گھر جا بیٹھیں (اور اللہ تعالیٰ تو ان دونوں جماعتوں کا مددگار تھا) بھلا ان کو کب ہمت ہارنے دیتا، چنانچہ خدا تعالیٰ نے ان کو اس خیال پر عمل کرنے سے محفوظ رکھا) اور) ہم آئندہ کے لئے ان جماعتوں اور سب کو نصیحت کرتے ہیں کہ جب تم مسلمان ہو (پس مسلمانوں کو تو اللہ تعالیٰ ہی پر اعتماد کرنا چاہئے) اور ایسی کم ہمتی کبھی نہ کرنا چاہئے۔

فائدہ: صحابہ پر خدا تعالیٰ کی کیسی عنایت ہے کہ بیان جرم کے ساتھ ان کو بشارت ولایت بھی سنادی جس سے معافی کا وعدہ معلوم ہوتا ہے۔ اسی وجہ سے بعض صحابہ کا یہ قول منقول ہے کہ اظہار عتاب کے باوجود ہمیں یہ تمنا نہیں کہ یہ آیت نازل نہ ہوتی کیونکہ عتاب کے ساتھ عنایت کا کلمہ وَاللّٰهُ وَلِيُّهُمَا بھی تو ہے۔

ربط: آگے جنگ بدر کی نصرت کا صبر و تقوی کی بدولت ہونا بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾

ترجمہ: اور مدد کر چکا ہے تمہاری اللہ بدر کی لڑائی میں حالانکہ تم کمزور تھے سو ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم شکر گزار رہو۔

تفسیر: (اور یہ بات ثابت ہے کہ حق تعالیٰ نے) غزوہ (بدر میں تمہاری مدد فرمائی، حالانکہ تم) محض (بے سر و سامان تھے) کیونکہ لشکر بھی کفار کے مقابلہ میں کم تھا۔ وہ ایک ہزار تھے اور مسلمان تین سو تیرہ تھے اور ہتھیار وغیرہ بھی بہت کم تھے (سو) چونکہ یہ امداد تقوی کی بدولت تھی، جس میں استقلال و صبر بھی داخل ہے تو تم پر لازم ہے کہ آئندہ بھی (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو) اسی کا نام تقویٰ ہے (تاکہ تم اس نعمت نصرت کے (شکر گزار رہو) کیونکہ شکر گزاری صرف زبان کے ساتھ خاص نہیں بلکہ پورا شکر تو یہ ہے کہ زبان اور قلب بھی مشغول ہو اور اطاعت کی بھی پابندی ہو خاص طور سے جب کہ اللہ کی مدد حاصل کرنے میں طاعت کو دخل بھی ہے۔

ربط: آگے اس نصرت کی کچھ تفصیل ذکر ہے۔

اِذْ تَقُوْلُ لِلْمُؤْمِنِيْنَ اَلَنْ يَّكْفِيَكُمْ
اَنْ يُّمِدَّكُمْ رَبُّكُمْ بِثَلٰثَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُنْزَلِيْنَ ﴿۱۲۴﴾
بَلٰٓى ۙ اِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا وَيَاْتُوْكُمْ مِّنْ فَوْرِهِمْ هٰذَا يُمْدِدْكُمْ
رَبُّكُمْ بِخَمْسَةِ اٰلٰفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُسَوِّمِيْنَ ﴿۱۲۵﴾

ترجمہ: جب تو کہہ رہا تھا مسلمانوں کو کیا کافی نہیں تم کو کہ مدد کرے تمہاری رب تمہارا تین ہزار فرشتوں کے ساتھ (آسمان سے) اتارے ہوئے۔ کیوں نہیں اگر تم صبر کرو اور تقوے پر رہو اور وہ چڑھ آئیں تم پر اسی دم تو مدد کرے گا تمہاری تمہارا رب پانچ ہزار فرشتوں کے ساتھ نشان لگائے ہوئے۔

تفسیر: غزوہ بدر میں اللہ تعالیٰ کی یہ امداد اس وقت ہوئی تھی (جب کہ آپؐ) اے محمد ﷺ مسلمانوں سے یوں فرمارہے تھی (کہ کیا تم کو) تقویت قلب کے لئے (یہ امر کافی نہ ہوگا کہ تمہارا رب تمہاری امداد کرے تین ہزار فرشتوں کے ساتھ) جو اسی کام کے لئے آسمان سے (اتارے جائیں گے)

جس سے معلوم ہوتا ہے کہ بڑے درجے کے فرشتے ہوں گے ورنہ جو فرشتے پہلے سے زمین پر موجود تھے ان سے بھی یہ کام لیا جاسکتا تھا۔ پھر اوپر کے سوال کا خود جواب اس طرح ارشاد فرمایا (ہاں! کیوں نہیں) کافی ہوگا، اس کے بعد اس امداد میں مزید زیادتی کا وعدہ اس طرح فرمایا کہ مقابلہ کے وقت (اگر مستقل رہو گے اور تقوے پر قائم رہو گے) یعنی کوئی امر خلاف اطاعت نہ کرو گے (اور وہ لوگ تم پر یکبارگی حملہ کردیں گے) جس میں عادۃً کسی مخلوق سے مدد پہنچنا مشکل ہوتا ہے (تو تمہارا رب تمہاری امداد فرمائے گا پانچ ہزار فرشتوں سے جو) علامت کے طور پر (ایک خاص وضع بنائے ہوں گے) جیسے عام جنگوں میں اپنی اپنی فوج کی پہچان کے لئے کوئی خاص وردی ہوتی ہے۔ اس میں اشارہ ہے کہ وہ فرشتے خاص اسی کام کے لئے بھیجے جائیں گے۔ اس خبر دینے سے یہ فائدہ ہے کہ جو شخص کسی خاص کام کے لئے آتا ہے اس کام کی اس سے زیادہ امید ہوتی ہے تو اس مکرر در مکرر وعدہ سے اور زیادہ دلوں کی تقویت کا فائدہ حاصل ہوا۔

فائدہ : 1۔ یہ تین وعدے تھے اول ایک ہزار کا دوسرا تین ہزار کا تیسرا پانچ ہزار کا۔ پہلے وعدے کے سبب کی تصریح سورہ انفال کی آیت 9 میں ہے کہ وہ استغاثہ اور دعا ہے۔ اِذْ تَسْتَغِيْثُوْنَ رَبَّكُمْ فَاسْتَجَابَ لَكُمْ اَنِّىْ مُمِدُّكُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِكَةِ مُرْدِفِيْنَ۔ دوسرے کا سبب مشرکین کیلئے امداد آنے کی خبر سن کر پریشان ہونا ہے اور تیسرے وعدہ کا سبب خود اس آیت میں مذکور ہے یعنی لڑائی کے وقت صبر و تقوی۔

2۔ جنگ بدر میں ملائکہ کی وضع سفید عمامے تھے جن کا شملہ کمر پر پڑا تھا اور جنگ حنین میں سرخ عمامے تھے۔

3۔ احد کے قصہ میں جنگ بدر کی نصرت کا قصہ یاد دلانے میں اشارہ ہے کہ جنگ احد میں عدم نصرت تقویٰ میں خلل کے سبب سے ہوئی۔

فرشتوں کے ذریعے امداد کی حکمت

وَمَا جَعَلَهُ اللّٰهُ اِلَّا بُشْرٰى لَكُمْ وَلِتَطْمَئِنَّ قُلُوْبُكُمْ بِهٖ ؕ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۱۲۶﴾ لِيَقْطَعَ طَرَفًا مِّنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْ يَكْبِتَهُمْ فَيَنْقَلِبُوْا خَآئِبِيْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور نہیں کیا امداد کو اللہ نے مگر خوشخبری تمہارے لئے اور تاکہ مطمئن ہو جائیں تمہارے دل اس سے۔ اور نہیں ہے مدد مگر منجانب اللہ زبردست حکمت والے کے تاکہ ہلاک

کرے ایک گروہ کو کافروں میں سے یا ان کو ذلیل کرے تو پھر جائیں ناکام ہو کر۔

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ نے یہ امداد) مذکور جو فرشتوں سے ہوئی (محض اس لئے کی کہ تمہارے لئے) غلبہ اور فتح کی (بشارت ہو اور تمہارے دلوں کو اس سے قرار آئے اور نصرت) و غلبہ (تو صرف اللہ کی طرف سے ہے جو کہ زبردست ہیں) کہ ویسے بھی غالب کر سکتے ہیں لیکن (حکیم) بھی (ہیں) تو جب حکمت کا مقتضا یہ ہوتا ہے کہ اسباب کے ذریعہ غلبہ دیا جائے تو ویسے ہی اسباب پیدا فرمادیتے ہیں، یہ تو امداد بالملائکہ کی حکمت تھی۔ آگے اس بات کی حکمت کا بیان ہے کہ یہ فتح و غلبہ تمہیں کیوں عطا کیا گیا، اس کے لئے ارشاد فرمایا (تاکہ کفار میں سے ایک گروہ کو ہلاک کردے) چنانچہ کافروں کے ستر سردار رئیس مارے گئے (یا ان) میں سے بعض (کو ذلیل و خوار کردے پھر وہ ناکام لوٹ جائیں) یعنی ان میں سے کوئی نہ کوئی بات ضرور ہو جائے اور اگر دونوں ہو جائیں تو اور بھی بہتر ہے، چنانچہ دونوں باتیں ہوئی کہ ستر سردار مارے گئے، ستر قید ہو کر ذلیل ہوئے، باقی ذلیل و خوار ہو کر بھاگ گئے۔

فائدہ: 1۔ یہاں امداد کی حکمت نہایت تصریح کے ساتھ بیان فرمائی جس کا حاصل یہ ہے کہ ان فرشتوں کے نزول سے اصلی مقصود یہ تھا کہ مسلمانوں کو خوشخبری حاصل ہو اور ان کے دلوں کو سکون ہو۔ رہا یہ کہ سکون کا طریقہ کیا تھا تو وہ یہ ہو سکتا ہے کہ فرشتے روحانی تصرف سے اہل ایمان کے دلوں کو قوت پہنچائیں اور اگرچہ ان کا اصلی کام خود لڑائی کرنا نہ تھا لیکن مزید تقویت کے لئے فرشتوں کے لڑنے اور کافروں کو قتل کرنے کے چند ایک واقعات بھی پیش آئے۔

2۔ اوپر بیان تھا امداد کے سبب کا کہ وہ تقویٰ ہے اور یہاں بیان ہوا امداد کی حکمت کا کہ وہ خوشخبری ہے۔

ربط: اگلی آیات میں پھر جنگ احد کے قصہ کی طرف لوٹتے ہیں اور ان کے نزول کا سبب یہ ہوا کہ اس جنگ میں آپ کا ایک دندان مبارک شہید ہوا اور چہرہ مبارک زخمی ہوا تو آپ نے فرمایا کہ ایسی قوم کو کیسے فلاح ہوگی جنہوں نے اپنے نبی کے ساتھ ایسا کیا حالانکہ وہ نبی ان کو خدا کی طرف لا رہا ہے اس وقت یہ آیات نازل ہوئیں۔

لَيْسَ لَكَ مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ اَوْ يَتُوْبَ عَلَيْهِمْ اَوْ يُعَذِّبَهُمْ فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۱۲۸﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ: تیرے لئے اختیار کچھ نہیں خدا تعالیٰ یا تو ان پر توجہ کرے (کہ توبہ قبول کرے) یا ان کو عذاب دے کیونکہ وہ ظلم کرنے والے ہیں۔ اور اللہ ہی کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے بخش دے جس کو چاہے اور عذاب کرے جس کو چاہے اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (آپ کو) کسی کے مسلمان ہونے یا کافر رہنے کے متعلق خود (کوئی دخل نہیں) خواہ علم کا دخل ہو یا قدرت کا بلکہ یہ سب خدا تعالیٰ کے علم اور قبضہ میں ہے آپ کو صبر کرنا چاہئے (یہاں تک کہ خدا تعالیٰ ان پر یا تو) رحمت سے (متوجہ ہو جائیں) یعنی ان کو اسلام کی توفیق دیدیں، تو اس وقت صبر فرح اور سرور سے بدل جائے گا (اور یا ان کو دنیا) ہی میں (کوئی سزا دیں) تو اس وقت صبر تسکین قلبی میں بدل جائے گا اور سزائے دنیا کچھ بیجا بھی نہیں (کیونکہ وہ ظلم بھی بڑا کر رہے ہیں) مراد اس سے کفر و شرک ہے، جیسا کہ فرمایا **ان الشرك لظلم عظیم** آگے اس مضمون کی تاکید ہے (اور اللہ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ کہ زمین میں ہے وہ جس کو چاہیں بخش دیں) یعنی اسلام نصیب کر دیں جس سے مغفرت ہوتی ہے (اور جس کو چاہیں عذاب دیں) یعنی اسلام نصیب نہ ہو اور اس وجہ سے عذاب دائمی ہو (اور اللہ تعالیٰ تو بڑے مغفرت کرنے والے) اور (بڑی رحمت کرنے والے ہیں) تو بخشنے کا تو ذرا بھی تعجب نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی رحمت تو ان کے غضب پر سبقت کئے ہوئے ہی ہے اس لئے صرف عذاب دینے کی وجہ اوپر بیان فرمائی کہ **فَاِنَّهُمْ ظٰلِمُوْنَ**

فائدہ: 1۔ یہاں صبر کی انتہا کافروں کی دو چیزوں کو فرمایا۔ ان کا مسلمان ہو جانا یا کسی ہلاکت و وبال میں مبتلا ہو جانا کیونکہ دونوں حالتوں میں پھر صبر کی ضرورت نہیں رہتی وجہ یہ ہے کہ صبر ناگوار حالت پر کیا جاتا ہے جب کہ یہ دونوں حالتیں طبیعت کے موافق ہیں۔

2۔ یہ جو فرمایا کہ آپ کو کوئی دخل نہیں ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بتائے بغیر علم نہیں ہے اس لئے انکے مسلمان ہونے کا احتمال باقی رہا پھر بد دعا کیسے مناسب ہو سکتی ہے چنانچہ بعض مسلمان بھی ہو گئے تھے۔

ربط: اوپر لکھا گیا ہے کہ جنگ احد میں عدم نصرت کا سبب تقویٰ میں خلل تھا ایک جنگ سے پہلے اور ایک جنگ کے دوران۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ بعض اوقات سابقہ خطائیں سبب بن جاتی ہیں آگے اور خطاؤں کے صادر ہونے کا اور بعض طاعات کے ارتکاب میں خلل کا اس لئے آگے تقویٰ کی تائید اور اس کی

بعض اہم فروع کی تصریح اور بعض بڑے گناہوں مثلاً سود سے اجتناب کا حکم فرماتے ہیں تاکہ شرعی حدود کے پابند رہیں اور آئندہ پھر کسی موقع پر نقصان نہ اٹھانا پڑے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾ وَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِيْٓ اُعِدَّتْ لِلْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

ترجمہ: اے ایمان والو مت کھاؤ سود کئی حصے زائد اور ڈرو اللہ سے امید ہے کہ تم کامیاب ہو اور بچو اس آگ سے جو تیار کی گئی ہے کافروں کے واسطے اور حکم مانو اللہ کا اور رسول کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو سود مت کھاؤ) یعنی مت لو اصل سے (کئی حصے زائد) کر کے (اور اللہ تعالیٰ سے ڈرو امید ہے کہ تم کامیاب ہو) یعنی جنت نصیب ہو اور دوزخ سے نجات ہو (اور اس آگ سے بچو جو) دراصل (کافروں کے لئے تیار کی گئی ہے) اور آگ سے بچنے کی صورت یہ ہے کہ سود وغیرہ حرام کاموں سے بچو۔ (اور خوشی سے کہنا مانو اللہ کا اور) اس کے (رسول ﷺ کا امید ہے کہ تم رحم کئے جاؤ گے) یعنی قیامت میں۔

فائدہ: 1۔ یہ جو فرمایا کہ اصل سے کئی حصے زائد کر کے تو یہ سود کے حرام ہونے کی قید نہیں ہے کیونکہ سود قلیل ہو یا کثیر سب حرام ہے بلکہ اس زمانہ کا دستور اسی طرح تھا چنانچہ شان نزول سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ آپس میں خرید و فروخت کا معاملہ آئندہ کے کسی معین وقت پر قیمت کی ادائیگی کی شرط کے ساتھ بھی کرتے تھے۔ جب وہ معین وقت آجاتا اور قیمت کی ادائیگی نہ ہوتی تو دام بڑھا کر اور مہلت دے دیا کرتے اور غرض اس طرح بار بار کرتے۔ اس لئے اس آیت میں اسی کا بیان کر دیا اور دوسری جگہ مطلقاً بلا کسی قید کے حرام کہا۔ مثلاً سورہ بقرہ کی آیت وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا. میں

2۔ کہا "آگ جو دراصل کافروں کے واسطے" تو دراصل اس لئے کہا کہ اگرچہ گناہوں کی وجہ سے بعض مسلمان بھی جائیں گے لیکن وہ ان کا اصل مسکن نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ سزا کے بعد آخر کار ایمان کی برکت سے نکل آئیں گے۔

ربط: آگے بھی سابقہ مضمون کا تتمہ ہے جس میں تقویٰ کے مختلف شعبوں کو حاصل کرنے کی

ترغیب ہے اور اس کی جزا مغفرت اور جنت کا وعدہ ہے پس اوپر دوزخ سے بچنے کو فرمایا تھا یہاں جنت لینے کو فرماتے ہیں۔

وَسَارِعُوْٓا اِلٰى مَغْفِرَةٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَجَنَّةٍ عَرْضُهَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اُعِدَّتْ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ فِي السَّرَّآءِ وَالضَّرَّآءِ وَالْكٰظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً اَوْ ظَلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوْا لِذُنُوْبِهِمْ وَمَنْ يَّغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَمْ يُصِرُّوْا عَلٰى مَا فَعَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾ اُولٰٓئِكَ جَزَآؤُهُمْ مَّغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَجَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا وَنِعْمَ اَجْرُ الْعٰمِلِيْنَ ﴿۱۳۶﴾

ترجمہ: اور دوڑو طرف بخشش کے جو تمہارے رب کی طرف سے اور طرف جنت کے جس کا عرض ہے سب آسمان اور زمین، وہ تیار کی گئی ہے واسطے ڈرنے والوں کے جو خرچ کرتے ہیں فراغت میں اور تنگی میں اور دبائے جاتے ہیں غصہ کو اور درگذر کرنے والے ہیں لوگوں سے اور اللہ محبت کرتا ہے ایسے نیکی کرنے والوں سے۔ اور وہ لوگ کہ جب کر بیٹھتے ہیں کچھ زیادتی یا ظلم کرتے ہیں اپنی ذات پر تو یاد کرتے ہیں اللہ کو اور بخشش مانگتے ہیں اپنے گناہوں کی اور کون ہے کہ بخشے گناہوں کو سوائے اللہ کے اور اصرار نہیں کرتے اپنے کئے پر (اور) وہ جانتے ہیں۔ انہی کی جزا ہے بخشش ان کے رب کی طرف سے اور باغات بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہنے والے ہیں ان باغوں میں اور کیا اچھی مزدوری ہے ان کام کرنے والوں کی۔

تفسیر: (اور دوڑو مغفرت کی طرف جو تمہارے پروردگار کی طرف سے) نصیب (ہو اور) دوڑو (طرف جنت کے) مطلب یہ ہے کہ ایسے نیک کام اختیار کرو جس سے پروردگار تمہاری مغفرت کر دیں اور تم کو جنت عنایت ہو اور وہ جنت ایسی ہے (جس کی وسعت ایسی) تو (ہے) ہی (جیسے سب آسمان اور زمین)

اور زیادہ کی نفی نہیں چنانچہ واقع میں زائد ہونا ثابت ہے اور (وہ تیار کی گئی ہے خدا سے ڈرنے والوں کے لئے) یعنی مسلمانوں کے لئے جن میں ایک تو اعلیٰ درجہ کے مسلمان (ایسے لوگ) ہیں (جو کہ) نیک کاموں میں (خرچ کرتے ہیں) ہر حال میں (فراغت میں) بھی (اور تنگی میں) بھی (اور غصہ کے ضبط کرنے والے اور لوگوں) کی کوتاہیوں (سے درگذر کرنیوالے اور اللہ تعالیٰ ایسے نیکو کاروں کو) جن میں یہ خصلتیں ہوں بوجہ اکمل (محبوب رکھتا ہے اور) ایک ان مذکورین کے اعتبار سے، دوسرے درجہ کے مسلمان (ایسے لوگ) ہیں (کہ جب کوئی ایسا کام کر گزرتے ہیں جس میں) دوسروں پر (زیادتی ہو یا) کوئی گناہ کر کے خاص (اپنی ذات کا نقصان کرتے ہیں تو) فوراً (اللہ تعالیٰ) کی عظمت اور عذاب (کو یاد کر لیتے ہیں، پھر اپنے گناہوں کی معافی چاہتے ہیں) اس طریقہ سے جو معافی کے لئے مقرر ہے کہ دوسروں پر زیادتی کی ہو تو ان سے بھی معاف کرائے اور خاص اپنی ذات کے متعلق گناہ ہو تو اگر اللہ تعالیٰ کے حقوق چھوڑے ہوں مثلاً نماز روزہ وغیرہ تو ان کی قضا کرے، اور اللہ تعالیٰ سے معاف کرانا تو دونوں صورتوں میں ہے (اور واقعی اللہ تعالیٰ کے سوا اور ہے کون جو گناہوں کو بخشتا ہو)۔ حقداروں کا معاف کرنا اپنی جگہ پر لیکن وہ لوگ اس کا اختیار تو نہیں رکھتے کے عذاب سے بھی بچالیں جب کہ حقیقی بخشش تو اسی کا نام ہے۔ (اور وہ لوگ اپنے فعل) بد (پر اصرار) اور ہٹ (نہیں کرتے اور وہ) ان باتوں کو (جانتے بھی ہیں) فلاں کام ہم نے گناہ کا کیا اور یہ کہ توبہ ضروری ہے اور یہ کہ خدا تعالیٰ غفار ہے، مطلب یہ کہ اعمال کی بھی درستی کر لیتے ہیں اور عقائد بھی درست رکھتے ہیں (ان لوگوں کی جزا بخشش ہے ان کے رب کی طرف سے اور) بہشت کے (ایسے باغ ہیں ہیں کہ ان کے) درختوں اور مکانوں کے (نیچے سے نہریں چلتی ہوں گی وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہنے والے ہوں گے) اور اسی مغفرت اور جنت کی تحصیل کا شروع آیتوں میں حکم تھا، بیچ میں اس کا طریقہ بتایا، ختم پر اس کا وعدہ فرمایا (اور) یہ (اچھا حق الخدمت ہے، ان کام کرنے والوں کا) وہ کام استغفار اور حسن اعتقاد ہے اور استغفار کا نتیجہ آئندہ اطاعت کی پابندی ہے جس پر عدم اصرار دلالت کرتا ہے۔

فائدہ: 1۔ ان آیتوں میں دو درجوں کے مسلمانوں کا بیان ہے ایک اعلیٰ درجہ کے دوسرے ان سے کم۔ لیکن متقین یعنی خدا سے ڈرنے والوں میں سب ہی آگئے کیونکہ توبہ بھی خدا کے ڈر ہی سے ہوتی ہے۔

2۔ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ (یعنی اللہ نیکی کرنے والوں کو محبوب رکھتا ہے) کی تفسیر میں بوجہ

اکمل کی قید لگائی ہے کیونکہ نفس محبوبیت تو سب اہل اسلام کو حاصل ہے البتہ اعلیٰ درجہ کے لوگوں کے لئے اکمل یعنی بہت زیادہ کمال درجے کی محبوبیت خاص ہے۔

ربط: آگے پھر جنگ احد کے متعلق مسلمانوں کو تسلی دی جارہی ہے کہ ہمیشہ سے اللہ تعالیٰ کا یہی طریقہ چلا آرہا ہے کہ انجام کار کفار ہی ناکام ہوتے ہیں تو اگرچہ اس وقت تم اپنی کوتاہی سے مغلوب ہو گئے لیکن اگر اپنے ایمان کے تقاضوں یعنی تقویٰ اور استقامت پر قائم رہے تو آخر میں کفار ہی مغلوب ہوں گے۔

قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ سُنَنٌ فَسِيرُوا فِي الْأَرْضِ فَانْظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١٣٧﴾ هَٰذَا بَيَانٌ لِلنَّاسِ وَهُدًى وَمَوْعِظَةٌ لِلْمُتَّقِينَ ﴿١٣٨﴾ وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ مُؤْمِنِينَ ﴿١٣٩﴾

ترجمہ: یقیناً گذر چکے ہیں تم سے پہلے طریقے سو پھرو زمین میں اور دیکھو کہ کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا۔ یہ بیان ہے لوگوں کے واسطے اور ہدایت اور نصیحت ہے ڈرنے والوں کے لئے۔ ہمت نہ ہارو اور نہ غم کھاؤ اور تم ہی غالب رہو گے اگر تم ایمان رکھتے ہو۔

تفسیر: یقیناً (تم سے قبل) زمانوں میں (مختلف طریقے) والے لوگ (گذر چکے ہیں) ان میں مسلمان بھی تھے اور کفار بھی، اور ان میں اختلاف اور مقابلہ و قتال بھی ہوا، لیکن انجام کار کفار ہی ہلاک ہوئے، چنانچہ اگر تم آثار کا مشاہدہ کرنا چاہو (تو تم روئے زمین پر چلو پھرو، اور دیکھ لو کہ اخیر انجام تکذیب کرنے والوں کا) یعنی کفار کا (کیسا ہوا) یعنی وہ ہلاک و برباد ہوئے، چنانچہ ان کی ہلاکت کے آثار اس وقت تک بھی باقی تھے، جس کو دوسری آیت میں فرمایا ہے فَتِلْكَ بُيُوتُهُمْ خَاوِيَةً الخ فَتِلْكَ مَسَاكِنُهُمْ لَمْ تُسْكَنْ الخ (یہ) مضمون (کافی بیان ہے تمام لوگوں کے لئے) کہ اگر اس میں غور کریں تو عبرت حاصل کر سکتے ہیں (اور ہدایت اور نصیحت ہے خاص خدا سے ڈرنے والوں کے لئے) یعنی ہدایت اور نصیحت بھی یہی لوگ حاصل کرتے ہیں، ہدایت یہ ہے کہ حق و باطل کو سمجھیں اور نصیحت یہ ہے کہ اس کے موافق عمل کریں (اور تم) اگر اس وقت مغلوب ہو گئے تو کیا ہوا (ہمت مت ہارو اور رنج مت کرو اور) آخر کو (تم ہی غالب رہو گے اگر تم پورے مومن رہے) یعنی ایمان کے تقاضوں پر ثابت رہے۔

ربط: آگے دوسرے طور پر تسلی دی جارہی ہے۔

إِنْ يَمْسَسْكُمْ قَرْحٌ فَقَدْ مَسَّ الْقَوْمَ قَرْحٌ مِّثْلُهُ ۚ وَتِلْكَ الْأَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَتَّخِذَ مِنكُمْ شُهَدَاءَ ۗ وَاللَّهُ لَا يُحِبُّ الظَّالِمِينَ ﴿١٤٠﴾ وَلِيُمَحِّصَ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَيَمْحَقَ الْكَافِرِينَ ﴿١٤١﴾

ترجمہ: اگر پہنچے تم کو زخم تو پہنچ چکا ہے ان کو بھی زخم ایسا ہی اور یہ دن باری باری بدلتے رہتے ہیں ہم ان کو لوگوں کے درمیان اور اس لئے کہ معلوم کرے اللہ جو ایمان لائے اور بنائے تم میں سے شہید۔ اور اللہ محبت نہیں کرتے ظلم کرنے والوں سے۔ اور اس واسطے کہ پاک صاف کرے اللہ ایمان والوں کو اور مٹادے کافروں کو۔

تفسیر: (اگر تم کو زخم) صدمہ (پہنچ جائے)، جیسا احد میں ہوا (تو) کوئی گھبرانے کی بات نہیں کیونکہ اس میں چند حکمتیں ہیں، ایک تو یہ کہ (اس قوم کو بھی) جو کہ تمہارے مقابل تھی یعنی کفار (ایسے ہی زخم) صدمہ (پہنچ چکا ہے،) چنانچہ گذشتہ سال بدر میں وہ صدمہ اٹھا چکے ہیں (اور) ہمارا معمول ہے کہ (ان ایام کو) یعنی غالب و مغلوب ہونے کے حوادث کے زمانہ کو (لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں) یعنی کبھی ایک قوم کو غالب اور دوسری کو مغلوب کر دیا، کبھی اس کا عکس کر دیا، سو اسی معمول کے مطابق پچھلے سال وہ مغلوب ہوئے تھے، اب کے تم ہو گئے، ایک حکمت تو یہ ہوئی (اور) دوسری حکمت یہ ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو) ظاہری طور پر (جان لیں) کیوں کہ مصیبت کے وقت مخلص اور نیک کا امتحان ہو جاتا ہے (اور) تیسری حکمت یہ ہے کہ (کہ تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا)۔ بقیہ حکمتیں آگے آتی ہیں درمیان میں جملہ معترضہ کے طور پر فرماتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ ظلم) یعنی کفر و شرک (کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے) لہذا اس کا خیال نہ کیا جائے کہ شاید ان کو محبوب ہونے کی وجہ سے غالب فرما دیا ہو ہرگز نہیں (اور) چوتھی حکمت یہ ہے (تاکہ) گناہوں کے (میل کچیل سے صاف کر دے ایمان والوں کو) کیونکہ مصیبت سے اخلاق و اعمال میں صفائی آجاتی ہے (اور) پانچویں حکمت یہ ہے کہ (مٹادے کافروں کو) یہ دو طور پر ہے ایک یہ کہ غالب آجانے سے ان کی ہمت بڑھے گی تو پھر دوبارہ مقابلہ میں آئیں گے اور

ہلاک ہوں گے دوسرے یہ کہ مسلمانوں پر ظلم کرنے سے قہر خداوندی میں مبتلا ہو کر ہلاک ہوں گے۔

فائدہ: اول حکمت جو یہ بتائی کہ غالب و مغلوب ہونے کے حوادث کے زمانہ کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہتے ہیں تو اس ادل بدل میں بہت سی مصلحتیں اور حکمتیں ہیں جن میں سے ایک بڑی حکمت یہ معلوم ہوتی ہے کہ اس جہان میں مکلف کا ابتلاء و آزمائش باقی رہے اور اگر ہمیشہ مسلمان ہی غالب رہتے تو ایمان لانا کچھ بھی کمال نہ ہوتا اور بصیرت پر مبنی نہ ہوتا اور اگر مسلمان ہی ہمیشہ مغلوب رہے تو کمزور مسلمان سخت فتنہ میں پڑ جاتے۔

ربط: گذشتہ مصائب پر تسلی دینے کے بعد آئندہ آنے والی مشقتوں پر مسلمانوں کے دلوں کو بڑھاتے ہیں۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَعْلَمِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ جٰهَدُوْا مِنْكُمْ وَيَعْلَمَ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ: کیا تم نے خیال کیا ہے کہ داخل ہو جاؤ گے جنت میں حالانکہ ابھی تک معلوم نہیں کیا اللہ نے ان کو جو لڑے تم میں سے اور معلوم نہیں کیا ثابت قدم رہنے والوں کو۔

تفسیر: (ہاں) اور سنو (کیا تم یہ خیال کرتے ہو کہ جنت میں) خصوصیت کے ساتھ (جا داخل ہو گے حالانکہ ابھی تک اللہ تعالیٰ نے) ظاہری طور پر (ان لوگوں کو دیکھا ہی نہیں جنہوں نے تم میں سے) خوب (جہاد کیا ہو اور جو جہاد میں ثابت قدم رہنے والے ہوں)

فائدہ: 1۔ خصوصیت کے ساتھ داخل ہونے کا مطلب یہ ہے کہ اول وہلہ ہی میں چلا جائے۔ اور اونچے درجات پر بھی پہنچ جائے تو ایسا مشقت کے بغیر نہیں ہوتا۔ باقی نفس داخلہ تو بعض مومنین کے لئے محض فضل و کرم سے بھی ہو سکتا ہے جیسا يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاءُ (اللہ بخش دیں گے جس کو چاہیں) میں ذکر ہے۔

2۔ تفسیر میں جہاد کے ساتھ خوب کی قید اس لئے لگائی ہے کہ تھوڑا بہت جہاد تو ہوا ہی تھا اور ناتمام ثبات بھی تھا آیت کا مطلب یہ ہوا کہ ابھی تم سے زیادہ جہاد اور ثابت قدمی واقع نہیں ہوئی جبکہ خصوصیت کے ساتھ جنت میں جانا اس پر موقوف ہے لہذا آئندہ اس کی کوشش کرنا ضروری ہے۔

ربط: اوپر نصیحت تھی آگے ایک گونہ ملامت ہے جس کی وجہ یہ ہوئی کہ غزوہ احد میں مسلمان لڑائی بگڑ جانے سے بدحواس اور منتشر ہو ہی رہے تھے کہ کسی دشمن کی اس پکار سے کہ محمد ﷺ قتل کر دیئے گئے

مسلمانوں کی اور بھی کمر ٹوٹ گئی۔ کسی نے تو یہ تجویز کیا کہ اب کفار سے امن لے لینا چاہئے۔ بعض ہمت ہار کر بیٹھ رہے اور بعض بھاگ کھڑے ہوئے حالانکہ اس سے پہلے جنگ بدر کے شہداء کے فضائل کو دیکھ کر بعض مسلمانوں نے تمنا کی تھی کہ کاش ہم کو بھی ایسا کوئی موقع پیش آئے کہ اس دولت شہادت سے مشرف ہوں۔ بعض منافق بولے کہ اگر محمد ﷺ نہیں رہے تو پھر اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔ بعض نے کہا اگر نبی ہوتے تو کیوں قتل ہوتے۔ بعض مسلمانوں نے یہ کہا کہ اگر آپ ہی نہ رہے تو ہم رہ کر کیا کریں گے جس پر آپ نے جان دی اس پر ہم کو بھی جان دے دینا چاہئے اور اگر آپ قتل ہو گئے تو کیا ہوا اللہ تعالیٰ تو موجود ہیں۔

وَلَقَدْ كُنْتُمْ تَمَنَّوْنَ الْمَوْتَ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَلْقَوْهُ ۖ فَقَدْ رَاَيْتُمُوْهُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۭ اَفَا۟ئِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ۭ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْـــًٔا ۭ وَسَيَجْزِي اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَمَا كَانَ لِنَفْسٍ اَنْ تَمُوْتَ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ كِتٰبًا مُّؤَجَّلًا ۭ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۚ وَمَنْ يُّرِدْ ثَوَابَ الْاٰخِرَةِ نُؤْتِهٖ مِنْهَا ۭ وَسَنَجْزِي الشّٰكِرِيْنَ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ: اور تم تو آرزو کرتے تھے مرنے کی تمہارے موت کے سامنے آنے سے پہلے سو اب دیکھ لیا تم نے اس کو کھلی آنکھوں سے۔ اور نہیں ہے محمد مگر ایک رسول، ہو چکے اس سے پہلے بہت رسول، پھر کیا اگر وہ مر جائے یا مارا جائے تو تم الٹے پھر جاؤ گے اپنی ایڑیوں پر اور جو کوئی الٹا پھر جائے گا اپنی ایڑیوں پر تو ہر گز نقصان نہ کر سکے گا اللہ کا کچھ۔ اور جلد ثواب دے گا اللہ شکر گزاروں کو۔ اور نہیں ہے کسی کے لئے کہ وہ مر جائے مگر اللہ کے حکم سے اس طور سے کہ لکھا ہوا ہے ایک وقت مقرر اور جو کوئی چاہے گا بدلہ دنیا کا دیں گے ہم اس کو دنیا سے اور جو کوئی چاہے گا

بدلہ آخرت کا اس میں سے دیں گے ہم اس کو اور جلد ہم ثواب دیں گے احسان ماننے والوں کو۔

تفسیر: (اور تم تو) شہید ہو کر (مرنے کی) بڑی (تمنا کیا کرتے تھے اپنے موت کے سامنے آنے سے پہلے تو) تمنا کے مطابق (اس) کے اسباب (کو کھلی آنکھوں دیکھ لیا) پھر اس کو دیکھ کر کیوں بھاگنے لگے اور وہ تمنا کہاں بھول گئے۔

(اور محمد) ﷺ (نرے رسول ہی تو ہیں) خدا تو نہیں جس پر قتل یا موت ممکن نہیں (آپؐ سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں) اسی طرح آپؐ بھی ایک روز گذر ہی جائیں گے (سو اگر آپؐ کا انتقال ہو جائے یا آپؐ شہید ہو جائیں تو کیا تم لوگ) جہاد یا اسلام سے (الٹے پھر جاؤ گے) جیسا کہ اس واقعہ میں بعضے مسلمان میدان جنگ سے بھاگ پڑے تھے اور منافقین ارتداد کی ترغیب دے رہے تھے (اور جو شخص) جہاد یا اسلام سے (الٹا پھر جائے گا تو خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہ کرے گا) بلکہ اپنا ہی کچھ کھوئے گا (اور خدا تعالیٰ جلد ہی) نیک (عوض دے گا حق شناس لوگوں کو) جو ایسے مواقع پر اللہ تعالیٰ کے انعامات کو یاد رکھ کر اس کی اطاعت پر قائم و مستقل رہتے ہیں اور قیامت کے دن ملنا جلد ہی ملنا ہے، کیونکہ قیامت روزانہ قریب ہی ہو رہی ہے اور مرنے سے اتنا گھبرانا بھی فضول ہے، کیونکہ اول تو (کسی شخص کو موت آنا ممکن نہیں) خواہ طبعی یا قتل سے (خدا کے حکم کے بغیر)۔ پھر جب خدا کے حکم سے ہے تو اس پر راضی رہنا ضروری ہے، دوسرے یہ کہ جس کی موت آتی بھی ہے تو (اس طور سے کہ اس کی میعاد معین تو لکھی ہوئی ہے) جس میں تقدیم و تاخیر نہیں ہو سکتی، تو پھر ارمان اور حسرت محض بیکار ہے، وہ وقت پر تو ضرور ہو گی اور وقت سے پہلے ہرگز نہ ہو گی (اور) پھر یہ کہ اس کے ڈر سے بھاگنے کا نتیجہ آخر اس کے علاوہ کیا ہو گا کہ دنیا میں مزید چند روز زندہ رہیں، سو ایسی تدبیر کا اثر سن لو کہ (جو شخص) اپنے اعمال و تدابیر میں (دنیاوی نتیجہ چاہتا ہے تو ہم اس کو دنیا کا حصہ) اپنی مشیت کی شرط کے ساتھ (دیدیتے ہیں) اور آخرت میں اس کے لئے کچھ حصہ نہیں (اور جو شخص) اپنے اعمال و تدابیر میں (اخروی نتیجہ چاہتا ہے) مثلاً جہاد میں اس لئے ثابت قدم رہا کہ یہ آخرت کے ثواب کی تدبیر ہے (تو ہم اس کو آخرت کا) حصہ اپنا ذمہ کر کے (دیں گے اور بہت جلد) نیک (عوض دیں گے) ایسے (حق شناسوں کو) جو اپنے اعمال میں آخرت کی نعمت چاہیں۔

فائدہ: قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کی موت پر استدلال کرنا محض باطل ہے کیونکہ خَلَتْ کا مطلب ہے گذر جانا اور آسمان پر زندہ اٹھ جانا یہ بھی دنیا سے گذر جانا ہے۔

ربط: آگے بھی ملامت کا تتمہ ہے کہ سابقہ امتوں کے مخلص لوگوں کا حال یاد دلا کر کہا جا رہا ہے کہ

دیکھو وہ کیسے مستقل رہے تم کو بھی ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

وَكَأَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ ۙ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ ۚ فَمَا وَهَنُوْا لِمَآ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ ﴿۱۴۶﴾ وَمَا كَانَ قَوْلَهُمْ اِلَّآ اَنْ قَالُوْا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ فَاٰتٰىهُمُ اللّٰهُ ثَوَابَ الدُّنْيَا وَحُسْنَ ثَوَابِ الْاٰخِرَةِ ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۴۸﴾

ترجمہ: اور بہت نبی ہو چکے ہیں لڑے ہیں جن کے ساتھ ہو کر بہت اللہ والے پھر نہ ہمت ہاری انہوں نے اس وجہ سے جو تکلیف پہنچی ان کو اللہ کی راہ میں اور نہ کمزور ہوئے اور نہ وہ دبے اور اللہ محبت کرتا ہے ثابت قدم رہنے والوں سے۔ اور کچھ نہیں تھی ان کی بات مگر یہ کہ کہا اے رب ہمارے بخش دے ہمارے لئے ہمارے گناہ اور ہمارے حد سے نکل جانے کو اپنے کام میں اور ثابت رکھ قدم ہمارے اور مدد دے ہم کو قوم کفار پر۔ پھر دیا ان کو اللہ نے ثواب دنیا کا اور عمدہ ثواب آخرت کا اور اللہ محبت رکھتا ہے نیک کام کرنے والوں سے۔

تفسیر: (اور بہت نبی ہو چکے ہیں جن کے ساتھ بہت سے اللہ والے) کفار کے مقابلہ میں (لڑے ہیں، نہ انہوں نے ہمت ہاری ان مصائب کی وجہ سے جو ان پر اللہ کی راہ میں واقع ہوئے اور نہ ان) کے قلب یا بدن (کا زور گھٹا اور نہ وہ) دشمن کے سامنے (دبے) کہ ان سے عاجزی اور خوشامد کی باتیں کرنے لگیں (اور اللہ تعالیٰ کو ایسے مستقل مزاجوں سے محبت ہے) اور افعال میں تو ان سے کیا لغزش ہوتی (ان کی زبان سے بھی تو اس کے سوا اور کچھ نہیں نکلا کہ انہوں نے) اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں (عرض کیا کہ اے ہمارے پروردگار ہمارے گناہوں کو اور ہمارے کاموں میں ہمارے حد سے آگے نکل جانے کو بخش دیجئے، اور ہم کو) کفار کے مقابلہ میں (ثابت قدم رکھئے اور ہم کو کافر لوگوں پر مدد دیجئے تو) اس استقلال اور دعاء کی برکت

سے (ان کو اللہ تعالیٰ نے دنیا کا بدلہ بھی دیا) یعنی فتح و کامرانی (اور آخرت کا بھی عمدہ بدلہ دیا) یعنی رضا اور جنت (اور اللہ تعالیٰ کو ایسے نیکو کاروں سے محبت ہے)

فائدہ: 1۔ اس میں تعلیم ہے کہ جب مصیبت آئے تو ظاہری تدبیر کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے بھی دعا کرے اور اپنے گناہ بخشوائے اس لئے کہ اکثر مصیبت کا سبب گناہ ہوتا ہے۔

2۔ اگر یہ اشکال ہو کہ وہ لوگ تو اللہ والے تھے پھر ان کے گناہ کیا ہوں گے۔ جواب یہ ہے کہ کچھ نہ کچھ تو انسان سے ہو ہی جاتا ہے اور ایسی اتفاقیہ چھوٹی چھوٹی باتوں سے اللہ والے ہونے میں خلل نہیں پڑتا خصوصاً اس وجہ سے بھی کہ فوراً معذرت کر لیتے ہیں۔

3۔ فتح کو ثابت قدمی اور دعا پر مرتب فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ باتیں بھی در اصل فتح کے اسباب میں شامل ہیں کسی اور وجہ سے فتح نہ ہونا ان کے سبب ہونے کے منافی نہیں۔

ربط: چونکہ احد میں لڑائی بگڑنے کے وقت بعض منافقین مسلمانوں سے کہنے لگے تھے کہ جب آپ ہی نہ رہے تو اپنا پہلا ہی دین کیوں نہ اختیار کر لیا جائے۔ اس بات سے منافقین کی خباثت اور ان کا دشمن و بدخواہ ہونا ظاہر ہے اس لئے اگلی آیت میں مسلمانوں کو منافقین کے مشورے کی اتباع سے منع کیا گیا۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِن تُطِيعُواْ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُواْ خَٰسِرِينَ ﴿١٤٩﴾ بَلِ ٱللَّهُ مَوْلَىٰكُمْ ۖ وَهُوَ خَيْرُ ٱلنَّٰصِرِينَ ﴿١٥٠﴾

ترجمہ: اے ایمان والو اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو پھیر دیں گے تمہاری ایڑیوں پر پھر تم پلٹ جاؤ گے ناکام ہو کر۔ بلکہ اللہ تمہارا دوست ہے اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے۔

تفسیر: اے ایمان والو! اگر تم کہا مانو گے کافروں کا تو وہ تم کو) کفر کی طرف (الٹا پھیر دیں گے) مطلب یہ ہے کہ ان لوگوں کا اصل مقصد مسلمانوں کو ان کے دین سے ہٹانا بدگمان کرنا ہے جس کو کبھی صراحتہ بھی کہدیتے ہیں اور کبھی صاف نہیں کہتے مگر ایسے انداز سے کہتے ہیں کہ رفتہ رفتہ تمہارے دل سے اسلام کی عظمت و محبت کم ہوتی چلی جائے (پھر تم) ہر طرح (ناکام ہو جاؤ گے) خلاصہ یہ کہ وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں اگرچہ دوستی کا اظہار کریں (بلکہ اللہ تعالیٰ ہی تمہارا دوست ہے، اور وہ سب سے بہتر مدد کرنے والا ہے) اس لئے مسلمانوں کو چاہئے کہ صرف اللہ تعالیٰ پر اعتماد کریں، اسی کی مدد پر بھروسہ کریں، مخالفین اگر تمہاری نصرت و امداد کی کچھ تدبیریں بھی بتائیں تو اللہ و رسول ؐ کے احکام کے خلاف ان پر عمل نہ کرو۔

ربط: اوپر یہ ذکر ہوا کہ دوست اور مددگار اللہ تعالیٰ ہیں۔ آگے ایک واقعہ سے اس کو ثابت فرماتے ہیں۔

سَنُلْقِىْ فِىْ قُلُوْبِ الَّذِيْنَ كَفَرُوا الرُّعْبَ بِمَآ اَشْرَكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا ۚ وَمَاْوٰىهُمُ النَّارُ ۭ وَبِئْسَ مَثْوَى الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۵۱﴾

ترجمہ: ابھی ڈالے دیتے ہیں ہم کافروں کے دلوں میں ہیبت اس وجہ سے کہ انہوں نے شریک ٹھہرایا اللہ کا اس چیز کو کہ اللہ نے نہیں اتاری اس کی کوئی سند اور ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ برا ٹھکانا ہے ظالموں کا۔

تفسیر: (ہم ابھی ڈالے دیتے ہیں رعب) یعنی ہیبت (کافروں کے دلوں میں اس سبب سے کہ انہوں نے اللہ کا شریک ایک ایسی چیز کو ٹھہرایا جس) کے قابل شرکت ہونے (پر اللہ تعالیٰ نے کوئی دلیل نازل نہیں فرمائی) نہ لفظی اور نہ معنوی۔ مطلب یہ ہے کہ یوں تو ہر جاہل اپنی کوئی دلیل پیش کیا ہی کرتا ہے، مگر کوئی قابل اعتبار دلیل ان کے پاس نہیں (اور ان کی جگہ جہنم ہے اور وہ بری جگہ ہے ظالموں کی)

فائدہ: اس آیت میں کفار پر رعب وہیبت طاری کرنے کا جو وعدہ ہے اس کا ظہور اس طرح ہوا کہ اول تو اس کے باوجود کہ شکست مسلمانوں کو ہو رہی تھی مشرکین عرب بلا کسی ظاہری سبب کے مکہ کی طرف لوٹ گئے۔ پھر جب کچھ راستہ طے کر چکے تو اپنی حماقت پر افسوس کرنے لگے کہ جب مسلمان دم توڑ چکے تھے تو اس وقت وہاں سے واپس آنا کوئی دانشمندی نہیں تھی اور پھر مدینہ کی طرف واپسی کا کچھ ارادہ کیا تو اللہ نے ان کے دلوں پر ایسا رعب ڈالا کہ مدینہ کی طرف بڑھنے کی ہمت تو نہ ہوئی البتہ کسی راہ چلتے گاؤں والے سے دیا کہ ہم تجھے اتنا مال دیں گے تم مدینہ جا کر مسلمانوں کو ڈرا دو کہ مکہ والے پھر لوٹ کر آرہے ہیں، یہاں یہ سارا واقعہ آنحضرت ﷺ کو بذریعہ وحی معلوم ہو گیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے تعاقب کے لئے مقام حمراء الاسد تک پہنچے، مگر وہ بھاگ چکے تھے، یہ آیت اسی واقعہ کے متعلق نازل ہوئی۔

ربط: آگے اس غزوہ میں مغلوب ہو جانے کی وجہ بیان فرماتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَقَكُمُ اللّٰهُ وَعْدَهٗٓ اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ ۚ حَتّٰٓى اِذَا فَشِلْتُمْ وَتَنَازَعْتُمْ فِى الْاَمْرِ وَعَصَيْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَآ اَرٰىكُمْ مَّا تُحِبُّوْنَ ۭ مِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الدُّنْيَا وَمِنْكُمْ مَّنْ يُّرِيْدُ الْاٰخِرَةَ ۚ ثُمَّ صَرَفَكُمْ عَنْهُمْ لِيَبْتَلِيَكُمْ ۚ وَلَقَدْ عَفَا

عَنْكُمْ ۚ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۵۲﴾

ترجمہ: اور یقیناً سچا کر چکا تم سے اللہ اپنا وعدہ جب تم قتل کرنے لگے ان کو اس کے حکم سے یہاں تک کہ جب تم نے کمزوری کی اور باہم اختلاف کیا حکم میں اور نافرمانی کی بعد اس کے کہ وہ دکھا چکا تم کو وہ چیز جو تم پسند کرتے ہو۔ تم میں سے کوئی چاہتا تھا دنیا اور تم میں سے کوئی چاہتا تھا آخرت۔ پھر ہٹا دیا تم کو ان پر سے تاکہ تم کو آزمائے اور یقیناً وہ تو درگذر کر چکا تم سے اور اللہ فضل والا ہے ایمان والوں پر۔

تفسیر: (اور یقیناً اللہ تعالیٰ نے تو تم سے اپنا وعدہ) نصرت کا (سچا کر دکھایا، جس وقت کہ تم) ابتدائے قتال میں (ان کفار کو بحکم خداوندی قتل کر رہے تھے) اور یہ تمہارا غلبہ آہستہ آہستہ بڑھتا گیا (یہاں تک کہ تم خود ہی رائے میں کمزور ہو گئے) اس طرح کہ جو تجویز رسول اللہ ﷺ نے عقب کے مورچہ پر پچاس سپاہی اور ایک افسر کو بٹھا کر فرمائی تھی اس میں بعض کو غلط فہمی ہو گئی کہ مسلمان فتح پا چکے ہیں اب یہاں بیٹھے رہنے کی ضرورت ختم ہو گئی، اس لئے ہمیں بھی دشمن کے مقابلہ میں شریک ہو جانا چاہئے (اور باہم) رسول اللہ ﷺ کے (حکم میں اختلاف کرنے لگے) کہ بعض تو اسی جگہ جمے رہنے کی ہدایت پر قائم رہے، مگر بعض دوسروں نے دوسری تجویز پیش کر دی، انکار و ملامت اسی دوسری تجویز پر ہے کہ (اور تم) رسول اللہ ﷺ کے صریح (کہنے پر نہ چلے بعد اس کے کہ تم کو تمہاری دل خواہ بات) اللہ نے تمہاری آنکھوں سے (دکھادی تھی) یعنی مسلمانوں کا غلبہ دکھایا تھا اور اس وقت تمہاری یہ حالت تھی کہ (تم میں سے بعض تو وہ تھے جو دنیا) کا لینا (چاہتے تھے) یعنی کفار کا تعاقب کر کے مال غنیمت جمع کرنا چاہتے تھے (اور بعض تم میں وہ تھے جو) صرف (آخرت کے طلب گار تھے) اب چونکہ بعض سے رائے کی کمزوری اور رسول اللہ ﷺ کے حکم کے خلاف دوسری تجویز پیش کرنا اور آپؐ کے کہنے پر نہ چلنا اور طلب دنیا جیسے بعض امور سرزد ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے آئندہ کے لئے اپنی نصرت کو بند کر لیا (اور پھر تم کو کفار) پر غالب آنے (سے ہٹا دیا)۔ اور باوجودیکہ یہ عارضی شکست تمہارے فعل کا نتیجہ تھی مگر پھر بھی منجانب اللہ یہ بطور سزا کے نہیں بلکہ اس مصلحت سے ہوئی (تاکہ خدا تعالیٰ) ایمان میں (تمہاری آزمائش کرے) چنانچہ اس وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مخلصین کی قدر بڑھ گئی (اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو معاف کر دیا) اب آخرت میں مواخذہ نہ ہوگا (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والے ہیں مسلمانوں) کے حال (پر)

فائدہ: یہ ظاہر ہے کہ غزوہ احد میں بعض صحابہ کرام کی رائے کی غلطی ہوئی تھی جس پر سابقہ

متعدد آیات میں تنبیہ اور آئندہ کے لئے اصلاح حال کی ہدایت کا سلسلہ چلا آتا ہے، مگر اس عتاب اور تنبیہات کے اندر بھی صحابہ کرام کے ساتھ حق جل شانہ کی عنایات قابل دید ہیں، اول تو لِيَبْتَلِيَكُمْ فرما کر یہ ظاہر کر دیا کہ عارضی شکست کی جو صورت پیش آئی یہ بطور سزا کے نہیں بلکہ آزمائش کے لئے ہے جس سے مقصود اخلاق کی تربیت تھی تاکہ ایسے مصائب کے عادی ہو کر استقلال و ثبات پیدا ہو اور خاص بندوں پر جو مصائب آتے ہیں ان میں یہی حکمتیں ہوتی ہیں۔ پھر صاف لفظوں میں خطا کی معافی کا اعلان فرمادیا لَقَدْ عَفَا عَنْكُمْ

ربط: آگے بھی اس مغلوبیت کے قصہ کا تمہ ہے۔

إِذْ تُصْعِدُونَ وَلَا تَلْوُنَ عَلَىٰٓ أَحَدٍ وَّالرَّسُولُ يَدْعُوكُمْ فِيٓ أُخْرَىٰكُمْ فَأَثَٰبَكُمْ غَمًّۢا بِغَمٍّ لِّكَيْلَا تَحْزَنُوا عَلَىٰ مَا فَاتَكُمْ وَلَا مَآ أَصَٰبَكُمْ ۗ وَاللَّهُ خَبِيرٌۢ بِمَا تَعْمَلُونَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: جب تم چڑھے چلے جاتے تھے اور پیچھے مڑ کر نہ دیکھتے تھے کسی کو اور رسول پکارتا تھا تم کو تمہارے پیچھے سے پھر پہنچایا تم کو غم بسبب غم دینے کے تاکہ تم غم نہ کیا کرو اس پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے اور نہ اس پر کہ جو کچھ تم کو پیش آجائے اور اللہ خبردار ہے اس سے جو تم کرتے ہو۔

تفسیر: وہ وقت یاد کرو (جب تم) بھاگتے ہوئے جنگل کو (چڑھے چلے جارہے تھے اور کسی کو مڑ کر بھی نہ دیکھتے تھے اور رسول) ﷺ (تمہارے پیچھے کی جانب سے تم کو پکار رہے تھے) کہ ادھر آؤ ادھر آؤ مگر تم نے سنا ہی نہیں (سو اللہ نے اس کے بدلے میں تم کو غم دیا بسبب) تمہارے (غم دینے کے) رسول اللہ ﷺ کو (تاکہ) اس پاداش اور مصیبت سے تم میں پختگی پیدا ہو جائے جس سے پھر (تم مغموم نہ ہوا کرو نہ اس چیز پر جو تمہارے ہاتھ سے نکل جائے، اور نہ اس پر جو تم پر مصیبت پڑے، اور اللہ تعالیٰ سب خبر رکھتے ہیں تمہارے سب کاموں کی) اس لئے تم جیسا کام کرتے ہو اس کے مناسب پاداش تجویز فرماتے ہیں۔

ربط: اوپر غم کا بیان تھا آگے اس کے ازالہ کا بیان ہے۔ ظاہری ازالہ اس سے ہوا کہ اونگھ کی وجہ سے بدن کو راحت حاصل ہوئی اور باطنی ازالہ اس طرح ہوا کہ معافی کی بشارت سے روحانی راحت حاصل ہوئی۔ اور اس کے ضمن میں منافقین کی بدحالی اور اس بدحالی کی وجہ سے ان راحتوں سے انکا محروم رہنا

مذکور ہے۔

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿۱۵۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۵۵﴾

ترجمہ: پھر اتارا اللہ نے تم پر بعد غم کے امن کو (یعنی) اونگھ کہ ڈھانک لیا اس (اونگھ) نے بعضوں کو تم میں سے اور بعض تھے کہ فکر میں ڈال رکھا تھا ان کو ان کی جانوں نے۔ خیال کرتے تھے اللہ پر جھوٹے خیال جاہلیت کے سے کہتے تھے کیا ہمارے ہاتھ کچھ بھی اختیار ہے۔ تو کہہ بے شک اختیار سارا اللہ کے ہاتھ ہے۔ وہ چھپاتے ہیں اپنے جی میں جو ظاہر نہیں کرتے تجھ سے، کہتے ہیں اگر ہمارے ہاتھ کچھ بھی اختیار ہوتا تو ہم مارے نہ جاتے اس جگہ۔ تو کہہ اگر تم ہوتے اپنے گھروں میں ضرور باہر نکلتے وہ جن پر لکھ دیا گیا تھا مارا جانا اپنے قتل گاہوں کی طرف اور (یہ جو کچھ ہوا اس لئے ہوا) تا کہ اللہ آزمائے جو کچھ تمہارے سینوں میں ہے اور تا کہ صاف کر دے اس کو جو تمہارے دلوں میں ہے اور اللہ خوب جاننے والا ہے دلوں کی باتوں کو۔ بے شک جن لوگوں نے پیٹھ پھیری تم میں سے جس دن مقابل ہوئیں دو فوجیں محض بہکا دیا ان کو شیطان نے بسبب ان

کے بعض اعمال کے اور یقیناً بخش چکا اللہ ان کو۔ اللہ بخشنے والا ہے تحمل کرنے والا ہے۔

تفسیر: (پھر اللہ تعالیٰ نے اس غم کے بعد تم پر چین) اور راحت (بھیج دی یعنی اونگھ) جب کفار میدان سے واپس ہو گئے اس وقت غیب سے مسلمانوں پر اونگھ غالب ہوئی جس سے سب غم غلط ہو گیا (کہ تم میں سے ایک جماعت) یعنی (مسلمانوں پر تو نیند کا غلبہ ہو رہا تھا اور ایک جماعت وہ تھی) یعنی منافقین کی (کہ ان کو اپنی جان ہی کی فکر پڑ رہی تھی) کہ دیکھئے یہاں سے بچ کر بھی جاتے ہیں یا نہیں (وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خلاف واقع گمان کر رہے تھے جو جاہلیت کا سا خیال تھا) وہ خیال آگے ان کے قول سے اور اس کا جاہلیت کا سا ہونا ان کے جواب سے معلوم ہوتا ہے، ان کا قول یہ تھا کہ (وہ یوں کہہ رہے تھے کیا ہمارا اختیار کچھ چلتا ہے) مطلب یہ تھا کہ ہمارے رائے کسی نے نہ سنی جو جنگ سے پہلے ہم نے دی تھی خواہ مخواہ سب کو مصیبت میں پھنسا دیا (آپ فرما دیجئے کہ اختیار تو سب اللہ ہی کا) چلتا (ہے) مطلب یہ ہے کہ اگر تمہاری رائے پر عمل بھی ہوتا جب بھی قضاء الٰہی غالب رہتی اور جو افتاد آنے والی تھی آ کر رہتی، چنانچہ ان کے قول اور اس کے جواب کا مطلب آگے مفصل آتا ہے (وہ لوگ اپنے دلوں میں ایسی بات پوشیدہ رکھتے ہیں جس کو آپ کے سامنے) صراحۃً ظاہر نہیں کرتے کیونکہ ظاہر میں ان کے اس قول کا کہ ہمارا کیا اختیار ہے، یہ مطلب سمجھا جا سکتا ہے کہ تقدیر الٰہی کے سامنے بندہ کی تدبیر نہیں چلتی جو کہ عین ایمان کی بات ہے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کا جو لطیف جواب دیا گیا اس میں اس معنی کی تصدیق بھی ہے کہ واقعی اختیار تو اللہ ہی کا غالب ہے، لیکن ان کا مطلب اس قول سے یہ نہیں تھا، بلکہ وہ یہ بات اس معنی میں (کہتے ہیں کہ اگر ہمارا کچھ اختیار چلتا) یعنی ہماری رائے پر عمل ہوتا (تو ہم) میں جو لوگ یہاں قتل ہوئے وہ (یہاں مقتول نہ ہوتے) جس کا حاصل یہ ہے کہ تقدیر کوئی چیز نہیں جو کہ جاہلیت کی بات ہے اسی لئے آگے ان کے اس قول کی تکذیب اس طرح کی گئی کہ (آپ فرما دیجئے کہ اگر تم لوگ اپنے گھروں میں بھی رہتے تب بھی جن لوگوں کے لئے قتل مقدر ہو چکا تھا وہ لوگ ان مقامات کی طرف) آنے کے لئے (نکل پڑتے جہاں وہ) قتل ہو ہو کر (گرے ہیں) غرض یہ ہے کہ یہ ظاہری مضرت جس قدر ہوئی وہ تو ٹلنے والی نہ تھی (اور) اس کے فوائد و منافع بہت عظیم تھے کیونکہ (جو کچھ ہوا اس لئے ہوا تاکہ اللہ تعالیٰ تمہارے باطن کی بات) یعنی ایمان (کی آزمائش کرے) کیونکہ اس مصیبت کے وقت منافقین کا نفاق کھل گیا اور مومنین کا ایمان اور زیادہ موکد اور ثابت ہو گیا (اور تاکہ تمہارے دلوں کی بات) یعنی اسی ایمان (کو) وساوس سے (صاف کر دے) کیونکہ مصیبت سے مومن کی توجہ غیر اللہ سے ہٹ کر صرف اللہ تعالیٰ کی طرف لگ جاتی ہے جس سے ایمان کو جلاء اور قوت پہنچتی ہے (اور اللہ

تعالیٰ سب باطن کی باتوں کو خوب جانتے ہیں) ان کو تو آزمائش کی حاجت نہیں پھر بھی آزمائش اس لئے کرتے ہیں کہ عدالتی طریقہ سے مجرم کا جرم کھل کر سامنے آجائے اس وجہ سے ایسے حالات واقع کئے جاتے ہیں (یقیناً تم میں جن لوگوں نے) میدان جنگ سے (پشت پھیر دی تھی جس روز کہ وہ دونوں جماعتیں) مسلمانوں اور کفار کی (باہم مقابل ہوئیں) یعنی احد کے روز اس کی وجہ (اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوئی کہ ان کو شیطان نے لغزش دیدی ان کے بعض اعمال) گذشتہ (کے سبب سے) یعنی ان سے کچھ خطاء و قصور ایسے ہو گئے تھے جس سے شیطان کو ان سے اور بھی معصیت کرا دینے کی طمع ہو گئی اور اتفاق سے وہ طمع پوری بھی ہو گئی (اور یقین سمجھو کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف فرما دیا واقعی اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑے حلم والے ہیں) کہ خطا ہونے کے وقت بھی کوئی سزا نہیں دی۔

فائدہ:1- اس واقعہ سے صحابہؓ پر طعن کرنا جائز نہیں کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ان کو معاف کر دیا تو اب دوسروں کو مواخذہ کرنے کا کیا حق رہا۔

2- بعض مَا كَسَبُوْا یعنی بعض اعمال سبب ہوئے فرار کا اور فرار سبب ہوا مصائب کا اور مصائب کے آنے میں وہ حکمتیں تھیں جن کا وَ لِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَافِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ میں ذکر ہوا۔

3- حلیم کی صفت لانے سے خیال ہو سکتا ہے کہ سزا نہ ہونی چاہئے تھی حالانکہ گرفت ہوئی۔ جواب یہ ہے کہ یہ گرفت اصلاح کی غرض سے ہوئی تھی محض سزا کے طور پر نہیں تھی۔

ربط: اوپر منافقین کا یہ قول نقل کیا تھا لَوْ كَانَ لَنَامِنَ الْاَمْرِشَيْئٌ مَا قُتِلْنَا هٰهُنَا (اگر ہمارے ہاتھ میں اختیار ہوتا تو ہم یہاں قتل نہ ہوتے) جس کا حاصل وہی ہے جس کو آگے اس عبارت سے نقل کیا ہے لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا (اگر وہ ہمارے پاس رہتے تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے)۔ چونکہ ایسے اقوال کے سننے سے احتمال ہو سکتا تھا کہ مسلمانوں کے دلوں میں اس قسم کے وسوسے پیدا ہونے لگیں اس لئے اللہ تعالیٰ اگلی آیت میں مسلمانوں کو ایسے اقوال و احوال سے ممانعت فرماتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ
اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا
قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۗ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۗ
وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَئِنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ

اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿۱۵۷﴾ وَ
لَئِنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ: اے ایمان والو تم نہ ہو ان کی طرح جو کافر ہوئے اور کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت جب وہ سفر کرتے ہیں زمین میں یا (جہاد کیلئے) بنتے ہیں غازی اگر رہتے ہمارے پاس تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے (ان کی یہ بات اس وجہ سے ہے) تاکہ کردے اللہ اس بات کو موجب حسرت ان کے دلوں میں اور اللہ ہی زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور اللہ جو کچھ تم کرتے ہو اس کو دیکھنے والا ہے۔ اور اگر تم مارے جاؤ اللہ کی راہ میں یا مر جاؤ تو ضرور بخشش اللہ کی جانب سے اور مہربانی بہتر ہے اس چیز سے جو وہ جمع کر رہے ہیں اور اگر تم مر گئے یا مارے گئے تو البتہ اللہ ہی کی طرف تم سب اکٹھے کئے جاؤ گے۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح مت ہو جانا جو) حقیقت میں (کافر ہیں) گو ظاہراً اسلام کا دعویٰ کرتے ہوں (اور کہتے ہیں اپنے) نسبی یعنی مسلمان اور مذہبی یعنی منافق (بھائیوں) کی (نسبت جب کہ وہ لوگ کسی سرزمین میں سفر کرتے ہیں) اور وہاں اتفاقاً مر جاتے ہیں (یا وہ لوگ کہیں غازی بنتے ہیں) اور اس میں تقدیر سے قتل ہو جاتے ہیں تو وہ منافق کہتے ہیں (کہ اگر یہ لوگ ہمارے پاس رہتے) سفر اور غزوہ میں نہ جاتے (تو نہ مرتے اور نہ مارے جاتے) یہ بات ان کے دل اور زبان پر اس لئے آتی ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ اس بات کو ان کے قلوب کے لئے موجب حسرت کر دیں) یعنی اس طرح کی باتوں کا نتیجہ حسرت کے سوا کچھ نہیں (اور مارتا جلاتا تو اللہ ہی ہے) خواہ سفر ہو یا حضر اور جنگ ہو یا امن (اور اللہ تعالیٰ جو کچھ تم کرتے ہو سب کچھ دیکھ رہے ہیں) تو اگر تم بھی ایسی باتیں کرو یا ایسے خیالات میں مبتلا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہے گا (اور اگر تم لوگ اللہ کی راہ میں مارے جاؤ یا کہ) اللہ کی راہ میں (مر جاؤ تو) یہ کوئی خسارہ نہیں نفع ہی نفع ہے کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ کے پاس کی مغفرت اور رحمت) دنیا کی (ان چیزوں سے) بدرجہا (بہتر ہے جن کو یہ لوگ جمع کر رہے ہیں) اور اسی کے لالچ میں زندگی کو محبوب رکھتے ہیں اور (اگر تم) ویسے بھی (مر گئے یا مارے گئے) تب بھی (یقیناً اللہ ہی کے پاس جمع کئے جاؤ گے) پس اول تو قضا ٹلتی نہیں، دوسرے اللہ کے پاس جانے سے کسی طرح بچ نہیں سکتے اور دین کی راہ میں مرنا یا مارے جانا تو موجب مغفرت ورحمت ہے تو پھر ویسے مرنے سے دین ہی کی راہ میں جان دینا بہتر ہے اس

لئے ایسے اقوال دنیا میں موجب حسرت اور آخرت میں موجب نار جہنم ہیں ان سے پرہیز لازم ہے۔

ربط: غزوہ احد میں بعض مسلمانوں کی مورچہ چھوڑنے کی لغزش سے اور میدان چھوڑنے سے رسول اللہ ﷺ کو کوفت اور غم ہوا۔ اگرچہ آپ اپنے وسعت اخلاق اور ان کی دل شکنی کے خیال سے ان حضرات کے ساتھ سختی اور ملامت سے پیش نہیں آئے لیکن اللہ تعالیٰ کو منظور ہوا کہ ان حضرات کی طرف سے رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر بھی گرانی نہ ہو اور نیز ان حضرات کے دل سے بھی بوجھ اتر جائے اس لئے اوپر اپنی معافی کی بشارت سنا کر اگلی آیت میں رسول اللہ ﷺ کو چند باتوں کا حکم دیتے ہیں جن سے یہ مذکور غرض حاصل ہو۔

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۖ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: پھر کچھ اللہ ہی کی رحمت کے سبب تو نرم دل ہوا ان کے لئے اور اگر تو ہوتا تند خو سخت دل تو متفرق ہو جاتے تیرے پاس سے سو تو معاف کر ان کو اور بخشش مانگ ان کے لئے اور مشورہ لے ان سے کام میں پھر جب عزم کر لے تو (اس کام کا) تو پھر بھروسہ کر اللہ پر بے شک اللہ محبت کرتا ہے توکل کرنے والوں سے۔

تفسیر: (اس کے بعد) کہ صحابہ کرام سے ایسی لغزش ہوئی جس پر آپ کو ملامت اور مواخذہ کرنے کا حق تھا (خدا ہی کی رحمت کے سبب) جو کہ آپؐ پر ہے (آپؐ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپؐ) خدانخواستہ (تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ) بے چارے (آپؐ کے پاس سے سب منتشر ہو جاتے) پھر ان کو آپ کی صحبت سے حاصل ہونے والے یہ فیوض و برکات کہاں نصیب ہوتے (سو) جب آپؐ نے برتاؤ میں ایسی نرمی فرمائی تو ان سے آپ کے حکم کی تعمیل میں جو غلطی ہو گئی ہے اس کو دل سے بھی (ان کو معاف کر دیجئے اور) ان سے جو غلطی اللہ تعالیٰ کے حکم میں کوتاہی سے ہوئی اس کے لئے (آپؐ ان کے لئے استغفار کیجئے) اگرچہ اللہ تعالیٰ نے خود ان کی معافی اور مغفرت کا اعلان پہلے ہی فرما دیا تھا مگر آپ کا ان کے لئے دعائے مغفرت کرنا ان کے لئے اور زیادہ مفید اور موجب تسلی ہوگا (اور ان سے خاص خاص باتوں

میں) بدستور (مشورہ لیتے رہا کیجئے) تاکہ اس خصوصی لطف سے ان کے دلوں سے غم اتر جائے (پھر) مشورہ لینے کے بعد (جب آپ) کسی ایک جانب (رائے پختہ کرلیں) خواہ وہ ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف (تو خدا تعالیٰ پر اعتماد) کر کے اس کام کو کر لیا کیجئے (بیشک اللہ تعالیٰ ایسے اعتماد کرنے والوں سے محبت رکھتے ہیں)

فائدہ: 1- نرم اخلاقی کو بتایا کہ یہ رحمت کے سبب سے ہے کیونکہ خوش اخلاقی عبادت کی طرح ثواب کی چیز ہے جس کی توفیق اللہ تعالیٰ کی رحمت سے ہوتی ہے۔

2- خاص خاص باتوں سے مراد وہ امور ہیں جن میں آپ پر وحی نازل نہ ہوئی ہو ورنہ وحی کے بعد پھر مشورہ کی گنجائش نہیں۔

3- تفسیر میں جو یہ کہا کہ آپ کی پختہ رائے ان کے مشورہ کے موافق ہو یا مخالف اس کی دلیل یہ ہے کہ عزم میں کوئی قید نہیں لگائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہ انتظامی امور جن میں رائے اور مشورہ لیا جاتا ہے ان میں کثرت رائے کا ضابطہ بے اصل ہے، ورنہ یہاں عزم میں یہ قید ہوتی کہ بشرطیکہ آپ کا عزم کثرت رائے کے خلاف نہ ہو۔

4- چونکہ مشورہ کرنا اور عزم کرنا تدبیر میں شامل ہیں اس لئے ان کے بعد جو توکل کا حکم فرمایا اس سے ثابت ہوا کہ تدبیر توکل کے منافی نہیں۔ توکل میں حسب ذیل تفصیل ہے۔

ا۔ توکل کا یہ مرتبہ کہ تدبیر کرنے کے باوجود دل سے اللہ تعالیٰ پر اعتماد رکھے یہ ہر مسلمان کے ذمہ فرض عین ہے۔

ب۔ توکل کا وہ مرتبہ جس میں تدبیر کو ترک کیا ہو تو۔

i- اگر وہ تدبیر دینی ہے مثلاً جہاد کرنا اور اس کے لئے ہتھیار فراہم کرنا تو اس کا ترک مذموم ہے۔

ii- اگر وہ تدبیر دنیوی ہے لیکن عام طور سے اس کا اثر اور فائدہ یقینی ہے مثلاً گرم کپڑے پہنے گا تو سردی کے مضر اثرات سے ضرور بچے گا تو اس کا ترک بھی ناجائز ہے اور اگر ظنی ہے یعنی وہ تدبیر کرنے سے فائدہ کا گمان غالب ہے مثلاً بیماری میں دوا کا استعمال تو اس تدبیر کا ترک جائز ہے۔

ربط: صحابہ کو احد میں مغلوبیت سے جو حسرت تھی اگلی آیت میں ان کی اس حسرت کو دل سے اتارتے ہیں۔

إِن يَنصُرْكُمُ اللَّهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۖ وَإِن يَخْذُلْكُمْ فَمَن ذَا الَّذِي يَنصُرُكُم مِّن بَعْدِهِ ۗ وَعَلَى اللَّهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُونَ ﴿۱۶۰﴾

ترجمہ: اگر مدد کرے تمہاری اللہ تو کوئی غالب نہ ہو سکے گا تم پر اور اگر وہ ساتھ چھوڑ دے تمہارا تو پھر کون ہے جو مدد کرے تمہاری اس کے بعد اور اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے مسلمانوں کو۔

تفسیر: (اگر حق تعالیٰ تمہارا ساتھ دیں تب تو تم سے کوئی نہیں جیت سکتا اور اگر تمہارا ساتھ نہ دیں تو اس کے بعد ایسا کون ہے جو تمہارا ساتھ دے) اور تم کو غالب کر دے (اور صرف اللہ تعالیٰ پر ایمان والوں کو اعتماد رکھنا چاہئے)

فائدہ: ازالہ حسرت کا حاصل یہ ہے کہ غالب مغلوب کرنا خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے مثلاً بدر میں اپنی رحمت سے غالب کر دیا اور احد میں اپنی حکمت سے مغلوب کر دیا۔ پس جب یہ بات تمہاری قدرت میں سرے سے ہے ہی نہیں تو اپنے دلوں کو اس کے پیچھے مت ڈالو جو ہو گیا سو ہو گیا اس میں جو آفت معصیت کی وجہ سے آئی ہے اس سے توبہ کر لو آئندہ کے لئے اللہ تعالیٰ پر نظر رکھو یعنی اس سے توفیق مانگو کہ معصیت سے محفوظ رکھیں اور پھر بھی کوئی مصیبت نازل ہو اس کو اس کارساز کی طرف سے خیر اور مصلحت سمجھو۔

ربط: اوپر رسول اللہ ﷺ کے حکم کی مخالفت کا مذموم اور موجب وبال ہونا بیان فرمایا تھا۔ اس آیت میں آپ کا کامل امانت دار ہونا ذکر فرمایا تاکہ ثابت ہو جائے کہ آپ جو کچھ حکم فرماتے ہیں اس میں آپ کی کوئی نفسانی غرض نہیں ہوتی کیونکہ یہ ایک قسم کی خیانت ہے اور آپ کسی بھی قسم کی خیانت کرنے سے مبرا ہیں لہذا ایسے حکم کی مخالفت ضرور موجب وبال اور مذموم ہو گی۔

وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَغُلَّ ۚ وَمَن يَغْلُلْ يَأْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفَّىٰ كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿۱۶۱﴾ أَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللَّهِ كَمَن بَاءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللَّهِ وَمَأْوَاهُ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمَصِيرُ ﴿۱۶۲﴾ هُمْ دَرَجَاتٌ عِندَ اللَّهِ ۗ وَاللَّهُ بَصِيرٌ بِمَا يَعْمَلُونَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ: اور نہیں نبی کی شان کہ وہ خیانت کرے حالانکہ جو شخص خیانت کرے گا وہ

لائے گا وہ چیز جس کی خیانت کی قیامت کے دن پھر پورا دیا جائے گا ہر شخص جو اس نے کمایا اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے۔ کیا جس شخص نے پیروی کی رضائے الٰہی کی (وہ) مانند ہو گا اس شخص کے جو مستحق ہوا اللہ کے غصہ کا اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی۔ یہ لوگ مختلف درجوں والے ہیں اللہ کے ہاں اور اللہ دیکھتا ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔

تفسیر: (اور نبی کی یہ شان نہیں کہ وہ) نعوذ باللہ (خیانت کرے حالانکہ) خائن کی تو قیامت میں رسوائی اور فضیحت ہو گی، کیونکہ (جو شخص خیانت کرے گا، وہ شخص اپنی اس خیانت کی ہوئی چیز کو قیامت کے دن) میدان حشر میں (حاضر کرے گا) تاکہ سب خلائق مطلع ہوں اور سب کے روبرو فضیحت اور رسوائی ہو (پھر) میدان قیامت کے بعد (ان خائنوں میں سے ہر شخص کو اس کے کئے کا) دوزخ میں (پورا عوض ملے گا اور ان پر بالکل ظلم نہ ہو گا) کہ جرم سے زائد سزا ہونے لگے، غرض خائن تو مغضوب اور مستحق جہنم ہوا اور انبیا علیہم السلام حق تعالیٰ کی رضاجوئی کی وجہ سے قیامت میں سر بلند ہوں گے لہذا دونوں باتیں جمع نہیں ہو سکتیں جیسا آگے ارشاد ہے (سوا ایسا شخص جو رضائے حق کا تابع ہو) جیسے نبی (کیا وہ اس شخص کی مثل ہو جائے گا جو کہ غضب الٰہی کا مستحق ہو اور اس کا ٹھکانا دوزخ ہو) جیسے خائن (اور وہ جانے کی بری جگہ ہے) یہ ظاہر ہے کہ دونوں ہر گز برابر نہیں ہوں گے بلکہ (یہ مذکورہ لوگ) یعنی رضائے حق کی پیروی کرنے والے اور مغضوبین (اللہ تعالیٰ کے نزدیک درجات میں مختلف ہوں گے) کہ متبع محبوب اور جنتی ہے اور مغضوب دوزخی ہے (اور اللہ تعالیٰ خوب دیکھتے ہیں ان کے اعمال کو) اس لئے ہر ایک کے مناسب معاملہ فرمائیں گے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ خیانت کی چیز کو قیامت میں حاضر کرے گا حدیث میں اس کی شرح آئی ہے چنانچہ بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دیکھو میں قیامت میں کسی کو اس حال میں نہ دیکھوں کہ اس کی گردن پر ایک اونٹ لدا ہو اور آواز نکالتا ہو اور وہ شخص مجھ سے آ کر امداد کا طالب ہو اور میں صاف جواب دے دوں کہ میں اب کچھ نہیں کر سکتا میں حکم پہنچا چکا تھا اور ایسا ہی مضمون گھوڑے اور کپڑے اور روپیہ پیسہ کے بارے میں فرمایا۔

اگر یہ خیال ہو کہ کسی نے سو اونٹ چرائے ہوں گے تو وہ سب کو کیسے گردن پر لادے گا تو اس کا یہ جواب ہے کہ آخرت میں انسانوں کے جسم بھی بہت بڑے بڑے ہوں گے جب کہ ان جانوروں کی جسامت دنیا کے مطابق ہو گی اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کے آگے تو جسم کے بڑے ہونے کی بھی ضرورت نہیں۔

اگر خیانت کی چیز اجسام میں سے نہ ہو تو اس کا لانا دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ یا تو محض اس کے اظہار و اعلان کو لانا کہا جائے جیسے بولتے ہیں کیا خبر لائے یا عالم آخرت میں ضرورت کی جگہ پر معانی یعنی غیر جسمانی چیزوں کو بھی جسم دے دیئے جائیں گے جیسا بہت سی حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے مثلاً موت دنبہ کی شکل میں لا کر ذبح کی جائے گی اور نیک عمل ضرورت کے وقت حسین آدمی کی شکل اختیار کرلے گا۔

ربط: اوپر جب یہ بتادیا کہ رسول اللہ ﷺ تو امانتدار ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچانے میں امین ہیں تو اس وجہ سے آگے بتایا کہ آپ کا وجود تو مسلمانوں کے لئے بڑی نعمت ہے اور آپ کی بعثت تو اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے لہذا مسلمان اس نعمت کی قدر کریں اور آپ کی تعظیم کریں اور آپ ﷺ کے بارے میں کوئی ایسا وسوسہ دل میں نہ لائیں جو آپ کی اعلیٰ شان کے مناسب نہ ہو۔

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

ترجمہ: یقیناً احسان کیا اللہ نے ایمان والوں پر جب کہ بھیجا ان میں رسول انہی میں سے پڑھتا ہے ان پر آیتیں اس کی اور پاک کرتا ہے ان کو (یعنی شرک وغیرہ سے) اور سکھاتا ہے ان کو کتاب اور حکمت اور وہ تو تھے پہلے سے صریح گمراہی میں۔

تفسیر: (حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر) بڑا (احسان کیا جب کہ ان میں انہی کی جنس سے ایک ایسے) عظیم الشان (پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں) اور احکام (پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور) ظاہری اور باطنی گندگیوں سے (ان لوگوں کو صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب) الہی (اور سمجھ کی باتیں بتاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ) آپ کی بعثت کے (قبل سے صریح گمراہی) یعنی شرک و کفر (میں) مبتلا (تھے)۔

فائدہ: انہی کی جنس سے مراد ہے انسانوں میں سے کیونکہ آپ باقی انسانوں کے لئے نمونہ ہیں اور انسانوں کے لئے نمونہ انسان ہی بن سکتا ہے کیونکہ طبیعت اور تقاضے ایک ہیں کوئی اور مخلوق نمونہ نہیں بن سکتی تھی۔ علاوہ ازیں انسان کو انسان سے انس ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے سے علم حاصل کرنے میں سہولت ہوتی ہے جب کہ خلاف جنس سے وحشت کا احتمال تھا۔

ربط: چونکہ مسلمانوں کو شکست کی سخت کلفت تھی اس لئے اگلی آیت میں دوسرے طریقے سے

اس مضمون کو پھر بیان کرتے ہیں اور منافقین کی تشنیع بھی دوسرے طور سے کرتے ہیں۔

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ۭ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ښ وَقِيْلَ لَھُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ۭ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّااتَّبَعْنٰكُمْ ۭ ھُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَىِٕذٍ اَقْرَبُ مِنْھُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاھِھِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِھِمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِھِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ۭ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

ترجمہ: کیا جس وقت پہنچی تم کو ایک مصیبت (یعنی شکست) کہ تم پہنچا چکے ہو اس کی دوگنی تو کہتے ہو یہ کہاں سے آئی۔ تو کہہ دے یہ مصیبت تمہاری ہی طرف سے ہے بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے اور جو کچھ مصیبت پہنچی تم کو اس دن کہ ملیں دو فوجیں سو اللہ کے حکم سے اور تاکہ جان لے اللہ ایمان والوں کو اور تاکہ جان لے ان کو جو منافق ہوئے اور کہا گیا ان سے کہ آؤ لڑو اللہ کی راہ میں یا دفاع کرو وہ بولے اگر ہم جانتے (اس کو) لڑائی تو ضرور پیروی کرتے تمہاری، وہ لوگ اس دن کفر سے زیادہ قریب ہو گئے بہ نسبت اپنے کے ایمان سے۔ کہتے ہیں اپنے منہ سے جو نہیں ان کے دل میں اور اللہ خوب جانتا ہے جو وہ چھپاتے ہیں۔ یہ (ایسے) لوگ ہیں جو کہتے ہیں اپنے بھائیوں کی نسبت حالانکہ خود بیٹھے رہے اگر وہ مانتے ہماری بات تو نہ مارے جاتے، تو کہہ دے اب ہٹاؤ اپنے اوپر سے موت کو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر: (اور جب) احد میں (تمہاری ایسی شکست ہوئی جس سے دوگنی) بدر میں (پہنچا چکے تھے) کیونکہ احد میں ستر مسلمان شہید ہوئے اور بدر میں ستر کافروں کو قید اور ستر کو قتل کیا تھا (تو کیا ایسے وقت میں تم) بطور اعتراض نہ سہی بطور تعجب کے (یوں کہتے ہو کہ) ہمارے مسلمان ہونے کے باوجود یہ شکست

(کدھر سے ہوئی) یعنی کیوں ہوئی (آپؐ فرما دیجئے کہ یہ شکست تمہاری طرف سے ہوئی) اگر حضور ﷺ کی رائے کے خلاف نہ کرتے تو نہ ہارتے، کیونکہ نصرت کا وعدہ اس شرط کے ساتھ تھا (بیشک اللہ تعالیٰ کو ہر چیز پر پوری قدرت ہے) جب تم نے اطاعت کی اللہ نے اپنی قدرت سے تم کو غالب کر دیا اور جب تم نے خلاف کیا تو اپنی قدرت سے تم کو مغلوب کر دیا (اور جو مصیبت تم پر پڑی جس روز کہ دونوں گروہ) یعنی مسلمان اور کفار (باہم) لڑائی کے لئے (مقابل ہوئے) یعنی احد کے دن (سو وہ مصیبت خدا تعالیٰ کے حکم سے ہوئی) کیونکہ اس میں بہت سی حکمتیں تھیں جن کا بیان اوپر بھی آچکا ہے (اور) ان میں سے ایک حکمت یہ ہے (تاکہ اللہ تعالیٰ مومنین کو بھی دیکھ لیں) کیونکہ مصیبت کے وقت اخلاص وغیر اخلاص ظاہر ہو جاتا ہے جیسا گذر بھی چکا ہے (اور ان لوگوں کو بھی دیکھ لیں جنہوں نے نفاق کا برتاؤ کیا اور ان سے) شروع جنگ کے وقت جب تین سو آدمیوں نے مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ دیا تھا جیسا کہ پہلے آچکا ہے (یوں کہا گیا کہ) میدان جنگ میں (آؤ) پھر ہمت ہو تو (اللہ کی راہ میں لڑنا یا) ہمت نہ ہو تو گنتی ہی بڑھا کر (دشمنوں کی مدافعت کرنا) کیونکہ زیادہ تعداد دیکھ کر کچھ تو ان پر رعب ہوگا اور اس سے شاید وہ ہٹ جائیں (وہ بولے کہ اگر ہم ڈھنگ کی لڑائی دیکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ ہو لیتے) لیکن یہ کوئی لڑائی ہے کہ وہ لوگ تم سے تین چار گنا زیادہ پھر ان کے پاس سامان بھی زیادہ ایسی حالت میں لڑنا ہلاکت میں پڑنا ہے، لڑائی اس کو نہیں کہتے، حق تعالیٰ اس پر ارشاد فرماتے ہیں کہ (یہ منافقین اس روز) جب انہوں نے ایسا خشک جواب دیا تھا (کفر سے) بظاہر بھی (نزدیک تر ہو گئے اپنی اس حالت کی بنسبت جب وہ) پہلے سے بظاہر (ایمان سے) کسی قدر (نزدیک تھے) کیونکہ پہلے بھی گو وہ دل سے مومن نہ تھے مگر مسلمانوں کے سامنے موافقت کی باتیں بناتے رہتے تھے، اس روز ایسی طوطا چشمی غالب ہوئی کہ کھلم کھلا مخالفت کی باتیں منہ سے نکلنے لگیں، اس لئے پہلے سے جو ظاہری قرب ایمان کے ساتھ تھا وہ کفر کے قرب میں تبدیل ہو گیا اور یہ قرب جو کفر کے ساتھ ہوا ہے اس قرب سے زیادہ اس لئے ہے کہ موافقت کی باتیں دل سے نہ تھیں اس لئے زوردار نہ تھیں، اور یہ مخالفت کی باتیں دل سے تھیں اس لئے الفاظ بھی زوردار تھے (یہ لوگ اپنے منہ سے ایسی باتیں کرتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں) یعنی دل میں تو یہ ہے کہ ان مسلمانوں کا کبھی ساتھ نہ دیں گو لڑائی ڈھنگ ہی کی کیوں نہ ہو (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں جو کچھ یہ اپنے دل میں رکھتے ہیں) اس لئے ان کے اس قول کا غلط ہونا اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے (یہ ایسے لوگ ہیں کہ) خود تو جہاد میں شریک نہ ہوئے اور (اپنے) ہم نسب (بھائیوں کی نسبت) جو کہ مقتول ہو گئے (گھروں میں بیٹھے ہوئے باتیں بناتے ہیں کہ اگر ہمارا کہنا مانتے)

یعنی ہمارے منع کرنے پر نہ جاتے (تو قتل نہ کئے جاتے، آپ فرما دیجئے کہ اچھا تو اپنے اوپر سے موت کو ہٹاؤ اگر تم) اس خیال میں (سچے ہو) کہ میدان میں جانے سے ہی ہلاکت ہوتی ہے، کیونکہ قتل سے بچنا تو موت ہی سے بچنے کے لئے مقصود ہے جب وقت مقرر پر موت گھر بیٹھے بھی آ جاتی ہے تو قتل بھی وقت مقرر پر نہیں ٹل سکتا۔

فائدہ: ہزیمت کے اس واقعہ میں صحابہ کی عتاب کے بعد جو جابجا تسلی کی گئی اس سے نافرمانی کرنے والے یہ نہ سمجھ لیں کہ ہم سے جو گناہ ہوتے ہیں اس میں بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت و مشیت ہوتی ہے پھر غم کی کوئی بات نہیں۔ بات یہ ہے کہ اول تو صحابہ سے ایسا خطاء سے ہوا تھا مخالفت مقصود نہ تھی دوسرے ان پر ندامت اور غم کا بے انتہا غلبہ تھا جو توبہ کا اعلیٰ درجہ ہے اس لئے ان کی تسلی کی گئی اور جو قصداً گناہ کرے پھر اس پر جرات بھی کرے وہ تسلی کا مستحق نہیں بلکہ ڈراوے اور سزا کا مستحق ہے۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں منافقین کے اس قول کہ اگر یہ ہمارا کہنا مانتے تو قتل نہ کئے جاتے دو باتیں نکلتی ہیں ایک یہ کہ گھروں میں بیٹھا رہنا ہلاکت سے نجات کا سبب ہے۔ اس کا جواب تو فَادْرَءُ وْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ میں ارشاد فرمایا یعنی تم اپنے اوپر سے موت کو ہٹا دو۔ دوسری بات یہ کہ وہ ان شہداء کی موت کو ناکامی کا اور زندگی اور اس کی لذتوں سے محرومی کا باعث بتاتے تھے۔ اس کا جواب اگلی آیت میں دیا کہ ان کو تو در حقیقت اعلیٰ درجہ کی کامیابی اور حقیقی زندگی اور پائیدار لذتیں حاصل ہوئی ہیں۔

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ؕ بَلْ اَحْيَآءٌ عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۙ وَ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِهِمْ مِّنْ خَلْفِهِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اور تو نہ سمجھ ان لوگوں کو جو مارے گئے اللہ کی راہ میں مردے بلکہ وہ زندہ ہیں، اپنے رب کے پاس (مقرب ہیں) رزق دیئے جاتے ہیں خوش ہیں اس پر جو دیا ان کو اللہ نے اپنے فضل سے اور خوش ہوتے ہیں ان کی طرف سے جو ابھی تک نہیں پہنچے ان کے پاس ان کے پیچھے سے کہ نہ ڈر ہوگا ان پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ خوش ہوتے ہیں بسبب اللہ کی نعمت اور فضل کے

اور اس بات سے کہ اللہ ضائع نہیں کرتا اجر ایمان والوں کا۔

تفسیر: (اور) اے مخاطب (جو لوگ اللہ کی راہ میں) یعنی دین کے واسطے (قتل کئے گئے ان کو) اور مردوں کی طرح (مردہ مت خیال کرو بلکہ وہ لوگ) ایک ممتاز حیات کے ساتھ (زندہ ہیں) اور (اپنے پروردگار کے مقرب) یعنی مقبول ہیں (ان کو رزق بھی ملتا ہے اور وہ خوش ہیں اس چیز سے جو ان کو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل) و کرم (سے عطا فرمائی) مثلاً اللہ تعالیٰ کے قرب کے درجات وغیرہ۔ مطلب یہ ہے کہ رزق ظاہری بھی ملتا ہے اور رزق معنوی یعنی مسرت بھی (اور) جس طرح وہ اپنے حال پر خوش ہیں اسی طرح (جو لوگ) ابھی دنیا میں زندہ ہیں اور (ان کے پاس نہیں پہنچے) بلکہ (ان سے پیچھے رہ گئے ہیں ان کی بھی اس حالت پر وہ) شہداء (خوش ہوتے ہیں کہ) اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو ہماری طرح (ان پر بھی کسی طرح کا خوف واقع ہونے والا نہیں اور نہ وہ) کسی طرح (مغموم ہوں گے) غرض ان کو دو خوشیاں حاصل ہوں گی، ایک اپنے متعلق، دوسرے اپنے متعلقین کے متعلق، آگے ان دونوں خوشیوں کا سبب یہ بتایا کہ (وہ) اپنی حالت پر تو (خوش ہوتے ہیں نعمت اور فضل خداوندی کی وجہ سے) جس کا انہوں نے مشاہدہ کر لیا (اور) دوسروں کی حالت پر خوش ہوتے ہیں (اس وجہ سے کہ) انہوں نے وہاں جا کر مشاہدہ کر لیا کہ (اللہ تعالیٰ اہل ایمان) کے اعمال (کا اجر ضائع نہیں کرتے) تو جو لوگ ان کے متعلقین پیچھے رہ گئے ہیں اور نیک اعمال جہاد وغیرہ میں لگے ہیں ان کو بھی ایسے ہی انعامات ملیں گے۔

ربط: اوپر غزوہ احد کے قصہ کا ذکر تھا، اگلی آیات میں اسی غزوہ سے متعلق ایک دوسرے غزوہ کا ذکر ہے جو غزوہ حمراء الاسد کے نام سے مشہور ہے، حمراء الاسد مدینہ طیبہ سے آٹھ میل کے فاصلہ پر ایک مقام کا نام ہے۔

اس غزوہ کا قصہ یہ ہے کہ جب کفار مکہ احد کے میدان سے واپس ہو گئے، تو راستے میں جا کر اس پر افسوس ہوا کہ ہم غالب آ جانے کے باوجود خود خواہ مخواہ واپس لوٹ آئے، ہمیں چاہئے تھا کہ ایک ہلہ کر کے سب مسلمانوں کو ختم کر دیتے، اور اس خیال نے کچھ ایسا اثر کیا کہ پھر واپس مدینہ کی طرف لوٹنے کا ارادہ ہونے لگا، مگر اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر رعب ڈال دیا، اور رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی یہ بات معلوم ہو گئی تو آپ نے اعلان فرمادیا کہ جو لوگ کل ہمارے ساتھ لڑائی میں حاضر تھے آج دشمن کا تعاقب کرنے کے لئے تیار ہو جائیں۔ مسلمان مجاہدین اس کے باوجود کہ تازہ زخم کھائے ہوئے تھے تیار ہو گئے۔ آپ ان مجاہدین کی جمعیت کو لے کر حمراء الاسد کے مقام تک پہنچے جو مدینہ سے آٹھ میل پر ہے۔ یہ سن کر کہ

مسلمان تعاقب میں چلے آرہے ہیں کافروں کے دل میں سخت رعب اور دہشت طاری ہوگئی اور دوبارہ حملہ کا ارادہ ترک کر کے مکہ کی طرف بھاگے۔

کفار مکہ کو راستہ میں پہلے معبد خزاعی ملے جو مسلمانوں کی جگہ سے آرہے تھے۔ معبد اس وقت تک مسلمان نہ ہوئے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ کے خیر خواہ تھے۔ کفار مکہ نے ان سے مسلمانوں کی خبر پوچھی۔ انہوں نے مسلمانوں کی خداداد شان و شوکت کو زوردار لفظوں میں بیان کیا اس سے کفار کے حوصلے بالکل پست ہوگئے اور بدستور مکہ ہی جانے کے عزم پر قائم رہے۔ پھر اتفاق سے ان کو ایک قافلہ قبیلہ عبدالقیس کا مل گیا جو مدینہ کو جارہا تھا۔ کفار مکہ نے ان لوگوں سے کہا کہ تم اتنا کام کرنا کہ محمد ﷺ سے مل کر ان لوگوں کے دلوں میں ہمارا خوف بٹھا دینا اور کہہ دینا کہ مکہ والوں نے مسلمانوں کو ختم کرنے کے لئے بڑا سامان جمع کیا ہے اور جلد ہی آکر ان کا کام تمام کردیں گے۔ چنانچہ جس وقت ان لوگوں نے مسلمانوں کو یہ خبر پہنچائی سب نے بالاتفاق نہایت مضبوطی سے کہا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَ نِعْمَ الْوَكِيْلُ یعنی ان کے سامان اور جمعیت سے کچھ اندیشہ نہیں ہمارے لئے اللہ تعالیٰ کافی ہیں پھر اسی دوران وہاں سے ایک تجارتی قافلہ کے گذرنے کی وجہ سے مسلمانوں کو تجارت کا ایک موقع ملا جس میں انہیں بہت زیادہ نفع ہوا۔

اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَهُمُ الْقَرْحُ ۛؕ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْهُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْهُمْ فَزَادَهُمْ اِيْمَانًا ۖۗ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْهُمْ سُوْٓءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَآءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْهُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

ترجمہ: جن لوگوں نے حکم مانا اللہ کا اور رسول کا بعد اس کے کہ پہنچ چکے تھے ان کو زخم۔ ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے نیک ہوئے اور پرہیز گار ہوئے بڑا ثواب ہے ایسے کہ کہا جن کو لوگوں نے کہ (مکہ والے) آدمیوں نے جمع کیا ہے سامان تمہارے مقابلہ کے لئے سو تم ان سے ڈرو تو (اس بات نے) اور زیادہ کر دیا ان کو ایمان میں اور بولے کافی ہے ہم کو اللہ اور کیا خوب کارساز

ہے۔ پھر واپس آئے مسلمان اللہ کے احسان اور فضل کے ساتھ کہ نہ پہنچی ان کو کچھ ناگواری اور تابع ہوئے اللہ کی مرضی کے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ یہ محض شیطان ہے کہ ڈراوا دیتا ہے اپنے دوستوں کا سو تم ان سے مت ڈرو اور مجھ سے ڈرو اگر تم ایمان والے ہو۔

تفسیر: (جن لوگوں نے اللہ و رسول کے کہنے کو) جب کہ ان کو کفار کے تعاقب کے لئے بلایا گیا (قبول کر لیا بعد اس کے کہ ان کو) ابھی تازہ (زخم) لڑائی میں (لگا تھا ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں) اور واقعہ میں سب ہی ایسے ہیں (ان کے لئے) آخرت میں (بڑا ثواب ہے، یہ ایسے) مخلص (لوگ ہیں کہ بعض (لوگوں نے) یعنی عبدالقیس والوں نے جو (ان سے) آکر (کہا کہ ان لوگوں) یعنی اہل مکہ (نے تمہارے) مقابلہ کے (لئے) بڑا (سامان جمع کیا ہے، سو تم کو ان سے اندیشہ کرنا چاہئے تو اس) خبر (نے ان کے) جوش (ایمان کو اور زیادہ کر دیا اور) نہایت استقلال سے یہ (کہہ) کر بات کو ختم کر (دیا کہ ہم کو حق تعالیٰ) مشکلات کے لئے (کافی ہے اور وہی سب کام سپرد کرنے کے لئے اچھا ہے) اسی سپرد کرنے کو توکل کہتے ہیں (پس یہ لوگ خدا کی نعمت اور فضل سے) یعنی ثواب اور تجارتی نفع سے (بھرے ہوئے واپس آئے کہ ان کو کوئی ناگواری پیش نہیں آئی، اور وہ لوگ) اس واقعہ میں (رضائے حق کے تابع رہے) اس کی بدولت دینی و دنیوی نعمتوں سے سرفراز ہوئے (اور اللہ تعالیٰ بڑے فضل والا ہے) اے مسلمانو! (اس سے زیادہ کوئی) قابل اندیشہ (بات نہیں کہ یہ مخبر) ازروئے فعل (شیطان ہے کہ اپنے) ہم مذہب (دوستوں سے) تم کو ڈراتا (ہے تو تم ان سے کبھی مت ڈرنا، اور صرف مجھ ہی سے ڈرنا اگر تم ایمان والے ہو)۔

فائدہ: 1: یہ جو فرمایا "اللہ و رسول کے کہنے کو" حالانکہ ظاہر صرف رسول اللہ ﷺ نے تعاقب کے لئے فرمایا تھا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ کا فرمانا خدا کے حکم کے تابع تھا اس لئے اللہ و رسول کی طرف نسبت صحیح ہوئی۔

2: یہ جو فرمایا "ان لوگوں میں جو نیک اور متقی ہیں" حالانکہ نصوص سے ان سب حضرات کا اس صفت کے ساتھ موصوف ہونا یقینی ہے اور خود آیت میں بھی جب ان سب کے لئے حکم قبول کرنے کو ثابت کیا تو پھر ان کے محسن اور متقی ہونے میں کیا شبہ رہا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود یہ نہیں کہ ان میں سے فقط چند اس صفت کے ساتھ موصوف تھے بلکہ ان کی مدح کرنا اور ان کے لئے کئی وصفوں کا ثابت کرنا اور یہ بتانا مقصود ہے کہ ان کے لئے اجر عظیم کی علت انکا محسن اور متقی ہونا ہے کیونکہ تعاقب کے حکم کو پورا کرنا بھی احسان اور تقویٰ ہی کا اثر ہے۔

ربط: اوپر منافقین کی بے وفائی اور بدخواہی کا ذکر ہوا۔ رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک پر ان کی

ان حرکات سے رنج ہوا۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ آپ کو تسلی دیتے ہیں تاکہ آپ کے قلب پر اب یا آئندہ ان کی اور دیگر کافروں کی طرف سے کبھی صدمہ غالب نہ ہو۔

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾

ترجمہ: اور غم میں نہ ڈالیں تجھ کو وہ لوگ جو جلدی کرتے ہیں کفر کی طرف بلا شبہ وہ ہر گزنہ ضرر پہنچا سکیں گے اللہ کو کچھ بھی۔ اللہ چاہتا ہے کہ نہ کرے ان کے لئے حصہ آخرت میں اور ان کے لئے عذاب ہے بڑا۔ بے شک جن لوگوں نے مول لیا کفر کو ایمان کے بدلے وہ ہر گزنہ کر سکیں گے نقصان اللہ کا کچھ اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: (اور آپؐ کے لئے وہ لوگ موجب غم نہ ہونے چاہئیں جو جلدی سے کفر) کی باتوں (میں جا پڑتے ہیں) جیسے منافقین کہ ذرا مسلمانوں کا پلہ ہلکا دیکھا تو کھلم کھلا کفر کی باتیں کرنے لگتے ہیں، جیسا کہ مذکرہ واقعات سے معلوم ہو چکا ہے (یقیناً وہ لوگ اللہ تعالیٰ) کے دین کو (ذرہ برابر بھی ضرر نہیں پہنچا سکتے) اس لئے آپ کو یہ غم تو ہونا نہیں چاہئے کہ ان کی حرکتوں سے اللہ کے دین کو ضرر پہنچ جائے گا اور اگر آپ کو خود ان کافروں کا غم ہو کہ یہ بدنصیب کیوں جہنم کی طرف جا رہے ہیں تب بھی آپؐ غم نہ کریں (کیونکہ اللہ تعالیٰ کو) تکوینی طور پر (یہ منظور ہے کہ آخرت میں ان کو کوئی حصہ نہ دے) اس لئے ان سے موافقت کی امید رکھنا صحیح نہیں، اور رنج وہیں ہوتا ہے جہاں امید ہو اور ان کے لئے صرف آخرت کی نعمتوں سے محرومی ہی نہیں بلکہ (ان لوگوں کو عظیم سزا بھی ہو گی) اور جس طرح یہ لوگ دین اسلام کو کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے اسی طرح (یقیناً جتنے لوگوں نے ایمان) کو چھوڑ کر اس (کی جگہ کفر کو اختیار کر رکھا ہے) خواہ منافق ہوں یا کھلے کافر اور خواہ پاس کے ہوں یا دور کے (یہ لوگ) بھی (اللہ تعالیٰ) کے دین (کو ذرہ برابر ضرر نہیں پہنچا سکتے اور ان کو) بھی پہلے لوگوں کی طرح (دردناک سزا ہو گی)۔

ربط: اوپر کی آیتوں میں اہل کفر کو بڑے اور دردناک عذاب کا مستحق بتایا۔ چونکہ وہ لوگ اس کے منکر تھے اور یہ استدلال کیا کرتے تھے کہ جب ہم یہاں آرام و آسائش میں ہیں تو معلوم ہوا کہ ہم سے اللہ

تعالیٰ ناراض نہیں ہیں۔ لہذا اگر آخرت بھی کوئی چیز ہے تو وہاں بھی آرام میں رہیں گے ورنہ یہاں عذاب سے کیوں چھوڑے جاتے۔ حق تعالیٰ اگلی آیت میں اس خیال کا رد فرماتے ہیں۔

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ خَيْرٌ لِّأَنفُسِهِمْ ۚ إِنَّمَا نُمْلِي لَهُمْ لِيَزْدَادُوا إِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ ﴿١٧٨﴾

ترجمہ: اور ہرگز نہ سمجھیں کافر کہ ہمارا مہلت دینا ان کو کچھ خیر ہے ان کے حق میں۔ ہم تو محض مہلت دیتے ہیں ان کو تاکہ ترقی کریں وہ گناہ میں اور ان کیلئے عذاب ہے رسوا کرنے والا۔

تفسیر: (اور جو لوگ کفر کر رہے ہیں وہ یہ خیال ہرگز نہ کریں کہ ہمارا ان کو) عذاب سے (مہلت دینا) کچھ (ان کے لئے بہتر) اور مفید (ہے) ہرگز نہیں (بلکہ ان کو اس لئے مہلت دے رہے ہیں) اور ان کی زندگی دراز کر رہے ہیں تاکہ زیادتِ عمر کی وجہ سے (ان کو جرم میں اور ترقی ہو جائے) تاکہ یکبارگی پوری سزا ملے (اور) دنیا میں اگر سزا نہ ہوئی تو کیا ہوا آخرت میں تو (ان کو توہین آمیز سزا ہوگی)

فائدہ: 1-اس آیت سے کوئی یہ شبہ نہ کرے کہ جب اللہ تعالیٰ نے اسی لئے مہلت دی ہے کہ اور زیادہ جرم کریں تو پھر زیادہ جرم کرنے سے عذاب کیوں ہوگا کیونکہ اصل میں یہ فرمانا ایسا ہے جیسے کوئی لڑکا مدرسہ میں بیٹھا کھیلتا رہے سبق یاد نہ کرے اور استاد کے کئی بار سمجھانے سے نہ مانے تو استاد غصہ میں آ کر خاموش ہو جائے کہ سبق سننے کا وقت آئے گا اس وقت اکٹھی گرفت کروں گا۔

2: مہلت کے غیر نافع ہونے میں جو کفار کی تخصیص کی گئی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ مسلمان کو جس قدر زیادہ عمر ملتی ہے اس میں اسلام کی وجہ سے یہ فائدہ ہے کہ زیادہ طاعت کرے اور بلند درجات کا زیادہ مستحق ہو البتہ اگر کوئی اسلام کے تقاضے پر ہی عمل نہ کرے تو اور بات ہے۔ مومن کو بحیثیت ایمان فائدہ ہی ہے برخلاف کافر کے کہ اس کو بحیثیت کفر کے ضرر ہے البتہ اگر کفر کے اقتضاء پر عمل نہ کرے اور توبہ و ایمان سے مشرف ہو جائے تو اور بات ہے۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ مسلمانوں پر بعض سختیاں آنے سے یہ وسوسہ نہ ہو کہ یہ اللہ تعالیٰ کے مقبول نہیں بلکہ ان میں بعض حکمتیں اور مصلحتیں ہیں۔

مَا كَانَ اللَّهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِينَ عَلَىٰ مَا أَنتُمْ عَلَيْهِ حَتَّىٰ يَمِيزَ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۗ وَمَا كَانَ اللَّهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَى الْغَيْبِ وَ

لٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۹﴾

ترجمہ: اللہ وہ نہیں کہ چھوڑ دے مسلمانوں کو اس حالت پر جس پر تم ہو جب تک کہ جدا نہ کر دے ناپاک کو پاک سے اور اللہ نہیں ہے کہ مطلع کرے تم کو غیب پر لیکن اللہ چھانٹ لیتا ہے اپنے رسولوں کو جس کو چاہے، سو تم یقین لاؤ اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور اگر تم یقین رکھو اور پرہیزگاری کرو تو تمہارے لئے بڑا ثواب ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس حالت پر رکھنا نہیں چاہتا جس پر تم اب ہو) کہ مخلصین اور منافقین کے درمیان فرق و تمیز نہ ہو بلکہ اللہ چاہتا ہے کہ مسلمانوں پر شدائد و مصائب اس وقت تک نازل ہوتے رہیں۔ (جب تک کہ ناپاک) یعنی منافق (کو پاک) یعنی مومن مخلص (سے ممتاز نہ کر دیا جائے) اور یہ تمیز مصائب و مشکلات ہی کے پیش آنے پر پوری طرح ہو سکتی ہے۔ (اور) اگر کسی کے دل میں یہ خیال پیدا ہو کہ مومن و کافر اور حق و باطل میں امتیاز پیدا کرنے کے لئے کیا ضروری ہے کہ حوادث و مصائب ڈال کر ہی یہ امتیاز حاصل کیا جائے، اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی اس کا اعلان فرما سکتے ہیں کہ فلاں مومن مخلص ہے اور فلاں منافق تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ اللہ تعالیٰ اس طریقہ سے بھی امتیاز کرنے پر قدرت رکھتے ہیں لیکن ان کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ حوادث و مصائب میں ڈال کر ہی تمیز کی جائے اس لئے (وہ) ایسے (امور غیب پر تم کو) ابتلاء و امتحان کے بغیر (مطلع نہیں کرتے لیکن) جن کے لئے ان کی حکمت تقاضا کرتی ہے کہ ان کو ابتلاء و امتحان کے بغیر اطلاع کر دی جائے تو (اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں) اور ایسے لوگ (وہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں ان کو) حوادث کے بغیر بھی مطلع کرنے کے لئے (منتخب فرما لیتے ہیں) اور چونکہ تم رسول نہیں ہو اس لئے اس طریقہ سے تمہیں اطلاع نہیں دی جا سکتی اور ایسے حالات پیدا فرماتے ہیں کہ ان سے مخلص و منافق کا فرق خود بخود واضح ہو جائے اور جب یہ ثابت ہو گیا کہ دنیا میں کافروں پر عذاب نازل نہ ہونا بلکہ عیش و عشرت ملنا اور مسلمانوں پر بعض مصائب و شدائد نازل ہونا عین تقاضائے حکمت ہے، یہ باتیں کسی کے مقبول یا مردود ہونے کی دلیل نہیں ہو سکتیں لہٰذا (اب تم) ایمان کے پسندیدہ اور کفر کے ناپسندیدہ ہونے میں اے اہل باطل کوئی شبہ مت کرو بلکہ (اللہ اور اس کے سب رسولوں پر) اخلاص کے ساتھ (ایمان لے آؤ اور اگر تم ایمان لے آؤ اور) کفر و معاصی سے (پرہیز رکھو تو پھر تم کو) بجائے عذاب عظیم

والیم کے جس کا اوپر کفر پر وعدہ ہوا تھا ایمان و تقویٰ کی بدولت آخرت میں (اجر عظیم ملے)

فائدہ: یہ جو اخیر میں فرمایا سب رسولوں پر ایمان لاؤ حالانکہ مقام کا تقاضا ہے کہ حضرت محمد ﷺ پر ایمان لانے کا مطالبہ کیا جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ پر ایمان بھی جب ہی ثابت ہو گا جب سب کو مانے کیونکہ ایک کی تکذیب سب کی تکذیب ہے۔

ربط: جنگ احد کے قصہ سے پہلے جو مضمون تھا یعنی اہل کتاب اور ان میں سے بھی خصوصاً یہود کی قبیح و شنیع حرکتوں کا بیان۔ اب پھر اسی مضمون کی طرف لوٹتے ہیں۔ ان کی ایک اور قباحت یہ تھی کہ قرآن مجید میں انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب میں اس قسم کی آیتیں نازل ہوئیں مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضاً حَسَنًا وغیرہ تو بعض یہود رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر بکنے لگے کہ نعوذ باللہ آپ کا رب مفلس ہو گیا کہ اپنے بندوں سے قرض مانگنے لگا۔ ان کی اس بے ہودگی پر اللہ تعالیٰ نے اس آیت سے آگے والی آیت یعنی لَقَدْ سَمِعَ اللّٰہُ نازل فرمائی۔ یہ آیت اس کے لئے تمہید ہے۔ اس کا بیان یہ ہے کہ ان کی اس بے ہودگی کے سبب کا ایک جز وان کا بخل تھا اور دوسرا جز وان کا گستاخ و دشمن ہونا تھا۔ اس لئے اس آیت میں بخل کی مذمت بیان فرماتے ہیں اور اس پر طوق پہنائے جانے کی وعید سناتے ہیں اور دوسری آیت میں ان کی گستاخی کا اظہار فرماتے ہیں اور جلانے والے عذاب کی دھمکی سناتے ہیں۔

وَلَا یَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰھُمُ اللّٰہُ مِنْ فَضْلِهٖ ھُوَ خَیْرًا لَّھُمْ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ سَیُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ وَلِلّٰہِ مِیْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۸۰﴾

ترجمہ: اور ہرگز نہ خیال کریں وہ لوگ جو بخل کرتے ہیں اس چیز پر جو اللہ نے ان کو دی ہے اپنے فضل سے کہ یہ بخل بہتر ہے ان کے حق میں بلکہ یہ بہت برا ہے ان کے حق میں، وہ طوق پہنائے جائیں گے اس مال کا جس میں بخل کیا تھا قیامت کے دن اور اللہ کے لئے میراث ہے آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ جو تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور ہرگز نہ خیال کریں ایسے لوگ جو) ضروری مواقع میں (ایسی چیز) کے خرچ کرنے (میں بخل کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے کہ یہ بات ان کے لئے کچھ اچھی ہو گی) ہرگز نہیں (بلکہ یہ بات ان کے لئے بہت ہی بری ہے) کیونکہ انجام اس کا یہ ہو گا کہ (وہ لوگ قیامت کے

روز طوق پہنائے جائیں گے اس) مال (کا) سانپ بنا کر (جس میں انہوں نے بخل کیا تھا اور) بخل کرنا یوں بھی حماقت ہے کہ (اخیر میں) جب سب مر جائیں گے (سب آسمان و زمین) اور جو کائنات ان کے اندر ہے سب (اللہ ہی کا رہ جائے گا) لیکن اس وقت یہ مال اللہ کے لئے ہو جانے سے تمہیں کوئی ثواب نہیں ملے گا۔ کیونکہ تم نے اپنے اختیار سے نہیں دیئے، اور جب انجام کار سب اللہ ہی کا ہونا ہے تو عقل کی بات یہ ہے کہ ابھی اپنے اختیار سے دیدو تاکہ ثواب کے مستحق بنو (اور اللہ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) اس لئے جو کچھ خرچ کرو اخلاص کے ساتھ اللہ کے لئے کرو۔

فائدہ: 1- طوق پہنائے جانے کی کیفیت بخاری کی ایک حدیث میں آئی ہے۔ حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا جس کو خدا تعالیٰ مال دے اور وہ اس کی زکوۃ ادا نہ کرے تو اس کا مال قیامت کے دن ایک زہریلے سانپ کی شکل بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا اور وہ اس شخص کی باچھیں پکڑے گا اور کہے گا کہ میں تیرا مال ہوں میں تیرا سرمایہ ہوں۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔

اس حدیث میں زکوۃ کا ذکر بطور مثال کے ہے ورنہ مراد تمام واجب حقوق ہیں اور ایک اور حدیث میں ایسی ہی وعید ذی رحم کو نہ دینے پر آئی ہے کیونکہ مالدار پر تنگدست اور عاجز ذی رحم کی مدد کرنا واجب ہے۔

2- کفار جہاں ایمان لانے کے مکلف ہیں وہیں اجمالی طور سے بدنی و مالی طاعات کے بھی مکلف ہیں مثلاً وہ اس کے مکلف ہیں کہ ایمان لائیں اور نمازیں پڑھیں البتہ تفصیل کے ساتھ کہ وہ اس دن کی ظہر اور عصر وغیرہ کے مکلف ہوں ایسا نہیں ہے۔

ربط: تمہید کے بعد آگے مقصود کا بیان کرتے ہیں۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿۱۸۱﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿۱۸۲﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نے سنی ان کی بات جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم مالدار ہیں۔ اب ہم لکھ رکھیں گے ان کے کہے کو اور ان کے انبیاء کے ناحق قتل کرنے کو اور ہم کہیں گے کہ

چکھو عذاب آگ کا۔ یہ بدلہ اس کا ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں آگے بھیجا، اور اللہ نہیں ہے ظلم کرنے والا بندوں پر۔

تفسیر: (بیشک اللہ نے سن لیا ہے ان) گستاخ (لوگوں کا قول جنہوں نے) استہزاء کرتے ہوئے (یوں کہا کہ) نعوذ باللہ (اللہ تعالیٰ مفلس ہے اور ہم مالدار ہیں) اور صرف اس سننے پر اکتفاء نہیں کیا جائے گا بلکہ (ہم ان کے کہے ہوئے کو) ان کے نامہ اعمال میں (لکھ کر رہیں گے اور) اسی طرح (ان کا انبیاء علیہم السلام (کو ناحق قتل کرنا بھی) ان کے نامہ اعمال میں لکھا جائے گا (اور ہم) ان پر سزا جاری کرنے کے وقت جتلانے کے لئے (کہیں گے کہ) لو (چکھو آگ کا عذاب) اور ان کو روحانی رنج دینے کے لئے اس وقت یہ بھی کہا جائے گا کہ (یہ) عذاب (ان کفریہ اعمال کی وجہ سے ہے جو تم نے اپنے ہاتھوں سمیٹے ہیں، اور یہ) امر ثابت ہی ہے (کہ اللہ تعالیٰ بندوں پر ظلم کرنے والے نہیں) سو اللہ تعالیٰ نے بے جرم تم کو سزا نہیں دی۔

فائدہ: 1- ظاہر یہ ہے کہ یہود کا اس بے ہودہ قول کے موافق اعتقاد تو نہ ہو گا لیکن یہ بات انہوں نے استہزاء کے طور پر کہی اور اس سے مقصود قرآنی آیات اور رسول اللہ ﷺ کی تکذیب تھی چنانچہ آگے آیت فَاِنْ كَذَّبُوْكَ سے اس کی تائید بھی ہوتی ہے۔ بس ان کا مطلب یہ ہو گا کہ ان آیتوں کا مضمون اگر صحیح ہو تو اس سے خالق کا فقیر اور مخلوق کا غنی ہونا لازم آتا ہے اور یہ لازم باطل ہے لہذا ان آیتوں کا مضمون صحیح نہیں۔ اس طرح سے انہوں نے آیات کی تکذیب کی جو خود کفر ہے پھر اس کو استہزاء کی صورت میں بیان کرنا یہ مزید کفر ہے کیونکہ خود استہزاء اگرچہ بلا تکذیب ہو کفر ہوتا ہے۔

2- نامہ اعمال میں درج کرا دینے میں یہ حکمت ہے کہ عادۃً مجرم پر زیادہ حجت ہو جاتی ہے ورنہ حق تعالیٰ کو اس کی ضرورت نہیں ہے۔

3- انبیاء علیہم السلام کے قتل کا مضمون اس کے ساتھ ذکر فرمانا یہ بتانے کے لئے ہے کہ اس قول میں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کی صرف تکذیب ہی کی ہے ورنہ یہ تو جرائم میں ایسے بے باک ہیں کہ تکذیب سے گذر کر انبیاء کو قتل تک کر چکے ہیں اس لئے ایسوں سے محض تکذیب یا استہزاء کا کیا تعجب ہے۔

4- یہ جو فرمایا کہ ہم لکھ کر رہیں گے ان کے کہے ہوئے کو اس سے یہ خیال نہ ہو کہ ان کہ کہنے کے وقت میں فرشتوں نے نہیں لکھا اور بعد میں لکھا گیا ہو گا کیونکہ یہاں مقصود یہ بتانا ہے کہ تمہاری بات ہم سے رہ نہ جائے گی اور وہ ہمارے ہاں ضرور لکھی ہو گی یہ بتانا مقصود نہیں کہ اس کو کب لکھا جاتا ہے۔

ربط: آگے یہود کی ایک اور قباحت کا ذکر کرتے ہیں۔

اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِىْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِىْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾

ترجمہ: وہ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ نے ہم کو کہہ رکھا ہے کہ ہم یقین نہ کریں کسی رسول کا جب تک وہ نہ لائے ہمارے پاس قربانی کہ کھا جائے اس کو آگ۔ تو کہہ آچکے تمہارے پاس کتنے ہی رسول مجھ سے پہلے نشانیاں لے کر اور اس کو بھی جو تم نے کہا پھر کیوں تم نے قتل کیا ان کو اگر تم سچے ہو۔

تفسیر: وہ یہود (ایسے لوگ ہیں کہ) بالکل جھوٹ تراش کر (کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو) سابقہ انبیاء کے واسطہ سے (حکم فرمایا تھا کہ ہم کسی پیغمبر) ہونے کے مدعی (پر اعتقاد) ان کے پیغمبر ہونے کا (نہ لائیں جب تک ہمارے سامنے قربانی) یعنی اللہ تعالیٰ کی قربت حاصل کرنے کی چیز کا خاص معجزہ (ظاہر نہ کرے کہ اس کو) آسمانی (آگ کھا جائے) پہلے بعض انبیاء علیہم السلام کا یہ معجزہ ہوا ہے کہ کوئی چیز ذبح شدہ جاندار یا بے جان اللہ کے نام کی نکال کر کسی میدان یا پہاڑ پر رکھ دی، غیب سے ایک آگ نمودار ہوئی اور اس چیز کو جلا دیا، یہ اس صدقہ کی قبولیت کی علامت ہوتی تھی یہود کے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ آپ نے یہ خاص معجزہ ظاہر نہیں فرمایا، اس لئے ہم آپ پر ایمان نہیں لاتے، حق تعالیٰ اس کا جواب تعلیم فرماتے ہیں کہ (آپ فرما دیجئے کہ بالیقین بہت سے پیغمبر مجھ سے پہلے بہت سے دلائل) اور معجزات وغیرہ (لے کر تمہارے پاس آئے، اور خود یہ معجزہ بھی جس کو تم کہہ رہے ہو، سو تم نے ان کو کیوں قتل کیا تھا اگر تم) اپنے دعوے اور اس کے مطلب و نتیجہ میں (سچے ہو)

فائدہ: یہاں یہود کے دو دعوے ہیں۔ ایک صریح کہ اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا دوسرا جو اس سے لازم آتا ہے وہ یہ کہ اگر آپ یہ معجزہ ظاہر فرماتے تو آپ پر ضرور ایمان لے آتے۔ پہلے دعوی کا یہ جواب ہے کہ تم مدعی ہو اور مدعی پر اپنے دعوی کو ثابت کرنا ضروری ہے ورنہ دلیل کے بغیر تو دعوی تسلیم نہیں کیا جاتا اور یہود کے پاس اس کی کوئی دلیل نہیں تھی محض افتراء تھا۔ البتہ بعض انبیاء سے یہ معجزہ ضرور ظاہر ہوا ہے لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ سب انبیاء پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط بھی ہو۔ البتہ مدعی نبوت سے کسی بھی معجزہ کا صادر ہونا یا اس کا کسی سابق سچے نبی کی بتائی ہوئی علامت کا مصداق ہونا واقعی شرط ہے سو رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارک میں یہ دونوں چیزیں کمال درجہ میں پائی جاتی تھیں۔ لیکن یہ جواب اس

لئے ذکر نہیں کیا گیا کہ بہت ظاہر تھا اس لئے صرف دوسرے دعویٰ کے جواب پر اکتفا کیا گیا جس کی تقریر اس آیت میں موجود ہے اور اس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو تو جن انبیاء میں یہ معجزہ موجود تھا ان پر ایمان کیوں نہ لائے یہاں تک کہ تکذیب سے گذر کر قتل تک کر دیا خصوصاً ایسی حالت میں کہ ان کے پاس اور معجزات بھی تھے جن سے ایمان کے واجب ہونے کا تقاضا اور بڑھ گیا تھا۔

ربط: یہود کا ان باتوں سے رسول اللہ ﷺ کی تکذیب کرنا مقصود تھا جس سے طبعاً آپ کو رنج ہوتا تھا۔ نیز اور کفار بھی اس تکذیب میں شریک تھے جس سے اور رنج بڑھتا تھا لہذا اگلی آیت میں آپ کی تسلی فرماتے ہیں۔

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَآءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿۱۸۴﴾

ترجمہ: پھر اگر یہ جھٹلائیں تجھ کو تو جھٹلائے گئے بہت سے رسول تجھ سے پہلے جو لائے نشانیاں اور صحیفے اور کتاب روشن۔

تفسیر: (سو اگر یہ) کافر (لوگ آپ کی تکذیب کریں تو) غم نہ کیجئے کیونکہ (بہت سے پیغمبروں کی جو آپ سے پہلے گزرے ہیں، تکذیب کی جا چکی ہے، جو معجزات لے کر آئے تھے اور) چھوٹے چھوٹے (صحیفے لے کر اور روشن کتاب لے کر۔) جب کفار کی یہ عادت ہی ہے کہ انبیاء کی تکذیب کیا کرتے ہیں تو پھر آپ کیوں غم کریں

فائدہ: یعنی بعض صرف معجزے لائے بعض چھوٹی کتابیں بعض بڑی کتاب جیسے تورات وانجیل اور چونکہ کتاب سے بڑی کتاب مراد ہے اور بڑی کتاب کے مضامین زیادہ ہوں گے اور اس کی شان زیادہ ہو گی اس لئے اس کی صفت میں منیر بڑھایا کہ وہ شان اور مضامین دونوں کے اعتبار سے خوب نمایاں ہو گی۔

ربط: اوپر تکذیب کرنے والوں کا بیان تھا آگے ان کے لئے عام عنوان سے ایک وعید ذکر ہے جس میں تصدیق کرنے والوں کے لئے بشارت بھی آ گئی۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ؕ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ؕ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿۱۸۵﴾

ترجمہ: ہر جان چکھنے والی ہے موت کو اور تم پورے دیئے جاؤ گے اپنے اجر قیامت کے دن پھر جو کوئی دور کیا گیا دوزخ سے اور داخل کیا گیا جنت میں وہ تو کامیاب ہو گیا اور نہیں زندگی دنیا کی مگر سامان دھوکہ کا۔

تفسیر: تم میں (ہر جان) دار (کو موت کا مزہ چکھنا ہے اور) مرنے کے بعد (تم کو تمہاری) بھلائی برائی کی (پوری جزا قیامت ہی کے روز ملے گی) اگر دنیا میں کافروں پر کسی سزا کا ظہور نہ ہو تو اس سے تکذیب کرنے والوں کو خوشی کا اور تصدیق کرنے والوں کو غم کا کوئی موقع نہیں۔ آگے اس جزا کی تفصیل ہے (تو جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کیا گیا سو وہ پورا کامیاب ہوا) اسی طرح جو جنت سے جدا رہا اور دوزخ میں بھیجا گیا وہ پورا ناکام ہوا (اور دنیوی زندگی تو کچھ بھی نہیں صرف) ایسی چیز ہے جیسے (دھوکہ کا سودا ہوتا (ہے) جس کی ظاہری آب و تاب کو دیکھ کر خریدار پھنس جاتا ہے، بعد میں اس کی قلعی کھل جاتی ہے تو افسوس کرتا ہے۔ اسی طرح دنیا کی ظاہری چمک دمک سے دھوکہ کھا کر آخرت سے غافل نہ ہونا چاہیئے۔

فائدہ: 1- یہ جو فرمایا کہ جو شخص دوزخ سے بچا لیا گیا اس سے مراد عام ہے خواہ ابتداء ہی میں بچا لیا جائے یا سزا کے بعد بچا لیا جائے۔ اس طرح سے اس میں سب مسلمان آگئے اور ان کے پورے کامیاب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ یہ جنت میں ہمیشہ کے لئے ہر طرح کی نعمتیں پائیں گے۔ پس اس بنا پر اس کے مقابلہ میں جو واقع ہے کہ جو جنت سے جدا رہا اس سے مراد یہ ہوگی کہ ہمیشہ کے لئے جدا رہا اور یہ خاص کفار کے ساتھ ہوگا اور اس کا پورا ناکام ہونا اس وجہ سے ہے کہ تکلیف سے کبھی نجات نہ ہوگی۔

2- یہ جو فرمایا دھوکہ کا سودا ہے اس کا یہ مطلب نہیں کہ دنیوی زندگی سب کے لئے مضر ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ یہ اصلی مقصود بنانے کے قابل نہیں اور اس کو غنیمت سمجھ کر اس میں اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے والے اعمال اختیار کئے جائیں۔

ربط: کعب بن اشرف یہودی رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہؓ کی شان میں ہجو کے اشعار کہا کرتا تھا جس سے صحابہ کا دل تنگ ہونا قدرتی امر تھا اس پر اگلی آیت نازل ہوئی جس میں خبر دے دی کہ اس قسم کی باتیں اور بہت سی سنو گے لہذا صبر و تحمل کرنا چاہیئے اور چونکہ مسلمانوں کو ایذاء رسانی میں یہود کے ساتھ مشرکین بھی شریک تھے ان کا بھی ساتھ میں ذکر بڑھا دیا اور چونکہ صبر و ثبات صرف مخالفین کی ایذاء کے ساتھ خاص نہیں ہے بلکہ تمام حوادث و مصائب میں اس کا حکم ہے اس لئے جان و مال کا ذکر بھی ملا دیا۔

لَتُبْلَوُنَّ فِيٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۖ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ

الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

ترجمہ: ضرور تم آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں میں اور اپنی جانوں میں اور ضرور سنو گے تم ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور ان لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا بدگوئی بہت اور اگر تم صبر کرو اور پرہیزگاری کرو تو یہ ہمت کے کاموں میں سے ہے۔

تفسیر: ابھی کیا ہے (البتہ آگے) آگے (اور آزمائے جاؤ گے اپنے مالوں) کے نقصان (میں اور اپنی جانوں) کے نقصان (میں اور البتہ آگے کو اور سنو گے بہت سی باتیں دل آزاری کی ان لوگوں سے) بھی (جو تم سے پہلے) آسمانی (کتاب دیئے گئے ہیں) یعنی اہل کتاب سے (اور ان لوگوں سے) بھی (جو کہ مشرک ہیں اور اگر) ان مواقع پر (صبر کرو گے اور) خلاف شرع امور سے (پرہیز رکھو گے تو) تمہارے لئے اچھا ہو گا، کیونکہ (یہ) صبر و تقویٰ (ہمت کے کاموں میں سے ہے) اور ہمت کے کاموں کو کرنا ہی اچھا ہے۔

فائدہ: 1- آزمانے کا مطلب یہ ہے کہ ایسے حوادث تم پر وقتاً فوقتاً واقع ہوا کریں گے اس کو مجازاً آزمانا کہہ دیا ورنہ اللہ تعالیٰ آزمانے کے حقیقی معنی سے پاک ہے کیونکہ وہ عالم الغیب ہے۔

2- صبر کرنے کا یہ مطلب نہیں کہ تدبیر نہ کرو یا انتقام کے موقع پر انتقام نہ لو یا لڑائی کے موقع پر لڑائی نہ کرو بلکہ حوادث سے دل تنگ نہ ہو کیونکہ اس میں تمہارے لئے منافع اور مصلحتیں ہیں۔

3- پہلے سے اس لئے خبر دے دی تاکہ پہلے سے آمادہ رہیں اور وقوع کے وقت پریشان نہ ہوں۔

ربط: آگے یہود کے ایک اور قبیح عمل کا ذکر ہے اور وہ ہے عہد و پیمان کی خلاف ورزی کیونکہ اہل کتاب سے اللہ تعالیٰ نے عہد لیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے احکام جو تورات وغیرہ میں آئے ہیں وہ ان کی اشاعت عام کریں گے اور کسی حکم کو اپنی نفسانی غرض سے نہیں چھپائیں گے۔ انہوں نے یہ عہد توڑا اور احکام کو چھپایا اور پھر دلیری یہ کی کہ اس پر خوشی کا اظہار کیا۔ اس پر ان کو وعید سنائی گئی۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَتُبَيِّنُنَّهٗ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُوْنَهٗ ۡ فَنَبَذُوْهُ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِھِمْ وَاشْتَرَوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُوْنَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ

بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۸۸﴾

ترجمہ: اور جب لیا اللہ نے عہد ان لوگوں سے جو دیئے گئے کتاب کہ تم ضرور بیان کرو گے اس کو لوگوں سے اور نہ چھپاؤ گے اس کو۔ پھر پھینک دیا انہوں نے وہ عہد پیچھے اپنی پیٹھوں کے اور خرید لیا اس کے بدلے تھوڑا مول سو کیا برا ہے جو وہ خریدتے ہیں، تو ہرگز نہ سمجھ ان لوگوں کو جو خوش ہوتے ہیں اپنے کئے پر اور چاہتے ہیں کہ تعریف کئے جائیں اپنے نہ کئے پر تو مت سمجھ ان کو کہ وہ نجات پاگئے عذاب سے اور ان کے لئے عذاب ہے دردناک۔

تفسیر: یہ حالت بھی قابل ذکر ہے (جب کہ اللہ تعالیٰ نے) کتب سابقہ میں (اہل کتاب سے یہ عہد لیا) یعنی ان کو حکم فرمایا اور انہوں نے قبول کر لیا (کہ اس کتاب کے) سب مضامین (عام لوگوں کے روبرو بیان کر دینا اور اس) کے کسی مضمون (کو) دنیوی غرض سے (پوشیدہ نہ رکھنا سو ان لوگوں نے اس عہد کو اپنے پس پشت پھینک دیا) یعنی اس پر عمل نہ کیا (اور اس کے مقابلہ میں) دنیا کا (کم حقیقت معاوضہ لے لیا، سو بری چیز ہے جس کو وہ لوگ لے رہے ہیں) کیونکہ اس کا انجام سزائے دوزخ ہے۔

اے مخاطب (جو لوگ ایسے ہیں کہ اپنے کردار) بد یعنی حق باتوں کو چھپانے (پر خوش ہوتے ہیں اور جو) نیک (کام) یعنی اظہار حق (نہیں کیا اس پر چاہتے ہیں کہ ان کی تعریف ہو سو ایسے شخصوں کو ہرگز ہرگز مت خیال کرو کہ وہ خاص) دنیا کے (عذاب سے بچاؤ) اور حفاظت (میں رہیں گے) ہرگز نہیں بلکہ دنیا میں بھی کچھ سزا ہو گی (اور) آخرت میں بھی (ان کو دردناک سزا ہو گی)۔

فائدہ: 1- جن مضامین کو یہ اہل کتاب پوشیدہ کرتے تھے ان میں سے بڑا مضمون رسول اللہ ﷺ سے متعلق پیشین گوئیوں کا تھا۔ چونکہ خود ان کو ایمان لانا منظور نہ تھا اس لئے دوسروں سے بھی اس کو چھپاتے تھے۔

2- جو نیک کام نہیں کیا اس سے مراد اظہار حق ہے جو وہ کرتے نہ تھے لیکن دوسروں کو یہ یقین دلانا چاہتے تھے کہ ہم اظہار حق کرتے ہیں تاکہ ان کو دھوکہ معلوم نہ ہو۔

3- کسی دینی اور شرعی مصلحت سے کوئی حکم عوام پر ظاہر نہ کیا جائے مثلاً حکم کی ضرورت بھی نہیں اور مسئلہ بھی دقیق و مشکل ہو اور لوگ کم سمجھ ہوں تو اس وقت مسئلہ نہ بتانا کتمان حق میں داخل نہیں۔

4- کوئی نیک عمل کرنے کے بعد اس پر مدح و ثناء کا انتظار و اہتمام کرے تو عمل کرنے کے باوجود بھی مذموم ہے اور طبعی طور پر خواہش ہونا کہ میں بھی فلاں نیک کام کروں اور نیک نام ہوں وہ اس میں داخل نہیں جب کہ اس نیک نامی کا اہتمام نہ کرے۔

ربط: اوپر اہل کفر کی سزا کا ذکر تھا۔ چونکہ سزا دینے کے لئے اختیار اور قدرت ضروری ہے اس لئے اگلی آیت میں اس کا اثبات ہے۔

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۗ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۸۹﴾

ترجمہ: اور اللہ ہی کیلئے ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

تفسیر: (اور اللہ ہی کے لئے) خاص (ہے سلطنت آسمانوں کی اور زمین کی اور اللہ تعالیٰ ہر شے پر پوری قدرت رکھتے ہیں)۔

فائدہ: پس چونکہ وہ سلطان حقیقی ہیں لہذا سب پر ان کا حکم ماننا ضروری ہے اور نافرمانی جرم ہے اور چونکہ وہ قادر ہیں اس لئے جرم کی سزا دے سکتے ہیں اور چونکہ انہوں نے اس سزا کی خبر دی ہے اس لئے ضرور سزا دیں گے اور چونکہ اس درجہ کی اور وہ بھی حقیقی سلطنت و قدرت کسی اور میں نہیں ہے اس لئے ان کے سزا دیئے ہوئے کو کوئی نہیں بچا سکتا۔

ربط: چونکہ آسمانوں اور زمین کی سلطنت کے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے خاص ہونے سے توحید سمجھ میں آئی اس لئے اگلی آیت میں توحید پر دلیل لاتے ہیں اور اس کے ساتھ توحید کے کل تقاضوں پر عمل کرنے والوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں جس میں توحید کے تقاضوں پر عمل کرنے کی ترغیب کا دوسروں کے لئے بھی اشارہ ہے۔ اسی طرح مشرکین جن کی ایذاؤں کا اوپر ذکر ہوا انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے محض عناد کی وجہ سے یہ درخواست کی کہ صفا پہاڑ کو سونا کا بنا دیں۔ اس آیت میں ان کا بھی جواب ہوا کہ حق کے دلائل تو اور بہت سے ہیں ان میں کیوں غور نہیں کرتے۔

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿۱۹۰﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۱۹۱﴾

رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنۡ تُدۡخِلِ النَّارَ فَقَدۡ اَخۡزَيۡتَهٗ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيۡنَ مِنۡ اَنۡصَارٍ ۝۱۹۲ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعۡنَا مُنَادِيًا يُّنَادِىۡ لِلۡاِيۡمَانِ اَنۡ اٰمِنُوۡا بِرَبِّكُمۡ فَاٰمَنَّا ۖ رَبَّنَا فَاغۡفِرۡ لَنَا ذُنُوۡبَنَا وَكَفِّرۡ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الۡاَبۡرَارِ ۝۱۹۳ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدۡتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخۡزِنَا يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ ؕ اِنَّكَ لَا تُخۡلِفُ الۡمِيۡعَادَ ۝۱۹۴

ترجمہ: بے شک آسمانوں اور زمین کے بنانے میں اور رات اور دن کے آنے جانے میں نشانیاں ہیں عقل والوں کے لئے، وہ جو یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور فکر کرتے ہیں آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں کہتے ہیں اے رب ہمارے تو نے یہ نہیں بنایا بیکار تو پاک ہے (سب عیبوں سے) سو ہم کو بچا دوزخ کے عذاب سے اے رب ہمارے بے شک جس کو تو نے داخل کیا دوزخ میں سو تو نے اس کو رسوا کر دیا اور نہیں ہے ایسے گنہگاروں کے لئے کوئی مددگار۔ اے رب ہمارے بے شک ہم نے سنا ایک پکارنے والا پکارتا ہے ایمان لانے کو کہ ایمان لاؤ اپنے رب پر سو ہم ایمان لے آئے، اے رب ہمارے اب بخش دے ہمارے لئے گناہ ہمارے اور دور کر دے ہم سے برائیاں ہماری اور موت دے ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ، اے رب ہمارے اور دے ہم کو جو وعدہ کیا تو نے ہم سے اپنے رسولوں کے واسطہ سے اور رسوا نہ کر ہم کو قیامت کے دن بے شک تو وعدہ کے خلاف نہیں کرتا۔

تفسیر: (بلاشبہ آسمانوں کے اور زمین کے بنانے میں اور یکے بعد دیگرے رات اور دن کے آنے جانے میں) توحید کے (دلائل) موجود (ہیں عقل) سلیم (والوں کے) استدلال کے (لئے جن کی حالت یہ ہے) جو آگے آتی ہے اور یہی حالت ان کے عاقل ہونے کی علامت بھی ہے۔ کیونکہ عقل دفع مضرت اور تحصیل منفعت کا تقاضا کرتی ہے اور عقل کے اس تقاضے کے موافق عمل کرنے پر آگے مذکور حالت کا مجموعہ دلالت کرتا ہے وہ حالت یہ ہے (کہ وہ لوگ) ہر حال میں دل سے بھی زبان سے بھی (اللہ تعالیٰ کو یاد کرتے ہیں، کھڑے بھی بیٹھے بھی لیٹے بھی اور آسمانوں اور زمین کے پیدا ہونے میں) اپنی قوت عقلیہ سے (غور کرتے ہیں) اور غور کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اب تک ایمان نہ تھا تو ایمان حاصل ہوتا ہے اور اگر صاحب ایمان تھے تو ایمان کی تجدید و تقویت حاصل ہوتی ہے اور اس کو اپنے قول سے اس طرح ظاہر کرتے ہیں

(کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے اس) مخلوق (کو لایعنی پیدا نہیں کیا) بلکہ اس میں حکمتیں رکھی ہیں جن میں ایک بڑی حکمت یہ ہے کہ اس مخلوق سے خالق تعالیٰ کے وجود پر استدلال کیا جائے (ہم آپ کو) لایعنی پیدا کرنے سے (منزہ سمجھتے ہیں) اس لئے ہم نے استدلال کیا اور توحید کے قائل ہوئے (سو ہم کو) موحد و مومن ہونے کی وجہ سے (عذاب دوزخ سے بچا لیجئے) جیسا کہ ایمان و توحید کا شرعی تقاضا بھی ہے کہ عذاب نہ ہو لیکن گناہوں کی وجہ سے ایمان و توحید کی قوت کمزور ہو جائے اور اس کا تقاضا کمزور ہو جائے تو پھر جہنم کی کچھ سزا ہو سکتی ہے۔ ایک عرض تو ان لوگوں کی یہ تھی۔ اور وہ ایمان کے اسی مضمون کے مناسب اور معروضات بھی کرتے ہیں جو آگے آتی ہیں (اے ہمارے پروردگار) ہم اس لئے عذاب دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں کہ (بیشک آپ جس کو) اصلی اور ہمیشہ کی سزا کے طور پر (دوزخ میں داخل کریں اس کو تو آپ نے واقعی رسوا ہی کر دیا) اس سے مراد کافر ہے (اور ایسے بے انصافوں کا) کہ جن کی اصلی سزا دوزخ تجویز کی جائے (کوئی بھی ساتھ دینے والا نہیں) اور آپ کا وعدہ ہے اہل ایمان کے لئے رسوا نہ کرنے کا بھی اور نصرت کرنے کا بھی، پس ایمان لا کر ہماری درخواست ہے کہ کفر کی اصلی سزا سے بچایئے، ایمان کا اصل نتیجہ یعنی دوزخ سے نجات عطا فرمایئے۔

(اے ہمارے پروردگار ہم نے) جیسے عقل سے کام لیتے ہوئے مصنوعات سے آپ کے وجود پر استدلال کیا اسی طرح ہم نے (ایک) حق کی طرف (پکارنے والے کو) یعنی حضرت محمد ﷺ کو براہ راست یا بالواسطہ (سنا کہ وہ ایمان لانے کے لئے اعلان کر رہے ہیں کہ) اے لوگو (تم اپنے پروردگار) کی ذات و صفات (پر ایمان لاؤ سو ہم) اس دلیل نقلی سے استدلال کر کے بھی (ایمان لے آئے)۔ اس درخواست میں ایمان باللہ کے ساتھ ایمان بالرسول بھی ضمناً آگیا، پس ایمان کے دونوں جز یعنی اعتقاد توحید و اعتقاد رسالت کامل ہو گئے۔

(اے ہمارے پروردگار پھر) اس کے بعد ہماری یہ درخواست ہے کہ (ہمارے) بڑے (گناہوں کو بھی معاف فرما دیجئے اور ہماری) چھوٹی (برائیوں کو ہم سے) معاف کر کے (زائل کر دیجئے اور) ہمارا انجام بھی کہ جس پر اصل مدار ہے درست کیجئے اس طرح کہ (ہم کو نیک لوگوں کے ساتھ) شامل رکھ کر (موت دیجئے) یعنی نیکی پر خاتمہ ہو۔

(اے پروردگار اور) جس طرح ہم نے اپنی مضرتوں سے محفوظ رہنے کے لئے درخواست کی ہے جیسے دوزخ و رسوائی اور بڑے اور چھوٹے گناہ اسی طرح ہم اپنے منافع کی دعاء کرتے ہیں کہ (ہم کو وہ چیز)

یعنی ثواب و جنت (بھی دیجئے جس کا ہم سے اپنے پیغمبروں کی معرفت آپ نے وعدہ فرمایا ہے) کہ مومنین وابرار کو اجر عظیم ملے گا (اور) یہ ثواب و جنت ہم کو اس طرح دیجئے کہ ثواب ملنے سے پہلے بھی (ہم کو قیامت کے روز رسوا نہ کیجئے) جیسا کہ بعض لوگوں کو اول سزا ہوگی پھر جنت میں جائیں گے، مطلب یہ کہ اول ہی سے جنت میں داخل کر دیجئے اور (یقیناً آپ) تو (وعدہ خلافی نہیں کرتے) لیکن ہم کو یہ خوف ہے کہ جن کے لئے وعدہ ہے یعنی مومنین وابرار کہیں ایسا نہ ہو کہ خدانخواستہ ہم میں وہ صفات نہ رہیں جن پر وعدہ ہے، اس لئے ہم آپ سے یہ التجائیں کرتے ہیں کہ ہم کو اپنے وعدہ کی چیزیں دیجئے، یعنی ہم کو ایسا کر دیجئے اور ایسا ہی رکھئے جس سے ہم وعدہ کے مستحق رہیں۔

فائدہ: ان دعاؤں کا مضمون تمام مطلوبہ مقاصد کو جامع ہے کیونکہ مقاصد کا منتہا دو چیزیں میں یعنی جنت ملنا اور دوزخ سے بچنا اور دونوں کے لئے دو شرطیں ہیں طاعات کا وجود اور معاصی کا عدم۔ یہ کل چار چیزیں ہوئیں یعنی جنت حاصل ہونا جہنم سے بچنا طاعات حاصل ہونا اور معاصی سے بچنا۔ اٰتِنَا مَاوَعَدْتَّنَا میں پہلی اور تیسری کی درخواست ہے۔ فَقِنَاعَذَابَ النَّارِ میں دوسری کی درخواست ہے جب کہ فَاغْفِرْلَنَا میں چوتھی کی درخواست ہے۔

ربط: آگے ایمان قبول کرنے والوں کی دعاؤں کی قبولیت مذکور ہے اور اس قبولیت کی علت کا ضابطہ بھی ذکر کیا جس پر سورت کے مقصود کے مناسب تفریع بھی کی۔

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ﴿۱۹۵﴾

ترجمہ: پھر قبول کی ان کیلئے ان کی دعاء ان کے رب نے کہ میں ضائع نہیں کرتا عمل کسی عمل کرنے والے کا تم میں سے مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک دوسرے سے ہو۔ پھر وہ لوگ کہ ہجرت کی انہوں نے اور نکالے گئے اپنے گھروں سے اور ستائے گئے میری راہ میں اور لڑے اور مارے گئے تو میں ضرور دور کروں گا ان سے برائیاں ان کی اور ضرور داخل کروں گا ان کو باغوں میں

بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ یہ بدلہ ملے گا اللہ کے ہاں سے اور اللہ کے ہاں ہے اچھا بدلہ۔

تفسیر: (سو قبول کر لیا ان کی دعاؤں کو ان کے رب نے اس وجہ سے) جیسا کہ خود فرماتے ہیں کہ میری مستقل عادت یہ ہے کہ (میں کسی شخص کے) نیک (کام کو جو تم میں سے کرنے والا ہو اکارت نہیں کرتا) کہ اس کا بدلہ نہ دوں (خواہ وہ) کام کرنے والا (مرد ہو یا عورت) دونوں کے لئے ایک ہی قانون ہے کیونکہ (تم) دونوں (آپس میں ایک دوسرے کے جزو ہو) اس لئے حکم بھی دونوں کا یکساں ہے، پس جب انہوں نے ایمان قبول کر کے ایک بڑا نیک عمل کیا، اور اس پر مرتب ہونے والے اثرات کی درخواست کی تو میں نے ان کی دعا اور درخواست کو اپنی مستقل عادت کے مطابق منظور کر لیا، اور جب ہم ایمان پر ایسے ثمرات عطا فرماتے ہیں (تو جن لوگوں نے) ایمان کے ساتھ مشقت والے اعمال بھی کئے جیسے ہجرت یعنی (ترک وطن کیا اور) وہ بھی ہنسی خوشی، سیر و سیاحت کے لئے نہیں، بلکہ اس طرح کہ (اپنے گھروں سے) تنگ کر کے (نکالے گئے اور) اس کے سوا طرح طرح کی (تکلیفیں دیئے گئے) اور یہ باتیں یعنی ہجرت اور وطن سے نکالا جانا اور مختلف قسم کی ایذائیں سب (میری راہ میں) یعنی میرے دین کے سبب ان کو پیش آئیں اور ان سب کو انہوں نے برداشت کیا (اور) اس سے بڑھ کر انہوں نے یہ کام کیا کہ (جہاد) بھی (کیا اور) بہت سے ان میں سے (شہید) بھی (ہو گئے) لیکن آخر تک جہاد سے نہ ہٹے، تو ایسے محنت کے اعمال پر ثمرات اور نعمتیں کیوں نہ ملیں گی (ضرور ان لوگوں کی تمام خطائیں) جو میرے حقوق کے متعلق ہو گئی ہوں (میں معاف کر دوں گا اور ضرور ان کو) بہشت کے (ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی یہ بدلہ ملے گا اللہ کے پاس سے اور اللہ ہی کے پاس) یعنی اس کے قبضہ قدرت میں (اچھا عوض ہے)۔

فائدہ: تمام خطائیں اس لئے کہا گیا کہ یہاں ہجرت اور جہاد و شہادت کی فضیلت مذکور ہے اور حدیثوں سے ان اعمال کا تمام پچھلے گناہوں کا کفارہ ہونا معلوم ہوتا ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں مسلمانوں کی کلفتوں کا بیان اور ان کا نیک انجام مذکور تھا آگے کافروں کے عیش و آرام کا بیان اور ان کا برا انجام مذکور ہے تاکہ مسلمانوں کو اپنا انجام سن کر جو تسلی ہوئی تھی اپنے دشمنوں کا انجام سن کر اور زیادہ تسلی ہو اور ان کے عیش و آرام کی طرف التفات نہ کریں اور بد عمل و کافر لوگ اگر توبہ کر لیں اور کفر و معاصی سے باز آجائیں تو ان کا انجام بد سے محفوظ رہنا اور ان کو نیک انجام نصیب ہونا بھی ذکر فرمایا۔

لَا یَغُرَّنَّکَ تَقَلُّبُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا فِی الْبِلَادِ ﴿۱۹۶﴾ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ قف ثُمَّ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿۱۹۷﴾ لٰكِنِ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْهَا نُزُلًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَیْرٌ لِّلْاَبْرَارِ ﴿۱۹۸﴾

ترجمہ: نہ دھوکا دے تجھ کو چلنا پھرنا کافروں کا شہروں میں۔ (یہ) فائدہ ہے تھوڑا سا، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے اور وہ بہت برا ٹھکانا ہے۔ لیکن جو لوگ ڈریں اپنے رب سے ان کے لئے باغ ہیں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں یہ مہمانی ہو گی اللہ کے ہاں سے اور جو اللہ کے ہاں ہے سو بہتر ہے نیکو کاروں کے واسطے۔

تفسیر: اے طالب حق (تجھ کو ان کافروں) کا کسب معاش یا تفریحات کے لئے (چلنا پھرنا مغالطہ میں نہ ڈال دے، یہ چند روزہ بہار ہے) کیونکہ مرتے ہی اس کا نام و نشان بھی نہ رہے گا اور (پھر ان کا ٹھکانا ہمیشہ کے لئے (دوزخ ہو گا اور وہ بری ہی آرام گاہ ہے لیکن) ان میں سے بھی (جو لوگ اپنے رب سے ڈریں) اور مسلمان و فرمانبردار ہو جائیں (ان کے لئے بہشتی باغات ہیں جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان باغوں میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، یہ مہمانی ہو گی اللہ کی طرف سے، اور جو چیزیں خدا کے پاس ہیں) جن کا ابھی ذکر ہوا یعنی بہشتی باغ اور نہریں وغیرہ (یہ نیک بندوں کے لئے بدرجہا بہتر ہیں) کفار کی چند روزہ عیش و مسرت سے)

ربط: اوپر کی آیات دعا سے پہلے اہل کتاب کی بری خصلتوں اور ان کے عذاب وانجام بد کا مسلسل ذکر آیا ہے۔ پھر دعا کی قبولیت کا ضابطہ ذکر کیا اور اس کے بعد کافروں کے بارے میں کہا کہ اگر وہ توبہ کر لیں اور کفر و معاصی سے باز آ جائیں تو ان کو بھی نیک انجام نصیب ہو گا۔ آگے اہل کتاب میں سے مسلمان ہونے والوں کی مدح مذکور ہے۔

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ یُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْكُمْ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَیْهِمْ خٰشِعِیْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا یَشْتَرُوْنَ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ ﴿۱۹۹﴾

ترجمہ: اور کتاب والوں میں بعضے وہ ہیں جو ایمان لاتے ہیں اللہ پر اور اس پر جو اتارا گیا

تمہاری طرف اور جو اتارا گیا ان کی طرف ڈرتے ہوئے اللہ سے۔ نہیں خریدتے اللہ کی آیتوں پر مول تھوڑا۔ یہی ہیں جن کیلئے مزدوری ہے ان کے رب کے پاس۔ بیشک اللہ جلد حساب لینے والا ہے۔

تفسیر: (اور یقیناً بعضے لوگ اہل کتاب میں سے ایسے بھی ضرور ہیں جو اللہ پر اعتقاد رکھتے ہیں، اور اس کتاب کے ساتھ بھی) اعتقاد رکھتے ہیں (جو تمہارے پاس بھیجی گئی) یعنی قرآن (اور اس کتاب کے ساتھ بھی) اعتقاد رکھتے ہیں (جو ان کے پاس بھیجی گئی) یعنی تورات اور انجیل اور خدا کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں تو (اس طور پر کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں) اس لئے اس اعتقاد میں حدود سے تجاوز نہیں کرتے کہ اللہ پر اولاد کی تہمت لگائیں یا احکام میں افتراء کریں، اور تورات و انجیل کے جو ساتھ جو اعتقاد رکھتے ہیں تو اس طور پر کہ (اللہ تعالیٰ کی آیات) کے مقابلہ میں دنیا کا (کم حقیقت معاوضہ نہیں لیتے، ایسے لوگوں کو ان کا نیک عوض ملے گا ان کے پروردگار کے پاس) اور اس میں کچھ دیر بھی نہ لگے گی، کیونکہ (بلا شبہ اللہ تعالیٰ جلد ہی حساب) کتاب (کر دیں گے) اور حساب کتاب کرتے ہی سب کا دینا لینا بے باق کر دیں گے۔

فائدہ: یہ جو فرمایا کہ جلدی حساب کتاب کر دیں گے اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان لوگوں کا بھی ضرور حساب ہو گا کیونکہ بہت سے مقبول خدا لوگوں کا بلا حساب جنت میں جانا احادیث میں آیا ہے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اکثر جو جلدی حساب کتاب کر دیتا ہے وہ جلدی ہی مزدوری بھی دے دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ حساب جلدی کر دیں گے تو سمجھ لو کہ ایمان و اعمال صالحہ کا بدلہ بھی جلدی ہی دے دیں گے۔

ربط: سورت ختم پر آئی۔ چونکہ سورت کا اصل مضمون کفار کے ساتھ جہاد ہے زبان کے ساتھ بھی اور تلوار کے ساتھ بھی اور اس کے ضمن میں کفار کے بہت سے قولی و فعلی معاملات ذکر ہوئے جن سے مسلمانوں کو اذیت ہوتی تھی۔ ایسے موقعوں میں چار حالتیں پیش آتی ہیں۔ ایک کفار کی ایذاؤں کو محض برداشت کرنا، دوسرے ان سے مناظرہ و مباحثہ کرنا۔ تیسرے معاملہ اس سے آگے بڑھ جائے اور کفار کے ساتھ جنگ کے اندیشہ کی حالت پیدا ہو جائے اور چوتھے فی الواقع جنگ کی حالت پیش آ جائے۔ پہلی حالت میں بطور خود صبر واستقلال کی ضرورت ہوتی ہے اور چوتھی حالت میں مصابرت یعنی دوسرے کے مقابلہ میں صبر و ثبات کی حاجت ہوتی ہے۔ تیسری حالت میں مرابطت یعنی مقابلہ کے لئے مستعد رہنے کی ضرورت ہے اور دوسری حالت میں تقویٰ کی حاجت ہے تاکہ جوش اور غصہ میں فریق مخالف کے ساتھ شدت یا کسی قابل تعظیم کی شان میں بے ادبی نہ ہو جائے جیسا اکثر مناظروں میں ہو جاتا ہے۔ اور تقوی کو صرف دوسری حالت کے ساتھ خصوصیت نہیں بلکہ ہر حالت میں اس کی احتیاج ہے تاکہ کسی حالت میں بھی حدود شرعیہ سے تجاوز نہ ہو جائے۔ اسی لئے ختم پر ان چاروں باتوں کا حکم اور اس حکم کی تعمیل پر جزا کا بیان فرمایا۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۟ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۲۰۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں صبر کرو اور مقابلہ میں صبر کرو اور مستعد رہو اور ڈرتے رہو اللہ سے تاکہ تم کامیاب ہو۔

تفسیر: (اے ایمان والو) تکالیف پر (خود صبر کرو اور) جب کفار سے جنگ ہو تو (مقابلہ میں صبر کرو اور) جنگ کے اندیشہ کے وقت (مقابلہ کے لئے مستعد رہو اور) ہر حال میں (اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہو) کہ حدود شرعیہ سے نہ نکلو (تاکہ تم پورے کامیاب ہو) آخرت میں تو ضرور ہی ہو گے اور بعض اوقات دنیا میں بھی غالب ہو گے۔

سورت النساء

ربط: I اوپر کی سورت تقویٰ کے مضمون پر ختم ہوئی اور اس سورت کو اسی مضمون سے شروع کیا لیکن اوپر کی سورت میں تقویٰ کے موقع و محل میں زیادہ تر وہ معاملات ذکر ہوئے جو مخالفین کے ساتھ پیش آتے ہیں جب کہ اس سورت میں ان سمیت تین قسم کے مضامین ہیں۔

1- باہمی معاملات: جیسے یتیموں کے احکام اور نکاح، میراث، سیاسیات، حدود، اطاعت حکام اسلام اور عدل وانصاف کے احکام اور والدین، زوجین، یتیموں، مسکینوں، پڑوسیوں اور رشتہ داروں کے حقوق۔

2- دیانات یعنی وہ معاملات جو بندے اور اللہ کے مابین ہیں جیسے طہارت و تیمم اور نماز و توبہ اور ہجرت وغیرہ کے احکام۔

3- مخالفین کے ساتھ معاملات جیسے جہاد وغیرہ کے احکام اور مشرکین کے عقائد کا ابطال۔

II چونکہ ایک حکم کو پورا کرتے ہوئے اس وقت کے دوسرے احکام کو پیش نظر رکھنا شریعت کی رو سے مطلوب ہے اس لئے مذکورہ بالا معاملات واحکام کے مضامین ملے جلے آئے ہیں اور اکثر ایک مضمون کے ضمن میں دوسرے مضامین آگئے ہیں جیسے جہاد کے احکام کے بیان میں نماز خوف کا مضمون بیان ہوا۔ اور خود ایک حکم بھی بعض اوقات کئی کئی حکموں پر مشتمل ہے جیسے میراث کا حکم۔ غرض یہ سب مضامین اسی ہیئت سے پوری سورت میں ملیں گے۔

سب سے پہلے تقوی یعنی اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کا حکم فرماتے ہیں اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ایسی صفت لائے یعنی اَلَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ ...... الخ جس میں اشارہ کر دیا کہ چونکہ تم سب اللہ کی مخلوق ہو اور ایک ماں باپ کی اولاد ہو لہذا باہمی حقوق کی رعایت ضروری ہے۔

سُوۡرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِیَّۃٌ — بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ — اٰیَاتُھَا ۱۷۶ - رُکُوۡعَاتُھَا ۲۴

یٰۤاَیُّھَا النَّاسُ اتَّقُوۡا رَبَّکُمُ الَّذِیۡ خَلَقَکُمۡ مِّنۡ نَّفۡسٍ وَّاحِدَۃٍ وَّخَلَقَ مِنۡھَا زَوۡجَھَا وَبَثَّ مِنۡھُمَا رِجَالًا کَثِیۡرًا وَّ نِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیۡ تَسَآءَلُوۡنَ بِہٖ وَالۡاَرۡحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلَیۡکُمۡ رَقِیۡبًا ﴿۱﴾

ترجمہ: اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے پیدا کیا تم کو ایک جان سے اور پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑا اور پھیلائے ان دونوں سے بہت مرد اور عورتیں۔ اور ڈرو اللہ سے جس کے واسطہ سے تم (اپنے حقوق کا مطالبہ و) سوال کرتے ہو آپس میں اور خبردار رہو قرابت سے۔ بے شک اللہ ہے تم پر نگہبان

تفسیر: (اے لوگو! اپنے پروردگار) کی مخالفت (سے ڈرو جس نے تم کو ایک جاندار) یعنی آدم علیہ السلام (سے پیدا کیا) کیونکہ سب آدمیوں کی اصل وہی ہیں (اور اس ہی جاندار) کی بائیں پسلی سے کوئی جزو لے کر اس (سے اس کا جوڑا) یعنی ان کی زوجہ حواء کو (پیدا کیا) اور پھر (ان دونوں سے) اولاد در اولاد (بہت سے مرد عورتیں) دنیا میں (پھیلائیں اور) تم سے مکرر تاکید کے لئے کہا جاتا ہے کہ (تم خدا تعالیٰ سے ڈرو جس کے نام سے) یعنی اس کے نام کی قسمیں دے کر (ایک دوسرے سے) اپنے حقوق کا (مطالبہ کیا کرتے ہو) کیونکہ قسم کا حاصل یہ ہوتا ہے کہ خدا سے ڈر کر میرا حق دیدے، سو جب دوسروں کو خدا کی مخالفت سے ڈرنے کو کہتے ہو، تو معلوم ہوا کہ تم اس ڈرنے کو ضروری سمجھتے ہو تو تم بھی ڈرو (اور) اول تو تمام احکام الٰہیہ میں مخالفت سے بچنا اور ڈرنا ضروری ہے، لیکن اس مقام پر ایک حکم خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جاتا ہے کہ (قرابت) کے حقوق ضائع کرنے (سے بھی ڈرو، بالیقین اللہ تعالیٰ تم سب) کے حالات (کی اطلاع رکھتے ہیں) اگر مخالفت کرو گے تو سزا کے مستحق ہو گے۔

فائدہ: اس آیت میں پیدائش کی تین صورتوں کا بیان ہے۔ ایک جاندار کا بے جان سے پیدا کرنا کیونکہ آدم علیہ السلام مٹی سے پیدا ہوئے۔ دوسرے جاندار کا جاندار سے متعارف توالد کے طریقے سے ہٹ کر پیدا ہونا کیونکہ حضرت حوا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے لئے ہوئے خلئے (CELL) سے پیدا ہوئی ہیں۔ تیسرے جاندار کا جاندار سے توالد کے متعارف طریقے سے پیدا ہونا جیسے اور آدمی۔ اگرچہ یہ صورتیں اپنی ذات کے اعتبار سے عجیب ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت کے سامنے کوئی بھی صورت عجیب نہیں۔

ربط: اوپر تقویٰ کا حکم تھا اور اس کے ضمن میں انسانی اور رحمی حقوق کی رعایت کرنے کا ارشاد تھا۔ آگے اس تقویٰ کے مواقع کا ذکر فرماتے ہیں اور وہ چند احکام ہیں۔

پہلا حکم: یتیموں کو ضرر نہ پہنچانا

وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝

ترجمہ: اور دے ڈالو یتیموں کو ان کے مال اور نہ بدلو برے مال کو اچھے مال سے اور نہ کھاؤ ان کے مال اپنے مالوں کے ساتھ۔ بلاشبہ یہ ہے وبال بڑا۔

تفسیر: (اور جن بچوں کا باپ مر جائے ان کے) ملکیتی (مال انہی کو پہنچاتے رہو) یعنی انہی کے خرچ میں لگاتے رہو اور جب تک تمہارے قبضہ میں ہو (تم) ان کے مال میں شامل کرنے کے لئے ان کی (اچھی چیز سے بری چیز کو مت بدلو) یعنی ایسا مت کرو کہ ان کی اچھی چیز تو نکال لو اور بری چیز ان کے مال میں ملا دو (اور ان کے مال مت کھاؤ اپنے مالوں کے ساتھ) یعنی جب تک تمہارے پاس اپنا مال ہے تم ان کا مال مت کھاؤ البتہ جب تمہارے پاس کچھ نہ رہے تو بقدر ضرورت اپنے گزارہ کے لئے ان کے مال سے لینا درست ہے جیسا آگے آیت و من کان فقیرا میں آئے گا۔ (ایسی کارروائی کرنا) کہ بری چیز ان کے مال میں شامل کر دی یا بلا ضرورت ان کے مال سے نفع اٹھایا (بڑا گناہ ہے) جس کی وعید آگے۔ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى الخ میں آئے گی۔)

فائدہ: جاہلیت میں یتیموں کے حقوق بالکل ضائع کئے جاتے تھے۔ بعض لوگ ان کی اچھی چیز نکال کر بری چیز ان کے مال میں ڈال دیتے اور بعض ویسے ہی کھاتے اڑاتے ان سب سے ممانعت کی گئی۔

ربط: یتیموں کو نقصان پہنچانے کی کچھ اور صورتیں بھی تھیں مثلاً ایک یہ کہ کسی شخص کی پرورش

میں کوئی یتیم مالدار لڑکی ہوئی اور صورت وشکل کی بھی اچھی ہے۔ اس کے مال وجمال کی وجہ سے اس شخص نے چاہا کہ میں خود ہی اس سے نکاح کرلوں لیکن چونکہ ہر طرح اپنے قابو میں ہوتی تھی اور کوئی دوسرا شخص اس کے حقوق کا مطالبہ کرنے والا نہ ہوتا تھا اس لئے اس کو مہر اتنا نہ دیتے تھے جتنا دوسرا شخص دیتا۔ اللہ تعالیٰ اگلے حکم میں اس معاملہ کا انتظام فرماتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے کہ اگر تم سے ان کا مہر مناسب پورا نہ دیا جائے تو تم اور عورتوں سے نکاح کرلو ان سے مت کرو۔

دوسرا حکم: یتیموں کو پورا مہر نہ دے سکو تو ان سے نکاح نہ کرو

وَإِنْ خِفْتُمْ أَلَّا تُقْسِطُوا فِي الْيَتَامَىٰ فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ مَثْنَىٰ وَثُلَاثَ وَرُبَاعَ

ترجمہ: اور اگر تم ڈرو کہ نہ انصاف کر سکو گے یتیم لڑکیوں کے حق میں تو نکاح کرلو جو پسند آئیں تم کو اور عورتوں سے، دو دو تین تین چار چار۔

تفسیر: (اور اگر تم کو اس بات کا ڈر) بھی (ہو کہ تم یتیم لڑکیوں کے بارے میں) ان کے مہر کی بابت (انصاف) کی رعایت (نہ کرسکو گے تو) ان سے نکاح مت کرو بلکہ (اور) حلال (عورتوں سے جو تم کو) اپنی کسی مصلحت کے اعتبار سے (پسند ہوں نکاح کرلو) کیونکہ وہ مجبور نہیں آزادی سے اپنی رضا ظاہر کر سکتی ہیں اور یہ نکاح اس قید کے ساتھ ہو کہ جو ایک سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا چاہے تو ان صورتوں میں سے کوئی صورت ہو۔ ایک صورت یہ کہ ایک ایک مرد (دو دو عورتوں سے) نکاح کرلے (اور) دوسری صورت یہ کہ ایک ایک مرد (تین تین عورتوں سے) نکاح کرلے (اور) تیسری صورت یہ کہ ایک ایک مرد (چار چار عورتوں سے) نکاح کرلے۔

فائدہ: 1- یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جب دو دو تین تین وغیرہ کا ذکر ہے تو صرف ایک عورت سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا کیونکہ قرآن کے آئندہ الفاظ سے بھی اور امت کے اجماع سے بھی تعداد کی اس قید سے کمتر کی نفی مقصود نہیں بلکہ اس مقام پر وسعت و گنجائش کو ذکر کرنا مقصود ہے تاکہ یتیموں کے نکاح سے استغناء ثابت ہو جائے جو ایک عورت سے نکاح میں بھی حاصل ہے لہٰذا ایک کی نفی سے بحث ہی نہیں ہے۔

3- رسول اللہ ﷺ کا چار سے زائد نکاح کرنا آپ کی خصوصیات میں سے ہے جس کا ذکر سورت احزاب میں آئے گا۔

ربط: اوپر کثرت ازدواج کی اجازت دی ہے جس کی وجہ وہاں یہ ہوئی کہ یتیموں کے حق میں عدل

کے خلاف نہ ہو۔ چونکہ عدل مطلقاً ہر موقع میں واجب ہے اس لئے آگے اس صورت کا حکم فرماتے ہیں کہ جب کثرت ازدواج میں عدل کے خلاف کا اندیشہ ہو۔

تیسرا حکم: انصاف نہ کر سکو تو صرف ایک نکاح پر اکتفا کرو

فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝۳

ترجمہ: پھر اگر تم ڈرو کہ (ان میں) انصاف نہ کر سکو گے تو (اکتفاء کرو) ایک ہی بیوی پر یا اس (لونڈی) پر جس کے تم مالک ہوئے یہ بات زیادہ قریب ہے (اس کے) کہ ایک طرف نہ جھک پڑو گے۔

تفسیر: (پس اگر تم کو اس کا) غالب (احتمال ہو کہ) کئی بیویاں کر کے (عدل نہ رکھو گے) بلکہ کسی بیوی کے حقوق واجبہ ضائع ہوں گے (تو پھر ایک ہی بیوی پر بس کر دیا) اگر دیکھو کہ ایک کے حقوق بھی ادا نہ ہوں گے تو (جو لونڈی) شرعی قاعدہ کے مطابق (تمہاری ملک میں ہو وہی سہی۔ اس امر مذکور میں) یعنی ایک بیوی کے رکھنے یا صرف لونڈی پر بس کرنے میں (زیادتی) و بے انصافی (نہ ہونے کی توقع قریب تر ہے) کیونکہ ایک صورت میں تو بیویوں کا تعدد نہیں جس میں برابری کرنا پڑے اور دوسری صورت میں بیوی کے حقوق سے بھی کم حقوق ہیں مثلاً لونڈی کے لئے مہر نہیں ہے اور صحبت کا حق نہیں ہے تو اندیشہ اور کم ہے۔

فائدہ: 1- اگر عدل نہ ہو سکنے کا غالب احتمال ہو تو کئی بیویوں سے نکاح کرنا اس معنی میں ممنوع ہے کہ یہ شخص گناہگار ہو گا اس معنی میں نہیں کہ نکاح صحیح نہ ہو گا نکاح یقیناً ہو جائے گا۔

2- بعض مطلب پرستوں نے اس آیت کے مضمون میں تحریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ آیت کثرت ازدواج کی بالکل نفی کر رہی ہے اس طرح سے کہ یہاں فرمایا کہ جب عدل نہ ہو سکے تو ایک پر اکتفا کرو اور دوسری آیت وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ میں فرمادیا کہ تم سے کبھی عدل ہو ہی نہ سکے گا اور دونوں آیتوں کے ملانے سے معلوم ہوا کہ ایک سے زیادہ جائز نہیں۔ اس کا جواب یہ ہے کہ دونوں آیتوں میں عدل مختلف معنوں میں ہے۔ اس آیت میں تو حقوق واجبہ میں عدل ہے اور یہ قدرت میں ہے اور اسی کے اعتبار سے ایک اور ایک سے زائد نکاح کے اختیار کرنے میں تفصیل ذکر کی ہے اور دوسری آیت میں محبت میں عدل ہے اور وہ عادۃً قدرت میں نہیں اس لئے اس کی نفی فرمائی اور پھر فرمایا فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ جس کا حاصل یہ ہوا ہے کہ یہ تو ہم جانتے ہیں کہ محبت میں عدل نہ ہو سکے گا بلکہ قلب کو ایک طرف

میلان رہے گا اور اس میلان پر ملامت نہیں لیکن بالکلیہ میلان تو نہ ہو کہ حقوق اور معاملات میں انصاف نہ کیا جائے۔ لہٰذا دونوں آیتوں کے مجموعہ سے یہ حاصل ہوا کہ محبت میں عدل واجب نہیں لیکن معاملہ اور حقوق میں عدل واجب ہے۔

ربط: نکاح کا بیان ہوا تو اس کے شرعی لوازم میں سے مہر ہے جس کا دینا اکثر طبیعتوں پر گراں ہوتا ہے اس لئے اس کا حکم دیا۔

تیسرا حکم: مہر کی ادائیگی

وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَیْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا ۝۴

ترجمہ: اور دے ڈالو عورتوں کو مہر ان کے خوشی سے، پھر اگر وہ تمہارے لئے اس میں سے کچھ چھوڑ دیں اپنی خوشی سے تو اس کو کھاؤ رچتا پچتا۔

تفسیر: (تم لوگ بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو ہاں اگر وہ بیویاں خوش دلی سے چھوڑ دیں تمہارے لئے اس مہر میں سے کوئی جزو) اور یہی حکم کل کا بھی ہے (تو) اس حالت میں (تم اس کو کھاؤ) استعمال کرو (مزہ دار خوشگوار سمجھ کر)

ربط: گذشتہ آیات میں یتیموں کے مال ان کے سپرد کر دینے کا حکم گذرا، جس سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ یتیموں کا مال بہر حال ان کے حوالہ کر دینا چاہئے، خواہ ان کو معاملات کا سلیقہ بھی نہ ہو، اور وہ اموال کی حفاظت پر بھی قادر نہ ہوں، اس غلط فہمی کو دور کرنے کے لئے ان آیات میں فرمایا ہے کہ کم عقلوں کو اموال سپرد نہ کرو اور ان کی جانچ کرتے رہو، جب اموال کی حفاظت اور ان کے مصارف کی سوجھ بوجھ ان کے اندر محسوس ہونے لگے اس وقت اموال ان کے سپرد کر دو۔

چوتھا حکم: کم عقلوں کا مال ان کے حوالے کرنے کے بارے میں

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِیْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِیٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِیْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝۵ وَابْتَلُوا الْیَتٰمٰی حَتّٰۤی اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْۤا اِلَیْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَاۤ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ یَّكْبَرُوْا ؕ

وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيرًا فَلْيَأْكُلْ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِذَا دَفَعْتُمْ إِلَيْهِمْ أَمْوَالَهُمْ فَأَشْهِدُوا عَلَيْهِمْ ۚ وَكَفَىٰ بِاللَّهِ حَسِيبًا ۝

ترجمہ: اور تم مت پکڑا دو بے عقلوں کو اپنے وہ مال جن کو بنایا ہے اللہ نے تمہارے گذران کا سبب اور اس میں سے ان کو کھلاتے رہو اور ان کو پہناتے رہو اور کہو ان سے بات معقول، اور آزماتے رہو یتیموں کو جب تک پہنچیں نکاح کی عمر کو۔ پھر اگر دیکھو ان میں ہوشیاری تو ان کے حوالے کردو ان کے مال اور نہ کھا جاؤ یتیموں کا مال ضرورت سے زیادہ اور جلدی جلدی کہ بڑے نہ ہو جائیں اور جس کو حاجت نہ ہو تو (مال یتیم سے) بچتا رہے اور جو کوئی محتاج ہو تو کھائے موافق دستور کے پھر جب تم حوالہ کردو ان کو ان کے مال تو گواہ بنالو ان پر اور کافی ہے اللہ حساب لینے والا۔

تفسیر: اور اگر یتیم بالغ ہو جائیں جس کا تقاضا یہ ہے کہ اب ان کا مال ان کے سپرد کر دینا چاہئے جیسا آگے آتا ہے لیکن کم عقل ہوں تو (تم) ان (کم عقلوں کو اپنے) یعنی ان کے مال جو تمہارے اپنے قبضہ میں ہوں (وہ مال مت دو جن کو خدا تعالیٰ نے) ایسے کام کا پیدا کیا ہے کہ ان کو (تمہارے) سب کے (لئے مایہ زندگی بنایا ہے) مطلب یہ کہ مال قدر کی چیز ہے، ان کو ابھی مت دو کہ بے قدری کر کے اڑا دیں گے (اور ان مالوں میں) سے (ان کو کھلاتے رہو پہناتے رہو اور ان سے معقول بات کہتے رہو) یعنی ان کو تسلی دلاتے رہو کہ مال تمہارا ہے، تمہاری خیر خواہی کی وجہ سے ابھی تمہارے ہاتھ میں نہیں دیا، ذرا سمجھ دار ہو جاؤ گے تو تم ہی کو دیدیا جائے گا (اور) جب مال سپرد کرنے کے لئے ہوشیاری دیکھنا ضروری ہے تو (تم یتیموں کو) بالغ ہونے سے پہلے ہوشیاری و تمیز داری کی باتوں میں (آزمالیا کرو) کیونکہ بالغ ہونے کا وقت تو سپردگی مال کا ہے، تو آزمائش پہلے سے ہونی چاہئے، مثلاً کچھ کچھ سودا سلف اس سے منگالیا، اور دیکھا کہ کیسے سلیقہ سے خرید کر لائے، یا کوئی چیز فروخت کے لئے دیدی، اور دیکھا کہ اس کو کس طرح فروخت کیا۔ غرض ان کو آزمایا جائے (یہاں تک کہ جب وہ نکاح) کی عمر (کو پہنچ جائیں) یعنی بالغ ہو جائیں کیونکہ نکاح کی پوری قابلیت بلوغ سے ہوتی ہے پھر بلوغ و آزمائش کے بعد (اگر ان میں ایک گونہ تمیز دیکھو) یعنی مال کی حفاظت اور مال کی مصلحتوں کی رعایت کا سلیقہ اور انتظام ان میں پاؤ (تو ان کے اموال ان کے حوالے کر دو) اور اگر ابھی تک سلیقہ یا انتظام نہ معلوم ہو تو ابھی اور حوالہ نہ کیا جائے (اور) یتیموں کے (ان اموال کو

ضرورت سے زائد خرچ کر کے اور (اس خیال سے کہ یہ بالغ ہو جائیں گے) پھر ان کو حوالہ کرنا پڑے گا (جلدی جلدی کھا کر مت اڑا ڈالو) اور اگر اس طرح نہ اڑائیں، بلکہ تھوڑا کھانا چاہیں تو اس کا یہ حکم ہے کہ (جو شخص) اس مال سے (مستغنی ہو) یعنی اس کے پاس بھی بقدر کفایت اپنا مال موجود ہے گو صاحب نصاب نہ ہو (سو وہ تو اپنے کو بالکل) تھوڑا کھانے سے بھی (بچائے، اور جو شخص حاجتمند ہو تو وہ مناسب مقدار سے) یعنی جس میں حاجات ضروریہ پوری ہو جائیں (کھالے) استعمال کرلے (پھر جب) شرائط یعنی بلوغت اور سمجھداری پائی جائے اور (ان کے اموال ان کے حوالے کرنے لگو تو) بہتر ہے کہ (ان) کے اموال ان کو دیدینے پر (گواہ بھی کر لیا کرو) شاید کسی وقت کچھ اختلاف واقع ہو تو گواہ کام آئیں (اور) یوں تو (اللہ تعالیٰ ہی حساب لینے والا کافی ہے) اگر خیانت نہ کی ہو تو گواہوں کا نہ ہونا بھی مضر نہیں، کیونکہ اصل حساب جن کے متعلق ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ تو اس کی صفائی جانتے ہیں اور اگر خیانت کی ہے تو گواہوں کا ہونا کوئی نافع نہیں کیونکہ جن کو حساب لینا ہے یعنی اللہ تعالیٰ وہ اس کا ملوث ہونا جانتے ہیں۔ غرض صرف ظاہری انتظام کے لئے گواہوں کا ہونا مصلحت ہے۔

فائدہ: 1- بلوغت کی علامت انزال اور حیض ہے اور یہ نہ ہو تو لڑکے لڑکی دونوں میں پندرہ سال کی عمر ہے۔

2- یتیم کے مال کی دیکھ بھال کرنے والا اگر خود حاجتمند ہو تو اسے اپنی ضروری حاجت کے بقدر یتیم کے مال میں سے لینے کی اجازت ہے۔

3- مذکورہ مصلحت کے تحت گواہ بنانا مستحب ہے۔

ربط: اوپر یتیموں کو ضرر پہنچانے سے ممانعت فرمائی ہے۔ ایک ضرر یتیموں کو جاہلیت میں یہ دیا جاتا تھا کہ ان کو میراث میں مستحق نہ سمجھتے تھے۔ آگے ایک قاعدہ کلیہ سے اس رسم کا ابطال کیا اور اس کی تاکید کے لئے ایک دنیوی حالت فرض کی جس سے یتیموں کی ہمدردی پیدا ہو اور ایک آخرت کے معاملہ کا یقین دلاتے ہیں تاکہ خوف پیدا ہو اور دونوں باتوں میں فکر کر کے یتیموں کو نقصان پہنچانے کی جرات نہ کریں۔

ترکہ کے حقداروں میں میراث کی تقسیم کے وقت اگر ایسے ضرورتمند لوگ بھی آجائیں جو میراث میں حقدار نہیں ہیں تو ان کے بارے میں درمیان میں ذکر کر دیا کہ ان کی کچھ رعایت کرنا مستحب ہے۔

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ

الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۖ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ

وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ؕ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۖ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ؕ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

ترجمہ: مردوں کیلئے بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے اور عورتوں کے لئے بھی حصہ ہے اس میں جو چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔ تھوڑا ہو یا بہت ہو۔ حصہ مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب حاضر ہوں تقسیم کے وقت رشتہ دار اور یتیم اور محتاج تو ان کو کچھ دے دو اس میں سے اور کہو ان سے بات معقول۔ اور چاہیے کہ ڈریں وہ لوگ کہ اگر چھوڑیں اپنے پیچھے چھوٹے چھوٹے بچے تو اندیشہ کریں ان پر (یعنی یہ کہ ہمارے پیچھے ایسا ہی حال ان کا ہو گا) تو چاہیے کہ ڈریں اللہ سے اور کہیں بات سیدھی۔ بے شک جو لوگ کہ کھاتے ہیں مال یتیموں کے ناحق وہ لوگ صرف آگ ہی بھر رہے ہیں اپنے پیٹوں میں اور عنقریب داخل ہوں گے آگ میں۔

تفسیر: (مردوں کے لئے بھی) خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے (حصہ) مقرر (ہے اس چیز میں سے جس کو) ان مردوں کے (ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار) اپنے مرنے کے وقت (چھوڑ جائیں اور) اسی طرح (عورتوں کے لئے بھی) خواہ چھوٹی ہوں یا بڑی (حصہ) مقرر (ہے اس چیز میں سے جس کو) عورتوں کے (ماں باپ اور بہت نزدیک کے قرابت دار) اپنے مرنے کے وقت (چھوڑ جائیں خواہ وہ) چھوڑی ہوئی (چیز قلیل ہو یا کثیر ہو) سب میں سے ملے گا (حصہ) بھی ایسا جو (لازمی مقرر ہے اور جب) وارثوں میں ترکہ کے (تقسیم ہونے کے وقت) یہ لوگ (موجود ہوں) یعنی دور کے (رشتہ دار) جن کا میراث میں حق نہیں (اور یتیم اور غریب لوگ) اس توقع سے کہ شاید ہم کو بھی کچھ مل جائے، رشتہ دار تو ممکن ہے استحقاق کے گمان سے آئیں اور دوسرے لوگ خیر خیرات کی امید سے آئیں (تو ان کو بھی اس) ترکہ (میں) جس قدر بالغوں کا ہو اس میں (سے کچھ دیدو اور ان کے ساتھ خوبی) اور نرمی (سے بات کرو)۔

وہ بات رشتہ داروں سے تو یہ ہے کہ سمجھادو کہ تمہارا حصہ شرع کی رو سے اس میں نہیں ہے، ہم معذور ہیں اور دوسروں سے یہ کہ دے کر احسان نہ جتلاؤ (اور) یتیموں کے معاملہ میں (ایسے لوگوں کو ڈرنا چاہئے کہ اگر اپنے بعد چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑ کر مر جائیں تو ان) بچوں (کی ان) لوگوں (کو فکر ہو) کہ دیکھئے ان کو کوئی تکلیف نہ دے، تو ایسا ہی دوسرے کے بچوں کے لئے بھی خیال رکھنا چاہئے، کہ ہم ان کو تکلیف نہ دیں (سو اس بات کو سوچ کر (ان لوگوں کو چاہئے کہ) یتیموں کے معاملہ میں (خدا تعالیٰ) کے حکم کی مخالفت (سے ڈریں) یعنی اپنے عمل سے تکلیف و ضرر نہ پہنچائیں (اور) اپنے قول سے بھی ان سے (موقع کی بات کہیں) اس میں تسلی اور دل جوئی کی بات بھی آگئی اور تعلیم و تادیب کی بات بھی آگئی، غرض ان کے مال اور جان دونوں کی اصلاح کریں (بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بلا استحقاق کھاتے) برتتے (ہیں اور کچھ نہیں اپنے شکم میں) دوزخ کی (آگ) کے انگارے (بھر رہے ہیں) یعنی انجام اس کھانے کا یہ ہونے والا ہے (اور) اس انجام کے مرتب ہونے میں کچھ زیادہ دیر نہیں، کیونکہ (عنقریب) ہی دوزخ کی (جلتی) آگ (میں داخل ہوں گے) وہاں یہ انجام نظر آئے گا۔

فائدہ: خیر خیرات دینے میں بالغوں کی قید لگائی کیونکہ نابالغوں کے حصہ میں سے خیر خیرات بالکل جائز نہیں۔

ربط: پیچھے میراث کے مستحق لوگوں کا اجمالی ذکر ہوا آگے ان کی بعض اقسام کا تفصیلی ذکر ہے۔ اور ان کے مختلف حالات کے اعتبار سے ان کے حصے بیان کئے گئے ہیں۔ اس سلسلہ میں کچھ تفصیل سورت کے آخر میں ہے اور باقی ماندہ حصوں کو احادیث میں بیان کیا گیا ہے۔

اولاد کا حصہ:

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِي أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ فَإِن كُنَّ نِسَاءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ وَإِن كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۚ

ترجمہ: حکم کرتا ہے تم کو اللہ تمہاری اولاد کے بارے میں کہ ایک مرد کے لئے ہے مثل دو عورتوں کے حصہ کے۔ پھر اگر صرف عورتیں ہی ہوں دو سے زیادہ تو ان کے لئے ہے دو تہائی اس مال سے جو چھوڑ مرا اور اگر ایک ہی ہو تو اس کے لئے آدھا ہے۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ تم کو حکم دیتا ہے تمہاری اولاد کے) میراث پانے کے (بارے میں) وہ یہ کہ (لڑکے کا حصہ ہے دو لڑکیوں کے برابر) یعنی لڑکا لڑکی ایک ایک ہوں یا کئی کئی ملے جلے ہوں تو ان کے حصوں میں باہم یہ نسبت ہوگی کہ ہر لڑکے کو دو حصے اور ہر لڑکی کو ایک حصہ (اور اگر) اولاد میں (صرف لڑکیاں ہی ہوں) گو (دو سے زیادہ) ہوں (تو ان لڑکیوں کو دو تہائی ملے گا اس مال کا جو کہ مورث چھوڑ مرا ہے) اور اگر دو لڑکیاں ہوں تب تو دو تہائی ملنا بہت ہی ظاہر ہے، کیونکہ اگر ان میں ایک لڑکی کی جگہ لڑکا ہوتا تو اس وقت لڑکی کا حصہ باوجودیکہ لڑکے کے ہونے سے کم ہو جاتا ہے مگر ایک تہائی سے کم نہیں ہوتا، تو جب دوسری بھی لڑکی ہے تو اس کا حصہ ایک تہائی سے مزید کم کسی طرح نہیں ہو سکتا۔ اور چونکہ دونوں لڑکیاں یکساں حالت میں ہیں اس لئے دوسری کا بھی ایک تہائی ہوگا اور اس طرح دونوں کا مل کر دو تہائی ہوا، البتہ تین لڑکیوں میں شبہ تھا کہ شاید ان کو تین تہائی یعنی کل مل جائے اس لئے فرمایا کہ اگرچہ لڑکیاں دو سے زیادہ ہوں مگر دو تہائی سے نہ بڑھے گا (اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کو) کل ترکہ کا (نصف ملے گا) اور پہلی صورت میں ایک تہائی بچا ہوا اور دوسری صورت میں ایک نصف بچا ہوا حصہ دوسرے خاص خاص اقارب کا حق ہے، یا اگر کوئی نہ ہو تو پھر اسی کو دیدیا جائے گا۔

فائدہ: 1- یہ سب تقسیم میت کے ترکہ میں سے تجہیز و تکفین کا خرچہ نکالنے اور قرض اگر ہوں تو ان کی ادائیگی اور وصیت اگر کی ہو تو ایک تہائی میں سے اس کو پورا کرنے کے بعد ہوگی۔

2- اولاد کے وارث ہونے کی چار صورتیں آیت سے معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ لڑکے اور لڑکیاں سب ہوں۔ دوسرے یہ کہ صرف ایک لڑکی ہو۔ تیسرے یہ کہ صرف دو لڑکیاں ہوں۔ چوتھے یہ کہ دو سے زائد صرف لڑکیاں ہوں۔

ماں باپ کا حصہ

وَلِاَبَوَیۡهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنۡهُمَا
السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنۡ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ يَكُنۡ لَّهٗ وَلَدٌ
وَّوَرِثَهٗۤ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنۡ كَانَ لَهٗۤ اِخۡوَةٌ فَلِاُمِّهِ
السُّدُسُ مِنۡۢ بَعۡدِ وَصِيَّةٍ يُّوۡصِىۡ بِهَاۤ اَوۡ دَيۡنٍ ؕ

ترجمہ: اور میت کے ماں باپ دونوں میں سے ہر ایک کے لئے چھٹا حصہ ہے اس مال سے جو کہ چھوڑ مرا اگر میت کی اولاد ہے اور اگر اس کی اولاد نہیں اور وارث ہوئے اس کے ماں

باپ تواس کی ماں کے لئے ہے تہائی۔ پھر اگر میت کے کئی بھائی ہوں تواس کی ماں کے لئے ہے چھٹا حصہ بعد وصیت کے جو کر جائے یابعد ادائے قرض کے۔

تفسیر: (اور ماں باپ) کو میراث ملنے کی تین صورتیں ہیں، ایک صورت میں توان کے لئے یعنی دونوں (میں سے ہر ایک کے لئے میت کے ترکہ میں سے چھٹا چھٹا حصہ) مقرر (ہے اگر میت کی کچھ اولاد ہو) خواہ مذکر یا مونث، خواہ ایک یا زیادہ اور بقیہ میراث اولاد اور دوسرے شرعی وارثوں کو ملے گی۔ اور دوسری صورت یہ ہے کہ (اگر اس میت کی کچھ اولاد نہ ہو اور) صرف (اس کے ماں باپ ہی اس کے وارث ہوں) یا ان کے ساتھ صرف کوئی ایک بھائی یا بہن بھی ہو (تو) اس صورت میں (اس کی ماں کا ایک تہائی ہے) اور باقی دو تہائی باپ کا۔ اس کی تصریح کی حاجت نہیں ہوئی اس لئے کہ واضح تھا کیونکہ جب نہ اولاد ہو اور نہ بہن بھائی ایک سے زیادہ ہوں صرف ماں باپ ہوں تو میراث صرف ان ہی دو میں تقسیم ہو گی اور تیسری صورت یہ ہے کہ (اور اگر میت کے ایک سے زیادہ بھائی بہن) کسی قسم کے (ہوں) خواہ ماں باپ دونوں میں شریک جس کو عینی کہتے ہیں، خواہ صرف باپ ایک ماں الگ الگ جس کو علاتی کہتے ہیں۔ یا ماں ایک ہو باپ الگ الگ جس کو اخیافی کہتے ہیں یا ملے جلے ہوں غرضیکہ کسی طرح کے بھائی بہن ایک سے زیادہ ہوں اور اولاد نہ ہو اور ماں باپ ہوں ہی (تو) اس صورت میں (اس کی ماں کو) ترکہ کا (چھٹا حصہ ملے گا) اور باقی باپ کو ملے گا۔ یہ سب حصے (وصیت) کے بقدر مال (نکال لینے کے بعد کہ میت اس کی وصیت کر جائے یا دین) اگر ہو تواس کو بھی نکال لینے (کے بعد) تقسیم ہوں گے۔

ربط: آگے اس کی حکمت بتاتے ہیں کہ میراث کا معاملہ میت کی رائے پر نہیں رکھا گیا بلکہ خود حق تعالیٰ نے سب قواعد مقرر فرما دیئے ہیں۔

اٰبَآؤُكُمْ وَ اَبْنَآؤُكُمْ ۚ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّهُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ؕ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱﴾

ترجمہ: تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے تم کو معلوم نہیں کون ان میں سے زیادہ قریب ہے تم کو نفع پہنچانے ہیں۔ یہ حکم مقرر کیا ہوا ہے اللہ کی جانب سے بیشک اللہ خبر دار ہے حکمت والا ہے۔

تفسیر: (تمہارے جو اصول و فروع ہیں تم) ان کے متعلق پورے طور پر یہ (نہیں جان سکتے کہ ان میں کونسا شخص تم کو) دنیوی یا اخروی (نفع پہنچانے میں نزدیک تر ہے) اس لئے اگر تمہاری رائے پر یہ

چھوڑا جاتا تو اکثر حالات کے مطابق تم لوگ میراث کی تقسیم میں ترجیح و تفصیل کا مدار اپنی توقع کے مطابق کسی شخص کی نفع رسانی پر رکھتے جب کہ اس کی نفع رسانی یقینی نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ تمہاری توقع کے برعکس نفع نہ پہنچائے اور کوئی دوسرا جس سے تمہیں توقع بھی نہ ہو وہ تمہیں نفع پہنچادے لہذا نفع رسانی کی توقع کو مدار بنانا تو صحیح نہ ہوا اس لئے دوسری مصلحتوں اور حکمتوں کو جو اگرچہ تمہارے ذہنوں میں نہ آئیں تقسیم میراث کا مدار ٹھہرا کر (یہ حکم منجانب اللہ مقرر کر دیا گیا) اور یہ بات (یقیناً) مسلم ہے کہ (اللہ تعالیٰ بڑے علم والے اور حکمت والے ہیں) تو اپنے علم سے انہوں نے اس حکم میں جن حکمتوں کی رعایت رکھی ہے وہی قابل اعتبار ہیں اس لئے تمہاری رائے پر نہیں چھوڑا۔

فائدہ: دنیوی نفع مثلاً یہ کہ فلاں وارث ہماری خوب خدمت کرے گا اکثر اوقات وہ دغا دے جاتا ہے اور دوسرا مخلص محض محبت سے یا ثواب کی خاطر زیادہ خدمت کیا کرتا ہے اور اخروی نفع یہ کہ ہم کو یہ ثواب بخشا کرے گا اس لئے اس کو زیادہ دینا چاہئے کبھی اس کے بھی خلاف ہو جاتا ہے۔

زوجین کا حصہ

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ

ترجمہ: اور تمہارے لئے ہے آدھا مال جو کہ چھوڑ مریں تمہاری عورتیں اگر نہ ہو ان کی اولاد، اور اگر ان کی اولاد ہے تو تمہارے واسطے چوتھائی ہے اس میں سے جو چھوڑ گئیں بعد وصیت کے جو کر گئیں یا بعد قرض کے۔ اور عورتوں کے لئے چوتھائی مال ہے اس میں سے جو چھوڑ مرو تم اگر نہ ہو تمہاری اولاد، اور اگر تمہاری اولاد ہے تو ان کے لئے آٹھواں حصہ ہے اس میں سے جو کچھ کہ تم نے چھوڑا بعد وصیت کے جو تم کر جاؤ یا قرض کے۔

تفسیر: (اور تم کو آدھا ملے گا اس ترکہ کا جو تمہاری بیویاں چھوڑ جائیں اگر ان کی کچھ اولاد نہ ہو) نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر (اور اگر ان بیویوں کی کچھ اولاد ہو) خواہ تم سے ہو یا پہلے شوہر سے (تو) اس

صورت میں (تم کو ان کے ترکہ سے ایک چوتھائی ملے گا) یہ کل دو صورتیں ہوئیں اور دونوں صورتوں میں باقی مال دوسرے وارثوں کو ملے گا لیکن ہر صورت میں یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد کہ وہ اس کی وصیت کر جائیں یا دین) اگر ہو تو اس کے نکالنے (کے بعد) ملے گی (اور بیویوں کو چوتھائی ملے گا اس ترکہ کا جس کو تم چھوڑ جاؤ) خواہ وہ ایک ہو یا کئی ہوں کہ وہ چوتھائی سب میں برابر بٹ جائے گا (اگر تمہاری کچھ اولاد نہ ہو) نہ مذکر نہ مونث نہ واحد نہ کثیر (اور اگر تمہاری کچھ اولاد ہو تو) اس صورت میں (ان کو) خواہ وہ ایک ہو یا کئی (تمہارے ترکہ سے آٹھواں حصہ ملے گا) یہ بھی دو صورتیں ہیں اور دونوں صورتوں میں باقی مال دوسرے ورثہ کو ملے گا، لیکن یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد کہ تم اس کی وصیت کر جاؤ یا دین) اگر ہو تو اس کے بھی نکالنے (کے بعد) ملے گی۔

ماں شریک بہن بھائی کا حصہ

وَاِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّوْرَثُ كَلٰلَةً اَوِ امْرَاَةٌ وَّلَهٗٓ اَخٌ اَوْ اُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَاِنْ كَانُوْٓا اَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَآءُ فِى الثُّلُثِ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصٰى بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَآرٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَلِيْمٌ ﴿۱۲﴾

ترجمہ: اور اگر وہ مرد کہ جس کی میراث تقسیم ہونی ہے باپ بیٹا کچھ نہیں رکھتا یا عورت ہو ایسی ہی اور اس میت کے ایک بھائی ہے یا بہن ہے تو دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے۔ اور اگر زیادہ ہوں اس سے تو سب شریک ہیں ایک تہائی میں بعد وصیت کے جو کی جاچکی ہے یا قرض کے، جب کہ اوروں کا نقصان نہ کیا ہے۔ (یہ) حکم کیا گیا ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ ہے سب کچھ جاننے والا تحمل کرنے والا۔

تفسیر: (اور اگر کوئی میت جس کی میراث دوسروں کو ملے گی) خواہ وہ میت مرد ہو یا عورت، ایسا ہو جس (کے نہ اصول ہوں) یعنی باپ دادا (اور نہ فروع ہوں) یعنی اولاد اور بیٹے کی اولاد (اور اس) میت (کا ایک بھائی یا ایک بہن) اخیافی یعنی ماں شریک (ہو، تو ان دونوں میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا اور اگر یہ لوگ اس سے) یعنی ایک سے (زیادہ ہوں) مثلاً دو ہوں یا اور زیادہ (تو وہ سب تہائی میں) برابر کے (شریک ہوں گے) اور ان میں مذکر و مونث کا برابر حصہ ہے اور بقیہ میراث دوسرے ورثہ کو ملے گی۔ اور

اگر کوئی اور نہ ہو تو پھر انہی کو دی جائے گی، یہ دو صورتیں ہوئیں اور دونوں صورتوں میں یہ میراث (وصیت) کے بقدر مال (نکالنے کے بعد جس کی وصیت کردی جائے یا) اگر (دین) ہو تو اس کے بھی نکالنے (کے بعد) ملے گی (بشرطیکہ) وصیت کرنے والا (کسی) وارث (کو ضرر نہ پہنچائے) نہ ظاہراً نہ ارادۃً، ظاہراً یہ کہ مثلاً تہائی سے زیادہ وصیت کرے اگرچہ وہ وارثوں کی رضامندی کے بغیر نافذ نہ کی جائے گی اور ارادۃً یہ کہ رہے تہائی کے اندر لیکن اس میں بھی نیت یہ ہو کہ اس طرح سے وارث کو کم ملے یہ ظاہراً نافذ ہو جائے گی، لیکن گناہ ہوگا (یہ) جس قدر یہاں تک مذکور ہوا (حکم کیا گیا ہے خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اللہ تعالیٰ خوب جاننے والے ہیں) کہ کون مانتا ہے کون نہیں مانتا اور نہ ماننے والوں کو جو فوراً سزا نہیں دیتے تو وجہ یہ کہ (حلیم) بھی (ہیں)۔

فائدہ: اخیافی یعنی ماں شریک کی قید پر امت کا اتفاق واجماع ہے۔ نیز خود اس مقام پر غور کرنے سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے کیونکہ ان بھائی بہنوں کو چھٹے اور تیسرے حصے کا مستحق ٹھہرایا ہے اور یہی دو حصے ماں کے اوپر ذکر ہوئے ہیں اس مناسبت سے یہ بھائی بہن وہی معلوم ہوتے ہیں جو ماں میں شریک ہوں۔ سگے اور باپ شریک بھائی بہنوں کا حکم اس سورت کے ختم پر آئے گا اور وہ حکم ان میں بالاتفاق قطعی ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ یہاں ان کے علاوہ اور قسم کا ذکر ہے۔

ربط: احکام کو بیان کرکے آگے ان کو ماننے اور ان پر عمل کرنے کی تاکید اور فضیلت اور نافرمانی پر وعید کا ذکر کرتے ہیں۔

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ؕ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ؕ وَ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۳﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۪ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۱۴﴾

ترجمہ: یہ ضابطے ہیں اللہ کے اور جو کوئی فرمانبرداری کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی داخل کرے گا (اللہ) اس کو جنتوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں ہمیشہ رہیں گے ان میں اور یہی ہے بڑی کامیابی۔ اور جو کوئی نافرمانی کرے اللہ کی اور اس کے رسول کی اور نکل جائے اس کے ضابطوں سے داخل کرے گا (اللہ) اس کو آگ میں ہمیشہ رہے گا اس میں، اور اس کے لئے عذاب ہے ذلیل کرنے والا۔

تفسیر: یتیموں سے متعلق ہوں یا میراث سے (یہ سب احکام خداوندی ضابطے ہیں، اور جو شخص اللہ اور رسول کی) پوری (اطاعت کرے گا) اور ان ضابطوں کی بھی پابندی کرے گا (اللہ تعالیٰ اس کو ایسی بہشتوں میں) فوراً (داخل کردیں گے جن کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، ہمیشہ ہمیشہ ان میں رہیں گے اور یہ بڑی کامیابی ہے اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا) یعنی پابندی کو ضروری بھی نہ سمجھے گا اور یہ حالت کفر کی ہے (اس کو) دوزخ کی (آگ میں داخل کریں گے) اس طور سے کہ (وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا، اور اس کو ایسی سزا ہوگی جس میں ذلت بھی ہے)۔

فائدہ: اس آیت میں دو قسم کے لوگوں کا ذکر ہے ایک مطیع کامل، دوسرا عاصی کامل اور ایک اور قسم ہے جس کا یہاں ذکر نہیں ہے یعنی عقائد میں مطیع ہو اور عمل میں قصور وار ہو۔ اس کا حکم دوسری آیتوں میں موجود ہے کہ مستحق سزا ہے لیکن بالآخر نجات ہے۔ یہ صورت کہ کوئی عمل تو نیک کرے اگرچہ عقائد میں مطیع نہ ہو ممکن نہیں کیونکہ عمل کی قبولیت کے لئے صحیح اعتقاد شرط ہے۔ عقیدہ نہ ہونے کی وجہ سے وہ عمل کالعدم ہوگا۔

ربط: آگے عورتوں سے متعلق مزید معاملات کی اصلاح فرماتے ہیں۔

بدکاری پر سزا

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآئِكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ﴿۱۵﴾ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ﴿۱۶﴾

ترجمہ: اور جو کوئی کریں بدکاری تمہاری عورتوں میں سے تو گواہ لاؤ ان پر چار مرد اپنوں میں سے۔ پھر اگر وہ گواہی دے دیں تو بند رکھو ان عورتوں کو گھروں میں یہاں تک کہ اٹھا لے ان کو موت یا مقرر کردے اللہ ان کے لئے کوئی راہ۔ اور جو دو شخص کریں تم میں سے وہی بدکاری تو ان کو ایذاء دو پھر اگر وہ دونوں توبہ کریں اور اپنی اصلاح کرلیں تو ان سے اعراض کرو بیشک اللہ توبہ

قبول کرنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (اور جو عورتیں بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تمہاری) منکوحہ (بیویوں میں سے تم لوگ ان عورتوں) کے اس فعل (پر چار آدمی اپنوں میں سے) یعنی مسلمان، آزاد، عاقل، بالغ، مذکر (گواہ کرلو) تاکہ ان کی گواہی پر حکام آئندہ سزا جاری کریں (سو اگر وہ گواہی دیدیں) تو ان کی سزا یہ ہے کہ (تم ان کو) بحکم حاکم (گھروں کے اندر) سزا کے طور پر (مقید رکھو یہاں تک کہ) یا تو (موت ان کا خاتمہ کردے) اور (یا اللہ تعالیٰ ان کے لئے کوئی اور راہ) یعنی کوئی دوسرا حکم (تجویز فرمادیں) اور زنا کی سزا میں کچھ منکوحہ عورت کی تخصیص نہیں بلکہ (جو بھی دو شخص وہ بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تم میں سے) یعنی عاقل بالغ مسلمانوں میں سے (تو ان دونوں کو اذیت پہنچاؤ پھر) بعد اذیت پہنچانے کے (اگر وہ دونوں) گذشتہ سے (توبہ کرلیں اور) آئندہ کے لئے اپنی (اصلاح کرلیں) یعنی پھر ایسا فعل ان سے سرزد نہ ہو (تو ان دونوں سے کچھ تعرض نہ کرو) کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والے ہیں، رحمت والے ہیں) اس لئے اپنی رحمت سے اللہ تعالیٰ نے ان کی خطا معاف کردی، پھر تم کو بھی ان کے درپے آزار نہ ہونا چاہئے۔

فائدہ: 1- یہ جو کہا گیا "جو بھی دو شخص" اس میں نکاح اور بے نکاح والی عورت اور نکاح اور بے نکاح والا مرد سب آگئے۔ لہذا چاروں کا حکم ذکر ہوا۔ ان کا یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا کہ اذیت تو سب کو پہنچائی جائے جس کا طریقہ صرف منکوحہ عورت کے لئے بیان فرمایا کہ ان کو مقید رکھو اور باقیوں کے لئے طریقہ بیان نہیں فرمایا۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حکام اسلام کی رائے پر چھوڑا گیا کہ جس طریقے سے زجر حاصل ہو جائے خواہ زبان سے یا ہاتھ سے۔ پھر دوسرا حکم بعد میں نازل ہوا جس کو رسول اللہ ﷺ نے اس طرح ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے وہ راہ ارشاد فرمادی ہے تو تم لوگ سمجھ لو یاد کرلو کہ کنوارے کنواری کے لئے سو درے اور نکاح والے کے لئے سنگساری ہے۔ پس اس آیت کا حکم منسوخ ہے۔

2- توبہ کے بعد جو فرمایا تعرض مت کرو اس کا یہ مطلب نہیں کہ سزا نہ دو کیونکہ یہ توبہ سزا کے بعد مذکور ہے بلکہ مطلب یہ ہے کہ سزا کے بعد پھر ملامت مت کرو اور زیادہ سزا مت دو برخلاف توبہ نہ کرنے والے کے کہ اس پر ملامت درست ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں توبہ کا ذکر آیا تھا تو آگے اس توبہ کے قبول و عدم قبول کی صورتیں ذکر کیں۔

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ

السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ ۚ حَتّٰۤى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْـٰٔنَ وَلَا الَّذِيْنَ يَمُوْتُوْنَ وَهُمْ كُفَّارٌ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٨﴾

ترجمہ: توبہ قبول کرنی اللہ پر ضروری ہے محض ان لوگوں کی جو کرتے ہیں برا کام حماقت سے پھر توبہ کرتے ہیں جلدی سے تو یہ لوگ ہیں معافی کرتا ہے اللہ ان پر اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔ اور نہیں ہے توبہ ان لوگوں کے لئے جو کئے جاتے ہیں برے کام یہاں تک کہ جب سامنے آجائے ان میں سے کسی کے موت تو کہنے لگا میں توبہ کرتا ہوں اب، اور نہ ان لوگوں کی توبہ جو کہ مرتے ہیں حالت کفر میں یہ لوگ ہیں (کہ) تیار کیا ہے ہم نے جن کے لئے عذاب دردناک۔

تفسیر: (توبہ) جس کا قبول کرنا حسب وعدہ (اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے وہ تو انہی کی ہے جو حماقت سے کوئی گناہ) صغیرہ یا کبیرہ (کر بیٹھتے ہیں، پھر قریب ہی وقت میں) یعنی موت سے پہلے پہلے جس کے معنی آگے آتے ہیں (توبہ کر لیتے ہیں، سوایسوں پر تو خدا تعالیٰ) قبول توبہ کے ساتھ (توجہ فرماتے ہیں) یعنی توبہ قبول کر لیتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ خوب جانتے ہیں) کہ کس نے دل سے توبہ کی (حکمت والے ہیں) اس لئے دل سے توبہ نہ کرنے والے کو اکثر رسوا نہیں کرتے (اور ایسے لوگوں کی توبہ) قبول (نہیں جو) برابر (گناہ کرتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے سامنے موت ہی آ کھڑی ہوئی) حضور موت کا مطلب یہ ہے کہ اس کو دوسرے عالم کی چیزیں نظر آنے لگیں (تو کہنے لگا کہ میں اب توبہ کرتا ہوں) پس نہ توایسوں کی توبہ قبول (اور نہ ان لوگوں کی) توبہ یعنی ایمان لانا ایسے وقت کا مقبول ہے (جن کو حالت کفر پر موت آجاتی ہے، ان) کافر (لوگوں کیلئے ہم نے ایک دردناک سزا) یعنی عقوبت دوزخ (تیار کر رکھی ہے)۔

فائدہ:1- برابر گناہ کرنے کا صرف یہ مطلب نہیں کہ بار بار کرتے ہیں بلکہ ایک بار بھی گناہ کر کے اس سے توبہ نہ کی تو اس وجہ سے کہ یہ اصرار ہے اور اصرار تکرار کے حکم میں ہے اس لئے اس کو بھی بار بار گناہ کرنے کی مثل کہا جائے گا۔

2- قریب کی دو حالتیں ہیں ایک یہ کہ زندگی سے ناامیدی ہو جائے لیکن اب تک دوسرے عالم کے احوال نظر نہیں آئے۔ دوسرے یہ کہ احوال نظر آنے لگیں۔ پہلی حالت میں کافر کا ایمان لانا اور عاصی کی

توبہ کرنا دونوں مقبول ہیں اور دوسری حالت میں دونوں غیر مقبول۔

3- یہ جو فرمایا کہ "حماقت سے" یہ قید واقعی ہے احترازی اور شرطی نہیں کیونکہ گناہ ہمیشہ حماقت ہی سے ہوتا ہے۔ جس کو اپنے ضرر و نفع کی پروا نہ ہو اس سے بڑھ کر کیا حماقت ہو گی۔

4- سوء اور سیِّآت دونوں جگہ اپنے عموم سے ہر عمل بد حتی کہ کفر کو بھی شامل ہے۔

5- مسلمان عاصی کے حق میں جو فرمایا کہ حضورِ موت کے وقت توبہ مقبول نہیں یعنی مغفرت کا وعدہ اس پر مرتب نہیں اور ویسے اگر اللہ تعالیٰ کی مشیت سے فضل ہو جائے تو کوئی چیز مانع نہیں ہے۔

ربط: مندرجہ بالا آیات میں توبہ کا ذکر ایک مناسبت سے آیا تھا، اس سے پہلے عورتوں سے متعلق احکام کا ذکر چل رہا تھا، ان آیات میں بھی عورتوں کے متعلق احکام ہیں، جاہلیت میں عورتوں پر ان کے شوہروں کی طرف سے بھی ظلم ہوتا تھا اور شوہروں کے وارثوں کی طرف سے بھی۔

جب عورت کا شوہر مر جاتا تو شوہر کے ورثاء اپنی من مانی کرتے تھے، دل چاہتا تو اسی عورت کے ساتھ خود نکاح کر لیتے یا دوسرے کے ساتھ کرا دیتے اور اگر رغبت نہ ہوئی تو نہ خود نکاح کرتے اور نہ دوسرے سے نکاح کرنے دیتے کہ اپنا مال و دولت اپنے ساتھ لے جائے گی۔ غرض یوں ہی اس کو قیدی بنا کر رکھتے تاکہ اس کو ذریعہ آمدنی بنائیں اس طرح سے کہ اس صورت میں اب وہ یا تو اپنا مال متاع ان کو دے کر اپنے آپ کو چھڑا لیتی اور یا یوں ہی ان کے گھر میں قید رہتی اور اسی حالت میں اس کو موت آ جاتی تھی پھر وہ اس کے مال پر قبضہ کر لیتے اور شوہر میت کے مال میں سے اس کو حصہ نہ دیتے۔ یہ کارروائی تو وارث کیا کرتے تھے۔

شوہر بھی اپنی بیویوں پر ظلم و ستم کیا کرتے تھے۔ اگر رغبت نہ ہوتی تو نہ حقوق زوجیت ادا کرتے اور نہ اس کو طلاق دیتے تاکہ وہ طلاق حاصل کرنے کے لئے مال دینے پر مجبور ہو بلکہ کبھی طلاق دینے کے بعد بھی اس کو نکاح نہ کرنے دیتے جب تک کہ وہ اس کو کچھ مال نہ دیتی۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَن تَرِثُوا۟ ٱلنِّسَآءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا۟ بِبَعْضِ مَآ ءَاتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّآ أَن يَأْتِينَ بِفَٰحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِٱلْمَعْرُوفِ ۚ فَإِن كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰٓ أَن تَكْرَهُوا۟ شَيْـًٔا وَيَجْعَلَ ٱللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو حلال نہیں تمہارے لئے کہ میراث میں لے لو عورتوں کو زبردستی اور نہ روکے رکھو ان کو اس واسطے کہ لے لو ان سے کچھ جو تم نے دیا ان کو مگر یہ کہ وہ کریں بے حیائی صریح اور گذران کرو عورتوں کے ساتھ اچھی طرح پھر اگر تم ان کو ناپسند کرو تو شاید تم ناپسند کرو ایک چیز اور اللہ نے رکھی ہو اس میں بہت خوبی۔

تفسیر: (اے ایمان والو! تم کو یہ بات حلال نہیں کہ عورتوں کے) مال یا جان کے (جبراً مالک ہو جاؤ) مال کا مالک ہونا تین طرح سے ہے، ایک یہ کہ اس عورت کا جو شرعی حق میراث میں ہے اس کو خود لے لیا جائے اس کو نہ دیا جائے، اور دوسرے یہ کہ اس کو نکاح نہ کرنے دیا جائے یہاں تک کہ وہ یہاں ہی مر جائے پھر اس کا مال لے لیں یا وہ خود اپنے ہاتھ سے کچھ دے، تیسرے یہ کہ خاوند اس کو بے وجہ مجبور کرے کہ وہ اس کو کچھ مال دے تب یہ اس کو چھوڑے۔

پہلی اور تیسری صورت میں جبر کی قید کا یہ فائدہ ہے کہ اگر عورت اپنی خوشی سے کسی جبر کے بغیر میراث میں ملنے والا حصہ یا اپنا کوئی اور مال کسی کو ہدیہ کر دے تو اس مال کا لینا جائز ہے اور دوسری صورت میں یہ جبر واقع میں نکاح سے روکنے میں ہے جس سے غرض مال لینا تھا اس لئے مال لینے سے اس کو متعلق کر دیا، اس کا بھی وہی فائدہ ہے یعنی اگر وہ اپنی خوشی سے نکاح نہ کرے تو ان لوگوں کو گناہ نہیں۔

اور جان کا مالک ہونا یہ تھا کہ مردہ کی عورت کو میت کے مال کی طرح اپنی میراث سمجھتے تھے، اس صورت میں جبر کی قید واقعی یعنی بیان واقعہ کے لئے ہے، کہ وہ ایسا کرتے تھے، مگر اس کا یہ مفہوم نہیں کہ اگر عورت اپنی رضامندی سے اپنے کو مال میت کی طرح ترکہ اور میراث بنانے پر راضی ہو جائے تو وہ سچ مچ میراث اور ملک ہو جائے گی۔

(اور ان عورتوں کو اس غرض سے مقید مت کرو کہ جو کچھ تم لوگوں نے) یعنی خود تم نے یا تمہارے عزیزوں نے (ان کو دیا ہے اس میں کا کوئی حصہ) بھی ان سے (وصول کر لو) اس مضمون میں بھی تین صورتیں آ گئیں ایک یہ کہ میت کا وارث اس میت کی بیوی کو نکاح نہ کرنے دے تا کہ ہم کو یہ کچھ دے، دوسرے یہ کہ خاوند اس کو مجبور کرے کہ مجھ کو کچھ دے تب چھوڑوں، تیسرے یہ کہ خاوند طلاق دینے کے بعد بھی کچھ لئے بغیر اس کو نکاح نہ کرنے دے۔ (مگر) بعض صورتوں میں ان سے مال لینا یا ان کو مقید کرنا جائز ہے وہ (یہ کہ وہ عورتیں کوئی صریح ناشائستہ حرکت کریں) اس میں بھی تین صورتیں آ گئیں، ایک یہ کہ ناشائستہ حرکت شوہر کی نافرمانی اور بد خلقی ہو تو خاوند کے لئے جائز ہے کہ اس سے مال واپس لئے بغیر جو مہر سے زیادہ نہ ہو اس کو نہ چھوڑے، دوسرے یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا کی ہو اور گواہ بھی نہ ہوں تو ابتدائے

اسلام میں حدود کے احکام نازل ہونے سے پہلے خاوند کے لئے جائز تھا کہ اس جرمانہ میں اس سے اپنا دیا ہوا مال واپس لے لے اور اس کو نکال دے، اب یہ حکم منسوخ ہے اور زنا سے مہر کا وجوب ساقط نہیں ہوتا، اور تیسری صورت یہ کہ ناشائستہ حرکت زنا کی ہو اور گواہ موجود ہوں تو خاوند کو اور نیز دوسرے ورثاء کو جیسا کہ شروع رکوع میں مذکور ہے بطور سزا کے بحکم حاکم عورتوں کو گھروں کے اندر مقید رکھنا جائز تھا، پھر یہ حکم بھی منسوخ ہو گیا لہذا یہ مقید رکھنا بطور سزا کے تھا مال وصول کرنے کی غرض سے نہ تھا۔ آگے خاص شوہروں کو حکم ہے (اور ان عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گذران کیا کرو) یعنی خوش اخلاقی اور نان و نفقہ کی خبر گیری کے ساتھ۔ (اور اگر) طبعی تقاضے سے (وہ تم کو ناپسند ہوں) مگر ان کی طرف سے ناپسندیدگی کا کوئی سبب بھی نہ ہو (تو) تم عقلی تقاضے سے یہ سمجھ کر برداشت کرو کہ (ممکن ہے کہ تم ایک شے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت) دنیوی یا دینی (رکھ دے) مثلاً وہ تمہاری خدمت گار اور آرام رساں اور ہمدرد ہو، یہ دنیا کی منفعت ہے، یا اس سے کوئی اولاد پیدا ہو کر بچپن میں مر جائے یا زندہ رہے اور صالح ہو جو ذخیرہ آخرت ہو جائے یا اور کچھ نہیں تو ناپسند چیز پر صبر کرنے کا ثواب و فضیلت تو ضرور ہی ملے گی

ربط: اوپر کی آیت میں استثناء اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيْنَ کے عموم سے یہ معلوم ہوا تھا کہ اگر عورت کی جانب سے کوئی خرابی ہو تو چھوڑنے میں اس سے مال لینا جو کہ مہر سے زائد نہ ہو جائز ہے دیگر حالتوں میں درست نہیں۔ ان میں ایک حالت یہ تھی کہ پہلی منکوحہ سے رغبت نہ رہی دوسری عورت سے رغبت ہوئی اس سے نکاح کرنا چاہا اور اس کے مہر دینے کی یہ تجویز سوچی کہ پہلی بیوی سے دیا ہوا روپیہ کسی طرح وصول کر کے یا اگر نہ دیا ہو تو اس سے معاف کرا کر وہی اس دوسری کو دے دیں تاکہ مطلوب حاصل ہو جائے۔ اس غرض کے حاصل کرنے کے لئے کبھی تو پہلی بیوی پر کچھ تہمت لگا دیتے تاکہ اس سے مال لینے میں اپنے اوپر کوئی الزام نہ آئے اور کبھی اور طریقے سے پریشان کرتے تاکہ وہ اپنی جان بچانے کے لئے اس کو روپیہ دے یا معاف کرے۔ اگلی آیت میں اس کی ممانعت ہے۔

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ ۙ وَّاٰتَيْتُمْ اِحْدٰىهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا ۭ اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۲۰﴾ وَكَيْفَ تَاْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ وَّاَخَذْنَ مِنْكُمْ مِّيْثَاقًا غَلِيْظًا ﴿۲۱﴾

ترجمہ: اور اگر تم چاہو بدلنا ایک بیوی کو دوسری بیوی کی جگہ اور دے چکے ہو ایک کو

بہت سا مال تو مت (پھیر) لو اس میں سے کچھ۔ کیا تم لیتے ہو اس کو بہتان رکھ کر اور صریح گناہ سے۔ اور کیونکر تم اس کو لیتے ہو حالانکہ پہنچ چکا ہے تمہارا ایک دوسرے تک اور لے چکیں وہ عورتیں تم سے عہد پختہ۔

تفسیر: (اور اگر تم) اپنی رغبت کی وجہ سے (بجائے ایک بیوی کے) یعنی پہلی کے (دوسری بیوی کرنا چاہو) اور پہلی بیوی کا کوئی قصور نہ ہو (اور تم ان ایک کو) مہر میں یا ویسے ہی بطور ہبہ وعطیہ کے (انبار کا انبار مال دے چکے ہو) یا خاص مہر کے لئے صرف معاہدہ میں دینا طے کیا ہو (تو تم اس) دیئے ہوئے یا معاہدہ کئے ہوئے (میں سے) عورت کو تنگ کر کے (کچھ بھی) واپس (مت لو) اور معاف کرانا بھی حکماً واپس لینا ہی ہے۔ (کیا تم اس کو) واپس (لیتے ہو) اس کی ذات پر نافرمانی یا بدکاری کا (بہتان رکھ کر اور) اس کے مال میں (صریح گناہ) یعنی ظلم (کے مرتکب ہو کر) بہتان خواہ صراحۃً ہو یا از روئے دلالت ہو جس کی صورت یہ ہے کہ بیوی سے مال واپس لے کر اس کو دوسرے لوگوں کے ذہن میں نافرمان اور بدکردار تصور کرایا کیونکہ شروع میں جیسا اوپر ذکر ہوا صرف نافرمانی وبدکرداری کی صورت میں اس سے اپنا مال لینے کی اجازت تھی، پس جب اس سے مال لیا تو گویا اس کو دوسروں کے ذہن میں نافرمان وبدکردار تصور کرایا۔ مالی ظلم ہونے کی وجہ تو ظاہر ہے کیونکہ عورت نے کوئی خوشی سے نہیں دیا۔ اور ہبہ کی صورت میں یہ ظلم اس لئے ہے کہ زوجین آپس میں کوئی کسی کو ہدیہ دیدے تو پھر اس سے واپس لینے کا شرعاً کوئی حق نہیں اور واپس لے گا تو وہ ایک قسم کا غصب ہوگا اور بہتان بھی اسی سے لازم آتا ہے کیونکہ ہدیہ واپس لینا گویا یہ کہنا ہے کہ میری زوجہ نہ تھی۔ (اور تم اس) دیئے ہوئے (کو) حقیقۃً یا حکماً (کیسے لیتے ہو حالانکہ) بہتان وظلم کے علاوہ اس کے لینے سے دو باتیں اور بھی مانع ہیں ایک یہ کہ (تم باہم ایک دوسرے سے بے حجابانہ مل چکے ہو) یعنی صحبت ہو چکی ہے یا خلوت صحیحہ ہی سہی کہ وہ بھی صحبت کے حکم میں ہے، مطلب یہ کہ انہوں نے اپنی ذات تمہارے تمتع وتلذذ کے لئے تمہارے سپرد کر دی ہے، اور مہر کی تقرری اور ادائیگی اس اقرار کی علامت ہے کہ تمہاری نظر میں اس کی ذات قابل قدر ہے تو اب مہر کو واپس لینا یا ابھی تک نہ دیا ہو تو نہ دینا عقل سلیم کے خلاف ہے کیونکہ یہ اپنے اقرار سے پھرنا ہے۔ اور اگر وہ مال مہر نہیں بلکہ ہدیہ تھا تب بھی یہی وجہ ہے کیونکہ ہدیہ بھی اسی بات کی علامت ہے کہ دینے والے کی نظر میں اس کی قدر وقیمت ہے۔ (اور) دوسرا مانع یہ کہ (وہ عورتیں تم سے ایک گاڑھا اقرار) یعنی مستحکم عہد (لے چکی ہیں) وہ عہد یہ ہے کہ نکاح کے وقت تم نے مہر اپنے ذمہ رکھا تھا اور عہد کر کے خلاف کرنا یہ بھی عقل کے نزدیک مذموم ہے۔

فائدہ: اگر شبہ ہو کہ حدیث میں مہر کم مقرر کرنے کی تاکید آئی ہے اور اس آیت سے زیادہ کا جواز معلوم ہوتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ قرآن سے جو جواز سمجھ میں آتا ہے وہ صحت ونفاذ کے معنی میں ہے

یعنی اگر کسی نے زیادہ مہر مقرر کیا تو وہ مقرر کرنا صحیح ہوگا اور نافذ ہوگا جب کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ وہ قابل تعریف نہیں۔

ربط: عورتوں سے متعلق جاہلیت کی بری رسموں میں سے ایک یہ تھی کہ بعض لوگ حرام عورتوں سے نکاح کر لیا کرتے تھے مثلاً اپنی سوتیلی ماں سے یا ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے اور بعض لوگ حلال عورتوں کو حرام سمجھتے جیسے لے پالک بیٹے کی بیوی۔ آگے اس کا ابطال فرماتے ہیں اور مقام کی مناسبت سے دیگر حرام عورتوں کی تفصیل بتاتے ہیں۔ اور بعض حلال عورتوں کی حلت میں مسلمانوں کو شبہ ہوا تھا جیسے شرعی باندی جس کا حربی شوہر دار الحرب میں ہو ان کی حلت کا بیان بھی فرمایا۔ اسی کے ساتھ نکاح کی بعض شرائط اور اس کے دوسرے متعلقات مہر وغیرہ کو ذکر کیا۔

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ

مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا ؕ وَسَآءَ سَبِيْلًا ﴿٢٢﴾ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ؗ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ؗ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٢٣﴾

ترجمہ: اور نکاح نہ کرو ان سے کہ نکاح کر چکے تمہارے باپ جن عورتوں سے مگر جو پہلے ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی اور نفرت کا کام ہے اور برا چلن ہے۔ حرام کی گئی ہیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بیٹیاں بھائی کی اور بیٹیاں بہن کی اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے دودھ پلایا تم کو اور تمہاری بہنیں دودھ کی اور تمہاری عورتوں کی مائیں اور ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن کو جنا ہے تمہاری ان عورتوں نے جن سے صحبت کی تم نے اور اگر تم نے ان سے صحبت نہیں کی تو تم پر کچھ گناہ نہیں (اس نکاح میں) اور عورتیں تمہارے بیٹوں کی جو تمہاری پشت سے ہیں اور یہ کہ اکٹھا کرو دو بہنوں کو مگر جو پہلے ہو چکا، بیشک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔

وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ؕ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۲۴﴾

ترجمہ: اور خاوند والی عورتیں مگر جن کے مالک ہو جائیں تمہارے ہاتھ۔ لازم کرنا ہے اللہ کا تم پر۔ اور حلال کی گئیں تمہارے لئے سب عورتیں ان کے سوا کہ تم طلب کرو ان کو اپنے مالوں کے بدلے اس حال میں کہ تم قید نکاح میں لانے والے ہو مستی نکالنے والے نہیں ہو۔ پھر جس طریقے سے نفع اٹھایا تم نے ان عورتوں سے تو ان کو دو ان کے حق مقرر کئے ہوئے اور گناہ نہیں تم پر اس میں جس پر تم دونوں آپس میں رضامندی کر لو مقرر کئے پیچھے۔ بے شک اللہ ہے خبردار حکمت والا۔

جن عورتوں سے نکاح حرام ھے

پہلی قسم: سوتیلی ماں

تفسیر: (اور تم ان عورتوں سے نکاح مت کرو جن سے تمہارے باپ) یا دادا یا نانا یعنی تمہارے اصول (نے نکاح کیا ہو مگر) خیر اب سے پہلے جو بات گذر گئی گذر گئی اس پر گناہ معاف ہے لیکن ایسا جو نکاح ہوا ہے وہ باقی نہ رکھا جائے گا اور آئندہ پھر کبھی ایسا نہ ہو (بیشک یہ) بات عقلا بھی (بڑی بے حیائی ہے اور) سلیم طبیعتوں والوں کے نزدیک بھی (نہایت نفرت کی بات ہے اور) شرعا بھی (بہت برا طریقہ ہے۔ تم پر) سوتیلی ماں کے علاوہ یہ عورتیں بھی (حرام کی گئی ہیں) یعنی ان سے نکاح کرنا حرام ہے اور ان کی کئی قسمیں ہیں:

دوسری قسم: نسب سے حرام عورتیں

یہ سات ہیں یعنی (تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں) ماں کے حکم میں دادی، نانی اوپر تک سب داخل ہیں۔ ایسے ہی بیٹی میں پوتی اور نواسی نیچے تک سب داخل ہیں اور بہن میں عینی یعنی سگی، علاتی یعنی باپ شریک اور اخیافی یعنی ماں شریک اور پھوپھی میں باپ دادا اور اوپر تک کی پشتوں کی بہن سگی ہو یا سوتیلی سب آگئیں اور خالہ میں ماں، نانی اور نانی کی نانی سب کی بہن خواہ سگی ہو یا علاتی ہو یا اخیافی داخل ہے اور بھتیجی میں تینوں قسم کے بھائیوں کی

اولاد اور اولاد کی اولاد سب داخل ہیں اور بھانجی میں تینوں قسم کی بہنوں کی اولاد اور اولاد کی اولاد داخل ہیں۔

تیسری قسم: رضاعت سے حرام عورتیں

(اور) یہ دو ہیں یعنی (تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے) یعنی انا (اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے بہن ہیں) یعنی تم نے ان کی حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، یا اس نے تمہاری حقیقی یا رضاعی ماں کا دودھ پیا ہے، گو مختلف وقت میں پیا ہو۔

فائدہ: ان رضاعی رشتوں کا اور نسبی رشتوں کا جب ایک ہی حکم بتایا تو معلوم ہوا کہ دیگر رشتے جو نسب میں بیان ہوئے وہ بھی رضاعت میں حرام ہیں یعنی رضاعی بیٹی اور پھوپھی اور خالہ اور بھتیجی اور بھانجی بھی حرام ہیں۔ چنانچہ حدیثوں میں یہ حکم موجود ہے۔

چوتھی قسم: رشتہ نکاح کی وجہ سے حرام عورتیں

ان کی پھر دو قسمیں ہیں

1- جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح ناجائز ہے۔

(اور) وہ یہ تین ہیں یعنی (تمہاری بیویوں کی مائیں) اس میں زوجہ کے سب مونث اصول آگئے (اور تمہاری بیویوں کی بیٹیاں) اس میں زوجہ کے سب مونث فروع آگئے (جو کہ عام طور سے تمہاری پرورش میں رہتی ہیں) مگر اس میں ایک قید بھی ہے، وہ یہ کہ وہ لڑکیاں (ان بیویوں سے) ہوں (کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو) یعنی کسی عورت کے ساتھ صرف نکاح کرنے سے اس کی لڑکی حرام نہیں ہوتی بلکہ جب اس عورت سے صحبت بھی ہو جائے تب لڑکی حرام ہوتی ہے (اور اگر ابھی تک تم نے ان بیویوں سے صحبت نہ کی ہو) گو نکاح ہو چکا ہو (تو) ایسی بیوی سے جدائی کے بعد اس کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے میں (تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بیویاں) بھی حرام ہیں (جو کہ تمہاری نسل سے ہوں) اس میں سب مذکر فروع یعنی نیچے تک کے پوتوں اور نواسوں کی بیویاں آگئیں، اور نسل کی قید کا مطلب یہ ہے کہ منہ بولے یعنی لے پالک جس کو متبنیٰ کہتے ہیں اس کی بیوی حرام نہیں۔

2- جن سے ہمیشہ کے لئے نکاح کی ممانعت نہ ہو۔ ان کی پھر مزید دو قسمیں ہیں۔

i- جب تک کوئی عورت تمہارے نکاح میں رہے اس وقت تک اس عورت کی خاص قرابت والی عورتوں سے نکاح کی ممانعت رہی۔ جب اس عورت کو طلاق دے دی یا وہ مر گئی تو ان خاص قرابت والی عورتوں سے نکاح درست ہو جائے گا۔

(اور یہ) بھی حرام ہے (کہ تم دو بہنوں کو) خواہ وہ رضاعی ہوں یا نسبی ہوں اپنے نکاح میں (ایک

ساتھ رکھو لیکن جو) اس حکم سے (پہلے ہو چکا) اس کا گناہ معاف ہے البتہ اب آگے اکٹھا نہیں رکھ سکتے۔ (بیشک اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے بڑے رحمت والے ہیں) کہ رحمت سے گناہ معاف کر دیتے ہیں۔

فائدہ: ا۔ اس حکم کی وجہ یہ ہے کہ سوکنوں میں عام طور سے محض سوکن ہونے کی وجہ سے آپس میں رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ دین نے اس بات کو پسند نہیں کیا کہ رحمی رشتوں کے فطری تعلق میں خلل آئے۔ اسی وجہ سے زوجہ کی پھوپھی، خالہ، بھتیجی اور بھانجی کا بھی یہی حکم ہے۔

ب: ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا۔ پھر اس کے مرنے پر اس کی بہن یا خالہ سے نکاح کر لیا تو چونکہ جنت میں دلوں کی رنجش اور غم سرے سے ہوگا ہی نہیں بلکہ خوشی اور محبت ہی ہوگی اس لئے وہاں ان کا ایک شخص کے نکاح میں جمع ہونا منع نہیں۔

(ii) جب تک کسی دوسرے کے نکاح یا عدت میں ہو

(اور وہ عورتیں ہیں جو کہ شوہر والیاں ہیں مگر) اس قسم سے وہ مستثنیٰ ہیں (جو کہ) شرعاً تمہاری مملوک ہو جائیں اور اہل کتاب ہوں یا مسلمان ہو جائیں اور ان کے شوہر حربی ہوں اور دار الحرب میں موجود ہوں تو حدیث کی رو سے ایک حیض آجانے کے بعد یا وضع حمل کے بعد حلال ہیں (اللہ تعالیٰ نے ان احکام کو تم پر فرض کر دیا ہے اور ان عورتوں کے سوا اور) باقی (عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم ان کو اپنے مالوں کے ذریعہ سے) نکاح میں لانا (چاہو) یعنی مہر ہونا نکاح میں ضروری ہے اور (اس طرح کہ تم) ان کو (بیوی بناؤ) جس کی شرطیں شرع میں مشہور ہیں، مثلاً گواہ بھی ہوں، وہ نکاح موقت بھی نہ ہو وغیرہ (صرف مستی ہی نکالنا نہ ہو) اس کے عموم میں زنا اور متعہ سب داخل ہو گیا گو اس میں بھی مال خرچ کیا جاتا ہے (پھر) نکاح ہو جانے کے بعد (جس طریقہ سے) یعنی خلوت صحیحہ سے یا جماع سے (بھی تم نے ان عورتوں سے نفع اٹھایا ہو سو ان کو) اس کے عوض یعنی (ان کے مہر دو جو کچھ مقرر ہو چکے ہیں اور) یہ نہ سمجھو کہ اس مقررہ میں کسی طرح کی بیشی ممکن نہیں بلکہ (مقرر ہونے کے بعد بھی جس) مقدار (پر تم) میاں بیوی (باہم رضامند ہو جاؤ اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں) مثلاً خاوند نے اور مہر بڑھا دیا یا عورت نے خوشی سے کم کر دیا یا خوشی سے پورا معاف ہی کر دیا ہر طرح درست ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے جاننے والے ہیں) اس لئے تمہاری مصلحتوں کو خوب جانتے ہیں (بڑے حکمت والے ہیں) ان مصلحتوں کی رعایت سے احکام مقرر فرمائے ہیں گو کہیں وہ تمہاری سمجھ میں نہ آئیں۔

فائدہ: 1 یہاں یہ اشکال ہو سکتا ہے کہ مذکور حرام عورتوں کے بعد فرمایا ان عورتوں کے سوا اور باقی عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئیں حالانکہ ان کے علاوہ بھی کچھ حرام عورتوں کا ذکر کیا جاتا ہے جیسا

کہ تفسیر میں واضح کیا گیا ہے اس کا جواب یہ ہے کہ خود قرآن پاک سے اس عموم کی تخصیص ملتی ہے یعنی دوسرے مقام میں چار تک سے ایک وقت میں نکاح کر سکتا ہے اس سے زیادہ سے نہیں اور یہ باقاعدہ ضابطہ ہے کہ قرآن پاک میں مذکور حکم عام کی ایک دفعہ تخصیص ہو گئی ہو تو پھر سنت اور قیاس سے مزید تخصیص ہو سکتی ہے۔ اس لئے باقی محرمات کا ذکر اگرچہ حدیث سے یا اجماع سے یا قیاس سے ثابت ہے لیکن ان سے قرآن پاک کے اس حکم عام کی کہ جس کی ایک دفعہ خود قرآن نے تخصیص کر دی ہے مزید تخصیص ہو سکتی ہے۔

ربط: اوپر سے نکاح کے احکام چلے آتے ہیں۔ آگے شرعی لونڈیوں سے نکاح کرنے کا ذکر ہے۔

وَمَنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ یَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَیٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِیْمَانِكُمْ ؕ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَیْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ

ترجمہ: اور جو کوئی نہ رکھے تم میں قدرت اس کی کہ نکاح کرے آزاد مسلمان عورتوں سے تو (نکاح کرلے) ان سے جن کے مالک بنے تمہارے ہاتھ تمہاری آپس کی مسلمان لونڈیوں سے۔ اور اللہ خوب جانتے ہیں تمہارا ایمان۔ تم آپس میں ایک ہو۔ سو نکاح کرو ان سے ان کے مالکوں کی اجازت سے اور دو ان کو ان کے مہر موافق دستور کے اس حال میں کہ وہ قید نکاح میں لائی جانے والی ہوں نہ مستی نکالنے والی ہوں اور نہ اختیار کرنے والی ہوں چھپے یار۔

تفسیر: (اور جو شخص تم میں پوری قدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی تو وہ اپنے آپس) والوں (کی مسلمان لونڈیوں سے جو کہ تم لوگوں کی) شرعاً (مملوکہ ہیں نکاح کر لے) کیونکہ اکثر لونڈیوں کا مہر وغیرہ کم ہوتا ہے اور ان کو غریب کے ساتھ بیاہ دینے میں عار بھی نہیں کرتے (اور) فی ذاتہ لونڈی سے نکاح کرنے کو معیوب نہ سمجھے، کیونکہ دین کی رو سے تو ممکن ہے کہ وہ تم سے بھی افضل ہو جس کی وجہ یہ ہے کہ فضیلت دین کا مدار ایمان ہے اور (تمہارے ایمان کی پوری حالت اللہ ہی کو معلوم ہے) کہ اس میں کون اعلیٰ ہے کون ادنیٰ ہے، کیونکہ اس کا تعلق قلب سے ہوتا ہے جس کی پوری اطلاع اللہ ہی کو ہے۔ اور دنیا کی رو سے عار کی اکثر وجہ ان کو نسب میں گھٹیا سمجھنا ہے تو اس بارے میں یہ بات یاد رکھو کہ انساب کا جو اصل مبدا ہے یعنی حضرت آدم و حواء علیہما السلام اس میں مشارکت کے اعتبار

سے (تم سب آپس میں ایک دوسرے کے برابر ہو) پھر عار کی کیا وجہ (سو) جب عار نہ ہونے کی وجہ معلوم ہو گئی تو مذکورہ ضرورت کے وقت (ان سے نکاح کر لیا کرو) مگر شرط یہ بھی ہے کہ (ان کے مالکوں کی اجازت سے) ہو (اور ان) کے مالکوں (کو ان کے مہر قاعدہ) شرعیہ (کے موافق دیدیا کرو) اور یہ مہر دینا (اس طور پر) ہو (کہ وہ منکوحہ بنائی جائیں، نہ تو علانیہ بدکاری کرنے والی ہوں اور نہ خفیہ آشنائی کرنے والی ہوں) یعنی وہ مہر بمقابلہ نکاح ہو زنا کی اجرت کے طور پر دینے سے وہ حلال نہ ہو گی۔

فائدہ: لونڈی کے ساتھ نکاح کرنے میں دو قیدیں لگائی ہیں ایک یہ کہ وہ ایسی عورت سے نکاح نہ کر سکے جس میں دو صفتیں ہوں ایک آزادی دوسرے ایمان۔ دوسری یہ کہ وہ لونڈی مسلمان ہو۔ امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے نزدیک ان دو شرطوں کی رعایت اولی ہے لازم نہیں۔ اگر ان قیدوں کی رعایت کے بغیر لونڈی سے نکاح کر لیا تو نکاح تو ہو جائے گا البتہ کراہت تنزیہی ہو گی۔ نکاح صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اوپر کی آیت وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّاوَرَآءَ ذٰلِكُمْ میں مسلمان اور اہل کتاب لونڈیاں بھی شامل ہیں اس لئے وہ حلال ہیں حرام نہیں۔ یہاں ان دو قیدوں کے ذکر سے ان کی حرمت بیان کرنا مقصود نہیں بلکہ یہ بتانا مقصود ہے کہ جب یہ دو قیدیں پائی جا رہی ہوں تو اس وقت باندی سے نکاح کرنے میں کچھ کراہت نہیں۔ بلا مجبوری کے باندی سے نکاح کرنے میں کراہت تنزیہی کی وجوہات میں سے چند ایک یہ ہیں۔ اول۔ مالک کی خدمت اس سے ساقط نہیں ہوتی اس لئے وہ مالک کی خدمت کے لئے بازار آنا جانا رکھتی ہے جس سے اس کے کسی بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ زیادہ ہوتا ہے۔ دوم چونکہ وہ آزاد نہیں اس لئے اس کو شوہر کے گھر اور مال کا درد نہ ہو گا۔ سوم کسی وقت وہ اس کو اپنے پاس رکھنا چاہے لیکن اسی وقت میں مالک اس سے خدمت لینا چاہے تو ضرور پریشانی ہو گی وغیرہ۔

ربط: اوپر لونڈیوں سے نکاح کرنے کی اجازت کا حکم تھا لیکن جیسے ذکر ہوا لونڈی کو پردے میں رکھنا لازم نہیں اور مالک کی خدمت کی خاطر بازار وغیرہ میں آمدورفت رکھنے کے باعث اس کے بدکاری میں مبتلا ہونے کا زیادہ اندیشہ ہے اس لئے لونڈیوں کے متعلق زنا کی حد کا حکم ذکر کرتے ہیں۔ موقع کی مناسبت سے ذکر میں لونڈیوں کی تخصیص ہے ورنہ غلاموں کا بھی یہی حکم ہے۔

فَاِذَآ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ

ترجمہ: پھر جب وہ قید نکاح میں لائی جا چکیں تو اگر کریں بے حیائی کا کام تو ان پر آدھی

سزا ہے اس سزا کی جو آزاد (غیر منکوحہ) عورتوں پر ہے۔

تفسیر: (پھر جب وہ لونڈیاں منکوحہ بنالی جائیں، پھر اگر وہ بڑی بے حیائی کا کام) یعنی زنا (کریں تو) ثبوت کے بعد بشرطیکہ مسلمان ہوں (ان پر اس سزا سے نصف سزا) جاری (ہوگی جو کہ) غیر منکوحہ (آزاد عورتوں پر ہوتی ہے) جیسا کہ نکاح کے قبل بھی لونڈیوں کی یہی سزا تھی اور اسی طرح غلاموں کی بھی۔

فائدہ: وہ سزا یہ ہے کہ ان کو پچاس کوڑے لگائے جائیں گے کیونکہ آزاد کنواری عورت (اور اسی طرح آزاد کنوارے مرد) کو سو کوڑے لگائے جاتے ہیں اور نصف کہنے سے یہ بھی معلوم ہوا کہ پھر لونڈی غلام پر رجم نہیں کیونکہ رجم میں اس وقت تک پتھر مارے جاتے ہیں کہ روح نکل جائے اور اس میں نصف ممکن نہیں۔

ربط: آگے پھر لونڈی سے نکاح کے مضمون کی طرف واپس آتے ہیں۔

ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ

الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۚ وَأَنْ تَصْبِرُوا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُورٌ رَّحِيمٌ ﴿٢٥﴾ ع

ترجمہ: یہ اس کے واسطے ہے جو کوئی تم میں ڈرے زنا (میں پڑنے) سے اور تمہارا صبر کرنا بہتر ہے تمہارے حق میں اور اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔

تفسیر: (یہ) لونڈیوں سے نکاح کرنا (اس شخص کے لئے) مناسب (ہے جو تم میں) بوجہ غلبہ شہوت اور آزاد منکوحہ میسر نہ ہونے کے (زنا) میں مبتلا ہو جانے (کا اندیشہ رکھتا ہو) اور جس کو یہ اندیشہ نہ ہو اس کے لئے مناسب نہیں کیونکہ اس حالت میں کراہت تنزیہی ہے۔ (اور) اگر اس اندیشہ کی حالت میں بھی اپنے نفس پر قادر ہو تو (تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے) بہ نسبت نکاح کنیز کے (اور) یوں (اللہ تعالیٰ بڑے بخشنے والے ہیں) اگر صورت کراہت میں بھی نکاح کر لیا، ہم مواخذہ نہیں کریں گے اور (بڑی رحمت والے ہیں) کہ حرمت کا حکم نہیں فرمایا۔

فائدہ: غفور کی تفسیر میں جو کہا گیا ہے یہ اس حکم کے ساتھ خاص نہیں بلکہ ہر مکروہ تنزیہی کا یہی حکم ہے۔

ربط: پچھلی آیتوں میں احکام کی تفصیل ذکر ہوئی۔ آگے آیتوں میں اللہ تعالیٰ اپنا انعام واحسان بھی بتاتے ہیں اور یہ بھی بتاتے تھے کہ ان احکام کی مشروعیت میں تمہاری ہی منفعتوں اور مصلحتوں کی رعایت رکھی گئی ہے اگرچہ تم اس کی تفصیل کو نہ سمجھو، پھر اس کے ساتھ ہی ان احکام پر عمل کرنے کی ترغیب ہے، اور گمراہوں کے ناپاک ارادوں پر بھی متنبہ کیا گیا کہ یہ لوگ تمہارے بدخواہ ہیں جو تمہیں

سیدھے راستہ سے بھٹکانا چاہتے ہیں۔

يُرِيدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۟ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

ترجمہ : چاہتا ہے اللہ کہ بیان کرے تمہارے واسطے اور چلائے تم کو راہوں پر ان لوگوں کی جو تم سے پہلے تھے اور توجہ کرے تم پر اور اللہ جاننے والا ہے حکمت والا ہے اور اللہ چاہتا ہے کہ تم پر متوجہ ہو اور چاہتے ہیں وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں مزوں کی کہ تم پھر جاؤ راہ راست سے بہت دور۔ اللہ چاہتا ہے کہ بوجھ ہلکا کرے تم سے اور بیدا کیا گیا ہے انسان کمزور۔

تفسیر : (اللہ تعالیٰ کو) ان مذکورہ مضامین کے ارشاد فرمانے سے اور اسی طرح دوسرے مضامین سے اپنا کوئی نفع مقصود نہیں کہ یہ محال عقلی ہے بلکہ تم کو نفع پہنچانے کے لئے (یہ منظور ہے کہ تم سے) تمہاری مصلحت کے احکام (بیان کر دے اور تم سے پہلے لوگوں کے رستوں پر تم کو چلا دے) تاکہ تم اتباع کرو اور مخالفت سے بچو (اور) تم میں اور تم سے پہلوں میں مشترک مقصود کا خلاصہ یہ ہے کہ (تم پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمائے) اور وہ توجہ یہی بیان فرمانا اور راہ پر چلانا ہے جس میں سر تا سر بندوں ہی کا نفع ہے جیسا ذکر ہوا (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) کہ بندوں کی مصلحت جانتے ہیں (بڑے حکمت والے ہیں) کہ کسی وجوب کے بغیر ان مصلحتوں کی رعایت فرماتے ہیں (اور اللہ تعالیٰ کو) تو احکام بیان کرنے سے اور راہ پر چلانے سے (تمہارے حال پر) رحمت کے ساتھ (توجہ فرمانا منظور ہے اور جو لوگ) کفار و فجار میں سے (شہوت پرست ہیں وہ یوں چاہتے ہیں کہ تم) راہ راست سے (بڑی بھاری کجی میں پڑ جاؤ) اور انہی جیسے ہو جاؤ چنانچہ وہ اپنے فاسد خیالات مسلمانوں کے کانوں میں ڈالتے رہتے تھے اور اللہ تعالیٰ کو احکام میں جس طرح تمہاری مصلحت پر نظر ہے اسی طرح تمہاری آسانی پر بھی نظر ہے اسی لئے ارشاد ہے کہ (اللہ تعالیٰ کو) احکام میں (تمہارے ساتھ تخفیف) یعنی آسانی بھی (منظور ہے اور) اس کی وجہ یہ ہے کہ (آدمی) دیگر مکلفین جیسے جنات کی بنسبت بدن اور ہمت دونوں میں (کمزور بیدا کیا گیا ہے) اس لئے اس کے ضعف کے مناسب احکام مقرر فرمائے ہیں، ورنہ مصلحت کی رعایت کے اعتبار سے اعمال شاقہ کے تجویز کئے جانے میں بھی مضائقہ نہ تھا، مگر ہم نے دونوں باتوں کا اکٹھے لحاظ فرمایا اور یہ بڑے علم و حکمت اور نیز رحمت و شفقت پر موقوف ہے۔

فائدہ1: شہوت پرستوں سے مراد وہ لوگ ہیں جو حرام و حلال کی تمیز کرنا نہیں چاہتے خواہ وہ فاسق ہوں یا کافر ہی ہوں۔

2: بڑی بھاری کجی کے دو مطلب ہیں۔ایک یہ کہ بے باکانہ حرام کا مرتکب ہونا دوسرے یہ کہ حرام کو حلال سمجھنا۔ فاسق تو پہلی صورت کی کوشش کرتے ہوں گے اور کافر دوسری صورت کی جیسا کہ مشاہدہ ہے کہ بے راہ لوگ دوسروں کو بھی بے راہ کرنا چاہتے ہیں۔اس کے مقابلہ میں ہلکی کجی یہ ہے کہ گناہ کو گناہ سمجھے اور اتفاق سے اس کا صدور ہو جائے۔

ربط: اوپر جو احکام مذکور ہوئے ان کے تتمہ کے طور پر فرمایا کہ یتیموں کے اموال اور عورتوں کے مذکورہ تصرفات کی کچھ تخصیص نہیں بلکہ جو بھی تصرف کسی کے مال اور نفس میں غیر مشروع طریقے سے ہو وہ ممنوع ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَ لَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿۲۹﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿۳۰﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ کھاؤ مال ایک دوسرے کے آپس میں ناحق طریقے سے مگر یہ کہ تجارت ہو تمہاری آپس کی خوشی سے اور نہ قتل کرو ایک دوسرے کو بیشک اللہ تم پر مہربان ہے اور جو کوئی یہ کام کرے تعدی سے اور ظلم سے تو ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں اور یہ اللہ پر آسان ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو! آپس میں ایک دوسرے کے مال ناحق) یعنی ناجائز (طور پر مت کھاؤ) اور ناجائز طور پر استعمال مت کرو (لیکن) اگر جائز طور پر ہو مثلاً (کوئی تجارت ہو جو باہمی رضامندی سے واقع ہو) بشرطیکہ اس میں اور بھی سب شرعی شرائط پوری ہوں تو مضائقہ نہیں یہ تو مالی تصرف تھا، آگے جانی تصرف کو فرماتے ہیں (اور تم ایک دوسرے کو قتل بھی مت کرو۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ تم پر بڑے مہربان ہیں) اس لئے ضرر رسانی کی صورتوں کو منع فرمادیا بالخصوص جب کہ اس میں یہ اثر ہو کہ جواب میں دوسرا شخص پھر تم کو ضرر پہنچائے گا۔ تو یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ تم کو بھی ضرر سے بچالیا (اور) چونکہ ان

دونوں باتوں میں سے قتل زیادہ سخت ہے اس لئے اس پر بالخصوص وعید سناتے ہیں کہ (جو شخص ایسا فعل) یعنی قتل (کرے گا اس طور پر کہ حد) شرع (سے گذر جائے اور) وہ گذرنا بھی رائے یا فعل میں خطاسے نہ ہو بلکہ اس طور پر ہو کہ قصداً (ظلم کرے تو ہم عنقریب) یعنی موت کے بعد (اس کو) دوزخ کی (آگ میں داخل کریں گے اور یہ) یعنی ایسی سزا دینا (خدا تعالیٰ کو) بالکل (آسان ہے) کچھ اہتمام کی حاجت نہیں جس میں اس احتمال کی گنجائش ہو کہ شاید کسی وقت اہتمام نہ ہو سکے تو سزا ٹل جائے گی۔

فائدہ: عدوان کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص واقع میں قتل کا مستحق نہ ہو اس کو قتل کیا جائے۔ اور ظلم کی تفسیر کا حاصل یہ ہے کہ جو شخص قتل کا مستحق نہ ہو اس کو جان بوجھ کر ناحق قتل کیا جائے۔

ربط: اوپر دو آیتوں میں جن معاصی کا ذکر ہے وہ گناہ کبیرہ ہیں سو یہاں تک ان کے کرنے پر سزا کی وعید تھی۔ آگے ان کے نہ کرنے کی ترغیب ہے کہ اگر ان سے بچو گے تو اس میں تمہارا یہ فائدہ بھی ہے کہ صغیرہ گناہوں کا کفارہ تمہاری نیکیوں سے کر دیں گے۔ اور چونکہ دیگر کبیرہ گناہ بھی مذکورہ کبیرہ گناہوں کی طرح ہیں اس لئے آیت میں لفظ عام لائے ہیں۔

اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبٰٓىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَیِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِیْمًا ﴿۳۱﴾

ترجمہ: اگر تم بچتے رہو گے بڑے بڑے گناہوں سے ان کاموں میں سے جن سے تم منع کئے جاتے ہو تو ہم دور کر دیں گے تم سے چھوٹے گناہ تمہارے اور داخل کریں گے تم کو عزت والے مقام میں۔

تفسیر: (جن کاموں سے تم کو) شرع میں (منع کیا جاتا ہے) یعنی گناہ کے کام (ان میں سے جو بھاری بھاری کام ہیں) یعنی بڑے بڑے گناہ ہیں (اگر تم ان سے بچتے رہو تو) اس بچنے پر ہم وعدہ کرتے ہیں کہ تمہارے اعمال حسنہ کے کرنے سے جب کہ وہ مقبول ہو جائیں (ہم تمہاری خفیف برائیاں) یعنی چھوٹے چھوٹے گناہ جو کہ دوزخ میں لے جا سکتے ہیں (تم سے دور) یعنی معاف (فرما دیں گے) پس دوزخ سے محفوظ رہو گے (اور ہم تم کو ایک معزز جگہ) یعنی بہشت (میں داخل کر دیں گے)

فائدہ: 1- گناہ کبیرہ کی تعریف میں جامع تر قول یہ ہے کہ جس گناہ پر کوئی وعید ہو یا حد ہو یا اس پر لعنت آئی ہو یا اس جیسے گناہ کے مفسدہ کے برابر کسی گناہ میں مفسدہ ہو یا وہ دین کے احکام کو ہلکا سمجھ کر کیا گیا ہو وہ کبیرہ ہے اور اس کا مقابل صغیرہ ہے۔

2: صغیرہ گناہ ہو جانے کے بعد چند حالتیں ہیں۔

ا۔ یہ حالت کہ کبیرہ سے بچتا ہو اور فرائض و واجبات کا پابند ہو۔ اس حالت میں وعدہ ہے کہ صغائر معاف ہو جائیں گے اور آیت میں یہی صورت مذکور ہے چنانچہ کبیرہ سے بچنے کی شرط تو خود آیت میں ذکر ہے اور فرائض و واجبات کی پابندی پر چند دلائل اور قرائن ہیں۔ ایک دلیل تو خود آیت میں ہے کیونکہ فرائض و واجبات کی پابندی نہ کرنا مثلاً فرض نماز ترک کرنا خود کبیرہ گناہ ہے پس اجتناب عن الکبائر اس صورت میں پورا نہ ہوگا۔ گویا پہلی شرط کو دوسری شرط لازم ہے۔ دوسرا قرینہ یہ آیت ہے **اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ** کہ حسنات کو برائیوں کے دور کرنے کا ذریعہ بتایا۔ تیسرا قرینہ مسلم کی حدیث **اَلصَّلٰوةُ الْخَمْسُ مُکَفِّرَةٌ لِمَا بَیْنَهُمَا اجْتُنِبَتِ الْکَبَائِرُ** یعنی پانچ نماز میں صغائر کا کفارہ میں جب تک کبائر سے بچا جائے۔ اس حدیث میں تصریح ہے کہ دونوں باتوں کے مجموعہ کو دخل حاصل ہے۔

تنبیہ: صغائر کی معافی ان دو باتوں کے مجموعہ کا صرف ایک اثر ہے لہذا اگر اس مجموعہ کے وقت صغائر موجود نہ ہوں تو اس کا دوسرا اثر رفع درجات ہے۔

ب: یہ حالت کہ کبیرہ سے نہ بچے گو فرائض و واجبات کی پابندی ہو۔

ج: یہ حالت کہ فرائض و واجبات کا پابند نہ ہو گو اور کبائر سے بچتا ہو۔

ان دونوں حالتوں میں چونکہ کبائر سے اجتناب نہ پایا گیا اس لئے ان میں صغائر سے کفارہ کا وعدہ نہیں ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے معاف فرمادیں تو دوسری بات ہے کیونکہ وہ فضل تو کبیرہ گناہ پر بھی ہو سکتا ہے۔ جب وعدہ نہیں ہے تو ممکن ہے اس پر آخرت میں سزا ہو۔ یہی اہلسنت کا مذہب ہے یعنی صغائر پر عذاب کا احتمال ہے۔

3: حسنات کے مقبول ہونے کی قید اس لئے لگائی کہ غیر مقبول تو بمنزلہ عدم کے ہیں اور چونکہ مقبول ہونا جو کہ شرط ہے یقینی نہیں اس لئے کفارہ بھی یقینی نہیں۔ اسی لئے علمائے اہل سنت کا کہنا ہے کہ کبائر سے اجتناب کے باوجود صغائر پر سزا کا احتمال ہے کیونکہ سزا کو دور کرنے والی شرط کا ہونا خود یقینی نہیں ہے۔

ربط: ماقبل کی آیتوں میں میراث کے احکام گذرے ہیں، ان میں یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ میت کے ورثہ میں اگر مرد اور عورت ہو اور میت کی طرف رشتہ کی نسبت ایک ہی طرح کی ہو تو مرد کو عورت کی نسبت دوگنا حصہ ملے گا اسی طرح کے اور فضائل بھی مردوں کے ثابت ہیں، حضرت ام سلمہؓ نے اس پر ایک دفعہ حضور اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ ہم کو آدھی میراث ملتی ہے اور بھی فلاں فلاں فرق ہم میں اور مردوں میں ہیں۔

مقصد اعتراض کرنا نہیں تھا بلکہ ان کی تمنا تھی کہ اگر ہم لوگ بھی مرد ہوتے تو مردوں کے فضائل

ہمیں بھی حاصل ہو جاتے۔ اسی طرح بعض عورتوں نے یہ تمنا کی کہ کاش ہم مرد ہوتے تو مردوں کی طرح جہاد میں حصہ لیتے اور جہاد کی فضیلت ہمیں حاصل ہو جاتی۔

ایک عورت نے حضور ﷺ سے عرض کیا مرد کو میراث میں دوگنا حصہ ملتا ہے اور عورت کی شہادت بھی مرد سے نصف ہے تو کیا عبادات واعمال میں بھی ہم کو نصف ہی ثواب ملے گا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں دونوں باتوں کا جواب دیا گیا ہے، حضرت ام سلمہؓ کے قول کا جواب **ولا تتمنوا** سے دیا گیا، اور اس عورت کے قول کا جواب **للرجال نصیب** سے دیا گیا۔

تمہید کے طور پر جاننا چاہئے کہ فضائل کی دو بڑی قسمیں ہیں کسبی اور وہبی۔

1- کسبی واختیاری فضائل وہ ہیں جو بندہ اپنے کسب اور اپنی سعی سے حاصل کر سکتا ہے مثلاً زیادہ عبادت کر کے یا زیادہ انفاق کر کے یا زیادہ جہاد کر کے زیادہ ثواب اور زیادہ درجے حاصل کر سکتا ہے۔

2- وہبی اور خداداد فضائل کی بھی پھر دو قسمیں ہیں۔

i- جن میں آدمی کے عمل کو کچھ دخل نہیں مثلاً مرد ہونا یا مردوں میں کسی کا نبی ہونا۔ ان کی تمنا کرنا فضول بھی ہے اور منع بھی ہے۔

ii- وہ ہیں جو اعمال پر مداومت اور شریعت پر استقامت سے اللہ تعالیٰ جس کو چاہتے ہیں عطا فرماتے ہیں مثلاً بزرگوں کے باطنی کمالات واحوال۔ بندہ عمل کے بعد ان کے لئے دعا کر سکتا ہے لیکن ان کا حصول بندے کے اختیار میں نہیں۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ؕ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ؕ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ؕ وَسْـَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

ترجمہ: اور تمنا مت کرو اسکی بڑائی دی اللہ نے جس میں تمہارے بعض کو بعض پر۔ مردوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے عمل کیا اور عورتوں کے لئے حصہ ہے اس سے جو انہوں نے عمل کیا۔ اور مانگو اللہ سے اس کا فضل۔ بے شک اللہ ہے ہر چیز کو خوب جاننے والا۔

تفسیر: (اور تم) سب مردوں عورتوں کو حکم ہوتا ہے کہ وہبی یعنی خداداد میں سے (ایسی کسی بات کی تمنا مت کیا کرو جس میں اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو) مثلاً مردوں کو (بعضوں پر) مثلاً عورتوں پر ان کے کسی عمل کے دخل کے بغیر (فوقیت بخشی ہے) جیسے مرد ہونا یا مردوں کا دو حصہ ہونا یا ان کی شہادت کا

کامل ہونا وغیرہ (مردوں کے لئے ان کے اختیاری اعمال) کے ثواب (کا حصہ) آخرت میں (ثابت ہے اور عورتوں کے لئے ان کے اختیاری اعمال) کے ثواب (کا حصہ) آخرت میں (ثابت ہے) اور اللہ تعالیٰ کے ضابطہ میں نجات کا مدار یہی اختیاری وکسبی اعمال ہیں اور ان میں کسی کی تخصیص نہیں تو اگر دوسروں سے فوقیت حاصل کرنے کا شوق ہے تو اعمال میں جو کہ آدمیوں کے کسب سے ہیں کوشش کر کے دوسروں سے زیادہ ثواب حاصل کرلو۔ ان سے ہٹ کر مخصوص فضائل کی تمنا کرنا فضول ہے (اور) اگر وہبی فضائل میں ایسے فضائل کی رغبت ہے جن میں اعمال کو بھی دخل ہے مثلاً باطنی احوال وکمالات وغیرہ تو مضائقہ نہیں لیکن اس کا طریقہ بھی یہ نہیں کہ خالی تمنائیں کیا کرو بلکہ یہ چاہئے کہ (اللہ تعالیٰ سے اس کے) خاص (فضل کی درخواست) یعنی دعا (کیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) اس میں سب چیزیں آگئیں، یعنی وہبی فضائل کی قسم اول کی وجہ تخصیص بھی اور کسبی فضائل پر ثواب دینا بھی اور وہبی فضائل قسم دوم کی درخواست بھی۔ پس یہ جملہ سب کے متعلق ہے۔

فائدہ: 1 بَعْضُكُمْ عَلٰى بَعْضٍ کے عموم میں صرف مرد بھی داخل ہیں لہذا کسی مرد کے لئے نبوت وغیرہ کی تمنا بھی اس ممانعت میں داخل ہے۔

2: کسی کو شبہ ہو کہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسبی فضائل میں مرد وعورت دونوں مساوی ہیں حالانکہ حدیث میں تصریح ہے کہ عورتوں کی نماز وغیرہ جو کہ کسبی فضائل میں سے ہے ان میں حیض و نفاس کی وجہ سے نقصان و کمی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ مساوات اس معنی میں ہے کہ عمل کرنے پر دونوں کو برابر کا ثواب ملتا ہے اور تفاوت اس معنی میں ہے کہ اپنے اختیار کے بغیر عورتوں میں عمل آنے سے مانع ایک عارض ہے جس کی وجہ سے عمل کم ہوتا ہے لیکن جب عمل ہوتا ہے تو ثواب برابر کا ملتا ہے۔

ربط: میراث ہی کا ایک اور حکم ذکر ہوا۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا

مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۗ وَالَّذِيْنَ عَقَدَتْ اَيْمَانُكُمْ

فَاٰتُوْهُمْ نَصِيْبَهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدًا ﴿۳۳﴾

ترجمہ: اور ہر ایسے مال کے لئے ہم نے مقرر کردیئے ہیں وارث جس کو کہ چھوڑ مریں ماں باپ اور قرابت والے۔ اور جن سے بندھے ہوئے ہیں عہد تمہارے تم دیدو ان کو ان کا حصہ بے شک اللہ ہر چیز پر مطلع ہے۔

تفسیر: (اور ہر ایسے مال کے لئے جس کو والدین اور) دوسرے (رشتہ دار لوگ) اپنے مرنے کے بعد (چھوڑ جائیں ہم نے وارث مقرر کر دیئے ہیں۔ اور جن لوگوں سے تمہارے عہد) پہلے سے (بندھے ہوئے ہیں) ان کو مولی الموالات کہتے ہیں (ان کو) اب جبکہ شریعت نے رشتہ دار لوگ وارث مقرر کر دیئے ساری میراث مت دو بلکہ صرف (ان کا حصہ) یعنی چھٹا دیدو (بیشک اللہ تعالیٰ ہر چیز پر مطلع ہیں) پس ان کو ساری میراث نہ دینے کی حکمت اور چھٹا حصہ مقرر کر دینے کی مصلحت اور یہ کہ یہ چھٹا ان کو کون دیتا ہے کون نہیں دیتا ان سب کی ان کو خبر ہے۔

فائدہ: جن دو شخصوں میں باہم اس طرح قول و قرار ہو جائے کہ ہم ایک دوسرے کے اس طرح مددگار رہیں گے کہ اگر ایک شخص کے ذمہ کوئی دیت لازم آئے تو دوسرا اس کا بوجھ اٹھائے اور جب مر جائے تو دوسرا اس کی میراث لے یہ عہد عقد موالات ہے اور ان میں سے ہر شخص مولی الموالات کہلاتا ہے۔ یہ رسم عرب میں اسلام سے پہلے بھی تھی۔ یہ عہد کرتے ہوئے وہ لوگ قسم بھی کھایا کرتے تھے۔

ابتدائے اسلام میں جب تک اکثر مسلمانوں کے رشتہ دار مسلمان نہ ہوئے تھے رسول اللہ ﷺ نے باہم انصار و مہاجرین میں عقد اخوت یعنی بھائی چارا فرمادیا تھا۔ یہ وہی عقد موالات کی صورت تھی۔ اس وقت میں اسی قدیم رسم کے موافق حکم رہا کہ انصار و مہاجرین میں باہم میراث جاری ہوتی تھی۔ پھر جب لوگ بکثرت مسلمان ہو گئے اس میں پہلی ترمیم وہ ہوئی جو اس آیت میں مذکور ہے یعنی مولی الموالات کو چھٹا حصہ اور باقی دیگر وارثوں کو دلایا جاتا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد سورہ احزاب کی آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ سے اس مولی الموالات کا حصہ بالکل ہی منسوخ ہو گیا۔ البتہ اگر کسی کا کسی بھی قسم کا کوئی وارث نہ ہو تو امام ابو حنیفہ کے نزدیک مولی الموالات کو کل میراث ملے گی۔

ربط: آگے مردوں کے حقوق جو عورتوں پر ہیں ان کے مطالبہ کی اجازت اور ان کے فوت کرنے پر تادیب کی اجازت اور حقوق کے متعلق باہم اختلاف ہونے کی صورت میں اس کے تصفیہ کا طریقہ اور اس ضمن میں حقوق ادا کرنے والیوں کی فضیلت بتاتے ہیں۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا

عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿۳۴﴾ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَاۤ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿۳۵﴾

ترجمہ: مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس وجہ سے کہ بڑائی دی اللہ نے ان کے بعض کو بعض پر اور اس وجہ سے کہ خرچ کئے انہوں نے اپنے مال۔ تو جو عورتیں نیک ہیں وہ تابعدار ہیں نگہبانی کرنے والی ہیں پیٹھ پیچھے اللہ کی حفاظت سے۔ اور جو عورتیں کہ تم ڈرتے ہو (یعنی دیکھتے ہو) ان کی کج ادائی سے تو ان کو سمجھاؤ اور جدا کرو ان کو سونے کی جگہوں میں اور مارو ان کو۔ پھر اگر کہا مانیں تمہارا تو مت تلاش کرو ان پر راہ (زیادتی کرنے کی) بیشک اللہ ہے سب سے اوپر بڑا۔ اور اگر تم خوف کرو دونوں کے درمیان آپس کی ضد بازی کا تو بھیجو ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے، اگر یہ دونوں چاہیں گے اصلاح تو موافقت کر دے گا اللہ ان دونوں میں۔ بیشک اللہ ہے سب کچھ جاننے والا خبردار)۔

تفسیر: (مرد حاکم ہیں عورتوں پر) دو وجہ سے ایک تو (اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو) یعنی مردوں کو (بعضوں پر) یعنی عورتوں پر قدرتی (فضیلت دی ہے) یہ تو وہبی اور محض خدادادامر ہے (اور) دوسرے (اس سبب سے کہ مردوں نے) عورتوں پر (اپنے مال) مہر میں اور نان نفقہ میں (خرچ کئے ہیں) اور خرچ کرنے والوں کا ہاتھ اونچا اور بہتر ہوتا ہے اس سے کہ جس پر خرچ کیا جائے اور یہ کسبی چیز ہے (سو جو عورتیں نیک ہیں) وہ مرد کے ان فضائل و حقوق کی وجہ سے (اطاعت کرتی ہیں) اور مرد کی عدم موجودگی میں بھی (بحفاظت) و توفیق (الٰہی اس کی آبرو و مال کی نگہداشت کرتی ہیں اور جو عورتیں) اس صفت کی نہ ہوں، بلکہ (ایسی ہوں کہ تم ان کی کج ادائی دیکھو تو ان کو) اول (زبانی نصیحت کرو اور) نہ مانیں تو (ان کو ان کے لیٹنے کی جگہوں میں تنہا چھوڑ دو) یعنی ان کے پاس مت لیٹو (اور) اس سے بھی نہ مانیں تو (ان کو) اعتدال کے ساتھ (مارو، پھر اگر وہ تمہاری اطاعت کرنا شروع کر دیں تو ان پر) زیادتی کرنے کے لئے (بہانہ) اور موقع (مت ڈھونڈو) کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی رفعت اور عظمت والے ہیں) ان کے حقوق اور قدرت اور علم سب بڑے ہیں۔ اگر تم ایسا کرو گے پھر وہ بھی تم پر اپنے حقوق کے متعلق ہزاروں الزام قائم کر سکتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے حقوق کو کماحقہ تو کوئی بھی ادا نہیں کر سکتا۔ (اور اگر) قرائن سے (تم سرکردہ لوگوں کو ان دونوں میاں بیوی میں) ایسی (کشاکش کا اندیشہ ہو) کہ اس کو وہ باہم نہ سلجھا سکیں

گے (تو تم لوگ ایک آدمی جو تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو مرد کے خاندان سے اور ایک آدمی جو) ایسا ہی (تصفیہ کرنے کی لیاقت رکھتا ہو عورت کے خاندان سے) تجویز کر کے اس کشاکش کو دور کرنے کے لئے ان کے پاس (بھیجو) کہ وہ جا کر تحقیق حال کریں اور جو غلطی پر ہو یا دونوں کا کچھ کچھ قصور ہو سمجھائیں (اگر ان دونوں آدمیوں کو) سچے دل سے معاملہ کی (اصلاح منظور ہو گی تو اللہ تعالیٰ ان میاں بیوی میں) بشرطیکہ وہ خود بھی اصلاح احوال پر آمادہ ہوں اور ان دونوں کی رائے پر عمل بھی کریں (اتفاق فرمادیں گے، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے علم اور بڑے خبر والے ہیں) جس طریق سے ان میں باہم مصالحت ہو سکتی ہے اس کو جانتے ہیں جب دونوں تصفیہ کرنے والوں کی نیت ٹھیک دیکھیں گے وہ طریقہ ان کے قلب میں القاء فرمادیں گے۔

ربط: معلوم ہو چکا ہے کہ اس سورت میں حقوق العباد کا زیادہ اہتمام کیا گیا ہے، شروع سورت سے یہاں تک عام انسانی حقوق کی اہمیت کا اجمالی تذکرہ فرمانے کے بعد یتیموں اور عورتوں کے حقوق کا اہتمام اور ان میں کوتاہی پر سزا و وعید اور اس دنیا میں جو ان دو صنف ضعیف یعنی بچوں اور عورتوں کے ساتھ ظلم روا رکھا گیا اور ظالمانہ رسمیں اختیار کی گئیں ان کی اصلاح کا اور پھر وراثت کے حقوق کا بیان آیا ہے، اس کے بعد والدین اور دوسرے رشتہ داروں اور تعلق داروں اور پڑوسیوں اور عام انسانوں کے حقوق کا کچھ تفصیلی بیان آ رہا ہے اور چونکہ ان حقوق کو پورے طور پر وہی شخص ادا کر سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ اور رسولؐ اور قیامت کے ساتھ عقیدہ درست رکھتا ہو نیز بخل، کبر اور ریاء سے بھی بچتا ہو، کیونکہ یہ باتیں بھی حقوق کی ادائیگی میں مانع ہوتی ہیں، اس لئے ان آیات میں توحید اور ترغیب و ترہیب کے کچھ مضامین ارشاد فرمائے اور شرک، انکار قیامت، عصیان رسولؐ اور بخل وغیرہ اخلاق ذمیمہ کی مذمت بھی ذکر فرمائی۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۝۳۶ ۙ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝۳۷ ۚ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ

بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَآءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾

ترجمہ: اور بندگی کرو اللہ کی اور شریک نہ کرو اس کے ساتھ کسی کو اور ماں باپ کے ساتھ نیکی کرو اور قرابت والوں کے ساتھ اور یتیموں اور فقیروں اور ہمسایہ پاس والے اور ہمسایہ دور والے اور پاس بیٹھنے والے اور مسافر کے ساتھ اور ان کے ساتھ جن کے مالک بنے تمہارے داہنے ہاتھ۔ بیشک اللہ پسند نہیں کرتا اس کو جو اپنے کو بڑا سمجھتا ہو اور جو شیخی کرنے والا ہو۔ جو کہ بخل کرتے ہیں اور سکھاتے ہیں لوگوں کو بخل اور چھپاتے ہیں جو ان کو دیا اللہ نے اپنے فضل سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے ناشکروں کے لئے عذاب توہین آمیز۔ اور وہ لوگ جو خرچ کرتے ہیں اپنے مال لوگوں کے دکھانے کو اور ایمان نہیں لاتے اللہ پر اور نہ قیامت کے دن پر اور جن کا ساتھی ہوا شیطان تو وہ بہت برا ساتھی ہے

تفسیر: (اور تم اللہ کی عبادت اختیار کرو) اس میں توحید بھی آگئی (اور اس کے ساتھ کسی چیز کو) خواہ وہ انسان ہو یا غیر انسان عبادت میں یا اس کی خاص صفات مثلاً علم محیط اور قدرت عامہ وغیرہ کے اعتقاد میں (شریک مت کرو اور) اپنے (والدین کے ساتھ اچھا معاملہ کرو اور) دوسرے (اہل قرابت کے ساتھ بھی اور یتیموں کے ساتھ بھی اور غریب غرباء کے ساتھ بھی، اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور ہم مجلس کے ساتھ بھی) خواہ وہ مجلس دائمی ہو جیسے طویل سفر کی رفاقت اور ایک جگہ کی ملازمت یا تجارت میں شرکت ہو یا عارضی ہو جیسے چھوٹا سفر یا اتفاقی جلسہ میں شرکت (اور راہ گیر کے ساتھ بھی) خواہ وہ تمہارا خاص مہمان ہو یا نہ ہو (اور ان) غلام لونڈیوں (کے ساتھ بھی جو) شرعاً (تمہارے مالکانہ قبضہ میں ہیں) غرض ان سب سے خوش معاملگی کرو جس کی تفصیل شرع نے دوسرے موقع پر بتادی ہے۔ اور جو لوگ ان حقوق کو ادا نہیں کرتے اکثر اس کے کئی سبب ہیں یا تو ان کے مزاج میں تکبر ہے، کہ کسی کو خاطر میں نہیں لاتے اور کسی کی طرف التفات ہی نہیں کرتے یا ان کی طبیعت میں بخل غالب ہے کہ کسی کو دیتے دلاتے جان نکلتی ہے یا ان کو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ اعتقاد نہیں کہ آپؐ کے احکام کو اور ادائے حقوق کے ثواب کے وعدوں کو اور اتلاف حقوق کے عذاب کی وعیدوں کو صحیح نہیں سمجھتے اور یہ کفر ہے، یا ان کی عادت نمائش اور نام و نمود کی ہے اس لئے جہاں نمود ہو وہاں دیتے دلاتے ہیں گو حق نہ ہو، اور جہاں نمود نہ ہو وہاں ہمت نہیں ہوتی گو حق ہو، یا ان کو سرے سے خدا تعالیٰ ہی کے ساتھ عقیدہ نہیں، یا وہ قیامت کے قائل نہیں اور یہ بھی کفر ہے، اس لئے اسی ترتیب سے جو ان امور کا انفراداً یا

اجتماعاً ارتکاب کرتے ہیں ان کا حال بھی سن لو کہ (بیشک اللہ تعالیٰ ایسے شخصوں سے محبت نہیں رکھتے جو) دل میں (اپنے کو بڑا سمجھتے ہیں) زبان سے (شیخی کی باتیں کرتے ہیں، جو کہ بخل کرتے ہوں اور دوسرے لوگوں کو بھی بخل کی تعلیم کرتے ہوں) خواہ زبان سے یا اس طرح سے کہ ان کو دیکھ کر دوسرے بھی بخل سیکھتے ہیں۔ اور وہ اس چیز کو پوشیدہ رکھتے ہوں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے دی ہے) اس سے مراد یا تو مال و دولت ہے جب کہ حفاظت وغیرہ کی مصلحت کے بغیر محض بخل کی وجہ سے چھپائے تاکہ اہل حقوق ان سے توقع ہی نہ کریں یا مراد علم دین ہے کہ یہود اخبار رسالت کو چھپایا کرتے تھے۔ پس بخل بھی عام ہو جائے گا اور اس میں مال کے بخیل و منکرین رسالتؐ دونوں آگئے (اور ہم نے ایسے ناسپاسوں کے لئے) جو نعمت مال یا نعمت بعثت رسولؐ کی حق شناسی نہ کریں (اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے۔ اور جو لوگ کہ اپنے مالوں کو لوگوں کو دکھانے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن) یعنی قیامت کے دن (پر اعتقاد نہیں رکھتے) ان کا بھی یہی حال ہے کہ اللہ تعالیٰ کو ان سے محبت نہیں (اور) بات یہ ہے کہ (شیطان جس کا مصاحب ہو جیسا ان مذکور لوگوں کا ہوا ہے (تو وہ اس کا برا مصاحب ہے) کہ ایسا مشورہ دیتا ہے جس میں انجام کار سخت ضرر ہو۔

فائدہ: یہ اہل حقوق اگر کافر بھی ہوں تب بھی ان کے ساتھ احسان کرے البتہ مسلمان کا حق اسلام کی وجہ سے ان سے زائد ہوگا۔

ربط: ماقبل کی آیات میں انکار خدا، انکار آخرت اور بخل وغیرہ کی مذمت مذکور تھی اب اگلی آیات میں خدا و آخرت پر ایمان اور انفاق فی سبیل اللہ کی ترغیب مذکور ہے، اور آخر میں میدان حشر کی ایک حالت کا بیان کر کے ان لوگوں کو انجام بد سے ڈرایا گیا ہے جو ایمان نہیں لاتے اور نہ نیک عمل کرتے ہیں اور چونکہ انجام بد کی اصل علت معصیت کا ممنوع ہونا ہے اس لئے وہ لوگ جو اگرچہ مسلمان ہیں لیکن کبر، بخل اور دیگر معاصی میں مبتلا ہیں ان کے لئے بھی ڈراوا ہے۔

وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِيْمًا ﴿۳۹﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۚ وَاِنْ تَكُ حَسَنَةً يُّضٰعِفْهَا وَيُؤْتِ مِنْ لَّدُنْهُ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۴۰﴾ فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ ۭ بِشَهِيْدٍ وَّجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰٓؤُلَاۗءِ شَهِيْدًا ﴿۴۱﴾ يَوْمَىِٕذٍ يَّوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ

لَوْ تُسَوّٰى بِهِمُ الْاَرْضُ ؕ وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا ؑ﴿۴۲﴾

ترجمہ: اور کیا نقصان ہو گا ان کا اگر ایمان لائیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر اور خرچ کرتے رہیں اس میں سے جو دیا ان کو اللہ نے اور اللہ ان سے خوب باخبر ہے۔ بیشک اللہ ظلم نہیں کرے گا ذرہ کے وزن برابر بھی۔ اور اگر ہو ایک نیکی تو کئی گنا کر دے گا اس کو اور دے گا اپنے پاس سے بڑا ثواب۔ پھر کیا حال ہو گا جب لائیں گے ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ اور لائیں گے تجھ کو ان لوگوں پر گواہ، اس دن آرزو کریں گے وہ لوگ جو کافر ہوئے تھے اور رسول کی نافرمانی کی تھی کاش کہ برابر کر دیا جائے ان کے ساتھ زمین کو اور نہ چھپا سکیں گے اللہ سے کوئی بات۔

تفسیر: (اور ان پر کیا مصیبت نازل ہو جائے گی اگر وہ لوگ اللہ تعالیٰ پر اور آخری دن) یعنی قیامت (پر ایمان لے آئیں اور اللہ تعالیٰ نے جو ان کو دیا ہے اس میں سے کچھ) اخلاص کے ساتھ (خرچ کرتے رہا کریں) یعنی کچھ بھی ضرر نہیں ہر طرح نفع ہی نفع ہے (اور اللہ تعالیٰ ان) کے نیک و بد (کو خوب جانتے ہیں) پس ایمان و انفاق پر ثواب دیں گے اور کفر وغیرہ پر عذاب کریں گے (بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایک ذرہ کے وزن برابر بھی ظلم نہ کریں گے) کہ کسی کا ثواب مار لیں یا بے وجہ عذاب دینے لگیں جو کہ بظاہر ظلم ہے (اور) بلکہ وہ تو ایسے رحیم ہیں کہ (اگر ایک نیکی ہو گی تو اس کو کئی گنا کر کے ثواب دیں گے)، جیسا کہ دوسری آیت میں وعدہ مذکور ہے (اور) اس موعود ثواب کے علاوہ (اپنے پاس سے) بطور انعام (اجر عظیم) الگ (دیں گے۔ سو اس وقت بھی کیا حال ہو گا جب ہم ہر امت میں سے ایک ایک گواہ کو حاضر کریں گے اور آپ کو ان لوگوں پر) جن کا آپ سے سابقہ ہوا ہے (گواہی دینے کے لئے حاضر کریں گے) یعنی جن لوگوں نے خدائی احکام دنیا میں نہ مانے ہوں گے، ان کے مقدمہ کی پیشی کے وقت بطور سرکاری گواہ کے انبیاء علیہم السلام کے بیانات سنے جائیں گے، جو جو معاملات انبیاءؑ کی موجودگی میں پیش آئے تھے سب ظاہر کر دیں گے۔ اس شہادت کے بعد ان مخالفین پر جرم ثابت ہو کر سزا دی جائے گی۔ اوپر فرمایا تھا کہ اس وقت کیا حال ہو گا، آگے اس حال کو خود بیان فرماتے ہیں کہ (اس روز) یہ حال ہو گا کہ (جن لوگوں نے) دنیا میں (کفر کیا ہو گا اور رسول کا کہنا نہ مانا ہو گا وہ اس بات کی آرزو کریں گے کہ کاش) اس وقت (ہم زمین کے پیوند ہو جائیں) تا کہ اس رسوائی اور آفت سے محفوظ رہیں (اور) گواہی کے علاوہ خود وہ اقراری مجرم بھی ہوں گے کیونکہ (اللہ تعالیٰ سے کسی بات کا) جو ان سے دنیا میں صادر ہوئی تھی (اخفاء نہ کر سکیں گے) پس دونوں طرح سے فرد جرم ان پر لگا دی جائے گی۔

ربط: شروع سورت میں بیان ہوا تھا کہ اس سورت میں تین قسم کے مضامین مذکور ہیں یعنی باہمی

معاملات، دیانات اور مخالفین کے ساتھ معاملات۔ اوپر اکثر معاملات باہمی کے متعلق احکام ذکر ہوئے۔ آگے دیانات یعنی بندے اور اللہ کے مابین معاملات سے متعلق بعض احکام بیان کرتے ہیں۔

شان نزول: ترمذی میں حضرت علیؓ کا یہ واقعہ مذکور ہے، کہ شراب کی حرمت سے پہلے ایک دفعہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ نے بعض صحابہ کرام کی دعوت کر رکھی تھی جس میں مے نوشی کا بھی انتظام تھا، جب یہ سب حضرات کھاپی چکے تو مغرب کی نماز کا وقت ہو گیا اور حضرت علیؓ کو امام بنادیا گیا ان سے نماز میں قُلْ یٰاَیُّهَا الْكٰفِرُوْنَ کی تلاوت میں نشہ کی وجہ سے سخت غلطی ہو گئی، اس پر یہ آیت نازل ہوئی جس میں تنبیہ کر دی گئی کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھی جائے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا (۴۳)

ترجمہ: اے ایمان والو نزدیک نہ جاؤ نماز کے اس حال میں کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ سمجھنے لگو جو کہتے ہو اور نہ اس وقت کہ تم جنبی ہو مگر راہ سفر چلتے ہوئے یہاں تک کہ تم غسل کر لو اور اگر تم مریض ہو یا سفر میں ہو یا آیا ہے تم میں سے کوئی شخص جائے ضرورت سے یا قربت کی ہو تم نے عورتوں سے پھر نہ پایا تم نے پانی تو ارادہ کرو پاک زمین کا پھر ملو اپنے منہ کو اور ہاتھوں کو۔ بیشک اللہ ہے معاف کرنے والا بخشنے والا۔

تفسیر: (اے ایمان والو تم نماز کے پاس بھی ایسی حالت میں مت جاؤ) یعنی ایسی حالت میں نماز مت پڑھو (کہ تم نشہ میں ہو یہاں تک کہ تم سمجھنے لگو کہ منہ سے کیا کہتے ہو) اس وقت تک نماز مت پڑھو، مطلب یہ ہے کہ ادائے نماز تو اپنے اوقات میں فرض ہے اور یہ حالت ادائے نماز کے منافی ہے، لہذا اوقات نماز میں نشہ کا استعمال مت کرو کہ کہیں تمہارے منہ سے نماز میں کوئی کلمہ غلط نہ نکل جائے (اور حالت جنابت میں بھی) نماز کے پاس مت جاؤ یعنی جب کہ غسل فرض ہو (باستثناء تمہارے مسافر ہونے کی حالت کے) کہ اس وقت پانی نہ ملے تو تیمم کر لو اس کو بطور تمہید ذکر کیا۔ آگے تیمم کا حکم تفصیل سے ذکر

کیا۔ (یہاں تک کہ غسل کرلو) یعنی غسل جنابت صحت نماز کی شرط ہے تیمم کے حکم کے تفصیل یہ ہے کہ (اور اگر تم) کچھ عذر رکھتے ہو مثلاً (بیمار ہو) اور پانی کا استعمال مضر ہو (یا حالت سفر میں ہو) اور پانی نہیں ملتا، جیسا آگے آتا ہے تو ان دونوں عذروں سے تیمم کی اجازت ہوتی ہے اور تیمم کا جواز کچھ انہی مذکور عذروں یعنی سفر و مرض کے ساتھ خاص نہیں بلکہ خواہ تم کو خاص یہ عذر ہوں (یا) یہ کہ عذر خاص نہ ہوں یعنی نہ تم مریض ہو نہ مسافر، بلکہ ویسے ہی کسی کا وضو یا غسل ٹوٹ جائے اس طرح سے کہ مثلاً (تم میں سے کوئی شخص) پیشاب یا پاخانہ کی (ضرورت سے) فارغ ہو کر (آیا ہو) جس سے وضو ٹوٹ جاتا ہے (یا تم نے بیویوں سے قربت کی ہو) جس سے غسل ٹوٹ جاتا ہے اور (پھر) ان ساری صورتوں میں (تم کو پانی) کے استعمال کا موقع (نہ ملے) خواہ تو اس وجہ سے کہ مرض میں اس سے ضرر ہوتا ہو خواہ اس لئے کہ وہاں پانی ہی موجود نہیں یا پانی نکالنے کا کچھ سامان نہیں خواہ سفر ہو یا نہ ہو (تو) ان سب حالتوں میں (تم پاک زمین سے تیمم کرلیا کرو) یعنی اس زمین پر دو بار ہاتھ مار کر (اپنے چہروں اور ہاتھوں پر ہاتھ پھیر لیا کرو، بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے بخشنے والے ہیں) اور جس کی ایسی عادت ہوتی ہے وہ آسان حکم دیا کرتا ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے ایسے ایسے آسان حکم دیدیئے کہ تم کو تکلیف و تنگی نہ ہو۔

فائدہ: اس آیت کے شروع کا حکم اس وقت تھا جب شراب حلال تھی۔ پھر شراب حرام ہو گئی نہ نماز کے وقت درست ہے نہ غیر نماز کے وقت۔

ربط: آگے مخالفین کے ساتھ معاملات کا ذکر فرماتے ہیں۔ اس کے تحت یہود کے مکر و فریب اور دیگر قباحتیں ذکر کرتے ہیں تاکہ مسلمان ان سے بچیں اور ان سے دوستی نہ رکھیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۤ وَّ كَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّۢا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِي الدِّيْنِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دیئے گئے بڑا حصہ کتاب سے خریدتے ہیں گمراہی اور چاہتے ہیں کہ تم بھی بھٹک جاؤ راہ سے اور اللہ خوب جانتا ہے تمہارے دشمنوں کو اور اللہ کافی ہے رفیق اور اللہ کافی ہے مددگار۔ یہ ان میں سے ہیں جو یہودی ہوئے پھیرتے ہیں بات کو اس کے مواقع سے اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نہ مانا اور کہتے ہیں کہ سن نہ سنایا جائے اور کہتے ہیں رَاعِنَا موڑتے ہوئے اپنی زبانوں کو اور عیب لگانے کو دین میں اور اگر وہ کہتے کہ ہم نے سنا اور مانا اور سن اور ہم پر نظر کر تو بہتر ہوتا ان کے حق میں اور درست ہوتا لیکن لعنت کی ان پر اللہ نے بسبب ان کے کفر کے سو وہ ایمان نہیں لاتے مگر تھوڑے سے۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) یعنی دیکھنے کے قابل ہیں دیکھو تو تعجب کرو (جن کو کتاب) الٰہی یعنی توریت کے علم (کا ایک بڑا حصہ ملا ہے) یعنی توریت کا علم رکھتے ہیں اس کے باوجود ان کی یہ حالت ہے (کہ وہ لوگ گمراہی) یعنی کفر (کو اختیار کر رہے ہیں اور) خود تو گمراہ ہوئے ہی تھے مگر وہ (یوں چاہتے ہیں کہ تم) بھی (راہ) راست (سے) علیحدہ ہو کر (بے راہ ہو جاؤ) اور اس کے لئے طرح طرح کی تدبیریں کرتے ہیں جیسا کہ تیسرے پارہ کے آخر اور چوتھے کے شروع میں کچھ ذکر ہو بھی چکا ہے (اور) تم کو اگر ان لوگوں کی اب تک خبر نہ ہو تو کیا ہوا (اللہ تعالیٰ) تو (تمہارے) ان (دشمنوں کو خوب جانتے ہیں) اس لئے تم کو بتا دیا سو تم ان سے بچتے رہو (اور) ان کی مخالفت کا حال سن کر زیادہ فکر میں بھی نہ پڑ جانا، کیونکہ (اللہ تعالیٰ) تمہارا (کافی رفیق ہے) کہ تمہاری مصلحتوں کی رعایت رکھے گا (اور اللہ تعالیٰ) تمہارے لئے (کافی مددگار ہے) کہ ان کی مضرتوں سے تمہاری حفاظت کرے گا۔ اور (یہ لوگ) جن کا ذکر ہو چکا ہے (یہودیوں میں سے ہیں) اور ان کا گمراہی کو اختیار کرنا جو اوپر آ چکا ہے یہ ہے کہ (کلام) الٰہی یعنی توریت (کو اس کے مواقع) اور محل (سے) لفظاً یا معنی کے اعتبار سے (دوسری طرف پھیر دیتے ہیں اور) ان کی ایک اور گمراہی جس میں دھوکہ سے دوسرے سادہ ذہن شخص کا پھنس جانا بھی ممکن ہے یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے بات چیت کرتے وقت (یہ کلمات کہتے ہیں) جو آگے مذکور ہیں۔ ان کلمات کے دو دو معنی ہیں ایک اچھے ایک برے۔ کسی مسلمان کا دھوکہ میں آکر بعض ایسے ہی کلمات سے نبی ﷺ کو خطاب کرنا بعید نہ تھا۔ اس اعتبار سے یہود کا ان کلمات کو کہنا ایک گونہ دوسرے کو گمراہ کرنا بھی ہے اگرچہ الفاظ ہی میں سہی۔ ان کلمات میں سے ایک یہ ہے (سَمِعْنَا وَ عَصَيْنَا) اس کا ترجمہ تو یہ ہے کہ ہم نے سن لیا اور مانا نہیں۔ اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ آپ کا ارشاد سن لیا اور آپ کے کسی مخالف کا قول جو ہم کو بہکاتا تھا نہیں مانا جب کہ برا مطلب یہ ہے کہ ہم نے آپ کی بات سن تو لی مگر ہم عمل نہیں کریں گے (اور)

دوسرا کلمہ یہ ہے (اِسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ) اس کا ترجمہ یہ ہے کہ تم ہماری بات سنو اور خدا کرے تم کو کوئی بات سنائی نہ جائے۔ اس کا اچھا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی مخالف اور تکلیف دہ بات نہ سنائی جائے بلکہ آپ کی بات سن کر سب اس کے جواب میں موافق بات ہی سنائیں اور برا مطلب یہ ہے کہ تم کو کوئی موافق اور مسرت بخش بات نہ سنائی جائے اور اپنی ہر بات کے جواب میں مخالف بات ہی سننی پڑے (اور) تیسرا کلمہ یہ ہے (راعنا) اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے کہ اس کے اچھے معنی یہ ہیں کہ ہماری رعایت کیجئے اور برے معنی یہ ہیں کہ یہود کی لغت میں یہ گالی تھی۔ غرض ان کلمات کو اس طور پر کہتے ہیں کہ (اپنی زبانوں کو) تحقیر کے لہجہ سے توقیر کے لہجہ کی طرف (پھیر کر اور) دل سے (دین میں طعنہ زنی) اور تحقیر ہی (کی نیت سے) وجہ یہ ہے کہ نبی کے ساتھ طعن واستہزاء خود دین کے ساتھ طعن و تمسخر ہے (اور اگر یہ لوگ) ان ذو معنیین الفاظ کے بجائے (یہ کلمات کہتے) یعنی بجائے سَمِعۡنَا وَ عَصَیۡنَا کے (سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا) یعنی ہم نے سن لیا اور مان لیا (اور) بجائے اِسۡمَعۡ غَیۡرَ مُسۡمَعٍ کے صرف اِسۡمَعۡ یعنی آپ سن لیجئے (اور) بجائے رَاعِنَا کے (اُنۡظُرۡنَا) یعنی ہماری مصلحت پر نظر فرمایئے کہتے (تو یہ بات ان کے لئے بہتر) اور نافع بھی (ہوتی اور) حقیقت میں بھی (موقع کی بات تھی مگر) انہوں نے تو ایسے نفع اور موقع کی بات کہی ہی نہیں، بلکہ وہی بے ہودہ بات بکتے رہے، اسلئے ان کو یہ تکلیف پہنچی کہ (ان کو خدا تعالیٰ نے ان کے کفر کے سبب) جس میں یہ کلمات بھی آگئے اور ان کے دیگر سب اقوال و افعال کفر یہ بھی داخل ہو گئے، پس ان سب کفریات کے سبب اللہ تعالیٰ نے ان کو (اپنی رحمت) خاصہ (سے دور پھینک دیا اب وہ ایمان نہ لائیں گے ہاں مگر تھوڑے سے آدمی) اس وجہ سے کہ وہ چند لوگ ایسی حرکتوں سے دور رہے اس لئے وہ رحمت خاصہ سے دوری سے مستثنیٰ ہیں اور وہ ایمان بھی لے آئے جیسے عبداللہ بن سلام وغیرہ۔

فائدہ: 1 یہ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ انہی لوگوں کے بارے میں فرمایا جو علم الٰہی میں کفر پر مرنے والے تھے۔

2 یہ جو فرمایا ہے کہ ان دوسرے کلمات کا کہنا بہتر ہوتا، اگر اس کے ساتھ ایمان لانے کا بھی اعتبار کیا جائے تب تو بہتر ہونا ظاہر ہے کہ اعمال صالحہ پر مومن کو آخرت میں ثواب ملے گا۔ اور اگر اس کی قید نہ لگائی جائے تب بہتر ہونا دنیا کے اعتبار سے ہے کہ تہذیب و شائستگی اچھی چیز ہے اور اگر آخرت کے اعتبار سے لیا جائے تو باعتبار ثواب کے نہیں بلکہ باعتبار تخفیف عذاب کے ہے کیونکہ قرآن وحدیث سے یہ بات یقیناً معلوم ہے کہ باہم کفار کے عذاب میں تفاوت ہوگا۔

ربط: اوپر یہود کی تحریف و تمسخر کا بیان ہوا جو کہ کفر ہے اس کی مناسبت سے آگے ان کو خطاب کر کے ایمان و تصدیق کا حکم فرماتے ہیں اور خلاف ورزی پر ڈراتے ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿۴۷﴾

ترجمہ: اے وہ لوگو جو دیئے گئے ہو کتاب ایمان لاؤ اس پر جو ہم نے نازل کی ایسی حالت پر کہ تصدیق کرنے والی ہے اس کتاب کی جو تمہارے پاس ہے پہلے اس سے کہ ہم مٹاڈالیں بہت سے چہروں کو اور الٹ دیں (یعنی بنادیں) ان کو ان کی پشت کی طرح یا لعنت کریں ان پر جیسے ہم نے لعنت کی ہفتہ کے دن والوں پر اور اللہ کا حکم تو پورا ہو کر ہی رہتا ہے۔

تفسیر: (اے لوگو جو کتاب) توریت (دیئے گئے ہو تم اس کتاب) یعنی قرآن (پر ایمان لاؤ جس کو ہم نے نازل فرمایا ہے) اور تم کو اس پر ایمان لانے سے وحشت نہ ہونی چاہئے کیونکہ ہم نے اس کو (ایسی حالت پر) نازل فرمایا (کہ وہ سچا بتاتی ہے اس کتاب کو جو تمہارے پاس ہے) یعنی تمہاری اصل کتاب کی وہ تصدیق کرتی ہے، باقی تحریف کا حصہ اس سے الگ ہے، سو تم قرآن پر (اس) ممکن بات کے ہونے (سے پہلے پہلے) ایمان لے آؤ (کہ ہم) تمہارے (چہروں) کے نقش و نگار یعنی آنکھ ناک وغیرہ (کو بالکل مٹاڈالیں اور ان) چہروں (کو ان کی الٹی جانب) یعنی گدی (کی طرح) صفاچٹ (بنادیں یا ان) ایمان نہ لانے والوں (پر ہم ایسی) خاص طور کی (لعنت کریں جیسی لعنت ان ہفتہ والوں پر کی تھی) جو یہود میں گذر چکے ہیں جن کا ذکر سورہ بقرہ میں آچکا ہے، یعنی ان کی طرح ان کی بھی بندر کی شکل بنادیں (اور اللہ تعالیٰ کا) جو (حکم) صادر ہو جاتا ہے وہ (پورا ہی ہو کر رہتا ہے) سو اللہ تعالیٰ تمہارے ایمان نہ لانے پر اگر اس مسخ کا حکم کر دیں گے تو یہ ضرور ہی ہو جائے گا، لہٰذا تم کو ڈرنا چاہئے اور ایمان لے آنا چاہئے۔

فائدہ: یہاں اس سوال کا موقع نہیں کہ یہ طمس و مسخ کب ہوا کیونکہ قرآن میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس سے معلوم ہو کہ اگر ایمان نہ لاؤ گے تو طمس و مسخ کا عذاب ضرور واقع ہو گا بلکہ حاصل صرف اتنا ہے کہ اپنے جرم عظیم پر اس خاص قسم کے عذاب کے مستحق ہیں اور اگر اللہ تعالیٰ عذاب نہ دیں تو یہ ان کی رحمت ہے۔

ربط: کوئی یہ خیال کرے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے شاید آخرت میں کافروں اور مشرکوں کی مغفرت ہو ہی جائے تو بتایا کہ ہم نے اپنی قدرت اور اختیار سے یہ ضابطہ طے کر رکھا ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿۴۸﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نہیں بخشے گا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے اس کے ساتھ اور بخشے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کا اس نے افتراء کیا بڑا گناہ۔

تفسیر: (بے شک اللہ تعالیٰ اس بات کو نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے) جب کہ اسی حال میں موت آجائے اور توبہ نہ کی ہو (اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں) خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ (جس کے لئے منظور ہوگا) بلا سزا (وہ گناہ بخش دیں گے اور) شرک کے نہ بخشنے کی وجہ یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ) کسی کو (شریک ٹھہراتا ہے وہ بڑے جرم کا مرتکب ہوا) جو اپنے عظیم ہونے کی وجہ سے قابل مغفرت نہیں۔

فائدہ: شرک کے دو درجے ہیں۔ ایک اللہ تعالیٰ کی الوہیت یعنی خدائی میں کسی کو شریک ٹھہرانا۔ دوسرے خدائی میں تو شریک نہ ٹھہرائے لیکن کچھ چیزیں کہ ان کا اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہونا قرآن و حدیث کے دلائل سے ثابت ہے ان میں دوسرے کو شریک کرنا۔ پہلے درجہ کا شرک تو کبھی بھی معاف نہ ہوگا کیونکہ وہ حقیقی شرک ہے کہ خدا کی خدائی میں شریک ٹھہرایا ہے اور چونکہ اس کے مرتکب نے خدا کو اس طرح نہیں مانا جیسے ماننا چاہئے تھا اس لئے یہ خدا کو نہ ماننے کے مترادف ہوا اور یہ شخص کافر ٹھہرا۔ اس درجہ کو ہم کفریہ شرک کا نام دیتے ہیں۔

دوسرے درجہ میں چونکہ حقیقتاً خدائی میں شریک نہیں ٹھہرایا اس لئے اس کا مرتکب کافر نہیں اور اس کو دائمی عذاب نہ ہوگا لیکن چونکہ شرک تو ہے کہ اللہ تعالیٰ کی خصوصیات میں شریک ٹھہرایا ہے لہذا اس کے دو اثر ہوں گے۔ ایک تو اس کا مرتکب اہل سنت و جماعت سے خارج ہوگا کیونکہ اس نے ان کے خلاف عقیدہ اختیار کیا ہے۔ دوسرے آیت إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ کے بموجب اگر توبہ کئے بغیر مر گیا تو اس کو اس پر سزا ضرور ہوگی لیکن دائمی نہیں ہوگی اور بالآخر نجات ہو جائے گی۔ اس درجہ کو ہم فسقیہ شرک کا نام دیتے ہیں۔ آگے ان دو درجوں کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

شرک کا پہلا درجہ: کفریہ شرک

اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

1- اللہ تعالیٰ کی ذات میں کسی کو شریک ٹھہرایا جائے مثلاً دو یا زائد خدا ماننا جیسے عیسائی یا مجوسی مانتے ہیں۔

2- جو صفات اللہ تعالیٰ کے لئے مخصوص ہیں ان میں کسی کو شریک ٹھہرانا مثلاً۔

i- اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب میں شریک ٹھہرانا

یعنی کسی بندے کے لئے وہ صلاحیت ماننا جس سے وہ کسی بھی بات کو کسی بھی واسطہ اور ذریعہ کے بغیر

جان سکے پھر خواہ یہ عقیدہ ہو کہ اس بندے کو وہ صلاحیت از خود حاصل ہے یا اللہ تعالیٰ کی عطا سے حاصل ہے۔

ii-اللہ تعالیٰ کی صفت قدرت و تصرف میں شریک ٹھہرانا

ا۔یہ عقیدہ ہو کہ کسی مخلوق کو نفع یا نقصان پہنچانے کی قدرت از خود حاصل ہے۔

ب۔یا یہ عقیدہ ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کسی خاص مقرب بندے کو نفع و ضرر پہنچانے کی مستقل قدرت عطا فرمادی ہے اور وہ مقرب اپنے معتقد یا مخالف کو نفع یا ضرر پہنچا سکتا ہے اس طرح سے کہ کوئی سا بھی نفع یا ضرر پہنچانے میں وہ اللہ تعالیٰ کی مرضی اور مشیت کا محتاج نہیں اگرچہ اللہ تعالیٰ روکنا چاہیں تو پھر اللہ تعالیٰ ہی کی قدرت غالب ہو گی جیسے کوئی حاکم اعلیٰ اپنے نائبین کو خاص اختیارات اس طرح دے دیتا ہے کہ ان کے اجراء کے وقت حاکم اعلیٰ کی منظوری نہیں لی جاتی اگرچہ حاکم اعلیٰ روکنا چاہے تو پھر اسی کا حکم غالب رہے گا۔

iii-اللہ تعالیٰ کی صفت معبودیت میں شریک ٹھہرانا

معبود کہتے ہیں مستحق عبادت کو اور عبادت سے مراد ہے کسی کو انتہائی درجہ کی تعظیم کے قابل سمجھتے ہوئے اس کے سامنے انتہائی درجہ کی عاجزی و ذلت اختیار کرنا اس میں شریک ٹھہرانے کی صورتیں یہ ہیں۔

ا۔ کسی کو اللہ تعالیٰ کی طرح کا انتہائی قابل تعظیم سمجھتے ہوئے اس کے سامنے رکوع و سجود جیسے افعال کرنا جو کہ انتہائی تذلل و عاجزی کے افعال ہیں۔

ب۔جس چیز کی عبادت کافروں میں رائج ہو اور اس کی ذات میں فی الواقع تعظیم کا کوئی پہلو نہ ہو مثلاً بت، صلیب، پیپل کا درخت اور آگ، سورج وغیرہ۔ جب کوئی مسلمان ایسی کسی چیز کو سجدہ کرے تو یہی سمجھا جائے گا کہ وہ اس کی عبادت کر رہا ہے محض تعظیم نہیں کر رہا (کیونکہ اس کی ذات میں فی الواقع تعظیم کا کوئی بھی پہلو نہیں ہے) اور ہم انسان اس کو مشرک و کافر سمجھنے پر مجبور ہوں گے البتہ اگر کسی سجدہ کرنے والے کی قلبی تصدیق اور ایمان میں فی الواقع خلل نہ ہوا ہو اور اس نے عبادت کے طور پر نہیں محض لوگوں کی دیکھا دیکھی یا کسی اور حماقت سے سجدہ کر دیا ہو تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک حقیقی مشرک اور کافر نہ ہو گا بلکہ محض فسقیہ شرک کا مرتکب قرار پائے گا۔

ج۔ کسی غیر اللہ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت سے اس غیر اللہ کا نام لے کر جانور کر ذبح کرے تو یہ بھی کفر ہے۔

شرک کا دوسرا درجہ :فسقیہ شرک

اس کی یہ صورتیں ہیں۔

1- کسی بھی بندے کے لئے ان مغیبات کا علم اللہ تعالیٰ کی عطا سے ماننا جن کے بارے میں قرآن و حدیث میں تصریح ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی ان کو نہیں جانتا مثلاً یہ علم کہ قیامت کب واقع ہوگی۔

2- کسی بندے میں تصرف و قدرت کو اللہ تعالیٰ کی عطا سمجھے اور یہ بھی عقیدہ ہو کہ اس بندے کا کوئی بھی ضرر یا نفع پہنچانا اس حالت میں ہوتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے خاص اس ضرر یا نفع پہنچانے کے ارادے اور مشیت پر موقوف ہے۔

3- رکوع سجدہ وغیرہ افعال عبادت کے ساتھ خاص نہیں بلکہ مخلوق کی تعظیم کے لئے بھی ان کا ہونا ثابت ہے مثلاً قرآن پاک میں ہے کہ فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت آدم علیہ السلام کو سجدہ کیا اور حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے بھائیوں نے سجدہ کیا جو تعظیم کے لئے تھا۔ ہماری شریعت میں کسی مخلوق کے لئے تعظیم کے طور پر بھی سجدہ کرنا بلکہ رکوع کی حد تک جھکنا بھی منع ہے۔ اس لئے کسی مخلوق کو سجدہ وغیرہ کرنا محض ظاہر تعظیم کے طور پر ہو عبادت کے طور پر نہ ہو جیسے کسی کا یہ عقیدہ ہو کہ فلاں بزرگ کو مستقل قدرت تو حاصل نہیں البتہ ان کو اللہ تعالیٰ کے ہاں قرب و قبولیت کا درجہ ملا ہوا ہے اور یہ بزرگ اپنے متوسلین کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں محض سفارش کرتے ہیں اور نفع و ضرر صرف اللہ تعالیٰ ہی پہنچاتے ہیں لیکن ان کی سفارش کبھی رد نہیں ہوتی اور اس سفارش کو حاصل کرنے کے لئے اس بزرگ کی تعظیم کے لئے یہ افعال کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی عبادت کو اس سے برتر سمجھتے ہیں۔

ii- اللہ تعالیٰ کا نام لے کر جانور کو ذبح کیا لیکن کسی بزرگ کی تعظیم کے لئے تاکہ ان بزرگ کی اللہ تعالیٰ کے ہاں سفارش حاصل ہو سکے۔ یہ فسقیہ شرک ہے اور اس سے جانور حرام ہو جائے گا۔

iii- کسی امیر یا بڑے آدمی کے آنے پر اسکی تعظیم کے اظہار کے طور پر جانور ذبح کرنے کا عمل کرنا اگرچہ ذبح کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کا نام لیا ہو۔ اس سے بھی جانور حرام ہو جاتا ہے۔

کسی مہمان کے آنے پر اس کے اکرام کی خاطر جانور ذبح کر کے اس کا گوشت پکانا شرک نہیں ہے۔

4- غیر اللہ کے نام کی نذر و منت کے طور پر بزرگوں کے مزارات پر چڑھاوے چڑھانا جب کہ اس بزرگ کو اللہ تعالیٰ کے ہاں محض سفارشی سمجھے۔

ربط: اوپر یہود کا کفر اور اس پر عدم مغفرت کی وعید کا ذکر ہوا۔ چونکہ یہود اپنے کو اللہ کا مقبول اور خاص مومن اور بخشے بخشائے بتاتے تھے جیسا کہ قرآن میں بھی ان کے ایسے اقوال ہیں نَحۡنُ اَبۡنٰٓؤُا اللّٰہِ وَ

اَحِبَّاءُ ہٗ اس لئے آگے اس کا رد فرماتے ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ يُزَكِّيْ مَنْ يَّشَآءُ وَ لَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَيْفَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰى بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۵۰﴾

ترجمہ: کیا نہیں دیکھا تو نے ان کو جو مقدس بتاتے ہیں اپنے آپ کو بلکہ اللہ ہی مقدس بتاتا ہے جس کو چاہے اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے دھاگہ برابر۔ دیکھ! کیسا باندھتے ہیں اللہ پر جھوٹ اور کافی ہے یہی بات گناہ صریح ہونے کے لئے۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) یعنی وہ لوگ تعجب کے قابل ہیں (جو اپنے کو مقدس بتلاتے ہیں) ان کے بتانے سے کچھ نہیں ہوتا (بلکہ اللہ تعالیٰ جس کو چاہیں مقدس بتادیں) یہ البتہ قابل اعتبار ہے اور اللہ تعالیٰ قرآن میں مومن کو مقدس بتا چکے ہیں، جیسے سورۃ سَبِّحِ اسْمَ میں اُشْقٰی یعنی کافر کے مقابلہ میں مومن کی نسبت فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى پس وہی مقدس ہونگے نہ کہ کفر کرنے والے جن میں یہود بھی شامل ہیں (اور) ان یہود کو قیامت میں اس جھوٹے دعوے کا جس کا سبب کفر کو ایمان سمجھنا ہے، جو سزا ہوگی اس سزا میں (ان پر تاگے کے برابر بھی ظلم نہ ہوگا) یعنی وہ سزا ان کے جرم سے زیادہ نہیں ہے بلکہ ایسے جرم پر ایسی سزا لائق ہے، ذرا (دیکھ تو) اس دعویٰ میں (یہ لوگ اللہ پر کیسی جھوٹی تہمت لگاتے ہیں) کیونکہ جب وہ باوجود کفر کے اللہ کے ہاں مقبول ہونے کے مدعی ہیں تو اس سے صاف لازم آتا ہے کہ کفر اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے، حالانکہ یہ محض تہمت ہے اس لئے کہ تمام شریعتوں میں اللہ تعالیٰ نے اس کی تصریح فرمادی ہے کہ کفر ہمارے نزدیک سخت ناپسند اور مردود ہے (اور یہی بات) کہ خدا پر تہمت لگائی جائے (صریح مجرم ہونے کے لئے کافی ہے) پھر کیا ایسی صریح بڑی بات پر ایسی سزا کچھ ظلم وزیادتی ہے۔

فائدہ: اگر کسی کو یہ شبہ ہو کہ جب اللہ تعالیٰ نے مومن کو مقدس بتایا ہے تو پھر اپنے کو یا دوسرے کو حسن ظن سے مقدس کہنے سے شریعت میں کیوں ممانعت ہے۔ جواب یہ ہے کہ ممانعت تین وجہ سے ہے:۔

1- اکثر اپنی مدح وتعریف کا منشا تکبر ہوتا ہے تو حقیقت میں ممانعت تکبر سے ہوئی۔

2- خاتمہ کا حال اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے کہ تقدس اور نیکی پر ہوگا یا نہیں بندے کو نہیں معلوم اور

آخرت میں اعتبار خاتمہ کی حالت کا ہے لہذا ایسی بات کا دعوی کرنا جو معلوم نہیں باقی بھی رہے یا نہیں غیر معقول ہے۔ اگر مذکورہ وجوہ نہ ہوں تو نعمت کے اظہار کے طور پر اپنی صفت بیان کرنے کی اجازت ہے۔

ربط: آگے یہود کی ایک قباحت کا ذکر کیا کہ انہوں نے مشرکین کے دین کو مومنین کے دین سے بہتر بتایا۔ جس کا قصہ یہ ہوا کہ نبی ﷺ کی عداوت میں یہود مشرکین مکہ سے ملے اور ان کی خاطر داری کی ضرورت سے بتوں کی تعظیم کی اور کہا کہ تمہارا دین مسلمانوں کے دین سے بہتر ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ أُوتُوا نَصِيبًا مِّنَ الْكِتَابِ يُؤْمِنُونَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوتِ وَيَقُولُونَ لِلَّذِينَ كَفَرُوا هَٰؤُلَاءِ أَهْدَىٰ مِنَ الَّذِينَ آمَنُوا سَبِيلًا ﴿٥١﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ ۖ وَمَن يَلْعَنِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ نَصِيرًا ﴿٥٢﴾

ترجمہ: کیا نہ دیکھا تو نے ان کو جو دیئے گئے ایک حصہ کتاب سے وہ مانتے ہیں بت کو اور شیطان کو اور کہتے ہیں کافروں کی نسبت کہ یہ لوگ زیادہ راہ راست پر ہیں مسلمانوں سے طریقے کے اعتبار سے یہ وہی ہیں جن پر لعنت کی ہے اللہ نے اور جس پر لعنت کرے اللہ نہ پائے گا تو اس کا کوئی مددگار۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جن کو کتاب) الٰہی یعنی تورات کے علم (کا ایک حصہ ملا ہے) پھر اس کے باوجود (وہ بت اور شیطان کو مانتے ہیں) کیونکہ بتوں کی تعظیم کرنا ان پر ایمان لانے کے مترادف ہے۔ (اور یہ ہی لوگ) بڑی صراحت سے (کفار) یعنی مشرکین (کی نسبت کہتے ہیں کہ یہ لوگ بہ نسبت ان مسلمانوں کے زیادہ راہ راست پر ہیں۔ یہ لوگ) جنہوں نے کفر کے طریقہ کو اسلامی طریقہ سے افضل بتایا (وہ ہیں جن پر) ان کی سابقہ سرکشیوں کی وجہ سے (خدا تعالیٰ نے لعنت کی ہوئی ہے) اسی لعنت کا تو اثر ہے کہ ایسے بیباک ہو کر کفریات بک رہے ہیں (اور خدا تعالیٰ جس کو ملعون بنا دے اس کا) عذاب کے وقت (کوئی حامی نہ پاؤ گے) مطلب یہ ہے کہ اس پر ان کو آخرت میں یا دنیا میں بھی سخت سزا ہو گی، چنانچہ دنیا میں بعضے قتل، بعضے قید ہوئے، بعضے رعایا اور محکوم بنے اور آخرت میں جو ہونے والا ہے وہی ہو گا۔

فائدہ: بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشرکین کے دین کو علی الاطلاق حق کہنا یہود کا مقصود نہ تھا ورنہ عین جواب کے وقت ہی پوچھنے والوں کو اس جواب کی صحت پر یہ شبہ ہوتا کہ جب یہ اس دین کو حق

کہتے ہیں تو خود کیوں نہیں قبول کر لیتے تو اس صورت میں یہ جواب چل نہیں سکتا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مقصود یہ تھا کہ حق مطلق تو بت پرستی اور اسلام میں سے کوئی بھی طریقہ نہیں مگر تقابل میں اسلام سے بت پرستی اچھی ہے۔ اس میں بھی دو وجہ سے کفر لازم آتا ہے ایک تو یہ کہ طریق حق کو بعض وجہ سے باطل سمجھا دوسرے یہ کہ کفر اور باطل کو بعض وجہ سے حق سمجھا۔

ربط: آگے یہود کی ایک اور قباحت کی طرف اشارہ کیا وہ یہ کہ یہود حسد کی وجہ سے یہ خیال کرتے تھے کہ پیغمبری اور دین کی سرداری ہماری میراث ہے اور ہمارے ہی مناسب ہے اور اسی بنا پر حکومت و بادشاہت بھی ہمیں ہی مل کر رہے گی کچھ عرصہ کے لئے دوسروں کو مل جائے تو مضائقہ نہیں۔ اس کا جواب ان کو یوں دیا۔

اَمْ لَهُمْ نَصِيبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَإِذًا لَّا يُؤْتُونَ النَّاسَ نَقِيرًا ﴿٥٣﴾ اَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿٥٤﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿٥٥﴾

ترجمہ: کیا ان کے لئے کچھ حصہ ہے سلطنت میں، پھر تو یہ نہ دیں گے لوگوں کو ایک تل برابر، یا حسد کرتے ہیں لوگوں سے اس پر جو دیا ہے ان کو اللہ نے اپنے فضل سے، سو ہم نے تو دی ہے ابراہیم کے خاندان کو کتاب اور حکمت اور دی ہے ہم نے ان کو بڑی سلطنت پھر ان میں سے کسی نے مانا اس کو اور ان میں سے کوئی ہٹا رہا اس سے اور کافی ہے دوزخ بھڑکتی آگ کے اعتبار سے۔

تفسیر: (ہاں کیا ان کے پاس کوئی حصہ ہے سلطنت کا سو ایسی حالت میں تو اور لوگوں کو تل برابر چیز بھی نہ دیتے۔ یا دوسرے آدمیوں سے) جیسے رسول اللہ ﷺ سے (ان چیزوں پر حسد کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنے فضل سے عطا فرمائی ہیں سو) آپ کو ایسی چیز مل جانا کوئی نئی بات نہیں کیونکہ (ہم نے پہلے سے (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے خاندان) والوں (کو کتاب) آسمانی (بھی دی ہے اور علم بھی دیا ہے اور ہم نے ان کو بڑی بھاری سلطنت بھی دی ہے) چنانچہ بنی اسرائیل میں بہت سے انبیاء گذرے ہیں، بعض انبیاء سلاطین بھی ہوئے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام و حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام اور یہ سب اولاد ابراہیم میں ہیں، سو جب کہ رسول اللہ ﷺ بھی اولاد ابراہیم سے ہیں تو آپ کو یہ نعمتیں و عطیات مل گئے تو تعجب کی کیا بات ہے (سو) ان انبیاء علیہم السلام کے زمانہ میں بھی جو کہ خاندان

ابراہیم علیہ السلام سے گزر چکے ہیں جو لوگ موجود تھے (ان میں سے بعضے تو اس) کتاب و حکمت (پر ایمان لائے اور بعضے ایسے تھے کہ اس سے روگرداں ہی رہے) پس اگر آپ کی رسالت و قرآن پر بھی آپ کے زمانہ کے بعضے لوگ ایمان نہ لائیں تو کوئی رنج کی بات نہیں (اور) ان کفار اور اعراض کرنے والوں کو اگر دنیا میں سزا کم ہو یا بالکل نہ ہو تو کیا ہوا ان کے لئے آخرت میں (دوزخ کی آتش سوزاں کافی) سزا (ہے)

فائدہ: حسد کے نامعقول و قبیح ہونے کی ایک وجہ تو حسد کے ذکر سے پہلے مذکور ہے اور دوسری اس کے بعد اور ان کو شق وار ذکر کیا۔ دونوں وجہوں کا حاصل یہ ہے کہ حسد کس بات پر ہے۔ اگر اس بات پر ہے کہ تم صاحب سلطنت ہو کہ تمہاری سلطنت ان کو ملنے لگی تب تو خدا نے تم کو ٹھکانے ہی سے رکھا کہ سلطنت تم کو نہیں ملی ورنہ تم کسی کو ایک پیسہ بھی نہ دیتے اور اگر اس پر ہے کہ گو ہمارے پاس سے ان کے پاس نہیں گئی مگر پھر بھی ان کو کیوں ملی انکا سلطنت سے کیا تعلق تو اس کا جواب یہ دیا کہ تعلق یہ ہے کہ یہ بھی اصل شاہی خاندان سے ہیں کسی اجنبی جگہ سلطنت نہیں آئی اور اسی طرح ان کو پیغمبری ملنے پر جو حسد کرتے ہو تو جان لو کہ یہ بھی خاندان نبوت و رسالت سے ہیں۔

ربط: اوپر مخصوص مومنوں اور کافروں کا بیان تھا آگے مطلق مومن اور کافر کی جزا و سزا کو قاعدہ کلیہ کے طور پر ذکر ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِآيَاتِنَا سَوْفَ نُصْلِيهِمْ نَارًا ۖ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُودُهُمْ بَدَّلْنَاهُمْ جُلُودًا غَيْرَهَا لِيَذُوقُوا الْعَذَابَ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿٥٦﴾ وَالَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا أَبَدًا ۖ لَهُمْ فِيهَا أَزْوَاجٌ مُطَهَّرَةٌ ۖ وَنُدْخِلُهُمْ ظِلًّا ظَلِيلًا ﴿٥٧﴾

ترجمہ: بیشک جن لوگوں نے انکار کیا ہماری آیتوں کا داخل کریں گے ہم ان کو آگ میں، جب بھی جل جائے گی کھال ان کی تو ہم بدل دیں گے ان کو اور کھال تاکہ چکھتے رہیں عذاب، بیشک اللہ ہے زبردست حکمت والا۔ اور جو لوگ ایمان لائے اور کام کئے نیک ہم داخل کریں گے ان کو باغوں میں بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں رہیں گے ان میں ہمیشہ۔ ان کے لئے وہاں عورتیں ہیں پاک صاف، اور ہم داخل کریں گے ان کو گھنے سایہ میں۔

تفسیر: (بلاشک جو لوگ ہماری آیات) و احکام (کے منکر ہوئے) ہم ان کو (عنقریب ایک سخت

آگ میں داخل کریں گے) اور وہاں کی برابر یہ حالت رہے گی کہ (جب ایک دفعہ ان کی کھال) آگ سے (جل چکے گی تو ہم اس پہلی کھال کی جگہ فوراً دوسری) تازی (کھال پیدا کر دیں گے تا کہ) ہمیشہ (عذاب ہی بھگتتے رہیں) کیونکہ پہلی کھال میں جلنے کے بعد شبہ ہو سکتا تھا کہ شاید اس میں ادراک و احساس نہ رہے اس لئے شبہ قطع کرنے کے لئے یہ سنا دیا (بلاشک اللہ تعالیٰ زبردست ہیں) کہ وہ ایسی سزا دے سکتے ہیں اور (حکمت والے ہیں) اس لئے باوجود اس قدرت کے کہ جلی ہوئی کھال کو تکلیف پہنچا سکتے ہیں، پھر بھی کسی حکمت سے بدل دیا جیسے کہ ایک حکمت کا بیان ابھی ہوا ہے (اور جو لوگ ایمان لائے اور اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب ایسے باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی ان میں ہمیشہ رہیں گے ان کے واسطے ان) باغوں (میں پاک صاف بیویاں ہوں گی اور ہم ان کو نہایت گنجان سایہ) کی جگہ (میں داخل کریں گے)

فائدہ: ظل ظلیل سے مراد ایسی روشنی ہے جو تیز دھوپ کے وقت کسی گھنے پیڑ تلے ہوتی ہے۔ اس کی حالت ایسی ہوگی جیسی سورج نکلنے سے ذرا پہلے حالت ہوتی ہے۔

ربط: آگے باہمی معاملات میں سے ایک اور حکم دیتے ہیں کہ حاکم محکوموں کے درمیان عدل و امانت سے کام کریں اور محکوموں کو حکم دیتے ہیں کہ وہ حاکموں کے ساتھ جائز امور میں اطاعت کا معاملہ کریں اور پھر دونوں گروہوں کو حکم دیتے ہیں کہ اللہ و رسول کے حکم کو اصل سمجھیں۔

إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمَانَاتِ إِلَىٰ أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ أَنْ تَحْكُمُوا بِالْعَدْلِ ۚ إِنَّ اللَّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهِ ۗ إِنَّ اللَّهَ كَانَ سَمِيعًا بَصِيرًا ﴿٥٨﴾ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ ۖ فَإِنْ تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللَّهِ وَالرَّسُولِ إِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۚ ذَٰلِكَ خَيْرٌ وَأَحْسَنُ تَأْوِيلًا ﴿٥٩﴾

ترجمہ: بیشک اللہ حکم دیتا ہے تم کو کہ پہنچا دو امانتیں ان کے حقداروں کو اور جب تم فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے، بے شک اچھی بات ہے کہ نصیحت کرتا ہے اللہ تم کو جس کی بیشک اللہ ہے سننے والا دیکھنے والا۔ اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں پھر اگر تم باہم جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو لوٹا دو اس کو طرف اللہ کے

اور رسول کے اگر یقین رکھتے ہو اللہ پر اور قیامت کے دن پر۔ یہ بات اچھی ہے اور بہت بہتر ہے انجام کے اعتبار سے۔

تفسیر: اے اہل حکومت تم نظام حکومت کے خواہ کسی بھی درجہ پر ہو اور کسی بھی شعبہ میں ہو (بیشک تم کو اللہ تعالیٰ اس بات کا حکم دیتے ہیں کہ اہل حقوق کو ان کے حقوق) جو تمہارے ذمہ ہیں (پہنچا دیا کرو اور) تم کو (یہ) بھی حکم دیتے ہیں (کہ جب) محکوم (لوگوں کا تصفیہ کیا کرو) ایسے حقوق میں جو ان میں باہم ایک دوسرے کے ذمہ ہیں (تو عدل) وانصاف (سے تصفیہ کیا کرو، بیشک اللہ تعالیٰ جس بات کی تم کو نصیحت کرتے ہیں وہ بات بہت اچھی ہے) دنیا کے اعتبار سے بھی کہ اس میں استحکام حکومت ہے اور آخرت کے اعتبار سے بھی کہ موجب قرب وثواب ہے (بلاشک اللہ تعالیٰ) تمہارے اقوال کو جو امانت و تصفیہ کے بارے میں تم سے صادر ہوتے ہیں (خوب سنتے ہیں) اور تمہارے افعال کو جو اس بارے میں تم سے واقع ہوتے ہیں (خوب دیکھتے ہیں) تو اگر کمی و کوتاہی کرو گے مطلع ہو کر تم کو سزا دیں گے، یہ خطاب تو حکام کو ہوا، آگے محکومین کو ارشاد ہے کہ (اے ایمان والو! تم اللہ تعالیٰ کا کہنا مانو اور رسول) ﷺ (کا کہنا مانو) اور یہ حکم تو تمہارے اور حکام سب کے لئے عام ہے (اور تم) مسلمانوں (میں جو لوگ اہل حکومت ہیں ان کا بھی) کہنا مانو اور یہ حکم خاص ہے تم محکومین کے ساتھ (پھر) اگر اہل حکومت کے احکام کا اللہ اور رسولؐ کے کہے ہوئے کے خلاف نہ ہونا محکوم و حاکم دونوں کے اس اتفاق سے ثابت ہو جو شرعاً معتبر ہے تو خیر اس میں تو حکام کی اطاعت کرو گے ہی اور (اگر) ان کے احکام میں سے (کسی امر میں تم باہم اختلاف کرنے لگو) کہ یہ اللہ و رسولؐ کے کہے ہوئے کے خلاف ہے یا نہیں (تو) رسول اللہ ﷺ کی حیات میں تو آپؐ سے پوچھ کر اور آپؐ کی وفات کے بعد ائمہ مجتہدین و علماء دین سے رجوع کر کے (اس امر کو) کتاب (اللہ اور) سنت (رسول) ﷺ (کی طرف حوالہ کر لیا کرو) اور ان حضرات سے جیسا فتویٰ ملے اس پر سب محکوم و حکام عمل کر لیا کرو (اگر تم اللہ پر اور یوم قیامت پر ایمان رکھتے ہو) کیونکہ اس ایمان کا تقاضا یہی ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کی دار و گیر جو کہ مخالفت کرنے پر ہونے والی ہے اس سے ڈریں۔ (یہ امور) جو مذکور ہوئے یعنی اللہ کی، رسول کی اور اولی الامر کی اطاعت کرنا اور تنازعات کا کتاب و سنت کی طرف حوالہ کرنا سب دنیا میں بھی (بہتر ہیں اور) آخرت میں بھی (ان کا انجام خوشتر ہے) کیونکہ دنیا میں امن و راحت اور آخرت میں نجات و سعادت ہیں۔

فائدہ: کتاب و سنت کی طرف رجوع کرنے کی دو صورتیں ہیں، ایک یہ کہ کتاب و سنت کے منصوص (یعنی صاف صاف مذکور) احکام کی جانب رجوع کیا جائے، دوسری صورت یہ ہے کہ اگر منصوص

احکام موجود نہیں ہیں تو کتاب و سنت میں مذکوران کے نظائر پر قیاس کیا جائے۔ ان کے حکم بھی کتاب و سنت سے ثابت کہلائیں گے اور یہ انہی کی طرف رجوع میں داخل ہے۔

ربط: اوپر کی آیت میں اپنے تمام معاملات میں اللہ ورسول کے احکام کی طرف رجوع کرنے کا حکم تھا آگے غیر شریعت کی طرف رجوع کرنے کی مذمت ہے اور اس میں منافقین کی برائی مذکور ہے کہ وہ ایسا کرتے ہیں جیسا کہ ایک قصہ ہوا کہ ایک منافق شخص تھا اس کا کسی یہودی سے جھگڑا ہوا۔ یہودی نے فیصلہ کے لئے رسول اللہ ﷺ کے پاس چلنے کو کہا۔ منافق نے کہا کہ یہودی سردار کعب بن اشرف کے پاس چلیں۔ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس معاملہ میں یہودی حق پر ہوگا۔ اس نے سمجھا کہ رسول ﷺ کے پاس حق فیصلہ ہوگا۔ جب کہ منافق غالباً باطل پر تھا اور اس نے سمجھا کہ آپ ﷺ کے پاس میری بات نہ چلے گی۔ البتہ کعب بن اشرف کے پاس بات بننے کی امید تھی۔ پھر آخر وہ دونوں آپ ﷺ کے پاس گئے اور آپ نے یہودی کے حق میں فیصلہ دیا۔ وہ منافق راضی نہ ہوا۔ اس یہودی سے کہا حضرت عمر کے پاس چلو وہ سمجھا ہوگا کہ حضرت عمرؓ کفار پر خوب سخت ہیں اس یہودی پر سختی فرمائیں گے۔ یہودی کو اطمینان تھا کہ گو وہ سخت ہیں مگر وہ سختی حق پرستی ہی کی وجہ سے تو ہے جب میں حق پر ہوں تو میرے ہی حق میں فیصلہ دیں گے اس لئے اس نے انکار نہیں کیا۔ جب وہاں پہنچے تو یہودی نے پورا قصہ بیان کر دیا کہ اس مقدمہ کا رسول اللہ ﷺ کے اجلاس میں فیصلہ ہو چکا ہے مگر یہ شخص اس پر راضی نہیں ہوا۔ آپ نے اس منافق سے پوچھا کیا یہی بات ہے اس نے کہا ہاں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اچھا ٹھہرو آتا ہوں اور گھر سے تلوار لا کر اس منافق کا کام تمام کر دیا اور کہا جو شخص رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ پر راضی نہ ہو اس کا یہ فیصلہ ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ ؕ وَيُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّضِلَّهُمْ ضَلٰلًا بَعِيْدًا ﴿۶۰﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا ﴿۶۱﴾ فَكَيْفَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌۢ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ثُمَّ جَآءُوْكَ يَحْلِفُوْنَ ۖ بِاللّٰهِ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّآ اِحْسَانًا وَّتَوْفِيْقًا ﴿۶۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَعْلَمُ اللّٰهُ مَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيْغًا ﴿۶۳﴾

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان کو جو دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ ایمان لائے ہیں اس پر جو اتارا گیا تیری طرف اور جو اتارا گیا تجھ سے پہلے چاہتے ہیں کہ مقدمہ لے جائیں شیطان کی طرف حالانکہ وہ حکم دیئے جا چکے ہیں کہ نہ مانیں اس کو اور چاہتا ہے شیطان کہ بھٹکا دے ان کو دور کا بھٹکنا۔ اور جب کہا جاتا ہے ان سے کہ آؤ اس کی طرف جو اتارا اللہ نے اور رسولؐ کی طرف تو دیکھے تو منافقوں کو کہ ہٹتے ہیں تجھ سے رک کر۔ پھر کیا حال ہوتا ہے جب پہنچتی ہے ان کو مصیبت بسبب اس کے جو پہلے کیا ان کے ہاتھوں نے، پھر وہ آئیں تیرے پاس قسمیں کھاتے ہوئے اللہ کی کہ ہم نے ارادہ نہیں کیا تھا مگر بھلائی اور موافقت کا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ جانتا ہے اللہ جو ان کے دلوں میں ہے سو تو ان سے تغافل کر اور ان کو نصیحت کر اور کہہ ان سے ان کی ذات کے بارے میں بات کافی۔

تفسیر: اے محمد ﷺ (کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو) زبان سے تو (دعوی کرتے ہیں کہ وہ اس کتاب پر بھی ایمان رکھتے ہیں جو آپؐ کی طرف نازل کی گئی) یعنی قرآن پر (اور اس کتاب پر بھی جو آپ سے پہلے نازل کی گئی) یعنی توریت پر کیونکہ اس آیت میں منافقین کا بیان ہے اور اکثر منافقین یہود میں سے تھے۔ مطلب ہے یہ کہ وہ زبان سے دعویٰ کرتے ہیں کہ جس طرح ہم توریت کو مانتے ہیں اسی طرح قرآن کو بھی مانتے ہیں، یعنی اسلام کے مدعی ہیں، پھر اس پر حالت یہ ہے کہ (اپنا مقدمہ شیطان کے پاس لے جانا چاہتے ہیں) کیونکہ غیر شرع کی طرف مقدمہ لے جانے کے لئے شیطان سکھاتا ہے پس اس پر عمل کرنا ایسا ہے جیسے شیطان ہی کے پاس مقدمہ لے گئے۔ (حالانکہ) اس سے دو مانع موجود ہیں ایک یہ کہ (ان کو) شریعت کی جانب سے (یہ حکم ہوا کہ اس) شیطان (کو نہ مانیں) یعنی عقیدہ و عمل میں اس کی مخالفت کریں (اور) دوسرا مانع یہ کہ (شیطان) ان کا ایسا دشمن اور بدخواہ ہے کہ (ان کو) راہ حق سے (بھٹکا کر بہت دور لے جانا چاہتا ہے) پس ان دونوں موانع کے باوجود جن کا تقاضا یہ ہے کہ شیطان کے کہنے پر عمل نہ کریں، پھر بھی اس کی موافقت کرتے ہیں (اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ اس حکم کی طرف جو اللہ تعالیٰ نے نازل فرمایا ہے اور) آؤ (رسول ﷺ (کی طرف) کہ آپ اس حکم کے موافق فیصلہ فرمائیں (تو آپؐ اس وقت منافقین کی یہ حالت دیکھیں گے کہ آپ) کے پاس آنے (سے پہلو تہی کرتے ہیں پھر کیسی جان کو بنتی ہے جب ان پر کوئی مصیبت پڑتی ہے ان کی اس حرکت کی بدولت جو) اس مصیبت سے (پہلے کر چکے تھے) اس حرکت سے مراد شرع کو چھوڑ کر دوسری جگہ مقدمہ لے جانا ہے اور مصیبت سے مراد ہے جیسے قتل یا خیانت و نفاق کا کھل جانا اور باز پرس ہونا، یعنی اس وقت سوچ پڑتی ہے کہ اپنی اس حرکت کی کیا تاویل کریں جس میں پھر سرخرو رہیں (پھر) تاویل سوچ کر (آپؐ کے پاس آتے ہیں، خدا کی

قسمیں کھاتے ہوئے کہ) ہم جو دوسری جگہ چلے گئے تھے (ہمارا اور کچھ مقصود نہ تھا سوا اس کے کہ) معاملہ کے دونوں فریق کی (کوئی بھلائی) کی صورت (نکل آئے اور) ان میں (باہم موافقت) و مصالحت (ہو جائے) مطلب یہ کہ قانون تو شرع ہی کا حق ہے ہم دوسری جگہ شرع کو ناحق سمجھ کر نہیں گئے تھے، لیکن بات یہ ہے کہ قانونی فیصلہ میں تو حاکم صاحب حق کو رعایت کرنے کے لئے نہیں کہہ سکتا جب کہ باہمی فیصلہ میں اکثر رعایت کرادی جاتی ہے، یہ وجہ تھی ہمارے دوسری جگہ جانے کی۔ اور اوپر مذکور منافق کے قتل کے قصہ میں ان کے آپ کے پاس آکر قسمیں کھانے سے غرض مقتول کے فعل کی تاویل کرنا تھی جس سے مقصود اپنی براءت ظاہر کرنا یا حضرت عمرؓ پر قتل و قصاص کا دعویٰ کرنا تھا۔ اللہ تعالیٰ ان کی تاویلوں کی تکذیب فرماتے ہیں کہ (یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو معلوم ہے جو کچھ) نفاق و کفر (ان کے دلوں میں ہے) کہ اس کفر و نفاق کے سبب سے اور حکم شرعی پر راضی نہ ہونے کی وجہ سے ہی یہ لوگ دوسری جگہ جاتے ہیں اور وقت معین پر اس کی سزا بھی پالیں گے (سو) مصلحت یہی ہے کہ (آپ) علم خداوندی و مواخذہ خداوندی پر اکتفا فرما کر (ان سے تغافل کر لیا کیجئے) یعنی کچھ مواخذہ نہ فرمایئے (اور ویسے) اپنے منصب رسالت کے تقاضے سے (ان کو نصیحت فرماتے رہئے) کہ ان حرکتوں کو چھوڑ دو (اور ان سے خاص ان کی ذات) کی اصلاح (کے متعلق کافی مضمون کہہ دیجئے) تاکہ ان پر حجت قائم اور تمام ہو جائے پھر نہ مانیں تو وہ جانیں۔

فائدہ: اس تغافل کے مصلحت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ ان منافقین کا کفر مشہور نہیں تھا۔ اگر کھلے کفار کی طرح ان کے ساتھ جہاد کا معاملہ کیا جاتا تو دور کے لوگوں کو ان کی شرارتوں کی خبر تو نہ پہنچتی البتہ ان کا قتل و غارت مشہور ہو جاتا تو اسلام سے لوگوں کو ایک گونہ وحشت ہوتی کہ اسلام میں بڑا جبر اور بد نظمی ہے اور اس وحشت سے اسلام کی ترقی رک جاتی۔ کسی منافق کے ساتھ ایک معاملہ پر رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد کہ دَعْهُ فَإِنَّ النَّاسَ يَتَحَدَّثُوْنَ اَنَّ مُحَمَّداً يَقْتُلُ اَصْحَابَهٗ یعنی اس کو چھوڑ دو ورنہ لوگ کہیں گے کہ محمد اپنے ساتھیوں کو بلاوجہ قتل کر دیتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے اس منافق کو قتل کرنے پر قصاص یا دیت واجب نہیں ہوئی کیونکہ اس کی جان کو اس کے کفر کی وجہ سے فی الواقع احترام اور حفاظت حاصل نہ تھی یا یہ سزا تعزیر کے طور پر تھی۔

اگر یہ خیال ہو کہ اس سے بھی اسلام کی بدنامی اور اس سے وحشت ہونے کا احتمال ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں دوسری حکمت کو غلبہ حاصل ہے اور وہ یہ کہ چونکہ منافق ظاہر میں مسلمان تھا اور اس کا معاملہ ایک کھلے کافر سے تھا اور اس معاملہ میں اس منافق کو یہ سزا دی گئی اور اس کا خون رایگاں ہوا تو وہ کافر

اس قصہ کو اپنے لوگوں میں بیان کرے گا تو عقل وانصاف والے اسلام کی حق پرستی کی اعلیٰ درجہ کی داد دے سکتے ہیں کہ غیر قوموں کے مقابلہ میں بھی اپنی قوم کو حق قبول کرنے پر مجبور کرتے ہیں۔

ربط: اوپر منافقین کے عذر و تاویل کے غلط ہونے کو بیان فرمایا۔ آگے ارشاد فرماتے ہیں کہ اس تاویل باطل کے بجائے اگر شرائط کے ساتھ توبہ واستغفار اختیار کرتے تو اس جرم کی تلافی ہو جاتی۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾

ترجمہ: اور نہیں بھیجا ہم نے کوئی رسول مگر اسی واسطے کہ اس کی اطاعت کی جائے اللہ کے حکم سے۔ اور اگر وہ لوگ جس وقت انہوں نے ظلم کیا تھا اپنی جانوں پر آتے تیرے پاس پھر معافی چاہتے اللہ سے اور معافی چاہتا ان کے لئے رسول تو البتہ وہ پاتے اللہ کو معاف کرنے والا رحمت کرنے والا۔

تفسیر: (اور ہم نے تمام پیغمبروں کو خاص اسی واسطے مبعوث فرمایا ہے کہ بحکم خداوندی) جو کہ آیت اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ میں مذکور ہے (ان کی اطاعت کی جائے) پس اول تو ان لوگوں کو شروع ہی سے اطاعت کرنا واجب تھی (اور اگر) خیر شامت نفس سے حماقت ہی ہو گئی تھی تو (جس وقت) یہ گناہ کر کے (اپنا نقصان کر بیٹھے تھے اس وقت) ندامت کے ساتھ (آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاتے پھر) حاضر ہو کر (اللہ تعالیٰ سے) اپنے اس گناہ کی (معافی چاہتے اور رسول) ﷺ یعنی آپ بھی (ان کے لئے اللہ تعالیٰ سے معافی چاہتے تو ضرور اللہ تعالیٰ کو توبہ کا قبول کرنے والا اور رحمت کرنے والا پاتے) یعنی اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے توبہ قبول فرمالیتے۔

فائدہ: 1- یہ مطلب نہیں کہ منافق رہ کر توبہ کر لینا کافی تھا کیونکہ خود توبہ کی قبولیت کی ایک شرط ایمان ہے پس خلاصہ یہ ہوا کہ نفاق چھوڑ کر ایمان لے آتے۔

2- یہ خیال ہو کہ آیت میں دو اور شرطیں بھی مذکور ہیں ایک تو خدمت نبوی میں حاضری دوسرے آپ کا بھی استغفار فرمانا حالانکہ ظاہرا توبہ کرنے کے لئے یا مسلمان ہونے کے لئے صرف بندہ کا عرض معروض کر لینا کافی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ توبہ معصیت کے مطابق ہوتی ہے۔ چونکہ منافقین طرح طرح سے اسلام کے ساتھ اپنی مخالفت کا اظہار کرتے رہتے تھے اس لئے توبہ میں ضروری ہوا کہ اب اپنے

اسلام کا بھی اظہار کریں اور اس کے اظہار کا عام طور سے اس وقت یہی طریقہ تھا کہ آپ ﷺ کی خدمت میں آکر مسلمان ہو جائے۔ دوسری شرط کی وجہ یہ ہے کہ رسول اس وقت استغفار کریں گے جب ان کی طرف سے ان کے دل کا رنج دور ہو گا تو یہ آکر توبہ کریں گے اور رسول اللہ ﷺ کو جو تکلیفیں دیں ان پر ندامت کا اظہار کریں گے تو آپ کے دل کا رنج دور ہو گا اور اس سے اللہ تعالیٰ کی رحمت متوجہ ہو گی۔

ربط: آگے فرماتے ہیں کہ شریعت کی طرف محض ظاہرا رجوع کرنا کافی نہیں بلکہ دل سے بھی اس پر راضی ہونا ضروری ہے اور تسلیم کامل ایمان کی شرط ہے۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِيٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ﴿۶۵﴾

ترجمہ: سو قسم ہے تیرے رب کی وہ مومن نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ منصف ٹھہرائیں تجھ کو اس میں جو جھگڑا اٹھے ان کے درمیان پھر نہ پائیں اپنے جی میں تنگی تیرے فیصلہ سے اور قبول کریں خوشی سے

تفسیر: (پھر قسم ہے آپ کے رب کی یہ لوگ) جو صرف زبانی ایمان ظاہر کرتے پھرتے ہیں عند اللہ (ایمان دار نہ ہوں گے جب تک یہ بات نہ ہو کہ ان کے آپس میں جو جھگڑا واقع ہو، اس میں یہ لوگ آپؐ سے) اور آپؐ نہ ہوں تو آپؐ کی شریعت سے (فیصلہ کرائیں پھر) جب آپ تصفیہ کر دیں تو (اس تصفیہ سے اپنے دلوں میں) انکار کی (تنگی نہ پائیں اور) اس فیصلہ کو (پورا پورا) ظاہر سے باطن سے (تسلیم کرلیں)

فائدہ: اگر یہ شبہ ہو کہ ظاہر آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جو شخص دوسرے قانون کی طرف اس کو باطل سمجھ کر بھی رجوع کرتے ہیں وہ مسلمان نہیں حالانکہ حرام کا مرتکب جب حلت کا اعتقاد نہ رکھتا ہو مومن ہے گو فاسق ہو۔ اسی طرح اگر کسی کے دل میں شرعی فیصلہ سے تنگی پیدا ہو مگر اس فیصلہ کو حق سمجھے وہ بھی مسلمان نہ ہونا چاہئے حالانکہ تنگی پر انسان کا اختیار نہیں اور غیر اختیاری باتوں کا مکلف نہیں اسی طرح اگر اس فیصلہ پر کوئی عمل نہ کرے تو یہ بھی عدم تسلیم کی صورت ہے تو وہ بھی مسلمان نہ رہے حالانکہ ترک عمل سے ایمان نہیں جاتا۔

ان شبہات کا جواب یہ ہے کہ تحکیم یعنی اسلام کے قانون کی طرف رجوع کرنا اور عدم حرج یعنی دل میں تنگی محسوس نہ کرنا اور تسلیم یعنی اس پر عمل کرنا ان سب کے تین درجے ہیں اعتقاد سے اور زبان سے اور عمل سے۔ اعتقاد سے یہ کہ قانون شریعت کو حق اور فیصلوں کے لئے اصل جانتا ہے اور اس میں کوئی

ناگواری دل میں محسوس نہیں کرتا اور زبان سے یہ کہ ان باتوں کا اقرار کرتا ہے کہ حق اسی طرح ہے اور عمل سے یہ کہ مقدمہ لے بھی جاتا ہے اور طبعی تنگی بھی نہیں ہوتی اور اس فیصلہ کے مطابق عمل بھی کرتا ہے۔ سو پہلا درجہ تصدیق وایمان کا ہے اس کے نہ ہونا عند اللہ کفر ہے اور منافقین میں خود اس کی کمی تھی اور دوسرا درجہ اقرار کا ہے، اس کے نہ ہونے سے لوگوں کے نزدیک کفر ہوتا ہے۔ تیسرا درجہ تقوی وصلاح کا ہے اس کا نہ ہونا فسق ہے اور طبعی تنگی معاف ہے۔ پس آیت میں چونکہ منافقین کا ذکر ہے اس لئے پہلا درجہ مراد ہے۔

ربط: اوپر کامل اطاعت کا واجب ہونا ذکر ہوا آگے اس کا خیر و نافع ہونا اور اس درجہ کی اطاعت کرنے والوں کا تعداد میں کم ہونا ذکر کرتے ہیں۔

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ۝ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ۝ وَّلَھَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ۝

ترجمہ: اور اگر ہم فرض کر دیتے ان پر کہ قتل کرواپنی جانوں کو یا نکل جاؤ اپنے وطن سے تو وہ نہ کرتے اس کو مگر تھوڑے ان میں سے اور اگر یہ لوگ کرتے وہ نصیحت کئے جاتے ہیں جس کی تو ضرور بہتر ہوتا ان کے حق میں اور زیادہ ثابت رکھنے والا ہوتا دین میں اور اس وقت ضرور دیتے ہم ان کو اپنے پاس سے بڑا ثواب اور ضرور بتا دیتے ہم ان کو سیدھی راہ۔

تفسیر: (اور ہم اگر لوگوں پر یہ بات) بطور احکام مقصودہ کے (فرض کر دیتے کہ تم خودکشی کیا کرو یا اپنے وطن سے بے وطن ہو جایا کرو تو سوائے گنتی کے چند لوگوں کے) جو مومن کامل ہوتے (اس حکم کو کوئی بھی نہ بجالاتا) اس سے ثابت ہوا کہ کمال اطاعت کرنے والے کم ہوتے ہیں (اور اگر یہ) منافق (لوگ جو کچھ ان کو) دل وجان سے رسول کی اطاعت کرنے کی (نصیحت کی جاتی ہے اس پر عمل کیا کرتے تو ان کے لئے) دنیا میں ثواب کے استحقاق کی وجہ سے (بہتر ہوتا اور) نیز تکمیل دین کے اعتبار سے ان کے (ایمان کو زیادہ پختہ کرنے والا ہوتا) کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ دین کا کام کرنے سے خود اعتقاد ویقین کی باطنی کیفیت کو ترقی ہوتی ہے (اور اس حالت میں) جب کہ عمل سے خیریت اور دین میں ثبات حاصل ہو جاتا تو آخرت میں (ہم ان کو خاص اپنے پاس سے اجر عظیم عنایت فرماتے اور ہم ان کو) جنت کا (سیدھا رستہ بتا دیتے) کہ بے روک ٹوک جنت میں جا داخل ہوں جو کہ اجر عظیم ملنے کا مقام ہے۔

فائدہ: 1 اس گنتی کے چند لوگوں میں تمام صحابہ و مومنین کاملین داخل ہیں جو کہ کافروں اور فاجروں کی تعداد کے مقابلہ میں قلیل ہیں یہ مطلب نہیں کہ اس وقت کے مومنین میں ایسے لوگ صرف دو چار ہوتے اس لئے عَلَیْهِمْ کی ضمیر کا مرجع مطلق ناس کو قرار دیا ہے۔

2 ''بطور احکام مقصودہ'' کی قید اس وجہ سے لگائی ہے کہ جہاد و ہجرت اب بھی مشروع ہیں جن میں اپنی جانوں کا قتل اور گھر سے خروج پایا جاتا ہے لیکن ان میں حکم مقصود اعلائے کلمۃ اللہ اور دشمنان اسلام سے اسلام کی حفاظت کرنا ہے حتی کہ اگر اعلائے کلمۃ اللہ اور حفاظت اسلام حاصل ہو جائے پھر ہجرت و جہاد ختم ہو جاتا ہے۔

ربط: اوپر اللہ و رسول کی اطاعت پر خاص مخاطبین سے وعدہ تھا آگے بطور قاعدہ کلیہ کے اللہ و رسول کی اطاعت پر عام وعدہ ہے۔

وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۚ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾

ترجمہ: اور جو کوئی حکم مانے گا اللہ کا اور رسول کا سو وہ ساتھ ہوں گے ان لوگوں کے انعام کیا اللہ نے جن پر یعنی انبیاء اور صدیقین اور شہداء اور صلحاء اور اچھے ہیں یہ لوگ بطور رفیق۔ یہ فضل ہے اللہ کی طرف سے اور اللہ کافی ہے جاننے والا۔

تفسیر: (اور جو شخص) ضروری احکام میں (اللہ و رسول کا کہنا مان لے گا) اگرچہ طاعات کی کثرت نہ ہونے کے باعث کمال حاصل نہ کر سکے (تو ایسے اشخاص بھی) جنت میں (ان حضرات کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے) اپنے دین اور اپنے قرب اور اپنی قبولیت کا کامل (انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء) علیہم السلام، اور (صدیقین) جو کہ انبیاء کی امت میں سب سے زیادہ رتبہ کے ہوتے ہیں، جن میں کمال باطنی بھی ہوتا ہے، جن کو عرف میں اولیاء کہا جاتا ہے (اور شہداء) جنہوں نے دین کی محبت میں اپنی جان تک دیدی (اور صلحاء) جو شریعت کے پورے تابعدار ہوتے ہیں واجبات میں بھی اور مستحبات میں بھی جن کو نیک بخت دیندار کہا جاتا ہے (اور یہ حضرات) جس کے رفیق ہوں بہت (اچھے رفیق ہیں) اور اطاعت گزار کی ان کے ساتھ رفاقت ثابت ہے، پس حاصل یہ ہوا کہ اطاعت کا یہ ثمرہ ہے کہ اس کو ایسے رفیق ملے (یہ) معیت اور رفاقت ان حضرات کے ساتھ محض (فضل ہے اللہ تعالیٰ کی جانب سے) یعنی عمل کا اپنا اجر نہیں

ہے کیونکہ اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ عمل کے مطابق جو درجہ تھا وہاں سے آگے نہ جا سکتا تھا، پس یہ بطور انعام کے ہے (اور اللہ تعالیٰ کافی جاننے والے ہیں) ہر ایک کے عمل کو اور اس کے تقاضے کو، اور اس تقاضے سے زائد مناسب انعام کی مقدار کو خوب جانتے ہیں، کیونکہ اس انعام میں بھی تفاوت ہوگا، کسی کو ان حضرات سے بار بار قرب ہوگا، کسی کو گاہ بگاہ۔

فائدہ: 1 یہاں ساتھ ہونے سے یہ بتانا مقصود نہیں کہ وہ اشخاص جنت میں جائیں گے کیونکہ اس مقام میں مدح و فضیلت بیان کرنا مقصود ہے جنت میں داخلہ بیان کرنا مقصود نہیں۔ اور یہ مطلب بھی نہیں کہ جنت میں داخلہ کے بعد یہ اشخاص خاص ان حضرات کے درجہ میں چلے جائیں گے کیونکہ قرآن پاک میں ہے هُمْ دَرَجَاتٌ عِنْدَ اللّٰهِ یعنی اللہ کے نزدیک ان کے مختلف درجے ہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ اپنے کمتر درجہ سے ان کے اعلیٰ درجہ میں پہنچ کر زیارت و ملاقات بھی کر سکیں گے اور اس درجہ کی برکات بھی حاصل کریں گے۔

2- ضروری احکام کے درجے بھی مختلف ہیں۔ پہلا درجہ وہ ہے جس سے آدمی مومن بن جاتا ہے اور اس سے بڑا وہ ہے جس میں گناہگار کے لقب سے بچ جاتا ہے۔ پس جس درجے کے ضروری احکام میں اطاعت ہوگی اس درجہ کی معیت ہوگی اور اس سے بھی اعلیٰ درجہ یہ ہے کہ ظاہری و باطنی مستحب کاموں کو بھی بجالائے۔ یہ درجہ اس لئے مراد نہیں کیونکہ ان سے تو آدمی خود صلاح کے ساتھ متصف ہو جاتا ہے۔

3- مذکورہ چار طبقوں میں سے ہر ایک میں مختلف درجے پائے جاتے ہیں مثلاً صدیقین و اولیاء میں آپس میں بہت تفاوت ہوگا۔ سب سے اوپر کے درجے میں حضرت ابو بکر صدیق ؓ ہیں۔

ربط: مخالفین کے ساتھ معاملات میں سے آگے جہاد کے احکام ذکر کرتے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ

فَانْفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انْفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنْكُمْ لَمَنْ لَيُبَطِّئَنَّ

فَإِنْ أَصَابَتْكُمْ مُصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ

أَكُنْ مَعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِنَ اللّٰهِ

لَيَقُولَنَّ كَأَنْ لَمْ تَكُنْ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنْتُ

مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ الَّذِينَ

يَشْرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ؕ وَمَنْ يُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَيُقْتَلْ اَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۷۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو! اختیار کر واپنی احتیاط پھر نکلو متفرق ہو کر یا نکلو سب اکٹھے ہو کر اور یقیناً تم میں بعض ایسا ہے جو ہٹتا ہے پھر اگر پہنچ جائے تم کو مصیبت تو کہتا ہے بے شک فضل کیا اللہ نے مجھ پر کہ میں نہ ہوا ان کے ساتھ حاضر۔ اور اگر پہنچ جائے تم کو فضل اللہ کی طرف سے تو اس طرح کہتا ہے کہ گویا نہ تھی تم میں اور اس میں کچھ دوستی اے کاش کہ میں ہوتا ان کے ساتھ تو پاتا بڑی کامیابی سو چاہئے کہ لڑے (بڑی کامیابی کا طالب) اللہ کی راہ میں ان لوگوں سے جو اختیار کرتے ہیں دنیوی زندگی کو آخرت کے بدلے میں اور جو کوئی لڑے اللہ کی راہ میں پھر مارا جائے یا غالب ہو جائے تو ہم دیں گے اس کو بڑا ثواب۔

تفسیر: (اے ایمان والو) کافروں کے مقابلہ میں (اپنی تو احتیاط رکھو) یعنی ان کے داؤ گھات سے بھی ہوشیار رہو اور قتال کے وقت سامان، ہتھیار، ڈھال اور تلوار سے بھی درست رہو (پھر) ان سے لڑائی کے لئے (متفرق طور پر یا مجتمع طور پر) جیسا موقع ہو (نکلو اور تمہارے مجمع میں) جس میں بعضے منافقین بھی شامل ہو رہے ہیں (یقیناً بعض بعض شخص ایسا ہے) مراد اس سے منافقین ہیں (جو ہٹتا ہے) یعنی جہاد میں شریک نہیں ہوتا (پھر اگر تم کو کوئی حادثہ پہنچ گیا) جیسے شکست وغیرہ (تو) اپنے نہ جانے پر خوش ہو کر (کہتا ہے بیشک اللہ تعالیٰ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان لوگوں کے ساتھ) لڑائی میں (حاضر نہیں ہوا) نہیں تو مجھ پر بھی مصیبت آتی (اور اگر تم پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہو جاتا ہے) یعنی فتح و غنیمت حاصل ہوتی ہے (تو ایسے طور پر) خود غرضی کے ساتھ (کہ گویا تم میں اور اس میں کچھ تعلق ہی نہیں) مال کے فوت ہونے پر افسوس کر کے (کہتا ہے، ہائے کیا خوب ہوتا کہ میں بھی لوگوں کا شریک حال ہوتا) یعنی جہاد میں جاتا (تو مجھ کو بھی بڑی کامیابی ہوتی) کہ مال و دولت لاتا۔ اور خود غرضی اور بے تعلقی اس کہنے سے ظاہر ہے ورنہ جس سے تعلق ہوتا ہے اس کی کامیابی پر تو خوش ہوتے ہیں۔ یہ نہیں کہ اپنا افسوس کرنے بیٹھ جائے اور اس کی خوشی کا نام بھی نہ لے، اللہ تعالیٰ اس شخص کے حق میں فرماتے ہیں کہ جو واقعی بڑی کامیابی ہے وہ مفت نہیں ملتی اگر اس کا طالب ہے (تو ہاں اس شخص کو چاہئے کہ اللہ کی راہ میں) یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کی نیت سے جو کہ موقوف ہے ایمان و اخلاص پر، یعنی مسلمان و مخلص بن کر (ان) کافر (لوگوں سے لڑے جو آخرت) چھوڑ کر اس (کے بدلے دنیوی زندگی کو اختیار کئے ہوئے ہیں) یعنی اس شخص کو اگر فوز عظیم کا شوق ہے تو دل درست کر لے، ہاتھ پاؤں ہلائے، مشقت جھیلے، تیغ و سنان کے سامنے سینہ سپر

بنے دیکھو فوز عظیم ہاتھ آتا ہے یا نہیں، پھر جو شخص اتنی مصیبت جھیلے سچی کامیابی اس کی ہے، کیونکہ دنیا کی کامیابی اول تو حقیر، پھر کبھی ہے کبھی نہیں، کیونکہ اگر غالب آ گئے تو ہے ورنہ نہیں (اور) آخرت کی کامیابی جس کا ایسے شخص کے لئے وعدہ ہے ایسی ہے کہ عظیم بھی اور پھر ہر حالت میں ہے کیونکہ اس کا قانون یہ ہے کہ (جو شخص اللہ کی راہ میں لڑے گا پھر خواہ) مغلوب ہو جائے حتی کہ (جان) ہی (سے مارا جائے یا غالب آ جائے ہم) ہر حالت میں (اس کو) آخرت کا (اجر عظیم دیں گے) جو کہ فوز عظیم کہنے کے لائق ہے۔

فائدہ: یہاں دو حکم ذکر کئے دفاع کا سامان کرنا اور جہاد کرنا۔ اس مقام میں مقصود اصلی جہاد کا حکم ہے مگر دفاع کے حکم کو پہلے اور تصریح کے ساتھ ذکر کیا جو اللہ تعالیٰ کی رحمت و شفقت پر دلیل ہے کہ حفاظت کا زیادہ اہتمام فرمایا۔

ربط: آگے بھی جہاد کی تاکید ہے اس طریقے سے کہ اس کا ایک داعی ذکر کیا جو کمزور مسلمانوں کا ستم رسیدہ ہونا ہے اور ساتھ ہی نصرت کا اشارہ بھی دیا۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ وَالْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِينَ يَقُولُونَ رَبَّنَا أَخْرِجْنَا مِنْ هَٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ أَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ وَلِيًّا وَاجْعَلْ لَنَا مِنْ لَدُنْكَ نَصِيرًا ﴿٧٥﴾ الَّذِينَ آمَنُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ اللَّهِ ۖ وَالَّذِينَ كَفَرُوا يُقَاتِلُونَ فِي سَبِيلِ الطَّاغُوتِ فَقَاتِلُوا أَوْلِيَاءَ الشَّيْطَانِ ۖ إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانِ كَانَ ضَعِيفًا ﴿٧٦﴾

ترجمہ: اور کیا عذر ہے تمہارے لئے کہ نہیں لڑتے اللہ کی راہ میں اور کمزوروں کے لئے، مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے جو کہتے ہیں اے رب ہمارے نکال ہم کو اس بستی سے کہ ظالم ہیں اس کے رہنے والے اور کر دے ہمارے لئے اپنے پاس سے کوئی حمایتی اور کر دے ہمارے واسطے اپنے پاس سے مددگار، جو لوگ ایمان والے ہیں وہ تو لڑتے ہیں اللہ کی راہ میں اور جو کافر ہیں وہ لڑتے ہیں شیطان کی راہ میں تو لڑو تم شیطان کے حمایتیوں سے بیشک تدبیر شیطان کی کمزور ہے۔

تفسیر: (اور تمہارے پاس کیا عذر ہے کہ تم جہاد نہ کرو) باوجودیکہ اس کا قوی داعی موجود ہے، کیونکہ یہ جہاد (اللہ کی راہ میں) ہوتا ہے، یعنی اعلاء کلمۃ اللہ کے لئے ہے جس کا اہتمام ضروری ہے، (اور) ایک اور داعی بھی موجود ہے یعنی دین کی سربلندی کے آثار میں سے ایک خاص اثر کی ضرورت بھی

درپیش ہے، وہ یہ کہ کمزور مسلمانوں کی خاطر سے بھی لڑنا ضروری ہے تاکہ وہ کفار کے پنجہ ستم سے رہائی پائیں۔ (جن) بیچاروں (میں کچھ مرد ہیں، کچھ عورتیں ہیں اور کچھ بچے ہیں جو) کفار سے تنگ و پریشان ہو کر (دعا کر رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ہم کو) کسی طرح (اس بستی سے) یعنی مکہ سے جو ہمارے لئے جیل خانہ بنا ہوا ہے (باہر نکال جس کے رہنے والے سخت ظالم ہیں) کہ ہم پر آفت ڈھار کھی ہے (اور ہمارے لئے غیب سے کسی دوست کو کھڑا کر دیجئے اور ہمارے لئے غیب سے کسی حامی کو بھیجئے) کہ ہماری حمایت کر کے ان ظالموں کے پنجہ سے چھڑا دے (جو لوگ پکے ایمان دار ہیں وہ) تو ان احکام کو سن کر (اللہ کی راہ میں) یعنی غلبہ اسلام کے قصد سے (قتال کرتے ہیں اور جو لوگ) ان کے مقابلہ میں (کافر ہیں وہ شیطان کی راہ میں) یعنی غلبہ کفر کے قصد سے (لڑتے ہیں) اور ظاہر ہے کہ ان دونوں میں سے اللہ کی نصرت ایمان داروں کو حاصل ہو گی اور جب ایمان داروں کے ساتھ اللہ کی مدد ہے (تو) اے ایماندارو (تم شیطان کے ساتھیوں سے) یعنی کافروں سے جو کہ اللہ کی مدد سے محروم ہیں (لڑائی کرو) اور گو کافر بھی غلبہ کی مختلف تدبیریں کرتے ہیں لیکن (واقع میں) وہ شیطانی تدبیریں ہیں کہ شیطان وہ تدبیریں سمجھاتا ہے اور بے شک (شیطانی تدبیر) خود (لچر ہوتی ہے) کیونکہ اس میں غیبی امداد نہیں ہوتی اور کبھی چند روزہ غلبہ ہو جائے تو یہ در حقیقت کافروں کو چند روزہ مہلت اور ڈھیل دینا ہے۔ تو کافروں کی تدبیر اس غیبی امداد کا کیا مقابلہ کرے گی جو مومنین کو حاصل ہے۔

خلاصہ یہ کہ داعی بھی ہے اور وعدہ نصرت بھی ہے، پھر کیا عذر ہے؟ اس لئے مکرر تاکید کی گئی۔

فائدہ: مکہ میں ایسے کمزور مسلمان رہ گئے تھے جو جسمانی ضعف اور کم سامانی کی وجہ سے ہجرت نہ کر سکے تھے اور بعد میں کافروں نے بھی ان کو جانے سے روک دیا اور طرح طرح کی اذیتیں دینی شروع کر دیں، تاکہ یہ لوگ اسلام سے پھر جائیں، ان میں سے بعض حضرات یہ ہیں مثلاً ابن عباسؓ اور ان کی والدہؓ، سلمہ بن ہشامؓ، ولید بن ولیدؓ اور ابو جندل بن سہیلؓ یہ حضرات اپنے ایمان کی پختگی کی وجہ سے ان کے ظلم و ستم کو جھیلتے اور سہتے رہے، اور اسلام پر بڑی مضبوطی سے جمے رہے، البتہ اللہ تعالیٰ سے ان مصائب سے نجات کی دعائیں انہوں نے برابر جاری رکھیں، آخر اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ جہاد کر کے ان کو کفار کے جبر و تشدد سے چھٹکارا دلوائیں۔

اس آیت میں کمزور بے بس مومنین نے اللہ تعالیٰ سے دو چیزوں کی درخواست کی تھی، ایک یہ کہ ہم کو اس قریہ سے نکالیں۔ یہاں قریہ سے مراد مکہ ہے دوسری یہ کہ ہمارے لئے کوئی حامی اور مددگار بھیج دیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دونوں باتیں قبول فرمائیں ہیں، اس طرح کہ بعض کو وہاں سے نکلنے کے مواقع میسر کئے جس سے ان کی پہلی بات پوری ہوئی بعض اسی جگہ رہے یہاں تک کہ مکہ فتح ہوا تو رسول

اللہ ﷺ نے عتاب بن اسیدؓ کو ان کا متولی مقرر کیا جنہوں نے اپنے زمانہ حکومت میں سب کو خوب آرام پہنچایا اس سے ان کی دوسری بات پوری ہوئی۔

ربط: اوپر جہاد کا وجوب اور اس کے فضائل کا بیان کر کے اس کی ترغیب تھی۔ آگے دوسرے طریقے سے اس کی ترغیب ہے یعنی جہاد میں بعض مسلمانوں کے مستعد نہ ہونے پر ان کی ایک لطف آمیز شکایت کے طریقے سے ترغیب دی جس کی وجہ یہ ہوئی کہ مکہ میں کفار بہت ستاتے تھے۔ اس وقت بعض اصحاب نے جہاد کی اجازت اصرار سے چاہی مگر اس وقت صبر اور درگذر کرنے کا حکم تھا۔ ہجرت کے بعد جب جہاد کا حکم نازل ہوا تو طبعاً بعض کو دشوار ہوا اس پر یہ شکایت فرمائی گئی اور چونکہ انکاریا حکم پر اعتراض مقصود پر نہ تھا بلکہ محض تمنا تھی کہ یہ حکم کچھ اور موخر ہوتا اس لئے ڈانٹ ڈپٹ نہیں ہے بلکہ محض لطف آمیز شکایت ہے۔ اس تمنا کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ عام طور سے محرک کے وقت کام زیادہ آسان ہوتا ہے تو مکہ میں کفار کی ایذاؤں سے جوش اٹھتا تھا۔ ہجرت کے بعد جو امن ہوا اتنا جوش نہ رہا اب طبعی مصلحتیں خیال میں آنے لگیں۔ اس شکایت کے ساتھ ترغیب جہاد کے طور پر دنیا کی ناپائیداری اور آخرت کی بقا اور موت سے کسی حال میں نہ بچ سکنا مذکور ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ قِيلَ لَهُمْ كُفُّوا أَيْدِيَكُمْ وَأَقِيمُوا الصَّلَوٰةَ وَآتُوا الزَّكَوٰةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ إِذَا فَرِيقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللَّهِ أَوْ أَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَا أَخَّرْتَنَا إِلَىٰ أَجَلٍ قَرِيبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ ۚ وَالْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقَىٰ وَلَا تُظْلَمُونَ فَتِيلًا ۝ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يُدْرِككُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنتُمْ فِي بُرُوجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ

ترجمہ: کیا تو نے نہ دیکھا ان لوگوں کو حکم دیا گیا تھا جن کو کہ روکے رکھو اپنے ہاتھ اور قائم کرو نماز اور دیتے رہو زکوۃ، پھر جب فرض کیا گیا ان پر جہاد اس وقت کچھ لوگ ان میں سے ڈرنے لگے لوگوں سے جیسے ڈرنا ہو اللہ سے بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا اور کہنے لگے اے رب ہمارے کیوں فرض کیا تو نے ہم پر جہاد، کیوں نہ مہلت دی ہم کو تھوڑی مدت تک۔ کہہ دے کہ

فائدہ دنیا کا تھوڑا ہے اور آخرت بہتر ہے اس کے لئے جو پرہیزگاری کرے اور نہ تم ظلم کئے جاؤ گے ایک تاگے برابر۔ جہاں کہیں تم ہو گے پالے گی تم کو موت اگرچہ تم ہو مضبوط قلعوں میں۔

تفسیر: اے مخاطب (کیا تو نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا) کہ حکم جہاد کے نازل ہونے سے پہلے تو جنگ کرنے کا انکا ایسا تقاضا تھا کہ (ان کو) منع کرنے کے لئے (یہ کہا گیا تھا کہ) ابھی (اپنے ہاتھوں کو) لڑنے سے (روکے رہو اور) جو جو حکم تم کو ہو چکے ہیں اس میں لگے رہو مثلاً (نمازوں کی پابندی رکھو اور زکوۃ دیتے رہو) یا تو یہ حالت تھی اور یا (پھر جب ان پر جہاد کرنا فرض کر دیا گیا تو کیا حال ہوا کہ ان میں سے بعض بعض آدمی) مخالف (لوگوں سے) طبعاً (ایسا ڈرنے لگے) کہ تم کو قتل کر دیں گے جیسے کوئی (اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ ڈرنا) زیادہ ڈرنے کے دو معنی ہیں سکتے ہیں، ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا عقلاً ہوتا ہے اور دشمن کا ڈر طبعی ہے اور قاعدہ ہے کہ طبعی حالت عقلی حالت سے شدید ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ خدا تعالیٰ سے تو جیسے خوف ہوتا ہے ویسے ہی امید رحمت بھی ہوتی ہے جب کہ کافر دشمن سے تو ضرر کا خوف ہی خوف ہوتا ہے۔ البتہ چونکہ یہ خوف طبعی تھا اس لئے گناہ نہیں ہوا (اور) یا قتال کے حکم کو ملتوی کرنے کی تمنا میں (یوں کہنے لگے) خواہ زبان سے یا دل سے اور خدا تعالیٰ کے علم میں تو دل کی بات اور زبانی قول دونوں برابر ہیں (کہ اے ہمارے پروردگار آپ نے ابھی سے ہم پر جہاد) کیوں (فرض کر دیا ہم کو) اپنی عنایت سے (تھوڑی اور مدت مہلت دیدی ہوتی) ذرا بے فکری سے اپنی ضروریات پوری کر لیتے اور چونکہ یہ عرض کرنا بطور اعتراض یا انکار کے نہ تھا اس لئے گناہ نہیں ہوا، آگے جواب ارشاد ہے کہ اے محمد ﷺ (آپ فرما دیجئے کہ دنیا کا فائدہ) جس کے لئے تم مہلت کی تمنا کرتے ہو (محض چند روزہ ہے اور آخرت) جس کے حصول کا اعلیٰ ذریعہ جہاد ہے (ہر طرح سے بہتر ہے) مگر وہ (اس شخص کے لئے) ہے (جو اللہ تعالیٰ کی مخالفت سے بچے) کیونکہ اگر کفر کے طور پر مخالفت کی تب تو اس کے لئے سامان آخرت کچھ بھی نہیں اور اگر معصیت کا مرتکب ہوا تو اعلیٰ درجے سے محروم رہے گا (اور تم پر ذرا بھی ظلم نہ کیا جائے گا) یعنی جتنے اعمال ہوں گے ان کا پورا ثواب ملے گا، پھر جہاد جیسے عمل کے ثواب سے کیوں خالی رہتے ہو اور اگر جہاد بھی نہ کیا تو کیا وقت معین پر موت سے بچ جاؤ گے؟ ہرگز نہیں، کیونکہ موت کی تو یہ حالت ہے کہ (تم چاہے کہیں بھی ہو وہاں موت آدبائے گی اگرچہ پختہ مضبوط قلعوں ہی میں) کیوں نہ (ہو) غرض جب موت اپنے وقت پر ضرور آئے گی اور مر کر دنیا کو چھوڑنا ہی پڑے گا تو آخرت میں خالی ہاتھ کیوں جاؤ۔

ربط: اوپر ترغیب جہاد میں یہ مذکور ہوا کہ موت اپنے وقت سے نہیں ٹلتی خواہ جہاد میں جاؤ یا نہ جاؤ چونکہ بعض منافقین جہاد میں جانے کو موت میں موثر اور نہ جانے کو حیات میں موثر سمجھتے اور کہتے تھے

لَوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَامَاتُوْا وَ مَاقُتِلُوْا (اگر ہمارے ساتھ رہتے اور جہاد میں نہ جاتے تو نہ ان کو موت آتی اور نہ قتل ہوتے) لہذا کبھی جہاد میں قتل یا موت کا واقعہ ہوتا تو رسول اللہ ﷺ پر الزام لگاتے کہ آپ ہی کے کہنے سے جہاد میں گئے اور موت کا شکار ہوئے۔ اس طرح سے موت میں جہاد کے موثر ہونے کو ثابت کرتے۔ اگر کبھی اسباب کی کمی کے باوجود مسلمانوں کو فتح ہوتی اور مسلمان کہتے کہ اگر موت میں جہاد موثر ہے تو اب وہ اثر کہاں گیا؟ تو کہتے یہ محض منجانب اللہ اتفاقی بات ہے۔ اس پر آگے گفتگو فرماتے ہیں۔

وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ؕ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ؕ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ؕ

ترجمہ: اور اگر پہنچتی ہے ان لوگوں کو کچھ بھلائی تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر پہنچتی ہے ان کو کچھ برائی تو کہتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے۔ کہہ دے کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے۔ سو کیا ہے ان لوگوں کو قریب نہیں ہوتے کہ سمجھیں بات کو۔ جو پہنچے تجھ کو کوئی بھلائی سو اللہ کی طرف سے ہے اور جو پہنچے تجھ کو کوئی برائی سو تیرے نفس کی طرف سے ہے۔

تفسیر: (اور اگر ان) منافقین (کو کوئی اچھی حالت پیش آتی ہے) جیسے فتح و کامیابی (تو کہتے ہیں کہ یہ منجانب اللہ) اتفاقاً (ہو گئی) ورنہ مسلمانوں کی بے تدبیری میں تو کوئی کسر تھی ہی نہیں (اور اگر ان کو کوئی بری حالت پیش آتی ہے) جیسے جہاد میں موت و قتل (تو) اے محمد ﷺ نعوذ باللہ آپ کی نسبت (کہتے ہیں کہ یہ آپ) کی اور مسلمانوں کی بے تدبیری (کے سبب سے ہے) ورنہ چین سے گھروں میں بیٹھے رہتے تو کیوں اس مصیبت میں پڑتے (آپ فرما دیجئے کہ) میرا تو اس میں ذرا بھی دخل نہیں بلکہ (سب کچھ) نعمت و سزا (اللہ ہی کی طرف سے ہے) گو ایک بلاواسطہ ہے اور ایک بواسطہ ہے جیسا کہ اگلی آیت میں اس کی تفصیل آتی ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ نعمت تو محض اللہ کے فضل سے ہوتی ہے جس میں بندوں کے اعمال کا کوئی واسطہ نہیں ہے۔ جب کہ سزا و مصیبت اللہ کے عدل سے بندوں کے اعمال بد کے واسطے سے ہوتی ہے۔ لہذا تم جو مصیبت میں میرا دخل سمجھتے ہو واقع میں تمہارے اعمال بد کا اس میں دخل ہے، جیسا احد میں شکست کے اسباب گزر چکے ہیں اور یہ بات بالکل ظاہر ہے اگر آدمی ذرا بھی غور کرے تو خوش حالی

سے پہلے کوئی نیک عمل اس درجہ کا نہ پائے گا جو اتنے بڑے اور کثیر فضل کا سبب بن سکے محض فضل ہی ثابت ہوگا، اور بدحالی سے قبل ضرور کوئی عمل بد پائے گا جس کی اصل سزا اس بدحالی سے زیادہ ہوتی۔ جب یہ ایسی ظاہر بات ہے (تو ان) حماقت شعار (لوگوں کو کیا ہوا کہ بات سمجھنے کے پاس کو بھی نہیں آتے) سمجھیں گے تو کیا۔ اور ابھی جو اجمالی جواب دیا اس کی تفصیل یہ ہے (اے انسان تجھ کو جو کوئی خوش حالی پیش آتی ہے وہ محض اللہ تعالیٰ کی جانب سے) فضل (ہے اور جو کوئی بدحالی پیش آئے وہ تیرے ہی اعمال بد کے سبب سے ہے) پس اس بدحالی کو شریعت کے احکام پر عمل کرنے کا نتیجہ کہنا یا شارع کی طرف اس کی نسبت کرنا پوری جہالت ہے، جیسا منافقین جہاد اور امام الجہاد یعنی رسول اللہ ﷺ کی طرف اس کی نسبت کرتے تھے۔

فائدہ: 1- ان بعض منافیقین کے من عند اللہ یعنی منجانب اللہ کہنے سے انکا اس کو تسلیم کرنا لازم نہیں آتا کیونکہ ان کی مراد اللہ تعالیٰ کی حمد نہ تھی بلکہ بطور محاورہ کے تھا جیسے عام بول چال میں خلاف توقع امور کو کبھی اللہ کی طرف کبھی تقدیر کی طرف نسبت کر دیتے ہیں۔ انکا زیادہ مقصود یہ کہنا تھا کہ وہ بھلائی آپ کی وجہ سے نہیں آئی۔

2- بدحالی کو اعمال کا ثمرہ بتایا تو یہ ہر ایک کے لئے نہیں بلکہ بد عمل آدمی کے لئے ہے ورنہ نیک لوگوں کے لئے حوادث و مصائب خود رحمت و تربیت ہے۔

3- یہ جو کہا گیا کہ کوئی نیک عمل اس درجہ کا نہ پائے گا کہ حاصل ہونے والی خوشحالی اس کی پوری پوری جزا ہو تو اس کی وجہ یہ ہے کہ قبولیت کی تمام شرائط کا علی وجہ الکمال ان اعمال میں پایا جانا مشکل ہے۔ علاوہ ازیں چونکہ نعمت پر شکر ادا کرنا واجب ہے جب کہ اللہ تعالیٰ نے جو بے شمار نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں ان کا شکر ہی پورا ادا ہونا محال ہے۔ تو یہ اعمال تو پورا شکرانہ ہی نہیں بنتے کجا یہ کہ ان پر مزید اجر کے دعویدار ہوں۔ ہاں یہ محض اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ وہ پھر بھی عطا کرتے ہیں اور اس کو جزا کہتے ہیں۔

ربط: اوپر ذکر ہوا کہ منافقین بدحالی کو رسول اللہ ﷺ کی طرف اعتراض اور سوء ادب کی وجہ سے منسوب کرتے تھے۔ اس سے آپ ﷺ کی رسالت کا انکار لازم آتا ہے۔ آگے اس کا ابطال اور رسالت کا اثبات ہے۔

وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۷۹

ترجمہ: اور بھیجا ہم نے تجھ کو لوگوں کے لئے پیغام پہنچانے والا اور کافی ہے اللہ گواہ

تفسیر: (اور ہم نے آپ کو تمام لوگوں کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا ہے اور) اگر کوئی منافق کافر انکار

کرے تو اس کے انکار سے نبوت کی نفی کب ہو سکتی ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ) آپ کی رسالت کے (گواہ کافی ہیں) جنہوں نے قولی اور فعلی شہادت دی ہے۔ قولی تو مثلاً یہی کلمہ کہ وَ اَرْسَلْنٰكَ اور فعلی یہ کہ معجزات جو اثبات نبوت کی دلیل ہیں آپ کو عطا فرمائے۔

ربط: اثبات رسالت کے بعد رسالت کا حق جو کہ وجوب اطاعت ہے اس کا بیان کرتے ہیں اور مخالفین کی عدم اطاعت پر آپ کی تسلی بھی فرماتے ہیں۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۝۸۰

ترجمہ: جس نے حکم مانا رسول کا اس نے حکم مانا اللہ کا اور جو الٹا پھرے تو نہیں بھیجا ہم نے تجھ کو ان پر نگران

تفسیر: (جس شخص نے رسول ﷺ (کی اطاعت کی اس نے خدا تعالیٰ کی اطاعت کی) اور جس نے آپؐ کی نافرمانی کی اس نے خدا تعالیٰ کی نافرمانی کی، اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت عقلاً بھی واجب ہے، پس آپؐ کی اطاعت بھی واجب ہوئی (اور جو شخص) آپؐ کی اطاعت سے (روگردانی کرے سو) آپ کچھ غم نہ کیجئے کیونکہ (ہم نے آپ کو) بطور ذمہ داری کے (ان کا نگراں کر کے نہیں بھیجا) کہ آپؐ ان کو کفر نہ کرنے دیں، بلکہ آپ کا فرض پیغام پہنچا دینے سے پورا ہو جاتا ہے، اگر اس کے بعد بھی وہ کفر کریں تو آپؐ پر کسی باز پرس کا اندیشہ نہیں، آپؐ بے فکر رہیں۔

ربط: منافقین جو اطاعت رسول جیسے واجب کے تارک تھے ان میں سے بعض کا آگے ذکر ہے۔

وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْھُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۸۱

ترجمہ: اور وہ کہتے ہیں (ہمارا کام) اطاعت ہے۔ پھر جب باہر جاتے ہیں تیرے پاس سے تو رات کو مشورہ کرتا ہے ایک گروہ ان میں سے برخلاف اس کے جو وہ کہہ چکا تھا۔ اور اللہ لکھتا جاتا ہے جو وہ راتوں کو مشورہ کرتے ہیں۔ سو تو اعراض کر ان سے اور بھروسہ کر اللہ پر اور اللہ کافی ہے کارساز

تفسیر: (اور یہ) منافق (لوگ) آپ کے احکام سن کر آپ کے سامنے زبان سے تو (کہتے ہیں کہ

ہمارا کام) آپ کی (اطاعت کرنا ہے، پھر جب آپ کے پاس سے) اٹھ کر (باہر جاتے ہیں تو شب کے وقت ان) کے سرداروں (کی ایک جماعت) پوشیدہ (مشورے کرتی ہے برخلاف اس کے جو کچھ زبان سے کہہ چکے تھے) اور چونکہ وہ سردار ہیں اصل مشورہ وہ کرتے ہیں باقی ان کی تابعداری اختیار کرتے ہیں تو اس خلاف میں سب کی ایک حالت ہے (اور اللہ تعالیٰ) سرکاری روزنامچہ میں (لکھتے جاتے ہیں جو کچھ وہ راتوں کو مشورے کیا کرتے ہیں) پھر موقع پر سزا دیں گے (سو آپ ان کی) بیہودگی کی (طرف التفات) اور اس کا خیال (نہ کیجئے، اور) کچھ فکر نہ کیجئے، بلکہ سارا قصہ (اللہ تعالیٰ کے حوالہ کیجئے اور اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں) وہ خود مناسب طور پر اس کا دفعیہ فرمائیں گے، چنانچہ کبھی ان کی شرارت سے کوئی ضرر نہیں پہنچا۔

ربط: رسالت کے بڑے دلائل میں سے ایک قرآن پاک ہے۔ انکار رسالت سے اس کا انکار بھی لازم آتا ہے۔ آگے قرآن کی حقانیت کو مقام کی مناسبت سے ثابت کرتے ہیں۔ اور وہ یہ ہے کہ منافقین کے سرداروں نے رات کے وقت جس جگہ مشورے کئے تھے اس کے بارے میں انہوں نے بڑی رازداری سے کام لیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ کو کسی انسانی ذریعہ سے اس کی خبر نہیں پہنچی۔ اس کے باوجود آپ جو اس کی خبر دے رہے ہیں تو یہ لامحالہ اللہ تعالیٰ کے بتانے سے ہے اور قرآن پاک کلام الٰہی ہے۔

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ اللَّهِ لَوَجَدُوا فِيهِ اخْتِلَافًا كَثِيرًا ﴿٨٢﴾

ترجمہ: کیا وہ غور نہیں کرتے قرآن میں اور اگر یہ ہوتا اللہ کے سوا کسی اور کی جانب سے تو وہ ضرور پاتے اس میں بہت تفاوت۔

تفسیر: (کیا یہ لوگ) فصاحت و بلاغت میں اور غیب کی صحیح صحیح خبریں دینے میں قرآن کا معجزہ ہونا دیکھ رہے ہیں اور پھر (قرآن میں غور نہیں کرتے) تاکہ اس کا کلام الٰہی ہونا واضح ہو جائے (اور اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو اس) کے مضامین (میں) ان کی کثرت کی وجہ سے واقعیت سے اور حد اعجاز سے (بکثرت تفاوت پاتے) کیونکہ ہر ہر مضمون میں ایک ایک اختلاف بھی ہوتا تو مضامین کی کثرت کے باعث اختلافات بھی کثیر ہوتے۔ جب ایک مضمون میں بھی اختلاف نہیں تو لامحالہ یہ غیر اللہ کا کلام نہیں ہو سکتا۔

فائدہ: بشر کے کلام میں یہ بات نہیں ہو سکتی کہ نہ کسی جگہ فصاحت و بلاغت میں کمی، نہ توحید و کفر اور حلال و حرام کے بیان میں تناقض اور تفاوت، پھر غیب کی اطلاعات میں بھی نہ کوئی خبر ایسی ہے جو واقع کے مطابق نہ ہو، نہ نظم قرآن میں کہیں یہ فرق کہ بعض فصیح ہو اور بعض رکیک پھر ہر بشر کی تقریر

تحریر پر ماحول کا اثر ہوتا ہے، اطمینان کے وقت کلام اور طرح کا ہوتا ہے پریشانی کے وقت دوسری طرح کا ہے مسرت کے وقت اور رنگ ہوتا ہے اور رنج کے وقت دوسرا لیکن قرآن ہر قسم کے تفاوت اور تناقض سے پاک ہے۔

ربط: اوپر منافقین کی بدعنوانی مذکور ہوئی آگے ان کی انتظامی بدعنوانی ذکر فرماتے ہیں جس سے مسلمانوں کو نقصان ہوتا تھا۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ أَمْرٌ مِّنَ الْأَمْنِ أَوِ الْخَوْفِ أَذَاعُوا بِهِ ۖ وَلَوْ رَدُّوهُ إِلَى الرَّسُولِ وَإِلَىٰ أُولِي الْأَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِينَ يَسْتَنبِطُونَهُ مِنْهُمْ ۗ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطَانَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿٨٣﴾

ترجمہ: اور جب ان کے پاس پہنچتی ہے کوئی بات امن کی یا ڈر کی تو اس کو مشہور کر دیتے ہیں۔ اور اگر حوالہ کر دیتے اس کو رسول کی طرف اور امور کو سمجھنے والوں کی طرف اپنوں میں سے تو جان ہی لیتے اس کو جو تحقیق کر لیا کرتے ہیں اس کی ان میں سے۔ اور اگر نہ ہوتا فضل اللہ کا تم پر اور اس کی مہربانی تو البتہ تم پیروی کرتے شیطان کی مگر تھوڑے۔

تفسیر: (اور جب ان کو کسی) جدید بات (کی خبر پہنچتی ہے خواہ) وہ بات موجب (امن ہو یا) موجب (خوف) مثلاً مسلمانوں کا کوئی لشکر کسی جگہ جہاد کے لئے گیا اور ان کے غالب ہونے کی خبر آئی یہ امن کی خبر ہوئی، یا ان کے مغلوب ہونے کی خبر آئی یہ خوف کی خبر ہے (تو اس) خبر (کو) فوراً (مشہور کر دیتے ہیں) حالانکہ بعض اوقات وہ غلط نکلتی ہے اور اگر صحیح بھی ہوئی تب بھی بعض اوقات اس کا مشہور کرنا انتظامی مصلحت کے خلاف ہوتا ہے (اور اگر) خود مشہور کرنے کے بجائے (یہ لوگ اس) خبر (کو رسول ﷺ (کے اور جو) حضرات اکابر صحابہ (ان میں ایسے امور کو سمجھتے ہیں ان) کی رائے (کے اوپر حوالہ رکھتے) اور خود کچھ دخل نہ دیتے (تو اس) خبر کے صحیح و غلط ہونے اور قابل تشہیر ہونے نہ ہونے (کو وہ حضرات تو پہچان ہی لیتے جو ان میں اس کی تحقیق کر لیا کرتے ہیں) جیسا ہمیشہ پہچان ہی لیتے ہیں، پھر جیسے یہ حضرات عمل درآمد کرتے ویسے ہی ان خبر اڑانے والوں کو کرنا چاہئے تھا، ان کو دخل دینے کی کیا ضرورت تھی اور دخل نہ دیتے تو کونسا کام اٹک رہا تھا؟ احکام مذکورہ سنانے کے بعد جو سراسر دنیوی اور اخروی مصلحتوں پر مشتمل ہیں احسان کے طور پر مسلمانوں کو ارشاد ہے (اور اگر تم لوگوں پر خدا تعالیٰ کا) یہ خاص (فضل اور رحمت) کہ تم کو قرآن دیا اور اپنا پیغمبر بھیجا اگر یہ (نہ ہوتا تو تم سب کے سب) دنیوی و اخروی ضرر اختیار کر کے (شیطان کے پیرو ہو جاتے سوائے تھوڑے سے آدمیوں کے) جو خداداد عقل سلیم کی

بدولت کہ وہ بھی ایک خاص فضل ورحمت ہے اس سے محفوظ رہتے ورنہ زیادہ تباہی میں پڑتے پس تم کو منافقین کے برخلاف ایسے پیغمبر اور ایسے قرآن کو جن کے ذریعے ایسی مصلحتوں والے احکام آتے ہیں بہت غنیمت سمجھنا چاہئے، اور پوری اطاعت کرنا چاہئے۔

فائدہ: یہ شبہ نہ کیا جائے کہ جن قلیل کا استثناء کیا گیا ہے ان پر تو پھر بعثت رسول اور قرآن سے کوئی رحمت خاص نہ ہوئی کیونکہ وہ تو ان کے بغیر بھی محض اپنی عقل کی وجہ سے شیطان کے اتباع سے محفوظ رہتے۔ جواب یہ ہے کہ عقل سے بعض احکام کو اجمالی طور پر ہی جان سکتے ہیں جن سے وہ آخرت کے عذاب سے تو بچ جاتے لیکن تفصیلی احکام اور اعلیٰ درجات حاصل کرنے کے طریقوں کو نہ جان سکتے۔ یہ سب کچھ تو وحی سے ہی معلوم کئے جو بڑا احسان اور بڑی رحمت ہے۔

ربط: آگے خاص رسول اللہ ﷺ کو خطاب کرتے ہوئے جہاد کے حکم کو دوبارہ لائے ہیں اور اس میں منافقین کی سستی اور بعض مسلمانوں کے طبعی خوف اور کم ہمتی کی طرف اشارہ ہے۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ۝۸۴

ترجمہ: سو تو لڑ اللہ کی راہ میں۔ تو مکلف نہیں کیا گیا مگر اپنی جان کا اور ترغیب دے مسلمانوں کو امید ہے کہ اللہ روک دے زور جنگ کافروں کا اور اللہ بہت سخت ہے زور جنگ میں اور بہت سخت ہے سزا دینے میں

تفسیر: جب جہاد کی ضرورت معلوم ہو گئی (تو آپ) اے محمد ﷺ (اللہ کی راہ میں) کفار سے (قتال کیجئے) اور اگر بالفرض کوئی آپ کے ساتھ نہ ہو تو کچھ فکر نہ کیجئے کیونکہ (آپ کو سوائے آپؐ کے ذاتی فعل کے) دوسرے شخص کے فعل کا (کوئی حکم نہیں اور) اس کے ساتھ (مسلمانوں کو) صرف (ترغیب دیدیجئے) پھر اگر کوئی ساتھ نہ دے تو آپؐ بری الذمہ ہیں نہ تو باز پرس کی فکر کیجئے جس کی وجہ ذکر ہو چکی اور نہ تنہا رہ جانے کا غم کیجئے جس کی وجہ یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ سے امید ہے) اور یہ امید دلانا وعدہ ہے (کہ کافروں کے زور جنگ کو روک دیں گے) اور ان کو مغلوب کر دیں گے (اور) گو یہ بڑے زوردار نظر آتے ہیں لیکن (اللہ تعالیٰ زور جنگ میں) کئی گنا (زیادہ شدید) اور قوی (ہیں اور) مخالف کو (سخت سزا دیتے ہیں)۔

فائدہ: اللہ تعالیٰ کے زور جنگ سے مراد کفار کو مغلوب کر دینے کا سامان کرنا ہے جو زور جنگ کا نتیجہ ہوتا ہے۔ اس پیشین گوئی کا پورا ہونا واضح ہے۔ اگر خاص کفار قریش مراد ہوں جب بھی اور اگر

ساری دنیا کے کفار مراد ہوں جب بھی کیونکہ کچھ ہی عرصہ میں مسلمانوں نے تمام سلطنتیں فتح کرلیں۔

ربط: آگے سفارش کا حکم بیان فرماتے ہیں:

مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿۸۵﴾

ترجمہ: جو کوئی سفارش کرے اچھی سفارش ہوگا اس کے لئے حصہ اس کی وجہ سے اور جو کوئی سفارش کرے بری سفارش ہوگا اس کے لئے بوجھ اس کی وجہ سے اور اللہ ہے ہر چیز پر قدرت رکھنے والا۔

تفسیر: (جو شخص اچھی سفارش کرے) یعنی جس کا طریقہ اور مقصد دونوں شریعت کے مطابق ہوں (اس کو اس) سفارش (کی وجہ سے) ثواب کا (حصہ ملے گا اور جو شخص بری سفارش کرے) یعنی جس کا طریقہ یا غرض شریعت کے خلاف ہو (اس کو اس) سفارش (کی وجہ سے) گناہ کا (حصہ ملے گا، اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والے ہیں) وہ اپنی قدرت سے نیکی پر ثواب اور بدی پر عذاب دے سکتے ہیں۔

فائدہ: 1 طریقہ شریعت کے خلاف ہو یعنی ناجائز ہو کہ مثلاً کسی غریب کی امداد کے لئے کسی امیر سے کہا مگر اس طرح کہ اس کو مجبور کیا اور اس پر گراں ہوا گو غرض بری نہیں مگر طریقہ برا ہے کیونکہ ایذاء مسلم معصیت ہے۔

2 غرض غیر مشروع یہ کہ کسی ظالم کی اعانت کے لئے کہا کہ یہ غرض ہی حرام ہے۔

3 جو سفارش دونوں سے خالی ہو وہ عبادت کی طرح ثواب کا باعث ہے اور اس پر اجرت لینا حرام ہے۔

ربط: آگے سلام کا جواب دینے کا حکم بیان کرتے ہیں۔

وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْهَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿۸۶﴾

ترجمہ: اور جب تم کہے جاؤ سلام تو تم سلام کہو اس سے بہتر یا وہی کہو الٹ کر بیشک اللہ ہے ہر چیز کا حساب کرنے والا۔

تفسیر: (اور جب تم کو کوئی) شریعت کے مطابق (سلام کرے تو تم اس سلام سے اچھے الفاظ میں سلام کرو) یعنی جواب دو (یا) جواب میں (ویسے ہی الفاظ کہہ دو) تم کو دونوں اختیار دیئے جاتے ہیں (بلا شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر) یعنی ہر عمل پر (حساب لیں گے) یعنی ان کا قانون یہی ہے اور ویسے اپنے فضل سے

معاف کر دیں وہ اور بات ہے۔

فائدہ: 1 تفسیر میں یہ جو قید لگائی کہ شریعت کے مطابق تو اس سے وہ سلام نکل گئے جو مکروہ ہیں مثلاً پیشاب کرنے والے کو سلام کرنا۔

2 کوئی السلام علیکم ورحمتہ اللہ کہے تو اس کو جواب میں وعلیکم السلام کہنا بھی کافی ہے۔

ربط: اوپر بہت سے احکام ذکر ہوئے ہیں۔ آگے ان کی تاکید و اہتمام کے لئے اپنی عظمت اور قیامت کا ذکر فرماتے ہیں تاکہ حاکم کی عظمت سے اور ان کے دربار میں حاضری و حساب کے ڈر سے احکام پر عمل کرنے کا اہتمام بڑھ جائے۔

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿۸۷﴾

ترجمہ: اللہ (ایسا ہے کہ) نہیں کوئی مستحق عبادت مگر وہی۔ وہ ضرور جمع کرے گا تم کو قیامت کے دن، اس میں کچھ شبہ نہیں اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں۔

تفسیر: (اللہ ایسے ہیں کہ ان کے سوا کوئی معبود ہونے کے قابل نہیں، وہ ضرور تم سب کو جمع کریں گے قیامت کے دن، اس میں) یعنی قیامت کے دن میں یا اس دن میں جمع کرنے میں (کوئی شبہ نہیں اور خدا تعالیٰ سے زیادہ کس کی بات سچی ہوگی) جب وہ خبر دے رہے ہیں تو بالکل ٹھیک ہی ہے۔

ربط: اوپر جہاد و قتال کے احکام مذکور تھے۔ اگلی آیتوں میں قتال و عدم قتال کے تین خاص احکام مذکور ہیں جو کفار کے بعض خاص خاص حالات کے اعتبار سے ہیں۔

1۔ بعض مشرکین مکہ سے مدینہ آئے اور ظاہر کیا کہ ہم مسلمان اور مہاجر ہو کر آئے ہیں۔ پھر کچھ وقت کے بعد رسول اللہ ﷺ سے سامان تجارت لانے کا بہانہ کر کے پھر مکہ کو چل دیئے اور پھر نہ آئے۔ ان کے بارے میں مسلمانوں کی رائے مختلف ہوئی۔ بعض نے کہا یہ کافر ہیں بعض نے کہا یہ مومن ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا کافر ہونا آیت فَمَا لَكُمْ فِى الْمُنَافِقِيْنَ میں بیان فرمادیا اور ان کے قتل کا حکم دیا۔ آیت میں ان کو منافق اس وجہ سے کہا کہ اسلام کا دعوی کرنے کے وقت ہی منافق تھے دل سے ایمان نہ لائے تھے اور منافقین اگرچہ قتل نہ کئے جاتے تھے۔ لیکن یہ جب تک ہی تھا کہ وہ اپنا کفر چھپاتے تھے اور ان لوگوں کا تو ارتداد ظاہر ہو گیا تھا کہ دوبارہ دارالحرب میں جا بسے حالانکہ اس وقت جیسے کسی مسلمان کی شناخت اس سے ہوتی تھی کہ وہ مسجد میں جا کر نماز پڑھتا ہے اسی طرح اس سے بھی ہوتی تھی کہ مجبوری نہ ہونے کی صورت میں مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرے اور عام منافق بھی مسلمان کہلانے کے لئے ان کی پابندی کرتا تھا۔

2 (ا) وہ کافر جو ان لوگوں سے معاہدہ و مصالحت کر لیں جن سے تمہاری صلح ہے تو وہ کافر بھی تمہاری صلح میں داخل ہو جائیں گے۔

(ب) وہ کافر جو لڑائی سے عاجز ہو کر تم سے صلح کریں اور اس بات کا عہد کریں کہ نہ اپنی قوم کے طرفدار ہو کر تم سے لڑیں گے اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں گے اور اس عہد پر قائم بھی رہیں۔

ان دونوں کا حکم یہ ہے کہ ان سے نہ لڑو اور ان کی مصالحت کو منظور کر لو۔ یہ حکم آیت اِلَّا الَّذِیۡنَ یَصِلُوۡنَ اِلٰی قَوۡمٍ ...... الخ میں ہے۔

3- وہ کافر جو تم سے عہد کر جاتے ہیں کہ نہ تم سے لڑیں گے اور نہ اپنی قوم سے لڑیں گے تاکہ تم سے اور اپنی قوم سے دونوں سے امن میں رہیں لیکن اس عہد پر قائم نہیں رہتے بلکہ جب اپنی قوم کا غلبہ دیکھتے ہیں تو ان کے مددگار ہو جاتے ہیں۔ انکا ذکر سَتَجِدُوْنَ آخَرِیْنَ یُرِیْدُوْنَ ...... الخ میں ہے اور ان کے بارے میں یہ حکم ہے کہ ان کو بھی پکڑ کر قتل کر دو۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ

فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ

يَاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ كُلَّمَا رُدُّوْٓا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْٓا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْٓا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ۚ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾

ترجمہ: پھر تم کو کیا ہوا کہ منافقوں کے معاملہ میں دو فریق ہو گئے حالانکہ اللہ نے الٹا پھیر دیا ان کو بسبب اس کے جو انہوں نے عمل کیا۔ کیا تم چاہتے ہو کہ راہ پر لاؤ جس کو گمراہ کیا اللہ نے اور جس کو گمراہ کر دے اللہ تو ہرگز نہ پائے گا تو اس کے لئے کوئی راہ۔ چاہتے ہیں کہ کاش تم بھی کافر ہو جاؤ جیسے وہ کافر ہوئے پھر تم سب ایک طرح ہو جاؤ سو تم مت بناؤ ان میں سے دوست یہاں تک کہ وہ ہجرت کریں اللہ کی راہ میں، پھر اگر وہ اعراض کریں تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں تم پاؤ ان کو اور نہ بناؤ ان میں سے کسی کو دوست اور نہ مددگار۔ مگر وہ لوگ جو جا ملتے ہیں ایک قوم سے کہ تم میں اور ان میں عہد ہے یا وہ آئیں تمہارے پاس اس حالت میں کہ تنگ ہو گئے دل ان کے اس سے کہ لڑیں تم سے یا لڑیں اپنی قوم سے اور اگر چاہتا اللہ تو مسلط کر دیتا ان کو تمہارے اوپر پھر وہ لڑتے تم سے۔ پھر اگر وہ کنارہ کش رہیں تم سے اور نہ لڑیں تم سے اور ڈالیں تمہاری طرف صلح تو نہیں دی اللہ نے تم کو ان پر کوئی راہ۔ تم پاؤ گے ایک اور قوم کو جو چاہتے ہیں کہ امن میں رہیں تم سے اور امن میں رہیں اپنی قوم سے جب کبھی وہ متوجہ کئے جاتے ہیں فساد کی طرف تو جا گرتے ہیں اس میں۔ پھر اگر وہ کنارہ کشی نہ کریں تم سے اور نہ ڈالیں تمہاری طرف صلح اور نہ روکیں اپنے ہاتھ تو پکڑو ان کو اور قتل کرو ان کو جہاں تم پاؤ ان کو اور یہ ہیں کہ بنائی ہے ہم نے تمہارے لئے ان کے خلاف کھلی حجت۔

تفسیر: پہلے گروہ کا بیان: جب تم ان مرتدین کی حالت دیکھ چکے (پھر تم کو کیا ہوا کہ ان منافقین کے بارے میں) تم اختلاف رائے کر کے (دو گروہ ہو گئے) کہ ایک گروہ ان کو اب بھی مسلمان کہتا ہے (حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان کو) ان کے اعلانیہ کفر کی طرف (الٹا پھیر دیا ان کے عمل کے سبب) اور وہ عمل یہ تھا کہ انہوں نے بظاہر ہجرت کر کے بلا کسی مجبوری کے دارالاسلام کو چھوڑ دیا اور اپنی ظاہری ہجرت بھی ترک کر دی جب کہ اس وقت دارالہجرت سے واپس چلے جانا اسلام سے پھر جانے اور مرتد ہو جانے کی نشانی تھی۔ لہٰذا اس کے باوجود ان کو مومن کہنا درست نہیں۔ اور چونکہ واقع میں وہ پہلے ہی مسلمان نہ

ہوئے تھے۔ اور اسی وجہ سے ان کو منافق کہا (کیا تم لوگ) اے وہ گروہ جن کو دارالاسلام کے اس ترک کا علامت کفر ہونا معلوم نہیں (اس کا ارادہ رکھتے ہو کہ ایسے لوگوں کو ہدایت کرو جن کو اللہ تعالیٰ نے) جب کہ انہوں نے خود گمراہی اختیار کی (گمراہی میں ڈال رکھا ہے) جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ بندے کے عزم فعل کے وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ جو شخص مومن نہیں اور گمراہ ہے اس کو تم جو ہدایت یافتہ مومن کہتے ہو یہ تمہارے لئے جائز نہیں مومن وہ ہوتا ہے جس میں ایمان ہو اور اس وقت تک ایمان ہے نہیں تو کیا اب ایمان پیدا کرو گے جو اس کو مومن کہہ سکو اور یہ محال ہے۔ (اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں اس کے) مومن ہونے کے (لئے کوئی راہ نہ پاؤ گے) لہٰذا ان لوگوں کو مومن نہ کہنا چاہئے اور بھلا وہ خود کیا مومن ہوں گے ان کے کفر میں غلو کی تو یہ حالت ہے کہ (وہ اس تمنا میں ہیں کہ جیسے وہ کافر ہیں تم بھی) خدا نہ کرے (کافر بن جاؤ پھر تم اور وہ سب ایک طرح ہو جاؤ سو) ان کی جب یہ حالت ہے تو (ان میں سے کسی کو دوست مت بنانا) کیونکہ دوستی کے جواز کے لئے اسلام شرط ہے۔ اور جیسا کہ پہلے بھی ذکر ہوا اس وقت مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کرنا فرض تھا اور کوئی مجبوری نہ ہونے کی صورت میں اسلام کی تکمیل اسی سے سمجھی جاتی تھی اور وہ ہر کسی کے اسلام کی شناخت بن گئی تھی اس لئے (جب تک وہ اللہ کی راہ میں) تکمیل اسلام کے لئے (ہجرت نہ کریں) ان کو دوست نہ بنانا۔ تکمیل اسلام کی قید اس لئے ہے کہ صرف دارالاسلام میں آنا کافی نہیں کیونکہ ویسے تو کفار تاجر بھی آجاتے ہیں، بلکہ اسلامی حیثیت سے آئیں یعنی اسلام بھی ظاہر کریں تاکہ اقرار اور ہجرت دونوں ہی ہو جائیں اور رہی قلبی تصدیق تو اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ ہی کو ہو سکتا ہے مسلمانوں کو اس کی تفتیش ضروری نہیں **(اور اگر وہ)** اسلام سے (اعراض کریں) اور کافر ہی رہیں (تو ان کو پکڑو اور قتل کرو جس جگہ ان کو پاؤ اور نہ ان میں کسی کو دوست بناؤ اور نہ مددگار بناؤ) مطلب یہ کہ کسی حالت میں ان سے کوئی تعلق نہ رکھو، نہ ان سے امن میں دوستی رکھو نہ خوف میں ان سے مدد لو بلکہ ان سے الگ تھلگ رہو۔

دوسرے گروہ کا بیان: (مگر) ان کفار میں (جو لوگ ایسے ہیں جو کہ) تمہارے ساتھ مصالحت سے رہنا چاہتے ہیں، جس کے دو طریقے ہیں، ایک تو یہ کہ وہ (ایسے لوگوں سے جا ملتے ہیں) اور مصالحت و معاہدہ کر لیتے ہیں (کہ تمہارے اور ان کے درمیان عہد) صلح (ہے) جیسے بنو مدلج، کہ ان سے صلح ہوئی تو ان کے ساتھ جن کے معاہدے تھے وہ بھی اس استثناء میں آگئے تو بنو مدلج بدرجہ اولیٰ مستثنیٰ ہوئے (یا) دوسرا طریقہ یہ ہے کہ (خود تمہارے پاس اس حالت میں آئیں) یا رابطہ کریں (کہ ان کے دل تمہارے ساتھ اور اپنی قوم کے ساتھ بھی لڑنے سے منقبض ہوں) اس لئے نہ تو اپنی قوم کے ساتھ ہو کر تم سے

لڑیں اور نہ تمہارے ساتھ ہو کر اپنی قوم سے لڑیں بلکہ ان سے بھی صلح رکھیں اور تم سے بھی، پس دونوں طریقوں میں سے جس طریقے سے کوئی مصالحت رکھے وہ مذکورہ حکم یعنی پکڑنے اور قتل کرنے سے مستثنیٰ ہیں (اور) تم ان لوگوں کی صلح کی درخواست میں اللہ تعالیٰ کا احسان مانو کہ ان کے دل میں تمہاری ہیبت ڈال دی ورنہ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتا توان کو تم پر مسلط) اور دلیر (کر دیتا پھر وہ تم سے لڑنے لگتے) مگر خدا تعالیٰ نے تم کو اس پریشانی سے بچالیا (پھر اگر) صلح کر کے (وہ تم سے کنارہ کش رہیں یعنی تم سے نہ لڑیں اور تم سے معاملہ سلامت روی کا رکھیں) ان سب الفاظ کا مطلب یہ ہے کہ صلح سے رہیں، کئی لفظ تاکید کے لئے فرمادیئے (تو) اس حالت صلح میں (اللہ تعالیٰ نے تم کو ان پر) قتل یا قید وغیرہ کی (کوئی راہ نہیں دی) یعنی اجازت نہیں دی۔

تیسرے گروہ کا بیان: (بعضے ایسے بھی تم کو ضرور ملیں گے) یعنی ان کی یہ حالت معلوم ہو گی (کہ) دھوکہ سے (وہ یہ) بھی (چاہتے ہیں کہ تم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں اور اپنی قوم سے بھی بے خطر ہو کر رہیں) اور اس کے ساتھ ہی (جب کبھی ان کو) اپنی قوم کی طرف سے (شرارت) وفساد (کی طرف متوجہ کیا جاتا ہے) یعنی ان کو مسلمانوں سے لڑنے کے لئے کہا جاتا ہے (تو وہ) فوراً (اس) شرارت (میں جاگرتے ہیں) یعنی مسلمانوں سے لڑنے پر آمادہ ہوجاتے ہیں اور وہ دھوکہ کی صلح توڑ دیتے ہیں (سو یہ لوگ اگر) صلح توڑ دیں اور (تم سے) یعنی تمہاری لڑائی سے (کنارہ کش نہ ہوں اور نہ تم سے سلامت روی رکھیں اور نہ اپنے ہاتھوں کو) تمہارے مقابلہ سے (روکیں) سب کا مطلب مثل سابق کے ایک ہی ہے کہ صلح توڑ دیں (تو تم) بھی (ان کو پکڑو اور قتل کرو جہاں کہیں ان کو پاؤ اور ہم نے تم کو ان پر صاف حجت دی ہے) جس سے ان کا قتل کرنا ظاہر ہے اور وہ حجت ان کا عہد توڑنا ہے۔

ربط: اوپر بعض کافروں سے لڑائی کرنے اور انکو قتل کرنے کا حکم بیان ہوا تھا۔ اس مضمون کی مناسبت سے کسی مسلمان کو قتل کرنے کا حکم بیان فرماتے ہیں۔ قتل دو طرح سے ہو سکتا ہے۔ ایک تو کوئی جان بوجھ کر دوسرے کو قتل کرے یہ قتل عمد ہے۔ دوسرے غلطی سے اپنے ہاتھوں دوسرا قتل ہو جائے یہ قتل خطا ہے۔ پہلے کسی مسلمان کے قتل خطا کا تفصیلی حکم بیان فرماتے ہیں پھر مسلمان کے قتل عمد کا اخروی حکم ذکر کرتے ہیں۔ قتل عمد کے دنیوی حکم یعنی قصاص کا حکم سورت بقرہ میں آچکا ہے۔

قتل عمد اس قتل کو کہتے ہیں جس میں مقتول کو عمداً ایسے آلہ سے ضرب لگائی گئی ہو جو جسم کے اعضاء کو جدا کرتا ہو جیسے کوئی ہتھیار ہو یا کوئی دھاری دار لکڑی پتھر یا شیشہ ہو وغیرہ۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا

خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ

مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖٓ اِلَّاۤ اَنۡ يَّصَّدَّقُوۡا‌ ؕ فَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍ عَدُوٍّ لَّـكُمۡ وَهُوَ مُؤۡمِنٌ فَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ؕ وَاِنۡ كَانَ مِنۡ قَوۡمٍۢ بَيۡنَكُمۡ وَبَيۡنَهُمۡ مِّيۡثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهۡلِهٖ وَتَحۡرِيۡرُ رَقَبَةٍ مُّؤۡمِنَةٍ‌ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ فَصِيَامُ شَهۡرَيۡنِ مُتَتَابِعَيۡنِ تَوۡبَةً مِّنَ اللّٰهِ‌ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيۡمًا حَكِيۡمًا ﴿۹۲﴾ وَمَنۡ يَّقۡتُلۡ مُؤۡمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُهٗ جَهَـنَّمُ خَالِدًا فِيۡهَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيۡمًا ﴿۹۳﴾

ترجمہ: اور مسلمان کی شان نہیں کہ قتل کرے کسی مسلمان کو مگر غلطی سے اور جو قتل کرے کسی مسلمان کو غلطی سے تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو (یعنی غلام یا لونڈی کو) اور خون بہا ہے حوالہ کیا ہوا اس کے گھر والوں کو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں، پھر اگر مقتول ہو تمہاری دشمن قوم سے اور خود وہ مسلمان ہو تو آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو اور اگر وہ ہو ایسی قوم سے کہ تم میں اور ان میں معاہدہ ہے، تو خوں بہا ہے حوالہ کیا ہوا اس کے گھر والوں کو اور آزاد کرنا ہے ایک مسلمان گردن کو۔ پھر جو نہ پائے (لونڈی غلام) تو روزے ہیں دو مہینے کے لگاتار توبہ کے طریقے پر اللہ کی جانب سے اور اللہ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی قتل کرے کسی مسلمان کو جان کر تو اس کی سزا دوزخ ہے ہمیشہ رہے گا اسی میں اور غضبناک ہوگا اللہ اس پر اور لعنت کرے گا اس پر اور تیار کرے گا اس کے واسطے بڑا عذاب۔

تفسیر: (اور کسی مومن کی شان نہیں کہ وہ کسی مومن کو) ابتداءً (قتل کرے لیکن غلطی سے) ہو جائے تو اور بات ہے (اور جو شخص کسی مومن کو غلطی سے قتل کردے تو اس پر) شرعاً (ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا) واجب (ہے اور خوں بہا) بھی واجب ہے (جو اس) مقتول (کے خاندان والوں کو) یعنی ان میں جو وارث ہیں بقدر حصص میراث (حوالہ کردی جائے) اور جس کا کوئی وارث نہ ہو تو بیت المال قائم مقام ورثہ کے ہے (مگر یہ کہ وہ لوگ) اس خوں بہا کو (معاف کر دیں) خواہ کل یا بعض جتنی مقدار معاف کریں گے اتنی ہی معاف ہو جائے گی (اور اگر وہ) یعنی خطا سے قتل ہونے والا (ایسی قوم سے ہو جو تمہارے دشمن ہیں) یعنی حربی ہیں اور انہی میں کسی وجہ سے رہتا تھا (اور وہ شخص خود مومن ہے تو) صرف (ایک مسلمان غلام یا لونڈی کا آزاد کرنا) واجب ہوگا اور خون بہا نہ ہوگا کیونکہ مقتول کے دار الحرب میں ہونے کی

وجہ سے اس کی جان ومال کو تحفظ حاصل نہ رہا۔ (اور اگر) خطا سے قتل کیا جانے والا (وہ شخص اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں صلح کا معاہدہ ہو تو خوں بہا) بھی واجب (ہے جو اس) مقتول (کے خاندان والوں کو) یعنی ان میں جو مسلمان وارث ہیں ان کے (حوالہ کر دی جائے) کیونکہ کافر مسلمان کا وارث نہیں ہوتا (اور ایک مسلمان غلام یا لونڈی کو آزاد کرنا) پڑے گا (پھر) جن صورتوں میں غلام لونڈی کا آزاد کرنا واجب ہے (جس شخص کو) غلام لونڈی (نہ ملے) یا اس کے پاس اتنے دام نہ ہوں کہ خرید سکے (تو) اس کے ذمہ بجائے اس آزاد کرنے کے (متواتر) یعنی لگاتار (دو ماہ کے روزے ہیں) یہ آزاد کرنا اور وہ نہ ہو سکے تو روزے رکھنا (بطریق توبہ کے) ہے (جو اللہ کی طرف سے مقرر ہوئی ہے) یعنی اس کا یہ طریقہ مشروع ہوا ہے (اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے حکمت والے ہیں) اپنے علم و حکمت سے مصلحت کے مناسب احکام مقرر فرمائے ہیں، گو ہر جگہ حکمت بندہ کو معلوم نہ ہو (اور جو شخص کسی مسلمان کو قصداً قتل کر ڈالے تو اس کی) اصلی (سزا) تو (جہنم) میں اس طرح رہنا (ہے کہ ہمیشہ ہمیشہ کو اس میں رہے گا) لیکن اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ یہ اصلی سزا جاری نہ ہو گی بلکہ ایمان کی برکت سے آخر نجات ہو جائے گی کیونکہ قرآن پاک ہی میں جیسا کہ اس پارے میں گزرا یہ ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَ یَغْفِرُ دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ یعنی اللہ تعالیٰ شرک و کفر کو تو معاف نہ کریں گے اس کے علاوہ جس کے لئے چاہیں گے اس کا گناہ معاف کر دیں گے۔ قتل بھی کفر و شرک سے ہٹ کر گناہ ہے لہذا قابل معافی ہے۔ (اور اس پر) ایک میعاد معین تک کے واسطے (اللہ تعالیٰ غضبناک ہوں گے اور اس کو اپنی رحمت) خاصہ (سے دور کریں گے اور اس کے لئے بڑی سزا) یعنی دوزخ کی سزا (کا سامان کریں گے)۔

ربط: آگے بتاتے ہیں کہ شرعی احکام کے اجراء میں مومن کے لئے صرف ظاہری اسلام کافی ہے لہذا جو شخص اسلام کا اظہار کرے اس کے قتل سے دستبردار ہو جانا واجب ہے۔ قرائن سے حقیقی ایمان کی تفتیش کرنا اور اسلامی احکام کے جاری کرنے میں اس کے ثبوت کا انتظار کرنا جائز نہیں جیسا کہ بعض صحابہ سے ایمان کی بعض غزوات میں غلطی سے واقع ہوا کہ بعض لوگوں کے اظہار اسلام کو محض جان بچانے کی خاطر حیلہ اور جھوٹ سمجھا اور قتل کر ڈالا اور مقتول کا مال غنیمت میں لے لیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا انسداد فرمایا اور چونکہ اس وقت تک صحابہ کو مسئلہ صراحت سے معلوم نہ تھا اس لئے صرف فہمائش پر اکتفا کیا۔

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ فَتَبَیَّنُوْا وَ لَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰۤى اِلَیْكُمُ السَّلٰمَ لَسْتَ مُؤْمِنًا ۚ تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ۫ فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِیْرَةٌ ؕ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ فَتَبَیَّنُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ﴿۹۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو جب سفر کرو اللہ کی راہ میں تو تحقیق کر لیا کرو اور مت کہو اس شخص کو کہ جو ظاہر کرے تمہارے سامنے اطاعت کو کہ تو مسلمان نہیں ہے۔ تم چاہتے ہو اسباب دنیا کی زندگی کا سو اللہ کے ہاں غنیمتیں ہیں بہت۔ ایسے ہی تو تھے تم بھی اس سے پہلے پھر احسان کیا اللہ نے تم پر سو غور کر لو کر لو بیشک اللہ ہے اس سے جو تم کرتے ہو خبر دار

تفسیر: (اے ایمان والو جب تم اللہ کی راہ میں) یعنی جہاد کے لئے (سفر کیا کرو تو ہر کام کو) خواہ کسی کا قتل ہو یا اور کچھ ہو (تحقیق کر کے کیا کرو اور ایسے شخص کو جو کہ تمہارے سامنے اطاعت) کی علامات (ظاہر کرے) جیسے کلمہ پڑھے یا مسلمانوں کے طرز پر سلام کرے تو (یوں مت کہہ دیا کرو کہ تو) دل سے (تو مسلمان نہیں) محض اپنی جان بچانے کو جھوٹ موٹ اظہار اسلام کرتا ہے (اس طور پر کہ تم دنیوی زندگی کے سامان کی خواہش کرتے ہو) کہ اس کو قتل کر کے اس کا مال و اسباب غنیمت میں حاصل کرو (سو خدا کے پاس) یعنی ان کے علم و قدرت میں تمہارے لئے (بہت غنیمت کے مال ہیں) جو تم کو جائز طریقوں سے ملیں گے اور یاد کرو کہ (پہلے) ایک زمانہ میں (تم بھی ایسے ہی تھے) کہ تمہارے اسلام کے قبول کا مدار صرف تمہارا دعویٰ و اظہار ہی تھا (پھر اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا) کہ اس ظاہری اسلام پر اکتفاء کیا گیا اور باطنی جستجو پر موقوف نہ رکھا (سو) ذرا اس پر (غور) تو (کرو بیشک اللہ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) کہ اس حکم کے بعد کون اس پر عمل کرتا ہے کون نہیں کرتا۔

ربط: اوپر جہاد کی فرضیت مذکور تھی۔ آگے یہ فرماتے ہیں کہ چونکہ جہاد عام حالات میں فی ذاتہ فرض عین نہیں ہے اس لئے اگر بعض لوگ اس میں نہ جائیں تو گناہ نہیں جیسے وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى سے معلوم ہوگا۔ لیکن پھر بھی اس کے جو مخصوص فضائل ہیں وہ تو جہاد کرنے ہی سے حاصل ہوں گے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَالْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَكُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَفَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۹۵﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَمَغْفِرَةً وَّرَحْمَةً ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۹۶﴾

ترجمہ: نہیں برابر ہوتے بیٹھ رہنے والے مسلمانوں میں سے جو صاحب عذر نہیں، اور

وہ مسلمان جو جہاد کرتے ہیں اللہ کی راہ میں اپنے مالوں سے اور اپنی جانوں سے، بڑھادیا اللہ نے جہاد کرنے والوں کا اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے بیٹھ رہنے والوں پر درجہ۔ اور ہر ایک سے وعدہ کیا اللہ نے اچھے گھر کا۔ اور زیادہ کیا اللہ نے لڑنے والوں کو بیٹھ رہنے والوں پر اجر عظیم میں جو کہ درجے ہیں اللہ کی طرف سے اور بخشش ہے اور مہربانی ہے اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تفسیر: (برابر نہیں ہیں وہ مسلمان جو بلا کسی عذر کے گھر میں بیٹھے رہیں) اور جہاد میں نہ جائیں (اور وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ) یعنی مالوں کو خرچ کر کے اور جانوں کو حاضر کر کے (جہاد کریں) بلکہ (اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا درجہ ہی بہت زیادہ بنایا ہے جو اپنے مالوں اور اپنی جانوں کے ساتھ جہاد کرتے ہیں بہ نسبت گھر میں بیٹھنے والوں کے اور) ویسے تو فرض عین نہ ہونے کی وجہ سے گناہ ان بیٹھنے والوں پر بھی نہیں بلکہ ایمان اور دوسرے فرائض عین بجالانے کے سبب سے (سب سے) یعنی مجاہدین سے بھی اور بیٹھنے والوں سے بھی (اللہ تعالیٰ نے اچھے گھر کا) یعنی جنت کا آخرت میں (وعدہ کر رکھا ہے اور) اوپر جو مبہم کہا گیا ہے کہ مجاہدین کا بڑا درجہ ہے اس کی تعیین یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ نے مجاہدین) مذکور (کو بمقابلہ گھر میں بیٹھنے والوں کے بڑا اجر دیا ہے) وہ درجہ اجر عظیم ہے۔ اس کی تفصیل میں فرماتے ہیں (یعنی) بہت سے اعمال جو مجاہد سے صادر ہوتے ہیں انکی وجہ سے (ثواب کے بہت سے درجے جو خدا کی طرف سے ملیں گے اور) گناہوں کی (مغفرت اور رحمت) یہ سب اجر عظیم کی تفصیل ہوئی (اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت والے بڑے رحمت والے ہیں)

فائدہ: 1- ان کثیر اعمال کا ذکر سورت توبہ کی آیت 120 میں ہے۔ **ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ لَا يُصِيْبُهُمْ ظَمَاٌ**...... **الخ** یعنی ان کو اللہ کی راہ میں جو پیاس لگی اور جو مشقت پہنچی اور جو بھوک لگی اور جو چلنا چلے جو کفار کے لئے غیظ کا سبب بنا ہو اور دشمنوں کی جو خبر لی۔

2- بلاعذر کی قید اس لئے ہے کہ حدیثوں میں تصریح ہے کہ اگر نیک کام کا عزم ہے اور کسی عذر سے نہ کر سکے تو اس کام کا اجر ملتا ہے۔ پس کرنے والے اور عزم رکھنے والے ثواب کی مقدار میں برابر ہیں جس کا ذکر یہاں زیادہ مقصود ہے اور کیفیت میں فرق ہونا بعید نہیں۔

ربط: اوپر جہاد کی فرضیت کا ذکر تھا آگے ہجرت کی فرضیت کا ذکر ہے۔ دونوں میں مناسبت واضح ہے کیونکہ دونوں سے غرض اقامت دین ہے البتہ جہاد میں کفار کے شر کا دفعیہ تمام اہل دین سے ہے جبکہ ہجرت میں صرف اپنی ذات کا کفار کے شر سے بچاؤ ہے۔ اس کے ساتھ ترک ہجرت پر وعید ہے اور اس کے بعد ہجرت کی ترغیب اور اس پر سعادت دارین کا وعدہ ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنفُسِهِمْ قَالُوا فِيمَ كُنتُمْ ۖ قَالُوا كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ ۚ قَالُوا أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللَّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوا فِيهَا ۚ فَأُولَٰئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۖ وَسَاءَتْ مَصِيرًا ﴿٩٧﴾ إِلَّا الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلَا يَهْتَدُونَ سَبِيلًا ﴿٩٨﴾ فَأُولَٰئِكَ عَسَى اللَّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ ۚ وَكَانَ اللَّهُ عَفُوًّا غَفُورًا ﴿٩٩﴾ وَمَن يُهَاجِرْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ يَجِدْ فِي الْأَرْضِ مُرَاغَمًا كَثِيرًا وَسَعَةً ۚ وَمَن يَخْرُجْ مِن بَيْتِهِ مُهَاجِرًا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ أَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ ۗ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٠﴾

ترجمہ: بے شک وہ لوگ کہ جان نکالتے ہیں جن کی فرشتے اس حالت میں کہ وہ لوگ ظلم کرنے والے تھے اپنی جانوں پر (ان سے فرشتے) کہتے ہیں تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں ہم تھے بے بس ملک میں۔ (اس پر وہ فرشتے) کہتے ہیں کیا نہ تھی زمین اللہ کی کشادہ کہ تم ہجرت کر جاتے اس میں۔ سو یہ لوگ کہ ٹھکانا ان کا دوزخ ہے اور وہ بری ہے جانے کی جگہ۔ مگر جو ہیں بے بس مردوں اور عورتوں اور بچوں میں سے کہ نہیں کر سکتے کوئی تدبیر اور نہ جانتے ہیں کہیں کا راستہ سو ایسے لوگ امید ہے کہ اللہ معاف کرے ان کو اور اللہ ہے معاف کرنیوالا بخشنے والا۔ اور جو کوئی ہجرت کرے گا اللہ کی راہ میں پائے گا روئے زمین میں جگہ بہت اور کشادگی۔ اور جو کوئی نکلے اپنے گھر سے ہجرت کر کے اللہ اور اس کے رسول ؐ کی طرف پھر آ پکڑے اس کو موت تو ثابت ہو چکا اس کا ثواب اللہ کے ذمہ اور ہے اللہ بخشنے والا مہربان۔

تفسیر: (بے شک جب ایسے لوگوں کی جان فرشتے قبض کرتے ہیں جنہوں نے) ہجرت کرنے پر قدرت کے باوجود ہجرت کے تارک ہو کر (اپنے کو گنہگار کر رکھا تھا تو) اس وقت (وہ) فرشتے (ان سے کہتے ہیں کہ تم) دین کے (کس) کس (کام میں تھے) یعنی دین کے کیا کیا ضروری کام کیا کرتے تھے (وہ) جواب میں (کہتے ہیں کہ ہم) اپنی بود و باش کی (سرزمین میں محض مغلوب تھے) اس لئے دین کی بہت سی ضروریات پر عمل نہ کر سکتے تھے اور ان فرائض کے ترک میں معذور تھے (وہ) فرشتے (کہتے ہیں) اگر اس

جگہ نہ کر سکتے تھے تو (کیا خدا تعالیٰ کی زمین وسیع نہ تھی تم کو ترک وطن کر کے اس) سے کسی دوسرے حصہ (میں چلا جانا چاہئے تھا) اور وہاں جا کر فرائض کو ادا کر سکتے تھے۔ اس سے وہ لاجواب ہو جائیں گے اور ان کا جرم ثابت ہو جائے گا (سو ان لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور جانے کے لئے وہ بری جگہ ہے، لیکن جو مرد اور عورتیں اور بچے) واقع میں ہجرت پر بھی (قادر نہ ہوں کہ نہ تو کوئی تدبیر کر سکتے ہیں اور نہ ہی راستہ سے واقف ہیں، سو ان کے بارے میں امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کو معاف کر دیں اور اللہ تعالیٰ بڑے معاف کرنے والے بڑے مغفرت کرنے والے ہیں اور) جن لوگوں کے لئے ہجرت مشروع ہے ان میں سے (جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ میں) یعنی دین کے لئے (ہجرت کرے گا تو اس کو روئے زمین پر جانے کی بہت جگہ ملے گی اور) اظہار دین یعنی کھل کر دین پر عمل کرنے کی (بہت گنجائش) ملے گی، پس اگر ایسی جگہ پہنچ گیا تو دنیا میں بھی اس سفر اور اظہار دین سے کامیابی ظاہر ہے (اور) اگر اتفاق سے یہ مذکور کامیابی نہ ہوئی تب بھی آخرت کی کامیابی میں تو کوئی تردد نہیں، کیونکہ ہمارا قانون ہے کہ (جو شخص اپنے گھر سے اس نیت سے نکل کھڑا ہو کہ اللہ و رسول) کے دین کے ظاہر کر سکنے اور اس پر کھل کر عمل کرنے کے مقام (کی طرف ہجرت کروں گا پھر) مقصد کے حاصل کرنے سے پہلے (اس کو موت آ پکڑے، تب بھی اس کا ثواب) جو ہجرت کرنے پر ملتا ہے (ثابت ہو گیا) اور وعدہ کی وجہ سے وہ ایسا ہے جیسے (اللہ کے ذمہ) ہے اور گو نا مکمل سفر کو ہجرت نہیں کہہ سکتے، لیکن صرف اچھی نیت سے اس کے شروع کر دینے پر پورا صلہ عطا ہو گیا (اور اللہ تعالیٰ بڑے مغفرت کرنے والے ہیں) اور نا مکمل ہجرت کی برکت سے ہی بہت سے گناہ معاف فرما دیں گے جیسا حدیث میں ہجرت کی فضیلت آئی ہے کہ ہجرت سے سابق گناہ معاف ہو جاتے ہیں اور (بڑے رحمت والے ہیں) کہ عمل کو اچھی نیت سے شروع کرنے ہی سے پورے عمل کے برابر ثواب عنایت فرماتے ہیں۔

فائدہ: 1- سورت کے بارہویں رکوع میں ہجرت کی فرضیت کا بیان ضمناً ہوا تھا۔ یہاں شروع کی آیت میں جو ڈانٹ اور سزا کا ذکر ہے تو اس فرض کے ترک پر ہے۔

2- یہاں جان قبض کرنے کو فرشتوں کی طرف منسوب کیا اور ان کو جمع کے لفظ سے ذکر کیا جب کہ ایک آیت میں ہے یَتَوَفّٰکُمْ مَلَکُ الْمَوْتِ (ملک الموت تمہاری جان قبض کرتے ہیں) اور ایک آیت میں ہے، اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ (اللہ جانوں کو قبض کرتے ہیں) وجہ یہ ہے کہ حقیقی قابض تو اللہ تعالیٰ ہیں کہ ان ہی کے حکم سے سب کچھ ہوتا ہے اور ظاہری قابض ملک الموت ہیں کہ اللہ کے حکم سے قبض کرتے ہیں اور دوسرے ملائکہ ان کے شریک اور مددگار ہوتے ہیں۔

3- یہاں دو شبہے ہو سکتے ہیں ایک یہ کہ جب جن لوگوں کا استثناء کیا وہ گناہگار ہی نہیں تو معافی کا کیا

مطلب۔ دوسرے جب عَسٰی کا لفظ جس کا معنی شاید کا ہے اس کی وجہ سے تردد ہے تو معافی کا وعدہ کیسے ہوا۔ پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ معافی اس لئے کہا کہ فی نفسہ تو وہ فعل قبیح اور گناہ ہے اگرچہ کسی خاص شخص کے حق میں گناہ نہ لکھا جائے۔ تو کسی جگہ اس کے نہ لکھنے کو گناہ نہ ہونا قرار دیا اور کہیں معافی کے لفظ سے اس کے فی نفسہ گناہ ہونے کو بتا دیا۔

4- بچے تو فرضیت کے مکلف نہیں۔ انکا ذکر یہ بتانے کے لئے کیا کہ صرف وہ مرد و عورت مستثنیٰ ہیں جو واقعی اس درجے معذور ہوں کہ بچوں کی طرح مکلف نہ رہے ہوں۔

5- ابتدائے اسلام میں ہجرت فرض تھی اور فرضیت کے ساتھ ساتھ وہ اسلام کا شعار اور شناخت بھی تھی کیونکہ اس دور میں کوئی بھی مسلمان بلکہ عام منافق بھی جیسے باجماعت نماز ترک کرنے کی جرات نہ کرتا تھا اسی طرح وہ اپنی ہجرت کو ترک کرنے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ اس کے شعار ہونے کی وجہ تھی کہ اگر کوئی بلا عذر ہجرت ترک کر کے اپنے سابقہ علاقہ میں واپس چلا جاتا تو یہ اس کے ارتداد کی علامت سمجھی جاتی تھی۔ اسی بنا پر فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنَافِقِينَ فِئَتَيْنِ والی آیتوں میں ہجرت سے پھر جانے والوں کو مسلمان سمجھنے سے صحابہ کو منع فرمایا اگرچہ وہ واقع میں بھی مرتد ہو گئے تھے۔ ہجرت کی فرضیت کی بنا پر تیسرے رکوع میں ہجرت نہ کرنے والوں کو وعید سنائی۔

البتہ عذر کی حالت میں اس کی فرضیت اور شعاریت دونوں ساقط ہو جاتی تھیں۔ فرضیت کے ساقط ہونے کی بنا پر اسی رکوع میں مستضعفین کا وعید سے استثناء کیا اور شعاریت کے ساقط ہونے کی بنا پر دار الحرب میں قتل ہونے والے مومن کی دیت کے وجوب کا اور سلام کرنے والے کو قتل کرنے کی حرمت کا حکم فرمایا اور اس کی اسلام کی صرف دوسری علامتوں مثلاً کلمہ کے اقرار وغیرہ پر اکتفا کرنے کا حکم دیا۔

ربط: اوپر جہاد اور ہجرت کا ذکر تھا۔ چونکہ اکثر حالات میں جہاد اور ہجرت کے لئے سفر کرنا پڑتا ہے اور نیز ایسے سفر میں مخالف کی طرف سے اندیشہ بھی زیادہ ہوتا ہے اس لئے سفر اور خوف کی رعایت سے نماز میں جو خاص خاص سہولتیں دی گئیں مثلاً قصر اور نماز خوف آگے ان کا ذکر فرماتے ہیں۔

سفر میں نماز قصر کرنے کا حکم

وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ

فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ

أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ۚ إِنَّ الْكَافِرِينَ كَانُوا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِينًا ﴿١٠١﴾

ترجمہ: اور جب تم سفر کرو زمین میں تو نہیں تم پر کوئی گناہ کہ کم کر دو نماز میں سے اگر تم کو ڈر ہو کہ ستائیں گے تم کو کافر۔ بے شک کافر ہیں تمہارے صریح دشمن

(اور جب تم زمین میں سفر کرو) جس کی مقدار کا ذکر حدیث میں ہے (سو تم کو اس میں کوئی گناہ نہ ہو گا) بلکہ ضروری ہے (کہ تم) ظہر اور عصر اور عشاء کے فرض (نماز) کی رکعات (کو کم کر دو) یعنی چار کی جگہ دو پڑھا کرو (اگر تم کو یہ اندیشہ ہو کہ تم کو کافر لوگ پریشان کریں گے) اور اس اندیشہ کی وجہ سے ایک جگہ زیادہ دیر تک ٹھہرنا خلاف مصلحت سمجھا جائے کیونکہ (بلاشبہ کافر تمہارے صریح دشمن ہیں)

فائدہ: 1-زیادہ دیر تک ٹھہرنے کی کم از کم مدت پندرہ دن و رات ہے جو حدیث سے ثابت ہے۔

2-پوری امت کا اس پر اتفاق و اجماع ہے کہ سفر میں خوف نہ ہو تب بھی قصر مشروع ہے اور اس اجماع کی بنیاد حدیث ہے آیت میں خوف کا ذکر محض اس وقت کی حالت کے اعتبار سے ہے۔

نماز خوف کا حکم

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآئِكُمْ وَلْتَاْتِ طَآئِفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۰۲﴾

ترجمہ: اور جب تو موجود ہو ان میں پھر پڑھائے تو ان کو نماز تو چاہئے کہ کھڑی ہو ایک جماعت ان میں سے تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیں اپنے ہتھیار پھر جب یہ سجدہ کر لیں تو ہو جائیں تمہارے پیچھے اور آئے دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی اور وہ نماز پڑھیں تیرے ساتھ اور ساتھ لے لیں اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار۔ چاہتے ہیں کافر کہ اگر تم غافل ہو جاؤ اپنے ہتھیاروں سے اور اپنے سامانوں سے تو حملہ کریں تم پر ایک بار گی حملہ اور کچھ گناہ نہیں تم پر اگر تم

کو تکلیف ہو بارش سے یا ہو تم بیمار کہ اتار رکھو اپنے ہتھیار اور ساتھ لے لو اپنا بچاؤ۔ بیشک اللہ نے تیار کر رکھا ہے کافروں کے واسطے عذاب اہانت آمیز

تفسیر: (اور جب آپؐ ان میں تشریف رکھتے ہوں) اور اسی طرح آپؐ کے بعد اور جو امام ہو (پھر آپؐ ان کو نماز پڑھانا چاہیں) اور اندیشہ ہو کہ اگر سب نماز میں لگ جائیں گے تو کوئی دشمن موقع پا کر حملہ کر بیٹھے گا (تو) ایسی حالت میں یوں چاہئے کہ جماعت کے دو گروہ ہو جائیں پھر (ان میں سے ایک گروہ) کے لوگ (تو آپ کے ساتھ) نماز میں (کھڑے ہو جائیں) اور دوسرا گروہ نگہبانی کے لئے دشمن کے مقابل کھڑا رہے تاکہ دشمن کو دیکھتا رہے (اور وہ لوگ) جو آپؐ کے ساتھ نماز میں شامل ہوں وہ بھی مختصر مختصر (اپنے ہتھیار لے لیں) یعنی نماز سے پہلے لے کر ہمراہ رکھیں شاید مقابلہ کی ضرورت پڑ جائے تو ہتھیار لینے میں دیر نہ لگے، فوراً قتال کرنے لگیں گو نماز قتال سے ٹوٹ جائے گی لیکن گناہ نہیں (پھر جب یہ لوگ) آپؐ کے ساتھ (سجدہ کر چکیں) یعنی ایک رکعت پوری کر لیں (تو یہ لوگ) نگہبانی کے لئے (تمہارے پیچھے ہو جائیں) یعنی رسول اللہ ﷺ کے اور دوسرے گروہ کے جو کہ اب نماز میں شامل ہوں گے یہ پہلا گروہ ان سب کے پیچھے ہو جائے۔ (اور دوسرا گروہ جنہوں نے ابھی نماز نہیں پڑھی) یعنی شروع بھی نہیں کی وہ اس پہلے گروہ کی جگہ امام کے قریب (آ جائے اور آپؐ کے ساتھ نماز) کی ایک رکعت جو آپ کی باقی رہی ہے اس کو (پڑھ لیں اور یہ لوگ بھی اپنے بچاؤ کا سامان اور اپنے ہتھیار لے لیں) اور سامان اور ہتھیار ہمراہ لینے کا اس لئے سب کو حکم کیا ہے کہ (کافر لوگ یوں چاہتے ہیں کہ اگر تم اپنے ہتھیاروں اور سامانوں سے) ذرا (غافل ہو جاؤ تو تم پر ایکبار گی حملہ کر بیٹھیں) سو ایسی حالت میں احتیاط ضروری ہے (اور اگر تم کو بارش) وغیرہ (کی وجہ سے) ہتھیار لے کر چلنے میں (تکلیف ہو یا تم بیمار ہو) اور اس وجہ سے ہتھیار باندھ نہیں سکتے (تو تم کو اس میں) بھی (کچھ گناہ نہیں کہ ہتھیار اتار رکھو اور) پھر بھی (اپنا بچاؤ) ضرور (لے لو) اور یہ خیال نہ کرو کہ کفار کی دشمنی کا صرف دنیا ہی میں علاج کیا گیا ہے بلکہ آخرت میں اس سے بڑھ کر ان کا علاج ہو گا کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے کافروں کے لئے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے)۔

فائدہ: 1- آیت میں ہے وَاِذَا کُنۡتَ فِیۡهِمۡ فَاَقَمۡتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ یعنی جب آپ ان میں تشریف رکھتے ہوں اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اب صلوۃ خوف کا حکم باقی نہیں رہا کیونکہ آپؐ کی ذات بابرکات اب ہم میں موجود نہیں، اس لئے کہ یہ شرط اس وقت کے اعتبار سے بیان کی گئی ہے کیونکہ نبی کے ہوتے ہوئے کوئی دوسرا آدمی عذر کے بغیر امام نہیں بن سکتا، آپؐ کے بعد اب جو امام ہو وہی آپؐ کے قائم مقام ہے اور وہی صلوۃ خوف پڑھائے گا۔ چاروں ائمہ کے نزدیک صلوۃ خوف کا حکم آپؐ کے بعد بھی جاری

ہے منسوخ نہیں ہوا۔

2- آیت میں دونوں گروہ کے ایک ایک رکعت پڑھنے کا تو ذکر فرمایا دوسری رکعت کا طریقہ حدیث میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جب دو رکعت پر سلام پھیر دیا تو دونوں گروہ نے اپنی ایک ایک رکعت بطور خود پڑھ لی مزید تفصیل احادیث میں ہے، یہ صورت جب ہے کہ امام مسافر ہو جیسا کہ جنگوں میں عام طور سے ہوتا ہے ورنہ ہر گروہ کو دو دو رکعتیں پڑھائے۔

3- یہ جب ہے کہ ایک ہی امام کے ساتھ سب نماز پڑھنا چاہیں ورنہ ہر گروہ علیحدہ امام کے ساتھ پڑھ لے۔ اِذَا کُنْتَ فِیْھِمْ کی قید میں یہی نکتہ نظر آتا ہے کیونکہ رسول ﷺ کے ساتھ سب کو نماز پڑھنا محبوب تھا۔

4- ہتھیار وغیرہ ہمراہ رکھنے کا حکم استحباب کا ہے۔

ربط: سفر وخوف کی حالت میں نماز میں تغیر کا ذکر ہوا آگے اس حالت کے ختم ہونے پر تغیر کے ختم ہونے کو ذکر فرماتے ہیں۔

فَاِذَا قَضَیْتُمُ الصَّلٰوۃَ فَاذْکُرُوا اللّٰہَ قِیٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰی جُنُوْبِکُمْ ۚ فَاِذَا اطْمَاْنَنْتُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ ۚ اِنَّ الصَّلٰوۃَ کَانَتْ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ: پھر جب تم ادا کر چکو نماز تو یاد کرو اللہ کو کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ تو (عام قاعدے کے موافق) قائم کرو نماز کو۔ بیشک نماز ہے مسلمانوں پر فرض اور وقت کے ساتھ محدود

تفسیر: (پھر جب تم نماز) خوف (ادا کر چکو تو) بدستور (اللہ تعالیٰ کی یاد میں لگ جاؤ کھڑے بھی اور بیٹھے بھی اور لیٹے بھی) یعنی ہر حالت میں حتیٰ کہ عین لڑائی کے وقت بھی اللہ کا ذکر جاری رکھو دل سے بھی اور احکام شرعیہ کے اتباع سے بھی کہ وہ بھی ذکر میں داخل ہے۔ لڑائی میں خلاف شرع کوئی کارروائی کرنے سے پرہیز کرو، غرض نماز تو ختم ہوئی ذکر ختم نہیں ہوتا، سفر یا خوف کی وجہ سے نماز میں تو تخفیف ہو گئی تھی لیکن ذکر اپنی حالت پر ہی ہے (پھر جب تم مطمئن ہو جاؤ) یعنی سفر ختم کر کے مقیم ہو جاؤ اور اسی طرح خوف کے ختم ہونے کے بعد بے خوف ہو جاؤ (تو نماز کو) اصلی (قاعدہ کے موافق پڑھنے لگو) اور نماز میں قصر کرنے اور چلنے کو چھوڑ دو کیونکہ وہ تو سفر یا خوف کے عارضہ کی وجہ سے جائز رکھا گیا تھا (یقیناً نماز

مسلمانوں پر فرض ہے اور وقت کے ساتھ محدود ہے) پس فرض ہونے کی وجہ سے ادا کرنا ضروری ہے اور وقت کے ساتھ خاص ہونے کی وجہ سے وقت ہی میں ادا کرنا ضروری ہوا۔ عوارض کی وجہ سے اس میں کچھ کچھ تبدیلی کر دی گئی ورنہ نماز کی جو اصلی صورت ہے وہی اصلاً مقصود ہے اب ان عوارض کے ختم ہونے کے بعد نماز کی اصلی صورت کی حفاظت لازم ہو گئی۔

ربط: آگے پھر جہاد ہی کا ایک حکم مذکور ہے کہ جہاد میں سستی ناجائز ہے۔

وَلَا تَهِنُوا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِن تَكُونُوا تَأْلَمُونَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُونَ كَمَا تَأْلَمُونَ ۖ وَتَرْجُونَ مِنَ اللَّهِ مَا لَا يَرْجُونَ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٠٤﴾

ترجمہ: اور نہ ہارو ہمت قوم کا پیچھا کرنے میں۔ اگر تم تکلیف اٹھارہے ہو تو وہ بھی تو درد اٹھارہے ہیں جس طرح تم درد اٹھارہے ہو اور تم امید رکھتے ہو اللہ سے جو وہ نہیں رکھتے ہیں اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے

تفسیر: (اور ہمت مت ہارو اس مخالف قوم کے تعاقب کرنے میں) جبکہ اس کی ضرورت ہے (اگر تم) زخموں سے (تکلیف میں مبتلا ہو تو) کیا ہوا (وہ بھی تو درد میں مبتلا ہیں جیسے تم درد میں مبتلا ہو) تو وہ تم سے زیادہ قوت نہیں رکھتے پھر کیوں ڈرتے ہو (اور) تم میں ان سے ایک زائد بات یہ ہے کہ (تم اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایسی چیزوں کی امید رکھتے ہو کہ وہ لوگ) ان کی (امید نہیں رکھتے) یعنی ثواب کی، تو دل کی قوت میں تم زیادہ ہوئے اور ضعف بدن میں ایک جیسے۔ تو تم کو زیادہ چست ہونا چاہیے (اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) ان کو کفار کا کمزور دل اور کمزور بدن ہونا معلوم ہے (بڑے حکمت والے ہیں) تمہاری قوت برداشت سے زیادہ حکم نہیں فرمایا۔

ربط: اوپر منافقین کا ذکر بھی ہوتا رہا ہے۔ آگے بھی بعض منافقین کے ایک خاص قصہ کے متعلق مضمون ذکر ہوتا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنو ابیرق ایک خاندان تھا اس میں بشیر نام کا ایک شخص منافق تھا۔ اس نے حضرت رفاعہ کے گھر میں نقب لگا کر کچھ آٹا اور کچھ ہتھیار جو رکھے تھے چرا لئے۔ صبح کو پاس پڑوس میں تلاش کیا اور بعض قوی قرائن سے بشیر پر شبہ ہوا۔ بنو ابیرق نے جو کہ بشیر کے شریک حال تھے اپنی براءت کے لئے حضرت لبید کا نام لے دیا۔ غرض حضرت رفاعہ نے اپنے بھتیجے حضرت قتادہ کو رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بھیج کر اس واقعہ کی اطلاع دی۔ آپ نے تحقیق کرنے کا وعدہ فرمایا۔ بنو ابیرق کو جب یہ خبر ہوئی تو سب لوگ اس خاندان کے ایک شخص اسیر نامی کے پاس آئے اور سب نے مشورہ کیا اور جمع ہو کر بعض اہل محلّہ کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور حضرت

قتادہ اور حضرت رفاعہ کی شکایت کی کہ گواہوں کے بغیر اس مسلمان اور دیندار گھرانے پر چوری کی تہمت لگاتے ہیں اور مقصد یہ تھا کہ آپ اس مقدمہ میں بنو ابیرق کی طرفداری کریں۔ آپ نے یہ تو نہیں کیا لیکن اتنا ہوا کہ حضرت قتادہ جب آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے فرمایا کہ تم ایسے لوگوں پر بلا ثبوت کیوں تہمت لگاتے ہو۔ انہوں نے آکر اپنے چچا حضرت رفاعہ سے کہا۔ وہ اللہ پر بھروسہ کر کے خاموش ہو گئے۔ اس پر یہ اگلی آیتیں نازل ہوئیں۔ غرض چوری ثابت ہوئی اور مال برآمد ہوا اور مالک کو دلایا گیا تو بشیر ناراض ہو کر مرتد ہو گیا اور مکہ جا کر مشرکوں سے مل گیا۔ اس پر آخر کی آیتیں وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ نازل ہوئیں۔

اِنَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ

الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ اَرٰىكَ اللّٰهُ ؕ وَلَا تَكُنْ لِّلْخَآئِنِيْنَ خَصِيْمًا ﴿۱۰۵﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۰۶﴾ وَلَا تُجَادِلْ عَنِ الَّذِيْنَ يَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ خَوَّانًا اَثِيْمًا ﴿۱۰۷﴾ يَّسْتَخْفُوْنَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُوْنَ مِنَ اللّٰهِ وَهُوَ مَعَهُمْ اِذْ يُبَيِّتُوْنَ مَا لَا يَرْضٰى مِنَ الْقَوْلِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِمَا يَعْمَلُوْنَ مُحِيْطًا ﴿۱۰۸﴾ هٰٓاَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ جٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۫ فَمَنْ يُّجَادِلُ اللّٰهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ اَمْ مَّنْ يَّكُوْنُ عَلَيْهِمْ وَكِيْلًا ﴿۱۰۹﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْٓئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْٓئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ؕ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ

وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ

وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿١١٣﴾

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ

اَوْ اِصْلَاحٍۢ بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ

اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ

بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ

مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾ۧ

ترجمہ: بیشک ہم نے اتاری تیری طرف کتاب واقع کے موافق تاکہ تو فیصلہ کرے لوگوں میں اس کے ساتھ جو بتادیا تجھ کو اللہ نے اور تو مت ہو خائنوں کی طرف سے جھگڑنے والا اور بخشش مانگ اللہ سے۔ بیشک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور مت جواب دہی کر ان لوگوں کی طرف سے جو خیانت کرتے ہیں اپنے آپ سے۔ بے شک اللہ پسند نہیں کرتا جو کوئی ہو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہگار۔ وہ شرماتے ہیں (اور چھپاتے ہیں اپنی خیانت کو) لوگوں سے اور نہیں شرماتے اللہ سے حالانکہ وہ ان کے ساتھ ہے جب کہ وہ تدبیریں کرتے ہیں رات کو اس بات کی جس سے اللہ راضی نہیں اور ہے اللہ جو کچھ وہ کرتے ہیں سب کا احاطہ کئے ہوئے۔ تم ایسے لوگ ہو کہ تم نے جواب دہی کی باتیں کرلیں ان کی طرف سے حیات دنیوی میں پھر کون جوابدہی کرے گا اللہ کو ان کی طرف سے قیامت کے دن یا کون ہو گا ان کا کارساز۔ اور جو کوئی کرے گناہ یا برا کرے اپنی جان کا پھر بخشش طلب کرے اللہ سے تو وہ پائے گا اللہ کو بخشنے والا مہربان۔ اور جو کوئی کرتا ہے گناہ سو محض کرتا ہے اس کو اپنے ہی خلاف اور اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا ہے۔ اور جو کوئی کرے خطایا گناہ پھر تہمت لگادے اس کی کسی بے گناہ پر تو اس نے لاد لیا اپنے اوپر بڑا بہتان اور گناہ صریح۔ اور اگر نہ ہوتا اللہ کا فضل تجھ پر اور اس کی رحمت تو قصد کر ہی چکی تھی ایک جماعت ان میں سے کہ غلطی میں ڈال دیں تجھ کو اور وہ غلطی میں نہیں ڈالتے مگر اپنے آپ کو اور نہیں ضرر پہنچا سکتے تجھ کو کچھ۔ اور اللہ نے اتاری تجھ پر کتاب اور حکمت اور تجھ کو سکھائیں وہ باتیں جو تو نہ جانتا تھا اور ہے اللہ کا فضل تجھ پر بہت بڑا۔ کچھ خیر نہیں ہے عام لوگوں کی اکثر سرگوشیوں میں مگر جو کوئی کہ کہے

صدقہ کرنے کو یا نیک کام کو یا صلح کرانے کو لوگوں کے درمیان اور جو کوئی کرے گا یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لئے تو ہم عنقریب دیں گے اس کو بڑا ثواب۔ اور جو کوئی مخالفت کرے گا رسولؐ کی اس کے بعد کہ کھل چکی اس پر ہدایت اور چلے سب مسلمانوں کے رستہ کے خلاف تو ہم کرنے دیں گے اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے اور ہم داخل کریں گے اس کو دوزخ میں اور وہ بہت بری جگہ ہے جانے کی۔

تفسیر: (بے شک ہم نے آپ کے پاس یہ کتاب بھیجی ہے) جس سے (واقع کے موافق) حال معلوم ہوگا (تاکہ آپ) اس واقعہ میں (ان لوگوں کے درمیان اس کے موافق فیصلہ کریں جو کہ اللہ تعالیٰ نے) وحی کے ذریعہ سے (آپ کو) اصل حال (بتادیا) ہے۔ وہ وحی یہ ہے کہ واقعہ میں بشیر چور ہے، اور قبیلہ بنو ابیرق جو اس کے حامی ہیں کاذب ہیں (اور) جب اصل حال معلوم ہو گیا تو (آپ ان خائنوں کی طرف داری کی بات نہ کیجئے) جیسا بنو ابیرق کی اصل خواہش یہی تھی جس کا ذکر چند آیتوں بعد آتا ہے یعنی وَلَوْ لَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَ رَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْهُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ یعنی اگر آپ پر اللہ کا فضل نہ ہوتا تو ان میں سے ایک گروہ نے آپ کو غلطی میں ڈالنے کا ارادہ کر لیا تھا۔ مگر آپؐ نے ان کی طرف داری کی نہ تھی، خود اسی جملہ سے آپ کا ان کے ارادے پر عمل نہ کرنا بھی معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس کا حاصل یہ ہے کہ فضل الٰہی نے غلطی سے بچالیا، جس میں ہر غلطی کی نفی ہوگئی اور منع فرمانے سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ فعل ماضی میں واقع ہو چکا ہو، بلکہ اصل فائدہ منع کا یہ ہے کہ آئندہ کے لئے حقیقت حال سے آگاہ کر کے اس کے کرنے سے روکتے ہیں، پس آپ کی حالت اور ممانعت کے مجموعہ کا حاصل یہ ہوگا کہ جیسے اب تک طرفداری نہیں کی آئندہ بھی نہ کیجئے اور یہ انتظامات بھی عصمت نبوی کے لئے ہیں۔ اور اگرچہ سب خائن نہ تھے لیکن آیت میں سب کو خائن کہا اس وجہ سے کہ جو لوگ خائن نہ تھے وہ بھی خائن کی اعانت کر رہے تھے اس لئے وہ خائن ٹھیرے۔ اور لوگوں کے کہنے سے حسن ظن کے طور پر آپ نے جو بنو ابیرق کو دیندار سمجھ لیا ہے، گو بد دینی پر صحیح دلیل نہ ہونے کی صورت میں ایسا سمجھنا گناہ تو نہیں لیکن چونکہ اس قسم کے حالات میں یہ احتمال تھا کہ آپ کے ان کو دیندار کہہ دینے سے اہل حق اپنا حق چھوڑ دیں گے چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ حضرت رفاعہؓ خاموش ہو کر بیٹھ رہے لہٰذا یہ کام نامناسب ہوا اس لئے اس سے (آپ استغفار فرمایئے) کہ آپ کی شان عظیم ہے اتنی بات بھی آپؐ کے لئے قابل استغفار ہے (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت کرنے والے بڑی رحمت والے ہیں اور آپ ان لوگوں کی طرف سے کوئی جواب دہی کی بات نہ کیجئے) جیسا وہ لوگ آپ سے چاہتے تھے (جو کہ) لوگوں کی خیانت اور نقصان کر کے ضرر و وبال کے اعتبار

سے در حقیقت (اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں بلا شبہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو نہیں چاہتے) بلکہ اس کو مبغوض رکھتے ہیں (جو بڑا خیانت کرنے والا بڑا گناہ کرنے والا ہو) جیسا کہ تھوڑی خیانت کرنے والے کو بھی محبوب نہیں رکھتے، لیکن چونکہ بشیر کا بڑا خائن ہونا بتانا مقصود ہے، اس لئے یہ صیغہ مبالغہ کا لایا گیا جن لوگوں کی یہ کیفیت ہے کہ اپنی خیانت کو (آدمیوں سے تو) شرما کر (چھپاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے نہیں شرماتے حالانکہ وہ) ہر وقت کی طرح (اس وقت) بھی (ان کے پاس ہے جب کہ وہ اللہ کی مرضی کے خلاف گفتگو کے متعلق رات کو تدبیریں کیا کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ ان کے سب اعمال کو اپنے) علمی (احاطہ میں لئے ہوئے ہیں) بشیر وغیرہ کی حمایت میں بعض اہل محلہ جو جمع ہو کر آئے تھے وہ سن لیں کہ (تم ایسے ہو کہ تم نے دنیوی زندگی میں تو ان کی طرف سے جواب دہی کی باتیں کر لیں سو) یہ بتاؤ کہ (خدا تعالیٰ کے روبرو قیامت کے دن ان کی طرف سے کون جوابدہی کرے گا یا وہ کون شخص ہو گا جو ان کا کام بنانے والا ہو گا) یعنی نہ کوئی زبانی جواب دہی کر سکے گا نہ کوئی مقدمہ کی عملی درستگی کر سکے گا کہ اپنے زور پر سفارش منوا کر یا فدیہ دے کر مقدمہ صحیح کر سکے اور) یہ خائنین اگر اب بھی شرعی قاعدے کے موافق توبہ کر لیتے تو معافی ہو جاتی کیونکہ ہمارا قانون یہ ہے کہ (جو شخص کوئی) متعدی (برائی کرے یا) صرف (اپنی جان کا ضرر کرے) یعنی ایسا گناہ نہ کرے جس کا اثر دوسروں تک پہنچتا ہو اور (پھر اللہ تعالیٰ سے) شرعی قاعدہ کے موافق (معافی چاہے) جس میں بندوں کے حقوق کو ادا کرنا یا ان سے معاف کرانا بھی داخل ہے (تو وہ اللہ تعالیٰ کو بڑی مغفرت والا رحمت والا پائے گا اور) گناہگاروں کو ضرور اس کی کوشش کرنا چاہئے کیونکہ (جو شخص کچھ گناہ کا کام کرتا ہے تو وہ فقط اپنی ذات ہی کے لئے کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ بڑے علم والے ہیں) سب کے گناہوں کی ان کو خبر ہے (بڑے حکمت والے ہیں) مناسب مناسب سزا تجویز فرماتے ہیں (اور) یہ تو خود گناہ کرنے کا انجام ہوا۔ اور جو کہ دوسروں پر تہمت لگائیں ان کا حال سنو کہ (جو شخص کوئی چھوٹا گناہ کرے یا بڑا گناہ پھر) بجائے اس کے کہ خود توبہ کرتا اس نے یہ کام کیا کہ (اس گناہ کی تہمت کسی بے گناہ پر لگا دی سو اس نے تو بڑا بھاری بہتان اور صریح گناہ اپنے) سر کے (اوپر لاد لیا) جیسا بشیر نے کیا کہ خود تو چوری کی اور ایک نیک بخت بزرگ آدمی لبید کے ذمہ چوری کی تہمت رکھ دی (اور اگر) اس مقدمہ میں (آپ پر) اے محمد ﷺ (اللہ کا فضل اور رحمت نہ ہو) جو کہ ہمیشہ آپؐ پر رہتی ہے (تو ان) چالاک (لوگوں میں سے ایک گروہ نے تو آپ کو غلطی ہی میں ڈال دینے کا ارادہ کر لیا تھا) لیکن خدا کے فضل سے ان کی رنگ آمیز باتوں کا آپ پر کوئی اثر نہیں ہوا اور آئندہ بھی نہ ہو گا، چنانچہ فرماتے ہیں (اور وہ) کبھی آپ کو (غلطی میں نہیں ڈال سکتے لیکن) اس ارادہ بد سے (اپنی جانوں کو) گناہ میں مبتلا کر رہے ہیں اور عذاب کا مستحق بنا رہے ہیں (اور

آپ کو ذرہ برابر) مذکورہ قسم کا (ضرر نہیں پہنچا سکتے اور) آپ کو غلطی کا ضرر پہنچانا کب ممکن ہے جب کہ (اللہ تعالیٰ نے آپؐ پر کتاب اور علم کی باتیں نازل فرمائیں) جس کے ایک حصہ میں قصہ کی اطلاع بھی دیدی (اور آپؐ کو وہ وہ) مفید اور عالی (باتیں بتائی ہیں جو آپؐ) پہلے سے (نہ جانتے تھے اور آپ پر اللہ کا بڑا فضل ہے) پھر اللہ کے فضل کے ساتھ کس کا قابو چل سکتا ہے

(عام لوگوں کی اکثر سرگرمیوں میں خیر) یعنی ثواب اور برکت (نہیں ہوتی) جیسا اسیر کے پاس جمع ہو کر خفیہ مشورہ کیا گیا تھا (ہاں مگر جو لوگ ایسے ہیں کہ) خیر (خیرات کی یا اور کسی نیک کام کی یا لوگوں میں باہم اصلاح کر دینے کی ترغیب دیتے ہیں) اور اس تعلیم و ترغیب کی تکمیل و انتظام کے لئے خفیہ تدبیریں اور مشورے کرتے ہیں یا خود ہی صدقہ وغیرہ کی دوسروں کو خفیہ ترغیب دیتے ہیں کیونکہ بعض اوقات خفیہ کہنا ہی مصلحت ہوتا ہے۔ ان کے مشوروں میں البتہ خیر یعنی ثواب و برکت ہے (اور جو شخص یہ کام کرے گا) یعنی ان اعمال کی ترغیب دے گا (حق تعالیٰ کی رضاجوئی کے واسطے) نہ کہ حکومت وشہرت کی غرض سے (تو ہم اس کو عنقریب اجر عظیم عطا فرمائیں گے) یعنی آخرت میں لیکن ان خائنوں کے تو ایسے مشورے ہیں ہی نہیں اس لئے ناپسندیدہ ہیں (اور جو شخص رسول) مقبول ﷺ (کی مخالفت کرے گا اسکے بعد کہ اس کو حق بات ظاہر ہو چکی تھی اور مسلمانوں کا) دینی (رستہ چھوڑ کر دوسرے رستہ پر چلے گا) جیسے بشیر مرتد ہو گیا حالانکہ اسلام کا حق ہونا اور نیز اس خاص واقعہ میں رسول اللہ ﷺ کے فیصلہ کا خود اس کے معائنہ میں بھی حق ہونا معلوم تھا پھر بھی بدبختی نے گھیرا (تو ہم اس کو) دنیا میں (جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور) آخرت میں (اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور وہ بری جگہ ہے جانے کی)

فائدہ: 1- نیک کام میں جو کہ معروف کا ترجمہ ہے اس میں وہ تمام امور آگئے جو فائدہ مند ہوں خواہ دینی ہوں یا دنیوی ہی ہوں البتہ شریعت کے نزدیک جائز بھی ہوں اور گو اس میں صدقہ بھی شامل تھا لیکن نفس پر شاق ہونے کی وجہ سے اس کا زیادہ اہتمام فرمایا۔ اسی طرح لوگوں میں صلح کرا دینا بھی معروف میں داخل ہے لیکن چونکہ نااتفاقی بہت سے بڑے نقصانات کا سبب ہے اور اصلاح میں اس کا انسداد ہے اس لئے اس کی بھی تصریح فرمادی۔

2- يُشَاقِقِ الرَّسُوْلَ اگرچہ مقصد پر دلالت کرنے میں کافی ہے مگر يَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ کے زائد کرنے میں یہ فائدہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی مخالفت کی علامت بتادی کہ وہ مسلمانوں کے طریقہ کی مخالفت ہے اس کے علامت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کا علم ہر ایک کو مشاہدہ سے ہو یہ بہت دشوار ہے کیونکہ آپ کی وفات کے بعد تو مشاہدہ ظاہر ہے ممکن ہی نہیں آپ کی

حیات میں بھی اکثر لوگ ہر وقت تو موجود نہ ہوتے تھے۔ تو آپ کا طریقہ ان واسطوں ہی سے معلوم ہو سکتا ہے جو متقی اور ہدایت یافتہ ہوں کہ وہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ سے نقل کریں وہ بھی معتبر ہے اور قرآن و حدیث کی بنیاد پر جو اجتہاد کریں وہ بھی معتبر ہے۔

3- آیت وَ مَنْ یَّتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَ نُصْلِهٖ جَهَنَّمَ اجماع امت کے حجت قطعی ہونے کی دلیل ہے۔

ربط: اوپر جہاد کے ذکر میں سب مخالفین داخل ہیں۔ ان میں سے یہود اور منافقین کے احوال کا بیان ہوا۔ آگے مشرکین کے کچھ عقائد کا بیان اور ان کی مذمت و سزا کا ذکر کرتے ہیں۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَ یَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ ؕ وَ مَنْ یُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِیْدًا ﴿۱۱۶﴾ اِنْ یَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا ۚ وَ اِنْ یَّدْعُوْنَ اِلَّا شَیْطٰنًا مَّرِیْدًا ﴿۱۱۷﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَ قَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِیْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿۱۱۸﴾ وَّ لَاُضِلَّنَّهُمْ وَ لَاُمَنِّیَنَّهُمْ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَ لَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ یَّتَّخِذِ الشَّیْطٰنَ وَلِیًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِیْنًا ﴿۱۱۹﴾ یَعِدُهُمْ وَ یُمَنِّیْهِمْ ؕ وَ مَا یَعِدُهُمُ الشَّیْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿۱۲۰﴾ اُولٰٓىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۫ وَ لَا یَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِیْصًا ﴿۱۲۱﴾

ترجمہ: بیشک اللہ نہیں بخشے گا اس کو کہ شریک ٹھہرایا جائے کسی کو اس کے ساتھ اور بخش دے گا اس کے سوا جس کے لئے چاہے اور جو شریک ٹھہراتا ہے اللہ کے ساتھ وہ گمراہ ہو گیا دور کی گمراہی میں۔ وہ نہیں عبادت کرتے اللہ کے سوا مگر چند زنانی چیزوں کی اور نہیں عبادت کرتے مگر شیطان سرکش کی، لعنت کی جس پر اللہ نے اور کہا شیطان نے کہ میں ضرور لوں گا تیرے بندوں سے اپنی اطاعت کا حصہ مقرر اور میں ضرور گمراہ کروں گا ان کو اور میں ضرور ہوسیں دلاؤں گا ان کو اور میں ضرور سکھاؤں گا ان کو تو وہ ضرور چیریں گے جانوروں کے کان اور میں ضرور سکھاؤں گا ان کو تو ضرور بدلیں گے صورتیں بنائی ہوئی اللہ کی۔ اور جو کوئی بنائے شیطان کو دوست

اللہ کو چھوڑ کر تو وہ نقصان اٹھائے گا صریح نقصان۔ شیطان وعدہ دیتا ہے ان کو اور ہوسیں دلاتا ہے ان کو اور نہیں وعدہ دیتا ہے ان کو شیطان مگر فریب کا۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کا ٹھکانا ہے دوزخ اور نہ پائیں گے اس سے کہیں کوئی بچنے کی جگہ۔

تفسیر: (بیشک اللہ تعالیٰ اس بات کو) سزا دے کر بھی (نہ بخشیں گے کہ ان کے ساتھ کسی کو شریک قرار دیا جائے اور اس کے سوا اور جتنے گناہ ہیں) کفر کے علاوہ خواہ صغیرہ ہوں یا کبیرہ (جس کے لئے منظور ہوگا) بلا سزا (وہ گناہ بخش دیں گے اور) اس شرک کے نہ بخشنے کی وجہ یہ ہے کہ (جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ) کسی کو (شریک ٹھہراتا ہے وہ) امر حق سے (بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا) آگے مشرکین کی حماقت ان کے مذہبی طریقے میں بیان کرتے ہیں کہ (یہ) مشرک (لوگ خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر) ایک تو (صرف چند زنانی چیزوں کی عبادت کرتے ہیں اور) دوسرے (صرف شیطان کی عبادت کرتے ہیں جو کہ) خدا تعالیٰ کے (حکم سے باہر ہے) اور (جس کو) اس کی بے حکمی کی وجہ سے (خدا تعالیٰ نے اپنی رحمت) خاصہ (سے دور ڈال رکھا ہے اور جس نے) جس وقت کہ رحمت خاصہ سے دور اور ملعون ہونے لگا (یوں کہا تھا) جس سے اس کی عداوت صاف ظاہر معلوم ہو رہی تھی کہ (میں) پوری کوشش کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں کہ (ضرور تیرے بندوں سے اپنا مقرر حصہ) اطاعت کا (لوں گا اور) اس حصہ کی تفصیل یہ ہے کہ (میں ان کو) عقائد میں (گمراہ کروں گا اور میں ان کو) خیالات میں (ہوسیں دلاؤں گا) جس سے گناہ کی طرف میلان ہو اور ان کی مضرت نظر میں نہ رہے (اور میں ان کو) برے اعمال کرنے کی (تعلیم دوں گا جس سے وہ) بتوں کے نام پر (چوپایوں کے کانوں کو تراشا کریں گے) جو کہ اعمال کفر میں سے ہے (اور میں ان کو) اور بھی (تعلیم دوں گا جس سے وہ اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑا کریں گے) جو کہ فسق کے اعمال میں سے ہے جیسے داڑھی منڈانا، بدن گودوانا وغیرہ (اور جو شخص خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا) یعنی خدا تعالیٰ کی اطاعت نہ کرے گا اور شیطان کی اطاعت کرے گا (وہ) شخص (صریح نقصان میں واقع ہوگا) وہ نقصان جہنم میں جانا ہے (شیطان ان لوگوں سے) عقائد کے متعلق جھوٹے (وعدے کیا کرتا ہے) کہ تم بے فکر رہو نہ کہیں حساب ہے نہ کتاب ہے (اور) خیالات میں (ان کو ہوسیں دلاتا ہے) کہ اس گناہ میں ایسی لذت ہے، اس حرام ذریعہ میں ایسی آمدنی ہے حالانکہ شیطانی اعمال کی لغویت اور مضرت خود ظاہر ہے (اور شیطان ان سے صرف جھوٹے) فریب آمیز (وعدے کرتا ہے) کیونکہ واقع میں قیامت کا حساب و کتاب حق ہے اور اس کی ہوسوں کا فریب ہونا بہت جلدی کھل جائے گا (ایسے لوگوں کا) جو کہ شیطان کی راہ پر چلتے ہیں (ٹھکانا جہنم ہے) اور اوپر مذکور صریح نقصان سے یہی مراد ہے (اور اس) جہنم (سے کہیں بچنے کی

جگہ نہ پائیں گے) کہ وہاں جا کر پناہ لیں۔

فائدہ: 1۔ زنانی چیزوں سے مراد بعض بت ہیں جن کے نام اور صورتیں عورتوں کی سی تھیں اور ان کو زیور وغیرہ بھی پہناتے تھے۔ جیسے لات، عزیٰ اور نائلہ وغیرہ۔ ہر قبیلہ میں ایسے بت تھے اور ان کو انثی بنی فلاں کے لقب سے مشہور کرتے تھے۔ اس کا یہ مطلب نہیں کہ ان کے سوا اور کی عبادت نہیں کرتے تھے کیونکہ بعض بت نام اور شکل میں مردوں کی طرح بھی تھے لیکن صرف زنانی قسم کو ذکر کرنے سے مقصود ان کی حد درجہ حماقت کو بتلانا ہے۔

2۔ شیطان سب معبودان غیر اللہ کو بایں معنی شامل ہے کہ شیطان کے کہنے سے ان کی عبادت کرنا گویا شیطان کی عبادت کرنا ہے۔

3- شیطان کی چند صفتیں مقصود کی تاکید کے لئے لائے یعنی ایسے شیطان کی اطاعت کرتے ہیں جو اولاً سرکش ہے۔ ثانیاً سرکشی کی وجہ سے ملعون ہے ثالثاً انسان کا دشمن ہے جیسا اس کے اقوال سے واضح ہے۔

تغییر لخلق اللہ

اللہ تعالیٰ نے جسم انسانی کی جس طرز پر تخلیق فرمائی ہے اور قدرتی طور پر جس انداز سے بدن انسانی کی نشو نما ہوتی ہے اس میں انسانوں کی جانب سے کچھ تبدیلیاں کی جاتی ہیں اور اللہ تعالیٰ کی خلقت میں تغییر کی جاتی ہے۔ اس کے اسباب مندرجہ ذیل ہیں:

1- تحصیل حسن وزینت کے لئے

مثلاً کان چھیدنا، مہندی لگانا، خضاب لگانا، ناخن تراشنا، بال صاف کرنا، بال کتروانا، مونچھیں تراشنا، داڑھی سنوارنا، داڑھی مونڈنا، جسم گودنا، بالوں کو بلیچ کرنا وغیرہ۔

2- جسمانی اصلاح کے لئے

مثلاً ختنہ کرانا، زائد انگلی کٹوانا، عورت کا اپنے چہرے پر اگے ہوئے داڑھی مونچھوں کے بال صاف کرنا، کٹے ہوئے ہونٹوں کی سرجری کرنا۔

3-دوسرے انسان کے فائدہ کے لئے

مثلاً انسانی اعضاء کی پیوند کاری اور اس کے لئے اس شخص کے اعضاء نکالنا جس کی دماغی موت BRAIN DEATH واقع ہو چکی ہو یا آنکھ حاصل کرنے کے لئے جس کی ابھی تازہ تازہ موت ہوئی ہو۔

4- غرض فاسد کے لئے

مثلاً زیادہ آبادی سے بچنے کے لئے مردوں اور عورتوں کی نس بندی۔ TUBAL LIGATION

+VASECTOMY کرنا۔ مردوں کو خصی کرنا CASTRATION

5- تعذیب وسزا کے لئے

مثلاً عداوت ودشمنی میں کسی کی ناک وغیرہ کاٹنا اور حکومت کا حدود وقصاص کو جاری کرنا۔

6- شرک وفاسد عقائد کی پیروی کے لئے

مثلاً کسی کے نام پر ناک یا کان چھدوانا، کسی کے نام کی چوٹی رکھنا، ابرؤوں کو صاف کرنا۔

ان اسباب میں سے کچھ تو وہ ہیں جن کا شریعت ودین میں کچھ اعتبار نہیں مثلاً شرک اور فاسد عقائد کی پیروی بالکل حرام ہے اور کچھ اسباب وہ ہیں جن کا اگرچہ شریعت نے اعتبار کیا ہے مثلاً حسن وزینت کی تحصیل لیکن اس کا معیار اور STANDARD شریعت نے خود اپنے پاس رکھا ہے انسانوں کے عرف و رواج پر نہیں چھوڑا کیونکہ انسانوں کا علم اتنا وسیع نہیں جتنا اللہ تعالیٰ کا ہے اور پھر انسانوں کے رواج بھی باہم متضاد ہوتے ہیں۔

آگے ہر سبب سے متعلق کچھ تفصیل بیان کی جاتی ہے۔

شرک وفاسد عقائد کی پیروی میں

1- وَلَاٰمُرَنَّہُمْ فَلَیُغَیِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰہِ (سورہ نساء:119)

اور شیطان نے کہہ رکھا ہے کہ میں لوگوں کو حکم دوں گا تو وہ اللہ کی پیدائش کو بدل ڈالیں گے۔

2- ایک حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

وانی خلقت عبادی حنفاء کلھم وان الشیاطین اتتھم فاجتا لتھم عن دینھم فحرمت علیھم ما احللت لھم و امرتھم ان یشرکوا بی مالم انزل به سلطانا وامرتھم ان یغیر وا خلقی (تفسیر قرطبی 250/5)

میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا (یعنی پیدائش کے وقت ان کی فطرت میں شرک نہیں تھا بلکہ توحید تھی) پھر شیطان (خواہ وہ انسان ہوں یا جن) ان کے پاس آئے اور ان کو ان کے دین فطرت سے پھیر دیا اور ان پر وہ چیزیں حرام کر دیں جو میں نے ان کے لئے حلال کی تھیں اور ان کو حکم دیا کہ وہ میرے ساتھ ان چیزوں کو شریک ٹھہرائیں جن کے بارے میں میں نے کوئی دلیل وحجت نازل نہیں کی اور انہوں نے ان کو حکم دیا کہ وہ میری خلق وپیدائش کو بدل دیں۔

تعذیب وسزا میں

1- جان بوجھ کر عداوت ودشمنی میں یا کسی بھی وجہ سے کسی کے اعضاء کاٹ دے تو سزا میں کاٹنے

والے کے انہی اعضاء کو کاٹا جائے گا اور زخم کے بدلے زخم لگائے جائیں گے جب کہ مساوات کا لحاظ رکھنا ممکن ہو۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيْهَا اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ وَ الْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ وَ الْجُرُوْحَ قِصَاصٌ (سورہ مائدہ)

اور ہم نے یہود پر توریت میں یہ بات فرض کی تھی کہ جان بدلے جان کے اور آنکھ بدلے آنکھ کے اور ناک بدلے ناک کے اور کان بدلے کان کے اور دانت بدلے دانت کے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔

2- وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْا اَيْدِيَهُمَا جَزَاءً بِمَا كَسَبَا نَكَالاً مِنَ اللّٰهِ (سورہ مائدہ:38)

اور جو مرد چوری کرے اور جو عورت چوری کرے تو ان دونوں کے ہاتھ کاٹ ڈالو ان کے کردار کے عوض بطور سزا کے اللہ کی طرف سے۔

3- اِنَّمَا جَزَاءُ الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهُ وَ يَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْا اَوْ يُصَلَّبُوْا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ مِنْ خِلَافٍ اَوْيُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ (سورہ مائدہ:33)

(رہزنی اور ڈکیتی کی سزا کے بارے میں فرمایا) جو لوگ اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول سے (ان کے دیئے ہوئے امن کو توڑ کر) لڑتے ہیں اور ملک میں فساد پھیلاتے پھرتے ہیں ان کی یہی سزا ہے کہ قتل کیے جائیں یا (دوسری حالت میں) سولی دیے جائیں یا (تیسری حالت میں جب کہ انہوں نے صرف مال لوٹا ہو قتل نہ کیا ہو) ان کے ہاتھ اور پاؤں مخالف جانب سے (یعنی دایاں ہاتھ بایاں پاؤں) کاٹ دیئے جائیں یا (چوتھی صورت میں) قید کر دیئے جائیں۔

جسمانی اصلاح کے لئے

1-لاباس بقطع العضوان وقعت فيه الا كلة لئلاتسرى (عالمگیری:360/5)

جب جسم کا کوئی عضو گل جائے تو اس عضو کو قطع کرنے میں کوئی حرج نہیں تاکہ فساد باقی جسم میں سرایت نہ کرے۔

2-اذا اراد الرجل ان يقطع اصبعا زائدة اوشيئا آخر ...... ان كان الغالب هو النجاة فهو فى سعة من ذالك (عالمگیری5/360)

جب آدمی کوئی زائد انگلی یا اسی طرح کوئی اور زائد عضو کاٹنا چاہے تو اگر غلبہ حفاظت کا ہو تو اس کی گنجائش ہے۔

3- حضرت ابوہریرہؓ نقل کرتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا پانچ باتیں فطرت میں شامل

ہیں ختنہ کرنا۔ زیرناف بال صاف کرنا، مونچھیں کترنا، ناخن کاٹنا اور بغلوں کے بال صاف کرنا۔

ان حوالجات کی مناسبت سے ہم کہتے ہیں کہ جسم میں کوئی پیدائشی عیب ہو یا بعد میں کسی حادثہ کی بناء پر کوئی نقص و عیب واقع ہو گیا ہو تو چونکہ اس زمانہ میں علم جراحت SURGERY بڑی ترقی پر ہے اور ہلاکت و نقصان کا کچھ خوف نہیں ہوتا اس لئے ان کو دور کرنے کے لئے جو آپریشن کئے جائیں وہ جائز ہوں گے۔ ایسی جراحت کو جراحت برائے اصلاح بدن کہا جاتا ہے۔

فاسد اغراض کے لئے

مثلاً غلاموں یا ملازموں کو خصی CASTRATE کرنا تاکہ وہ گھر کی عورتوں میں بلا کسی خطرے کے آ جا سکیں یا اس اندیشے سے کہ لڑکی ہوگی تو بدنامی ہوگی یا اس فکر سے کہ اگر دنیا کی آبادی بڑھ گئی تو ان کو خوراک مہیا نہ ہو سکے گی منصوبہ بندی کے تحت مردوں کو خصی کرنا یا مردوں اور عورتوں کی نس بندی کرنا۔

اول تو ابھی تک یہی طے نہیں کیا جا سکا کہ کسی علاقے کی آبادی کتنی ہو کہ اس سے تجاوز نقصان دہ ہو گا۔ یعنی اس بارے میں کوئی OPTIMUM LEVEL تجویز نہیں کیا جا سکتا۔ علاوہ ازیں اس کو اجتماعی فکر بنانا اور اس کو قوم کی ترقی و فلاح کا ذریعہ قرار دینا قرآن و سنت کی تعلیمات کا مقابلہ کرنا ہے۔

قرآن پاک میں ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَ يَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَ مُسْتَوْدَعَهَا (سورہ ھود:16)

"زمین پر چلنے والی کوئی مخلوق ایسی نہیں جس کے رزق کی ذمہ داری اللہ پر نہ ہو۔ وہ ان سب کے ٹھیئے ٹھکانے کو جانتا ہے"۔

اس آیت سے واضح ہوا کہ اللہ تعالیٰ اس عالم میں جتنی جانیں پیدا فرماتے ہیں ان کے رزق کی فراہمی کی کفالت خود فرماتے ہیں، البتہ انسانوں کی ذمہ داری اتنی ہے کہ وہ اختیاری اسباب کی حد تک زمین کی پیداوار کو بڑھانے کی کوشش کریں، اناج و سامان کو بچانے کی فکر کریں اور حاصل شدہ پیداوار کو عدل و انصاف کے ساتھ لوگوں تک پہنچائیں۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کہا ہم رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد کیا کرتے تھے۔ جوانی کے تقاضے سے جنسی خواہش ہمیں پریشان کرتی تھی اس لئے ہم نے حضور اکرم ﷺ سے اجازت چاہی کہ ہم اختصاء CASTRATION کر لیں۔ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرمایا اور (اس فعل کے حرام ہونے سے متعلق) قرآن پاک کی یہ آیت پڑھی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تُحَرِّمُوا طَيِّبَاتِ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوا إِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِينَ

"اے ایمان والو تم اللہ کی ان پاکیزہ چیزوں کو اپنے اوپر حرام نہ بناؤ جو اس نے تمہارے لئے حلال کی ہیں اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ حد سے تجاوز کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا"۔

یہاں یہ غرض تھی کہ جنسی خواہش کے غلبہ سے آزاد ہو کر پوری دل جمعی کے ساتھ جہاد میں شریک رہیں لیکن اس غرض کے تحت بھی اجازت نہیں ملی تو جو اغراض شریعت کی نظر میں فاسد ہیں ان کے تحت اجازت تو بطریق اولیٰ نہ ہو گی۔

دوسرے انسان کے فائدہ کے لئے

انسانی اعضاء کی پیوندکاری

1- رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے **کسر عظم المیت ککسر عظم الحی**

"مردہ کی ہڈی توڑنا اور نکالنا ایسا ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا اور نکالنا"

2- شرح سیر کبیر میں ہے۔ "آدمی اپنی موت کے بعد بھی اتنا ہی قابل احترام ہوتا ہے جتنا کہ اپنی زندگی میں ہوتا ہے۔ لہذا جس طرح زندہ آدمی کے کسی عضو و جزء سے اس کی تکریم کی بناء پر علاج و مداوات جائز نہیں اسی طرح مردہ کی ہڈی کے ساتھ بھی علاج و تداوی جائز نہیں۔

3- کسی دوسرے انسان کے بالوں سے بھی انتفاع جائز نہیں۔

الف: رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے۔

لعن اللہ الواصلۃ و المستوصلۃ

"اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی ایک انسان کے بال دوسرے کے سر وغیرہ میں لگانے والی اور لگوانے والی پر"۔

ب: ایک عورت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئی اور کہا یا رسول اللہ ﷺ میری بیٹی کو بخار ہوا جس سے اس کے سر کے بال اڑ گئے تو کیا میں اس کے سر میں دوسرے انسان کے بال لگادوں تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا دوسرے کے بال لگانے والی اور لگوانے والی پر (اللہ کی) لعنت ہے۔

اس تفصیل کا حاصل یہ ہے کہ انسان کے بال اور اعضاء اتار کر کسی دوسرے انسان کو لگانا جائز نہیں۔ اس معاملہ میں کسی کی اجازت اور رضامندی کا اعتبار نہیں ہے۔

حسن وزینت کی تحصیل کے لئے

ناخن تراشنا، زائد بال صاف کرنا، عورتوں کا ہاتھوں میں مہندی لگانا، مردوں کا سفید بالوں کو مہندی سے یا سیاہ کے علاوہ کسی اور رنگ سے رنگنا، ٹھوڑی کے نیچے سے ایک مشت سے زائد ڈاڑھی کے بال کاٹنا، مونچھیں کترنا عورتوں کا بندے اور بالیاں پہننے کے لئے اپنے کان چھیدنا یہ چیزیں ایسی ہیں جن کے جواز کے

شرعی دلائل سے ہر عام وخاص مطلع ہے۔

البتہ چند چیزیں ایسی بھی ہیں جن کو اگرچہ حسن وزینت کے لئے اختیار کرتے ہیں لیکن شریعت نے ان سے منع کیا ہے۔

1- عن عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ ﷺ لعن اللہ الواشمات والمستوشمات والنامصات و المتنمصات المتفلجات للحسن المغیرات لخلق اللہ (مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے لعنت فرمائی جسم گودنے والیوں پر اور جسم گودوانے والیوں پر اور چہرے (یعنی ابرو) کے بال اکھیڑنے والیوں پر اور اکھڑوانے والیوں پر اور حسن کے لئے دانتوں کو گھس کر جدا جدا کرنے والیوں پر اللہ کی دی ہوئی بناوٹ کو بدلنے والیوں پر۔

2- عن ابن عمر قال قال رسول اللہ ﷺ خالفوا المشرکین او فروا اللحی و احفوا الشوارب (مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ نے نقل کیا رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تم مشرکین کی مخالفت کرو اور ان کا یہ طرز مت اختیار کرو کہ داڑھی منڈائیں اور مونچھیں لمبی کریں بلکہ داڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں کترواؤ۔

3- عن ابن عباسؓ عن رسول اللہ ﷺ قال یکون قوم فی آخر الزمان یخضبون بھذا السواد کحواصل الحمام لا یجدون رائحۃ الجنۃ (مشکوۃ)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نقل کرتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا آخری زمانے میں کچھ ایسے لوگ ہوں گے جو اس سیاہ رنگ سے اپنے بالوں کو خضاب کریں گے کبوتر کے پوٹے کی مثل۔ وہ لوگ جنت کی خوشبو بھی نہ پائیں گے۔

ان حدیثوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں وہ حسن وزینت کی تحصیل کے لئے اختیار کی جاتی ہیں جیسا کہ خود پہلی حدیث میں اس کی تصریح بھی ہے۔ جب تحصیل حسن بذات خود ممنوع بھی نہیں ہے تو پھر ان میں ممانعت اور وعید کی وجہیں یہ نظر آتی ہیں۔

1- دوسرے کو دھوکہ دینا مثلاً بڑھاپے کو چھپایا جائے اور اپنے آپ کو جوان دکھایا جائے۔

2- تحصیل حسن میں محض تکلف کرنا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تحصیل حسن کے لئے جو طریقہ اختیار کیا جارہا ہے وہ تمام انسانوں کے نزدیک حسن کے معیار پر نہیں بلکہ کچھ لوگ اس میں حسن سمجھتے ہیں تو دوسرے علاقے یا قوم کے لوگ اس میں سرے سے حسن خیال نہیں کرتے یا الٹا اس میں بدنمائی خیال

کرتے ہیں اور یہ سب کچھ بھی اس وقت ہے جس ان طریقوں کو اختیار کرنے والی عورتیں ہوں تو وہ محض شوہر کی خاطر یہ کریں اور اگر ان سے غرض غیر محرموں میں نمائش ہو یا اعضا مستورہ کا اظہار ہو تو یہ تو خرابی در خرابی ہے۔

ربط: اوپر کفار، مشرکین کے لئے وعید تھی آگے مومنین کے لئے وعدہ اور بشارت ہے جیسا اکثر قرآن پاک کا طرز ہے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿۱۲۲﴾

ترجمہ: اور جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے اچھے ہم داخل کریں گے ان کو باغوں میں کہ بہتی ہیں جن کے نیچے نہریں۔ رہیں گے ان میں ہمیشہ ہمیشہ۔ وعدہ ہے اللہ کا سچا اور کون زیادہ سچا ہے اللہ سے بات میں۔

تفسیر: (اور جو لوگ ایمان لائے) اور انہوں نے (اچھے کام کئے ہم ان کو عنقریب) ایسے (باغوں میں داخل کریں گے کہ ان کے) محلات کے (نیچے نہریں جاری ہوں گی، وہ ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے، خدا تعالی نے اس کا وعدہ فرمایا ہے اور خدا تعالی سے زیادہ کس کا کہنا صحیح ہوگا)۔

ربط: اوپر شیطانی خیالات کا دھوکہ اور غیر معتبر ہونا یَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ میں اور ایمان و اعمال کا قابل اعتبار ہونا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا میں مذکور تھا۔ آگے بھی یہی دو مضمون ہیں پہلی آیت میں پہلا مضمون اور بعد کی آیتوں میں دوسرا مضمون۔

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ۭ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْۗءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰۗىِٕكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ۭ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ

وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطًا ﴿۱۲۶﴾

ترجمہ: نہیں ہے مدار تمہاری تمناؤں پر اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں پر جو کوئی برا کام کرے گا سزا دیا جائے گا اس کی اور نہ پائے گا اپنے لئے اللہ کے سوا کوئی دوست اور نہ کوئی مددگار۔ اور جو کوئی کام کرے گا نیک مرد ہو یا عورت اس حال میں کہ وہ ایمان رکھتا ہو تو وہ لوگ داخل ہوں گے جنت میں اور وہ ظلم نہ کئے جائیں گے تل بھر۔ اور کون زیادہ بہتر ہے از روئے دین کے اس شخص سے جو تابع کر دے اپنا چہرہ اللہ کے لئے اور وہ مخلص ہو اور اتباع کرے ابراہیم کی ملت کا جو ایک ہی طرف کا تھا اور بنالیا ابراہیم کو خالص دوست اور اللہ ہی کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہے اللہ ہر ہر چیز کا احاطہ کئے ہوئے۔

تفسیر: (نہ تمہاری تمناؤں سے کام چلتا ہے اور نہ اہل کتاب کی تمناؤں سے) کہ خالی خولی زبان سے اپنے فضائل بیان کیا کریں بلکہ مدار کار اطاعت پر ہے پس (جو شخص) اطاعت میں کمی کرے گا اور (کوئی برا کام کرے گا) خواہ عقائد سے ہو یا اعمال سے (وہ اسکے عوض میں سزا دیا جائے گا) اگر وہ برائی کفریہ عقیدہ تک کی ہے تو سزا دائمی اور یقینی ہے اور اگر وہ برائی اس سے کم ہے تو سزا ہمیشہ کی نہیں ہے (اور اس شخص کو خدا کے سوا نہ کوئی یار ملے گا اور نہ مددگار ملے گا) کہ خدا کے عذاب سے اسے چھڑا لے (اور جو شخص نیک کام کرے گا خواہ وہ مرد ہو یا عورت بشرطیکہ مومن ہو تو ایسے لوگ جنت میں داخل ہوں گے اور ان پر ذرا بھی ظلم نہ ہوگا) کہ ان کی کوئی نیکی ضائع کر دی جائے (اور) اوپر جو مومن ہونے کا ذکر کیا گیا ہے تو اس کا مصداق ہر جماعت نہیں جو مومن ہونے کی دعویدار ہے بلکہ صرف وہ جماعت ہے جس کا دین خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول ہو اور وہ جماعت اہل اسلام کی ہے جس کی دلیل یہ ہے کہ ان میں یہ صفات ہیں یعنی کامل اطاعت، اخلاص اور ملت ابراہیم کی پیروی لہٰذا (ایسے شخص) کے دین (سے زیادہ بہتر کس کا دین ہوگا جو کہ اپنا رخ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکا دے) یعنی فرمانبرداری اختیار کرے عقائد میں بھی اعمال میں بھی (اور) اس کے ساتھ (وہ مخلص بھی ہو) کہ دل سے فرمانبرداری اختیار کی ہو دنیوی مصلحت سے ظاہر داری نہ ہو (اور ابراہیم کی ملت) یعنی اسلام (کا اتباع کرے) جب کہ حال یہ ہے کہ ابراہیم ایسے تھے (جن میں کجی نام کو بھی نہ تھی اور) ملت ابراہیمی ضرور قابل اتباع ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خالص دوست بنایا تھا) تو ظاہر ہے کہ دوست کے طریقہ پر چلنے والا بھی محبوب و مقبول ہوگا، پس طریقہ اسلام مقبول ہوا، لہٰذا اہل اسلام ہی مومن کے لقب کے مصداق ٹھہرے اور دوسرے فرقوں نے حضرت ابراہیم کی پیروی کو چھوڑ دیا کہ اسلام نہ لائے اس لئے صرف مسلمان ہی ایسے ثابت ہوئے کہ محض تمناؤں پر ان کا سہارا

نہیں بلکہ اطاعت گزار ہیں لہذا کام انہیں کا چلے گا (اور) اللہ تعالیٰ کی مکمل فرمانبرداری کرنا تو ضروری ہے ہی کیونکہ ان کی سلطنت و قدرت اور ان کا علم دونوں تام اور مکمل ہیں اور یہی امور مدار ہیں وجوب اطاعت کے چنانچہ فرماتے ہیں کہ (اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہے جو کچھ بھی آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) یہ تو کمال سلطنت ہوا (اور اللہ تعالیٰ تمام چیزوں کو) اپنے علم میں (احاطہ فرمائے ہوئے ہیں) یہ کمال علم ہوا۔

فائدہ: 1۔ خلاصہ یہ ہوا کہ نری تمناؤں سے کام نہیں چلتا اور مسلمان نری تمناؤں پر نہیں ہیں بلکہ کام کرتے ہیں اور دوسرے فرقے جب اسلام ہی نہ لائے جس پر سارا کام موقوف ہے تو وہ بس نری تمناؤں پر ہوئے۔

2۔ خلیل ہونا اعلیٰ درجہ کا تقرب و مقبولیت ہے۔ حضرت جندبؓ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو بھی خلیل بنایا ہے جیسا ابراہیم علیہ السلام کو بنایا تھا۔

ربط: شروع سورت میں یتیموں اور عورتوں کے خاص احکام اور ان کے حقوق ادا کرنے کا وجوب مذکور تھا کیونکہ جاہلیت میں بعض ان کو میراث ہی نہ دیتے تھے، بعض جو مال میراث میں یا اور کسی طور سے یتیموں اور عورتوں کو ملتا اس کو ناجائز طور پر کھا جاتے، بعض ان سے نکاح کر کے ان کو مہر پورا نہ دیتے۔ اوپر ان سب کی ممانعت کی گئی تھی اس پر مختلف واقعات پیش آئے، بعض کو تو یہ خیال ہوا کہ عورتیں اور بچے فی نفسہ میراث کے قابل نہیں، کسی وقتی مصلحت سے یہ حکم کچھ عرصہ کے لئے ہو گیا ہے، امید ہے کہ منسوخ ہو جائے گا لہذا کچھ عرصہ اس کے منتظر رہے۔ جب منسوخ نہ ہوا تو یہ مشورہ ٹھہرا کہ خود حضور ﷺ سے پوچھنا چاہئے اور حاضر ہو کر پوچھا۔ بعض کو یہ اتفاق ہوا کہ ان کی پرورش میں بدصورت یتیم لڑکی تھی۔ بدصورتی کی وجہ سے تو خود نکاح نہیں کیا اور دوسرے کے ساتھ اس کے نکاح کو اس وجہ سے ٹالا کہ اس کا مال بھی پھر اس کے ساتھ جائے گا تو اب یہ خیال کر کے کہ شاید کوئی آسان حکم آ جائے اور لڑکی کے مال کا کچھ حصہ ہمیں بھی مل سکے رسول اللہ ﷺ سے آکر اس بارے میں پوچھا۔ اور بعض نے جب یہ سنا کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کرنے میں مہر کم کرنا درست نہیں تو یہ خیال کر کے جب وہ عورت خود کمی پر رضامند ہو جائے اس وقت تو پورا مہر دینے کی پابندی نہ رہے گی آپ سے آکر سوال کیا۔ اس پر یہ آیات نازل ہوئیں۔

وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَآءِ ۖ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيكُمْ فِيهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِي يَتٰمَى

النِّسَآءِ الّٰتِیۡ لَا تُؤۡتُوۡنَہُنَّ مَا کُتِبَ لَہُنَّ وَ تَرۡغَبُوۡنَ اَنۡ تَنۡکِحُوۡہُنَّ وَ الۡمُسۡتَضۡعَفِیۡنَ مِنَ الۡوِلۡدَانِ ۙ وَ اَنۡ تَقُوۡمُوۡا لِلۡیَتٰمٰی بِالۡقِسۡطِ ؕ وَ مَا تَفۡعَلُوۡا مِنۡ خَیۡرٍ فَاِنَّ اللّٰہَ کَانَ بِہٖ عَلِیۡمًا ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ: اور دریافت کرتے ہیں تجھ سے عورتوں کے بارے میں۔ کہہ دے اللہ حکم دیتا ہے تم کو ان کے بارے میں اور جو آیتیں پڑھی جاتی ہیں تم پر قرآن میں جو کہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں ہیں کہ نہیں دیتے تم ان کو جو مقرر کیا گیا ہے ان کے لئے اور تم نفرت کرتے ہو اس سے کہ ان سے نکاح کرو اور (جو) کمزور بچوں کے بارے میں ہیں اور اس بارے میں کہ تم قائم رہو یتیموں کے حق میں انصاف پر اور جو کچھ تم کرو گے خیر سے تو بلاشبہ اللہ اس کو خوب جاننے والے ہیں۔

(اور لوگ آپ سے عورتوں) کی میراث اور مہر (کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں آپؐ فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ان کے بارے میں تم کو) وہی سابق (حکم دیتے ہیں اور وہ آیات بھی) تم کو حکم دیتی ہیں (جو کہ) اس کے قبل نازل ہو چکی ہیں اور (قرآن کے اندر تم کو پڑھ کر سنائی جایا کرتی ہیں) کیونکہ قرآن کی تلاوت میں ان کی تلاوت بھی ظاہر ہے کہ ہوا ہی کرتی تھی (جو کہ ان یتیم عورتوں کے بارے میں) نازل ہو چکی (ہیں جن) کے ساتھ تمہارا یہ معاملہ ہے کہ اگر وہ صاحب مال و صاحب جمال ہوئیں تو ان سے نکاح کرتے ہو مگر ان (کو جو) شرع میں (ان کا) میراث و مہر کا (حق مقرر ہے نہیں دیتے ہو اور) اگر صاحب جمال نہ ہوئیں صرف صاحب مال ہوئیں تو (ان کے ساتھ) خوبصورت نہ ہونے کی وجہ سے (نکاح کرنے سے نفرت کرتے ہو) لیکن صاحب مال ہونے کی وجہ سے اس خوف سے کہ یہ مال کہیں اور نہ چلا جائے اور کسی سے بھی نکاح نہیں کرنے دیتے (اور) جو آیات کہ (کمزور بچوں کے بارے میں) ہیں (اور) جو آیات کہ (اس بارے میں) ہیں (کہ یتیموں کے حق میں انصاف کے ساتھ قائم رہو) یعنی ان کی تمام کارگزاری خواہ وہ مہر و میراث کے متعلق ہو یا اور کچھ ہو انصاف کے ساتھ کرو۔ یہ مضمون ان سابقہ آیات کا ہے۔ پس وہ آیتیں اپنا مضمون اب بھی تمہارے ذمہ واجب کر رہی ہیں اور ان کا حکم بعینہ باقی ہے تم انہی کے موافق عمل رکھو (اور جو نیک کام کرو گے) عورتوں اور یتیموں کے بارے میں یا اور امور میں بھی (سو بلاشبہ اللہ تعالیٰ اس کو خوب جانتے ہیں) تم کو ان کی جزاء خیر دیں گے اور جانتے تو ہیں خیر کے علاوہ کو بھی لیکن یہاں خیر کی ترغیب دینی مقصود ہے اس لئے تخصیص کی گئی۔

فائدہ: مطلب یہ ہوا کہ جو آیتیں اس بارے میں پہلے آچکی ہیں جن کو تم وقتاً فوقتاً سنتے رہتے ہو وہ

ان احکام کے بارے میں اب بھی واجب العمل میں کوئی نیا حکم نہیں دیا جاتا۔

ربط: عورتوں سے متعلق احکام میں سے ایک اور حکم بیان فرماتے ہیں۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا (۱۲۸)

ترجمہ: اور اگر کوئی عورت خوف کرے اپنے خاوند سے کج ادائی کا یا بے رخی کا تو کچھ گناہ نہیں دونوں پر کہ دونوں صلح کرلیں آپس میں خاص طرح کی صلح اور صلح بہتر چیز ہے۔ اور سامنے کر دیئے گئے نفوس حرص کے۔ اور اگر تم اچھا برتاؤ رکھو اور احتیاط رکھو تو بے شک اللہ تمہارے سب اعمال سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اور اگر کسی عورت کو) قرائن سے (اپنے شوہر سے کج ادائی یا بے پرواہی) اور بے رخی (کا غالب گمان ہو تو) ایسی حالت میں (دونوں پر اس میں کوئی گناہ نہیں کہ دونوں باہم ایک خاص طور پر صلح کرلیں) یعنی عورت اگر ایسے شوہر کے پاس رہنا چاہے جو پورے حقوق ادا کرنا نہیں چاہتا اور اس لئے اس کو چھوڑنا چاہتا ہے تو عورت کو جائز ہے کہ اپنے کچھ حقوق چھوڑ دے مثلاً نان نفقہ معاف کر دے، یا مقدار کم کر دے یا اپنی باری معاف کر دے تاکہ وہ چھوڑے نہیں، اور شوہر کو بھی جائز ہے کہ اس معافی کو قبول کر لے (اور) نزاع یا فراق سے تو (یہ صلح) ہی (بہتر ہے اور) ایسی صلح ہو جانا کچھ بعید نہیں کیونکہ (نفوس کو) طبعاً (حرص کے ساتھ اتصال ہوتا ہے) جب نفس کی حرص پوری ہو جاتی ہے راضی ہو جاتا ہے، پس شوہر جب دیکھے گا کہ میری مالی اور جانی آزادی میں جس کی اس کو طبعی حرص ہے کچھ خلل نہیں آتا اور مفت میں عورت ملتی ہے تو وہ غالباً نکاح میں رکھنے پر راضی ہو جائیگا اور عورت کے نکاح میں رہنے کی حرص خواہ کسی وجہ سے ہو ظاہر ہے کہ صلح کا اصل سبب ہے۔ پس جانبین کی خاص خاص حرص نے اس صلح کی تکمیل کر دی (اور) اے مردو (اگر تم) خود عورتوں کے ساتھ (اچھا برتاؤ رکھو) اور ان سے حقوق معاف کرانے کے خواہشمند نہ ہو (اور ان کے ساتھ) کج ادائی اور بے رخی کرنے سے (احتیاط رکھو تو) تم کو بڑا ثواب ملے کیونکہ (بلاشبہ حق تعالیٰ تمہارے اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں) اور نیک اعمال پر ثواب دیا کرتے ہیں۔

ربط: اوپر شوہر کی کج ادائی اور بے پرواہی کے متعلق مضمون تھا۔ اس کے بعد چند صورتیں پیش آ

سکتی ہیں۔ ایک یہ کہ باہم صلح ہو جائے یہ اوپر کی آیت کا مقصود تھا۔ دوسرے یہ کہ مرد اپنے غلط رویے سے باز آجائے جس کی ترغیب اِنْ تُحْسِنُوْا میں تھی۔ تیسرے یہ کہ زوجین میں تفریق ہو جائے۔ آگے اخیر کے دونوں احتمالوں کے متعلق مضمون ہے۔ دوسرے احتمال کے متعلق آیت وَ لَنْ تَسْتَطِيْعُوا میں کہ اگر رغبت قلبی پر اختیار نہیں تو اختیاری حقوق تو ادا کرنے ضروری ہیں اور چونکہ اکثر بے رغبتی کا سبب دوسری بیوی کی محبت کا غلبہ ہوتا ہے اس لئے آیت میں اس کا ذکر ہوا ورنہ مذکورہ حکم یعنی مرد کا اپنے غلط رویے سے باز آنا تمام حالتوں میں عام ہے اور تیسرے احتمال کا ذکر آیت وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا میں ہے۔

وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ ؕ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۲۹﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿۱۳۰﴾

ترجمہ: اور تم ہرگز طاقت نہیں رکھتے کہ برابری کرو بیویوں کے درمیان اگرچہ تم (اس کی) حرص کرو۔ تو نہ ہو جاؤ بالکل ایک طرف (کو) کہ چھوڑ رکھو دوسری بیوی کو بیچ میں لٹکی ہوئی کی طرح اور اگر اصلاح کر لو اور احتیاط رکھو تو بے شک اللہ ہے بخشنے والا مہربان۔ اور اگر دونوں جدا ہو جائیں تو بے احتیاج کر دے گا اللہ ہر ایک کو اپنی وسعت سے اور اللہ ہے وسعت والا حکمت والا۔

تفسیر: (اور) عادۃً (تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیویوں میں) ہر طرح سے (برابری رکھو) حتی کہ قلبی رغبت میں بھی (گو) اس برابری کو (تمہارا کتنا ہی جی چاہے) اور تم کتنی ہی اس میں کوشش کرو لیکن چونکہ قلب کا میلان غیر اختیاری ہے اس لئے اس پر قدرت نہیں گو اتفاقاً بلا اختیار کہیں برابری ہو ہی جائے تو اس کی نفی آیت میں مقصود نہیں۔ غرض جب یہ اختیار میں نہیں تو تم اس کے مکلف نہیں لیکن اس کے غیر اختیاری ہونے سے یہ تو لازم نہیں آتا کہ ظاہری حقوق بھی اختیاری نہ رہیں بلکہ وہ تو اختیاری ہیں۔ جب وہ اختیاری ہیں (تو) تم پر واجب ہے کہ (تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ) بالکل کا مطلب یہ ہے کہ باطن سے بھی جس میں معذور تھے اور ظاہر سے بھی جس میں مختار ہو یعنی شرعی حقوق میں اپنی بیوی سے اعراض نہ کرو (جس سے اس) مظلوم (کو ایسا کر دو جیسے کوئی بیچ میں لٹکی ہو) یعنی نہ تو اس کے حقوق ادا کئے جائیں کہ خاوند والی سمجھی جائے اور نہ اس کو طلاق دی جائے کہ بے خاوند والی کہی جائے بلکہ رکھو تو اچھی طرح رکھو (اور) رکھنے کی صورت میں زمانہ ماضی میں جو کچھ ناگوار معاملات ان سے کئے گئے

(اگر) ان معاملات کی فی الحال (اصلاح کر لو اور) آئندہ زمانہ میں ایسے معاملات سے (احتیاط رکھو تو) وہ گذشتہ امور معاف کر دیئے جائیں گے کیونکہ (بلاشبہ اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے بڑی رحمت والے ہیں) چونکہ حقوق العباد سے متعلق گناہوں کی اصلاح ان بندوں کے معاف کرنے سے ہوتی ہے لہذا اصلاح میں یہ معافی بھی شامل ہے۔ تو اس کے وقوع کے بعد توبہ شرعاً صحیح ہو گئی اس لئے مقبول ہو گئی۔

(اور اگر دونوں میاں بیوی) میں کسی طرح بھی موافقت نہ ہوئی اور دونوں (جدا ہو جائیں) یعنی خلع یا طلاق ہو جائے (تو) کوئی ان میں سے خواہ مرد اگر اس کی زیادتی ہے یا عورت اگر اس کی کوتاہی ہے یوں نہ سمجھے کہ میرے بغیر اس دوسرے کا کام ہی نہ چلے گا کیونکہ (اللہ تعالیٰ اپنی وسعت) قدرت (سے) دونوں میں سے (ہر ایک کو) دوسرے سے (بے احتیاج کر دے گا) یعنی ہر ایک کا مقدر کام دوسرے کے بغیر چل جائے گا اور اللہ تعالیٰ بڑے وسعت (والے اور بڑی حکمت والے ہیں) ہر ایک کے لئے مناسب رستہ نکال دیتے ہیں۔

ربط: یہاں تک مختلف احکام کا ذکر ہوا آگے ان احکام کی بجا آوری کی تاکید کا خاص اہتمام فرماتے ہیں کہ پہلے موافقت کرنے کا حکم دیا اِتَّقُوا اللّٰهَ میں اور اس کی آسانی کے لئے اَلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ کو یاد دلایا پھر اِنْ تَكْفُرُوْا میں مخالفت سے روکا پھر غیر اللہ کا اندیشہ جو بعض احکام میں کوتاہی کا سبب ہوتا ہے اس کو كَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا کہہ کر دل سے دور کیا اور ان تینوں پر اپنے مالک سماوات وارض ہونے سے استدلال کیا کیونکہ ایسے مالک کی موافقت واجب ہے مخالفت حرام ہے اور اس پر بھروسہ واعتماد بھی کرنا بھی واجب ہے۔ پھر دین کی خدمت کو غنیمت سمجھنا احسان کی صورت میں اِنْ يَّشَاْ میں ارشاد فرمایا تاکہ اس خوف سے کہ کہیں یہ کام دوسرے سے نہ لے لیا جائے تیزی دکھائیں گے۔ پھر دین کا اصل ثمرہ آخرت میں مَنْ كَانَ يُرِيْدُ میں ارشاد فرمایا کیونکہ بعض اوقات دنیا میں ثمرہ نہ ملنے سے بھی احکام میں سستی ہو جاتی ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ۝۱۳۱ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ۝۱۳۲ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي ذٰلِكَ قَدِيْرًا ۝۱۳۳ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا

فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

ترجمہ: اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اور واقعی ہم نے حکم دیا ان لوگوں کو جو دیئے گئے کتاب تم سے پہلے اور تم کو بھی کہ ڈرتے رہو اللہ سے اور اگر تم ناشکری کرو گے تو بے شک اللہ کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور ہے اللہ غیر محتاج، سب خوبیوں والا اور اللہ کے لئے ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور جو کچھ ہے زمین میں اور کافی ہے اللہ کارساز اگر چاہتا تو فنا کر دیتا تم سب کو اے لوگو اور لے آتا دوسرے لوگوں کو، اور ہے اللہ اس پر قدرت والا۔ جو کوئی چاہتا ہے ثواب دنیا کا تو اللہ کے پاس ہے ثواب دنیا کا اور آخرت کا اور ہے اللہ سب کچھ سننے والا دیکھنے والا،

تفسیر: (اور اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں) تو ایسے مالک کے احکام کا ماننا بہت ہی ضروری ہے (اور) احکام کی بجا آوری کا خطاب خاص تم ہی کو نہیں ہوا بلکہ (واقعی ہم نے ان لوگوں کو بھی حکم دیا تھا جن کو تم سے پہلے کتاب) آسمانی یعنی تورایت، انجیل (ملی تھی اور تم کو بھی) حکم دیا ہے (کہ اللہ تعالیٰ سے ڈرو) جس کو تقویٰ کہتے ہیں، جس میں تمام احکام کی موافقت داخل ہے، اسی لئے اس سورت کو تقویٰ سے شروع کر کے اس کی تفصیل میں مختلف احکام لائے ہیں (اور) یہ بھی ان کو اور تم کو سنایا گیا کہ (اگر تم ناشکری کرو گے) یعنی احکام الٰہیہ کی مخالفت کرو گے (تو) خدا تعالیٰ کا کوئی ضرر نہیں ہاں تمہارا ہی ضرر ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ کی) تو (ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں) ایسے بڑے سلطان کا کیا ضرر ہوگا، البتہ ایسے بڑے سلطان کی مخالفت بلاشک مضر ہے (اور اللہ تعالیٰ کسی) کی اطاعت (کے حاجت مند نہیں) اور (خود اپنی ذات میں محمود د کامل الصفات ہیں) پس کسی کی مخالفت سے ان کی صفات میں کوئی نقص لازم نہیں آتا (اور اللہ تعالیٰ ہی کی ملک ہیں جو چیزیں کہ آسمانوں میں ہیں اور جو چیزیں کہ زمین میں ہیں اور) جب وہ ایسے قادر و مختار ہیں تو اپنے اطاعت گزار بندوں کے لئے (اللہ تعالیٰ کافی کارساز ہیں) پس اس کی کارسازی کے ہوتے ہوئے ان کے فرمانبرداروں کو کون ضرر پہنچا سکتا ہے، لہٰذا کسی سے ڈرنا نہ چاہئے، اور اللہ تعالیٰ جو تم کو دین کے کام بتا رہے ہیں تو تمہاری ہی سعادت کے لئے ورنہ وہ دوسروں سے بھی کام لے سکتے ہیں، کیونکہ ان کی ایسی قدرت ہے کہ (اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دیتا اور دوسروں کو موجود کر دیتا) اور ان سے کام لے لیتا، جیسا دوسری آیت میں ہے۔ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْا اَمْثَالَكُمْ) یعنی اگر تم پھر جاؤ گے تو اللہ تمہاری جگہ دوسروں کو لے آئیں گے، پھر وہ تم جیسے نہ ہوں گے (اور اللہ اس پر پوری

قدرت رکھتے ہیں) پھر ایسا جو نہیں کیا تو ان کی عنایت ہے، اطاعت حکم کو غنیمت سمجھ کر سعادت حاصل کرو اور دیکھو دین کے کام کا اصلی ثمرہ آخرت میں ہے دنیا میں نہ ملنے سے بددل نہ ہونا بلکہ (جو شخص) دین کے کام میں (دنیا کا معاوضہ چاہتا ہو تو) وہ بڑی غلطی میں ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ کے پاس) یعنی ان کی قدرت میں (تو دنیا اور آخرت دونوں کا معاوضہ) موجود (ہے) جب ادنیٰ اعلیٰ دونوں پر ان کی قدرت ہے تو اعلیٰ ہی چیز کیوں نہ مانگی جائے (اور اللہ تعالیٰ بڑے سننے والے بڑے دیکھنے والے ہیں) سب کے اقوال اور درخواستوں کو دنیا کی ہوں یا دین کی سنتے ہیں، اور سب کی نیتوں کو دیکھتے ہیں، پس طالبان آخرت کو ثواب دیں گے اور طالبان دنیا کو آخرت میں محروم رکھیں گے، پس آخرت ہی کی نیت اور درخواست کرنی چاہئے، البتہ دنیا کی حاجت مستقل طور پر مانگنے میں مضائقہ نہیں، لیکن عبادت میں یہ قصد نہ کرے۔

ربط: اوپر ذکر کئے ہوئے احکام میں بعض معاملات بھی تھے جن میں صاحب معاملہ کو بھی اور اگر کبھی آپس میں اختلاف پڑے تو فیصلہ کرنے والے کو بھی عدل کی رعایت کرنا ضروری ہے اور اسی طرح جو اس معاملہ کی حقیقت پر مطلع ہیں ان کو شہادت میں اظہار حق کا لحاظ کرنا ضروری ہے۔ اس لئے آگے عدل کرنے اور حق کے ساتھ شہادت دینے کو واجب فرماتے ہیں۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلَىٰٓ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۚ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللّٰهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا ۖ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰٓ أَن تَعْدِلُوا ۚ وَإِن تَلْوُۥٓا أَوْ تُعْرِضُوا فَإِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿١٣٥﴾

ترجمہ: اے ایمان والوں ہو جاؤ انصاف پر خوب قائم رہنے والے گواہی دینے والے اللہ (کی رضا) کے لئے اگرچہ خلاف ہو تمہارے اپنے یا ماں باپ کے یا قرابت والوں کے۔ اگر وہ شخص مالدار ہے یا محتاج ہے تو اللہ کو زیادہ تعلق دونوں سے ہے تو تم پیروی نہ کرو دل کی خواہش کی کہ مبادا حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج زبانی کرو گے یا پہلو تہی کرو گے تو اللہ تو جو کچھ تم کرتے ہو اس سے باخبر ہے۔

تفسیر: (اے ایمان والو) تمام معاملات میں خواہ دوسروں کے حقوق کی ادائیگی سے متعلق ہوں یا مقدمات کے فیصلے ہوں ان سب میں (انصاف پر خوب قائم رہنے والے) اور اقرار یا شہادت کی نوبت آئے تو (اللہ) کی خوشنودی (کے لئے) سچی (گواہی) اور اظہار (دینے والے رہو، اگرچہ) وہ گواہی اور اظہار (اپنی

ہی ذات کے خلاف ہو) جس کو اقرار کہتے ہیں (یا کہ والدین اور دوسرے رشتہ داروں کے مقابل ہو) اور گواہی کے وقت یہ خیال نہ کرو کہ جس کے مقابلہ میں ہم گواہی دے رہے ہیں یہ امیر ہے اس کو نفع پہنچانا چاہئے تاکہ اس سے بے مروتی نہ ہو، یا کہ یہ غریب ہے اس کا کیسے نقصان کردیں، تم گواہی دینے میں کسی کی امیری غریبی یا نفع و نقصان کو نہ دیکھو، کیونکہ (وہ شخص) جس کے خلاف گواہی دینی پڑے گی (اگر امیر ہے تب بھی غریب ہے تب بھی دونوں کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو زیادہ تعلق ہے) اتنا تعلق تم کو نہیں، کیونکہ تمہارا تعلق جس قدر ہے وہ بھی انہی کا دیا ہوا ہے، اور اللہ تعالیٰ کا جو تعلق ہے وہ تمہارا دیا ہوا نہیں، پھر جب قوی تعلق کے باوجود اللہ تعالیٰ نے ان کی مصلحت اسی میں رکھی ہے کہ گواہی میں حق بات کہی جائے خواہ اس سے وقتی طور پر کچھ نقصان بھی پہنچ جائے تو تم ضعیف تعلق کے باوجود اپنی شہادت میں ان کی ایک عارضی مصلحت کا کیوں خیال کرتے ہو (سو تم) اس شہادت میں (خواہش نفس کا اتباع مت کرنا کہ کہیں تم حق سے ہٹ جاؤ، اور اگر تم کج بیانی کرو گے) یعنی غلط گواہی دو گے (یا پہلو تہی کرو گے) یعنی شہادت کو ٹالو گے (تو) یاد رکھنا (بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہارے سب اعمال کی پوری خبر رکھتے ہیں،)

ربط: اوپر زیادہ تر فرعی احکام کا ذکر ہوا آگے ایمان و کفر کے مباحث قدرے تفصیل سے ذکر کرتے ہیں۔

ترتیب بیان میں پہلے دین میں معتبر ایمان کا ذکر ہے پھر کفار کے مختلف فرقوں کی مذمت عقائد میں بھی اور فساد عقائد پر دلالت کرنے والے بعض اعمال میں بھی۔ ان میں سے ایک فرقہ مرتدین کا ہے اور دوسرا منافقین کا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ ءَامِنُواْ بِٱللَّهِ وَرَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلَّذِى نَزَّلَ عَلَىٰ رَسُولِهِۦ وَٱلْكِتَٰبِ ٱلَّذِىٓ أَنزَلَ مِن قَبْلُ ۚ وَمَن يَكْفُرْ بِٱللَّهِ وَمَلَٰٓئِكَتِهِۦ وَكُتُبِهِۦ وَرُسُلِهِۦ وَٱلْيَوْمِ ٱلْءَاخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٣٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ءَامَنُواْ ثُمَّ كَفَرُواْ ثُمَّ ٱزْدَادُواْ كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ سَبِيلًۢا ﴿١٣٧﴾ بَشِّرِ ٱلْمُنَٰفِقِينَ بِأَنَّ لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٣٨﴾ ٱلَّذِينَ يَتَّخِذُونَ ٱلْكَٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِن دُونِ ٱلْمُؤْمِنِينَ ۚ أَيَبْتَغُونَ عِندَهُمُ ٱلْعِزَّةَ فَإِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ﴿١٣٩﴾

ترجمہ: اے ایمان والو یقین رکھو اللہ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے نازل کی اپنے رسول پر اور ان کتابوں پر جو نازل کی تھیں پہلے۔ اور جو کوئی انکار کرے اللہ کا اور اس کے فرشتوں کا اور اس کی کتابوں کا اور اس کے رسولوں کا اور قیامت کے دن کا وہ گمراہ ہو گیا دور کی گمراہی میں۔ بے شک جو لوگ مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر بڑھتے رہے کفر میں تو نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہیں ہے کہ دکھائے ان کو راہ۔ خوش خبری سنادے منافقوں کو کہ ان کے واسطے ہے عذاب دردناک۔ وہ جو بناتے ہیں کافروں کو اپنا رفیق مسلمانوں کو چھوڑ کر کیا ڈھونڈتے ہیں ان کے پاس عزت، سو عزت تو اللہ ہی کے واسطے ہے ساری،

تفسیر: (اے ایمان والو) یعنی جو مجملاً ایمان لا کر مؤمنین کے زمرہ میں داخل ہو چکے ہیں (تم) ضروری عقائد کی تفصیل سن لو کہ (اعتقاد رکھو اللہ) کی ذات و صفات (پر اور اس کے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت (پر اور اس کتاب) کے حق ہونے (پر جو اس نے) یعنی اللہ تعالیٰ نے (اپنے رسول) محمد صلی اللہ علیہ وسلم (پر نازل فرمائی اور ان کتابوں) کے حق ہونے (پر) بھی (جو کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے (پہلے) اور نبیوں پر (نازل ہو چکی ہیں) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور کتب سابقہ پر ایمان لانے میں ملائکہ اور باقی انبیاء علیہم السلام اور یوم قیامت پر ایمان رکھنا بھی داخل ہو گیا (اور جو شخص اللہ) کی ذات یا صفات (کا انکار کرے اور) اسی طرح جو (اس کے فرشتوں کا) انکار کرے (اور) اس طرح جو قرآن سمیت (اس کی کتابوں کا) انکار کرے (اور) اسی طرح جو (اس کے رسولوں کا) جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی داخل ہیں انکار کرے (اور) اسی طرح جو (روز قیامت کا) انکار کرے (تو وہ شخص گمراہی میں بڑی دور جا پڑا، بلا شبہ جو لوگ) پہلے تو (مسلمان ہوئے پھر کافر ہو گئے پھر مسلمان ہوئے) اور اس بار بھی اسلام پر قائم نہ رہے ورنہ پہلا ارتداد معاف ہو جاتا بلکہ (پھر کافر ہو گئے) جیسا کہ بعض لوگوں نے ایسا کیا (پھر) مسلمان ہی نہ ہوئے ورنہ پھر بھی ایمان مقبول ہو جاتا بلکہ (کفر میں بڑھتے چلے گئے) یعنی کفر پر دم مرگ تک ثابت اور دائم رہے (اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ہرگز نہ بخشیں گے اور نہ ان کو) منزل مقصود یعنی بہشت کا (راستہ دکھائیں گے) کیونکہ مغفرت اور جنت کے لئے موت تک مومن رہنا شرط ہے۔

(منافقین کو خوش خبری سنا دیجئے اس بات کی کہ ان کے واسطے) آخرت میں (بڑی دردناک سزا) تجویز کی گئی (ہے، جن کی یہ حالت ہے کہ) عقائد تو اہل ایمان کے نہ رکھتے تھے مگر وضع اور طور طریقہ بھی اہل ایمان کا نہ رکھ سکے چنانچہ (کافروں کو دوست بناتے ہیں مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا ان کے پاس) جا کر (عزت حاصل کرنا چاہتے ہیں سو) خوب سمجھ لو کہ (عزت تو ساری خدا تعالیٰ کے قبضہ میں ہے) وہ جس کو چاہیں دیں۔ پس اگر خدا تعالیٰ ان کو یا جن سے جا جا کر دوستی کرتے ہیں ان کو عزت نہ دیں تو کہاں سے معزز بن

جائیں گے۔

فائدہ: چنانچہ اللہ تعالیٰ نے جلد ہی مسلمانوں کے ہاتھوں سب کو ذلیل و خوار کر دیا۔ منافقین کا کفار سے ملنا اس غرض سے تھا کہ مسلمانوں کے اس طرح غالب آنے کی ان کو توقع نہ تھی اور یہ سوچتے تھے کہ ہمیشہ تو ان یہود یا مشرکین کے ساتھ رہنا ہوگا اس لئے ان سے کیوں بگاڑ کیا جائے۔

ربط: اوپر منافقین کے بارے میں ذکر ہوا کہ وہ کافروں کو دوست بناتے ہیں تو آگے دو آیتوں کے بعد لَاتَتَّخِذُوا الْکَافِرِیْنَ اَوْلِیَاءَ میں مسلمانوں کو کافروں کے ساتھ دوستی رکھنے سے منع فرمایا اور اس سے پہلے کافروں کے اپنی کفریات میں مشغولیت کے وقت میں ان کے ساتھ ظاہری نشست رکھنے سے بھی فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ میں منع فرمایا کیونکہ یہ معصیت میں مبتلا ہونے کا زیادہ بڑا سبب ہے۔ اور ساتھ ساتھ منافقین کی قباحتوں کو بھی ظاہر کرتے جاتے ہیں جس سے مقصود کی تاکید ہوتی ہے۔

وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِهَا وَيُسْتَهْزَاُ بِهَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ۖ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا ۝ الَّذِيْنَ يَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ڮ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِيْنَ نَصِيْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَيْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ فَاللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلَنْ يَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِيْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ سَبِيْلًا ۝

ترجمہ: اور اتار چکا ہے تم پر قرآن میں کہ جب تم سنو اللہ کے احکام کہ انکار کیا جاتا ہے ان کا اور ہنسی اڑائی جاتی ہے ان کی تو نہ بیٹھو ان کے ساتھ یہاں تک کہ مشغول ہوں کسی دوسری بات میں اس کے علاوہ ورنہ تو تم بھی اس حالت میں ان کی مثل ہو جاؤ گے۔ بے شک اللہ اکٹھا کرنے والا ہے منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں، وہ منافق جو منتظر رہتے ہیں تم پر، پھر اگر ہو گئی تمہیں فتح اللہ کی جانب سے تو کہتے ہیں کیا ہم نہ تھے تمہارے ساتھ اور اگر ہو گیا کافروں کے لئے کوئی حصہ تو کہتے ہیں کیا ہم غالب نہ آگئے تھے تم پر اور کیا ہم نے نہیں بچایا تم کو مسلمانوں سے، سو اللہ فیصلہ کرے گا تمہارے درمیان قیامت کے دن اور ہرگز نہ دے گا اللہ کافروں کو مسلمانوں پر غلبہ،

تفسیر: (اور) اے مسلمانو! دیکھو تم منافقین کی طرح کفار کے ساتھ خصوصی تعلق مت رکھنا خاص کر جس وقت وہ کفریات کا تذکرہ کرتے ہوں، چنانچہ اس مدنی سورت کے قبل بھی (اللہ تعالیٰ تمہارے پاس یہ فرمان قرآن میں) یعنی سورہ انعام میں جو مکی ہے (بھیج چکا ہے) جس کا حاصل یہ ہے (کہ جب) کسی مجمع میں (احکام الٰہی کے ساتھ استہزاء اور کفر ہوتا ہوا سنو تو ان لوگوں کے پاس مت بیٹھو جب تک کہ وہ کوئی اور بات شروع نہ کریں) اور یہ مضمون اس آیت کا حاصل ہے وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ الخ سو یہ استہزاء کرنے والے مکہ میں مشرکین تھے اور مدینہ میں یہود تو علانیہ اور منافقین صرف غریب اور ضعیف مسلمانوں کے روبرو، پس جس طرح وہاں مشرکین کی ہم نشینی ایسے وقت میں ممنوع تھی یہاں یہود اور منافقین کی ہم نشینی سے نہی ہے اور یہ ممانعت ہم اس لئے کرتے ہیں (کہ اس حالت میں تم بھی) گناہ میں (انہی جیسے ہو جاؤ گے) گو دونوں کی نوعیت میں فرق ہو کہ ان کا گناہ کفر کا ہوگا اور تمہارا فسق کا ہوگا۔ اور ہم نشینی کی ممانعت میں کفار اور منافقین سب برابر ہیں کیونکہ اس کی علت کفر کی باتوں کا تذکرہ ہے جس کا منشاء کفر ہے، اور اس میں دونوں برابر ہیں، چنانچہ سزائے کفر یعنی دوزخ کا ایندھن ہونے میں بھی دونوں برابر ہوں گے، کیونکہ (یقیناً اللہ تعالیٰ منافقوں کو اور کافروں کو سب کو دوزخ میں جمع کر دیں گے) اور (وہ) منافقین (ایسے ہیں کہ تم پر) افتاد پڑنے کے (منتظر) اور آرزومند (رہتے ہیں پھر) ان کے اس انتظار کے بعد (اگر تمہاری فتح منجانب اللہ ہوگئی تو) تم سے آکر (باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ) جہاد میں شریک (نہ تھے) کیونکہ نام و نمود کے لئے تو مسلمانوں میں گھسے ہی رہتے تھے، مطلب یہ کہ ہم کو بھی غنیمت کا حصہ دو (اور اگر کافروں کو) غلبہ کا (کچھ حصہ مل گیا،) یعنی وہ اتفاق سے غالب آئے (تو) ان سے جا کر (باتیں بناتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے) مگر ہم نے قصداً تمہیں غالب کرنے کے لئے مسلمانوں کی مدد نہ کی اور ایسی تدبیر کی کہ لڑائی بگڑ گئی (اور کیا ہم نے) جب تم مغلوب ہونے لگے تھے (تم کو مسلمانوں سے بچا نہیں لیا) اس طرح کہ ان کی مدد نہ کی، اور تدبیر سے لڑائی بگاڑ دی، مطلب یہ کہ ہمارا احسان مانو اور جو کچھ تمہارے ہاتھ آیا ہے ہم کو بھی کچھ حصہ دلواؤ، غرض دونوں طرف سے ہاتھ مارتے ہیں (سو) دنیا میں گو اظہار اسلام کی برکت سے مسلمانوں کی طرح زندگی بسر کر رہے ہیں لیکن (اللہ تعالیٰ تمہارا اور ان کا قیامت میں) عملی (فیصلہ فرمادیں گے اور) اس فیصلہ میں (ہرگز اللہ تعالیٰ کافروں کو مسلمانوں کے مقابلہ میں غالب نہ فرمائیں گے) بلکہ کفار مجرم قرار پا کر دوزخ میں جائیں گے، اور مسلمان اہل حق ثابت ہو کر جنت میں جائیں گے اور عملی فیصلہ یہی ہے۔

فائدہ: 1۔ اس کو فیصلہ فرمایا حالانکہ فیصلہ اختلاف کی صورت میں ہوتا ہے تو وہ اختلاف اگرچہ نفاق کی وجہ سے گفتگو میں کم آتا تھا لیکن عقائد و مسلک تو مختلف تھے اور وہ اس مسلک پر اس لئے نازاں تھے

کہ دنیا میں بھی امن ہے اور آخرت میں بھی نجات ہوگی۔ تو فرمایا کہ اس کا عملی فیصلہ وہاں ہو جائے گا۔ اور عملی کی قید اس لئے ہے کہ حق و باطل کے دلائل تو یہاں دنیا میں بھی واضح ہیں۔

2۔ اہل باطل کے ساتھ ہم نشینی کی چند صورتیں ہیں (i) ان کے کفر پر رضا کے ساتھ ہو یہ کفر ہے (ii) ان کے اظہار کفریات کے وقت کراہت کے ساتھ مگر بلا عذر ہو یہ فسق ہے (iii) کسی دنیوی ضرورت کے لئے ہو یہ مباح ہے (iv) دینی احکام کی تبلیغ کے لئے ہو یہ عبادت ہے (v) اضطرار و بے اختیاری کے ساتھ ہو اس میں معذور ہے۔

ربط: آگے بھی منافقین کی قباحتوں کے ذکر کا تتمہ ہے۔

إِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَإِذَا قَامُوْٓا إِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ إِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۴۲﴾ مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ ۖ لَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ إِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۚ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۱۴۳﴾

ترجمہ: بے شک منافق چال بازی کرتے ہیں اللہ سے حالانکہ وہی چال چلنے والا ہے ان سے اور جب کھڑے ہوتے ہیں نماز کے لئے تو کھڑے ہوتے ہیں کاہلی سے، دکھاتے ہیں لوگوں کو اور نہیں یاد کرتے اللہ کو مگر تھوڑا سا، لٹکے ہوئے ہیں دونوں کے درمیان نہ ان کی طرف اور نہ ان کی طرف اور جس کو گمراہ کردے اللہ تو ہرگز نہ پائے گا تو ان کے واسطے کوئی راہ۔

تفسیر: (بلاشبہ منافق لوگ) اظہار ایمان میں (چالبازی کرتے ہیں اللہ سے) گو ان کی چال اللہ تعالیٰ سے پوشیدہ نہیں رہ سکتی اور گو ان کا اعتقاد اللہ کے ساتھ چالبازی کرنے کا نہ ہو، مگر ان کی یہ کارروائی اسی کے مشابہ ہے کہ جیسے یہی اعتقاد ہو (حالانکہ اللہ تعالیٰ اس چال کی سزا ان کو دینے والے ہیں، اور) چونکہ دل میں ایمان تو ہے نہیں اور اس کی وجہ سے نہ نماز کو فرض سمجھیں نہ اس میں ثواب کا اعتقاد رکھیں اس لئے (جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی کے ساتھ کھڑے ہوتے ہیں) کیونکہ نشاط تو اعتقاد اور امید سے پیدا ہوتا ہے اور وہ ان میں نہیں ہے (صرف آدمیوں کو) اپنا نمازی ہونا (دکھاتے ہیں) تاکہ لوگ ان کو مسلمان سمجھیں (اور) چونکہ محض نماز کا نام ہی کرنا ہے اس لئے اس نماز میں (اللہ تعالیٰ کا ذکر) زبانی (نہیں کرتے مگر بہت ہی مختصر) یعنی محض صورت نماز کی بنا لیتے ہیں، جس میں نماز کا نام ہو جائے، اور عجب نہیں کہ اٹھنا بیٹھنا ہی ہوتا ہو، کیونکہ جہر کی ضرورت تو بعض نمازوں میں امام کو ہوتی ہے امامت تو ان

کو کہاں نصیب ہوتی، مقتدی ہونے کی حالت میں اگر کوئی بالکل نہ پڑھے فقط لب ہلاتا رہے تو کسی کو کیا خبر ہو تو ایسے بداعتقادوں سے کیا بعید ہے کہ زبان بھی نہ ہلتی ہو (معلق ہو رہے ہیں دونوں کے) یعنی کفار و مومنین کے (درمیان میں نہ) پورے (ادھر کے لوگوں کی طرف نہ) پورے (ادھر کے لوگوں کی طرف) کیونکہ ظاہر میں مومن ہیں تو کفار سے الگ اور باطن میں کافر ہیں تو مومنین سے الگ (اور جس کو خدا تعالیٰ گمراہی میں ڈال دیں) جیسا کہ ان کی عادت ہے کہ بندہ جب کسی فعل کو کرنے کا عزم کرتا ہے اور اس کی طرف اپنی قوت کو متوجہ کرتا ہے (تو) اللہ تعالیٰ اس وقت اس فعل کو پیدا کر دیتے ہیں (ایسے شخص کے) مومن ہونے کے (لئے کوئی سبیل نہ پاؤ گے) مطلب یہ کہ ان منافقین کے راہ پر آنے کی امید مت رکھو، اس میں منافقین کی تشنیع ہے اور مومنین کی تسلی کہ ان کی شرارتوں سے رنج نہ کریں۔

فائدہ: جس کسل کی یہاں مذمت ہے وہ اعتقادی کسل ہے یعنی اللہ ورسول پر صحیح ایمان نہ رکھتے ہوئے اور نماز کی فرضیت کا عقیدہ نہ رکھتے ہوئے جو کسل ظاہر کیا جائے۔ اور صحیح ایمان واعتقاد کے باوجود جو کسل ہو وہ اس سے خارج ہے پھر اگر کسی عذر سے ہو جیسے مرض اور تھکان اور نیند کے غلبہ سے ہو تب تو قابل ملامت بھی نہیں اور بلا عذر ہو تو قابل ملامت ہے۔

ربط: اوپر قَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ میں کفار سے خصوصیت و تعلق رکھنے کی ممانعت کی تھی آگے اس کا تتمہ ہے۔

يَآ أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِينَ أَوْلِيَآءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۚ أَتُرِيدُونَ أَنْ تَجْعَلُوا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِينًا ﴿۱۴۴﴾

ترجمہ: اے ایمان والو نہ بناؤ کافروں کو دوست، مسلمانوں کو چھوڑ کر۔ کیا تم چاہتے ہو کہ کرو اللہ کے لئے اپنے خلاف حجت صریح

تفسیر: (اے ایمان والو تم مومنین کو چھوڑ کر کافروں کو) خواہ منافق ہوں خواہ اعلانیہ ہوں (دوست مت بناؤ) کیونکہ تم کو ان کے کفر وعداوت کی حالت معلوم ہو چکی (کیا تم) ان سے دوستی کر کے (یوں چاہتے ہو کہ اپنے اوپر) یعنی اپنے مجرم و مستحق عذاب ہونے پر (اللہ تعالیٰ کی حجت صریح قائم کر لو) صریح حجت یہی ہے کہ ہم نے جب منع کر دیا تھا پھر کیوں کیا۔

ربط: پہلے منافقین کی قباحتیں کا ذکر ہو چکیں آگے ان کی سزا کو بیان کیا جاتا ہے اور چونکہ سزا کے بیان کا اثر فی نفسہ یہ ہے کہ سلیم المزاج آدمی کو خوف پیدا ہو جاتا ہے جو توبہ کا سبب بن جاتا ہے اس لئے سزا سے توبہ کرنے والوں کا استثناء اور ان کی جزائے نیک کا بیان بھی فرمایا۔

اِنَّ الۡمُنٰفِقِيۡنَ

فِى الدَّرۡكِ الۡاَسۡفَلِ مِنَ النَّارِ‌ۚ وَلَنۡ تَجِدَ لَهُمۡ نَصِيۡرًا ۞ اِلَّا الَّذِيۡنَ تَابُوۡا وَاَصۡلَحُوۡا وَاعۡتَصَمُوۡا بِاللّٰهِ وَاَخۡلَصُوۡا دِيۡنَهُمۡ لِلّٰهِ فَاُولٰٓـئِكَ مَعَ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ‌ؕ وَسَوۡفَ يُـؤۡتِ اللّٰهُ الۡمُؤۡمِنِيۡنَ اَجۡرًا عَظِيۡمًا ۞ مَا يَفۡعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمۡ اِنۡ شَكَرۡتُمۡ وَاٰمَنۡتُمۡ‌ؕ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِيۡمًا ۞

ترجمہ: بے شک منافق ہوں گے سب سے نچلے درجے میں دوزخ کے اور ہر گز تو نہ پائے گا ان کے لئے کوئی مددگار مگر جو لوگ توبہ کرلیں اور اپنی اصلاح کرلیں اور مضبوط پکڑیں اللہ کو اور خالص کریں اپنے دین کو اللہ کے لئے سو وہ ہیں ایمان والوں کے ساتھ، اور جلد دے گا اللہ ایمان والوں کو بڑا اجر۔ کیا کرے گا اللہ تم کو عذاب کر کے اگر تم شکر گزاری کرو اور ایمان لے آؤ۔ اور ہے اللہ قدردان ہے سب کچھ جاننے والا۔

تفسیر: (بلاشبہ منافقین دوزخ کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے) اور اے مخاطب (تو ہر گز ان کا کوئی مددگار نہ پائے گا) جو ان کو اس سزا سے بچا سکے (لیکن) ان میں سے (جو لوگ) نفاق سے (توبہ کرلیں اور) مسلمانوں کے ساتھ جو تکلیف دہ معاملات کرتے تھے ان کی (اصلاح کرلیں) یعنی پھر ایسی باتیں نہ کریں (اور) کفار سے ان کی پناہ حاصل کرنے کے لئے دوستی کرتے ہیں اس کو چھوڑ کر (اللہ تعالی پر وثوق) اور توکل (رکھیں اور) ریاء کو چھوڑ کر (اپنے دین) کے اعمال (کو خالص اللہ) ہی کی رضا (کے لئے کیا کریں) غرض اپنے عقائد کی، معاملات کی، اخلاق باطنی کی، اعمال کی، سب کی درستی کرلیں (توبہ) تائب (لوگ) ان (مومنین کے ساتھ) درجات جنت میں (ہوں گے) جو کہ پہلے سے کامل ایمان رکھتے ہیں (اور) ان (مومنین کو اللہ تعالیٰ) آخرت میں (اجر عظیم عطا فرمائیں گے) پس جب یہ مومنین کے ساتھ ہوں گے تو ان کو بھی اجر عظیم ملے گا، اور اے منافقو (اللہ تعالیٰ تم کو سزا دے کر کیا کریں گے اگر تم) ان کی نعمتوں کی جو تم پر ہیں (سپاس گزاری کرو اور) اس سپاس گزاری کا ہمارا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ تم (ایمان لے آؤ) یعنی خدا تعالیٰ کا کوئی کام اٹکا نہیں پڑا جو تم کو سزا دینے سے چل جائے صرف تمہارا کفر جو اشد درجہ کا کفران نعمت ہے سبب ہے تمہاری سزا کا اگر اس کو چھوڑ دو تو پھر رحمت ہی رحمت ہے (اور اللہ تعالیٰ) تو خدمت کی (بڑی قدر کرنے والے) اور خدمت گزاری کے خلوص وغیرہ کو (خوب جاننے والے ہیں) پس جو شخص اطاعت واخلاص سے رہے اس کو بہت کچھ دیتے ہیں۔

ربط: منافقین و کفار کے احوال میں ان کا مسلمانوں کے ساتھ عداوت کرنا مذکور ہوا تھا۔ چونکہ عداوت میں اکثر ایذاء رسانی کی نوبت بھی آتی رہتی ہے اور جس کو ایذاء پہنچتی ہے اکثر اس کی زبان سے شکایت بھی نکل جاتی ہے اس مناسبت سے آگے اس کے جواز عدم جواز کی تحقیق اور عفو کی فضلیت بیان کرتے ہیں۔

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿۱۴۹﴾

ترجمہ: نہیں پسند کرتا اللہ ظاہر کرنا بری بات کا مگر جس پر ظلم ہوا ہو، اور اللہ ہے سننے والا جاننے والا۔ اگر تم کھول کر کرو کوئی بھلائی یا چھپاؤ اس کو یا معاف کرو برائی کو تو بے شک اللہ بھی ہے معاف کرنے والا بڑی قدرت والا۔

تفسیر: (اللہ تعالیٰ بری بات) یعنی کسی میں دین یا دنیا کا عیب ہو تو اسکو (زبان پر لانے کو) کسی کے لئے (پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے) کہ اپنے مظالم کی نسبت کچھ حکایت شکایت کرنے لگے تو وہ گناہ نہیں (اور اللہ تعالیٰ) مظلوم کی بات (خوب سنتے ہیں) اور ظالم کے ظلم کی حالت (خوب جانتے ہیں) اس میں اشارہ ہے کہ مظلوم کو بھی خلاف واقعہ کہنے کی اجازت نہیں، اور اگرچہ ایسی شکایت جائز تو ہے لیکن (اگر نیک کام علانیہ کرو یا اس کو خفیہ کرو) جس میں معاف کرنا بھی آگیا (یا) بالخصوص (کسی) کی برائی (کو معاف کر دو تو) زیادہ افضل ہے کیونکہ (اللہ تعالیٰ) بھی (بڑے معاف کرنے والے ہیں) اور باوجودیکہ (پوری قدرت والے ہیں) کہ اپنے مجرموں سے ہر طرح انتقام لے سکتے ہیں، مگر پھر بھی اکثر معاف ہی کر دیتے ہیں، پس اگر تم ایسا کرو تو اول تو اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپنانا بھی مطلوب ہے دوسرے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تمہارے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ کرنے کی امید ہو گی۔

فائدہ: 1- اس آیت میں اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ منافقوں کی اصلاح چاہتے ہو تو ان کی ایذاء اور شرارت پر صبر کرو اور نرمی اور پردہ سے ان کو سمجھاؤ ظاہر کے طعن اور لعن سے بچو اور کھلا مخالف مت بناؤ۔

2- نفی و استثناء سے جو حصر ہوا ہے یہ حصر حقیقی نہیں کیونکہ ظالم کے علاوہ اور بھی بعض شخص کی برائی کا اظہار جائز ہے مثلاً وہ شخص جس سے کوئی دینی یا دنیوی مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہو اس کے حال سے لوگوں کو مطلع کر دینا درست ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ضرورت و مصلحت کے بغیر کسی کی عیب گوئی درست نہیں۔

ربط: آگے کفار کے فرقہ یہود کی چند قباحتوں کا ذکر ہوتا ہے۔

پہلی قباحت

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ﴿١٥٠﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿١٥١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَلَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٥٢﴾

ترجمہ: بے شک جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ کے ساتھ اور اس کے رسولوں کے ساتھ اور چاہتے ہیں کہ فرق کریں اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان اور کہتے ہیں ہم مانتے ہیں بعض کو اور انکار کرتے ہیں بعضوں کا اور چاہتے ہیں کہ پکڑیں اس کے بیچ میں ایک راہ، ایسے لوگ ہی ہیں کافر یقیناً اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے عذاب اہانت آمیز۔ اور جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور اس کے رسولوں پر اور فرق نہ کیا ان میں سے کسی میں بھی، یہ لوگ ہیں (اللہ) ضرور دے گا ان کو ان کے ثواب اور اللہ ہے بخشنے والا مہربان،

تفسیر: (جو لوگ کفر کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ) جیسا کہ آگے ان کے مذکورہ عقیدہ اور قول سے صاف طور پر لازم آتا ہے (اور) کفر کرتے ہیں (اس کے رسولوں کے ساتھ) یعنی بعض کے ساتھ تو صراحۃً کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کے منکر تھے اور کل رسولوں کے ساتھ لازم کے طور پر جیسا آگے آتا ہے (اور یوں چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق رکھیں) کہ اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور رسولوں پر ایمان نہیں لاتے جس کی یہ صورت کی کہ بعض رسولوں کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے (اور) اپنے اس عقیدہ کو زبان سے بھی (کہتے ہیں کہ ہم) پیغمبروں میں سے (بعض پر تو ایمان لاتے ہیں اور بعض کے منکر ہیں) اس قول اور اس عقیدہ سے اللہ تعالیٰ کے ساتھ بھی کفر لازم آگیا اور سب رسولوں کے ساتھ بھی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اور ہر رسول نے سب رسولوں کو رسول کہا ہے، جب بعض کا انکار ہوا تو اللہ تعالیٰ کی اور باقی رسولوں کی تکذیب ہو گئی جو کہ ضد ہے تصدیق اور ایمان کی (اور یوں چاہتے ہیں کہ بین بین ایک راہ تجویز کریں) کہ نہ سب پر ایمان رہے

جیسے مسلمان سب پر ایمان رکھتے ہیں، اور نہ سب کا انکار رہے جیسا کہ مشرکین کرتے تھے سو (ایسے لوگ یقیناً کافر ہیں) کیونکہ بعض کے ساتھ کفر بھی کفر ہے۔ اور ایمان اور کفر کے درمیان کوئی واسطہ نہیں، جب سب پر ایمان نہ ہوا تو کفر ہی ہوا (اور کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے) وہی ان کے لئے بھی ہوگی (اور جو لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہیں اور اس کے سب رسولوں پر بھی اور ان میں سے کسی میں) ایمان لانے کے اعتبار سے (فرق نہیں کرتے، ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور ان کے ثواب دیں گے اور) چونکہ (اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت والے ہیں) اس لئے ایمان لانے سے پہلے جتنے گناہ ہو چکے ہیں سب بخش دیں گے اور چونکہ وہ (بڑی رحمت والے ہیں) اس لئے ایمان کی برکت سے ان کی نیکیوں کو کئی گنا بڑھا کر خوب ثواب دیں گے۔

یہود کی دوسری قباحت

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰٓى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْٓا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذٰلِكَ وَاٰتَيْنَا مُوْسٰى سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ: درخواست کرتے ہیں تجھ سے اہل کتاب کہ تو ان پر اتار لائے خاص تحریر آسمان سے سو مانگ چکے ہیں موسیٰ سے زیادہ بڑی چیز اس سے اور کہا تو دکھلا دے ہم کو اللہ کھلم کھلا سو آن پکڑا انکو بجلی کی کڑک نے ان کے ظلم (یعنی ان کی گستاخی) کے باعث۔ پھر اختیار کیا انہوں نے بچھڑے کو (عبادت کے لئے) بعد اس کے کہ آ چکے ان کے پاس بہت سے دلائل پھر ہم نے معاف کیا اس گناہ کو اور دیا ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو رعب کھلا۔

تفسیر: اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم (آپؐ سے اہل کتاب) یہود (یہ درخواست کرتے ہیں کہ آپؐ ان کے پاس ایک خاص تحریر آسمان سے منگوا دیں سو) آپؐ ان لوگوں سے اس کو عجیب نہ سمجھئے کیونکہ یہ فرقہ ایسا معاند ہے کہ (انہوں نے) یعنی اس فرقہ کے جو لوگ موسیٰ علیہ السلام کے وقت موجود تھے انہوں نے (موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی بڑی بات کی درخواست کی تھی اور یوں کہا تھا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ کھلم کھلا) بلا حجاب (دکھلا دو، جس پر ان کی گستاخی کے سبب ان پر بجلی کی کڑک آپڑی، پھر) اس سے بڑھ کر ان کی یہ حرکت ہو چکی ہے کہ (انہوں نے گوسالہ کو) پرستش کے لئے (اختیار کیا تھا بعد اس کے کہ بہت سے) حق و باطل کی تعیین کے (دلائل ان کو پہنچ چکے تھے) ان دلائل سے مراد موسیٰ علیہ السلام کے

معجزات ہیں جن میں سے غرق فرعون کا بہتوں کو مشاہدہ بھی ہو چکا تھا (پھر ہم نے ان سے در گذر کر دیا تھا، اور موسیٰ علیہ السلام کو ہم نے بڑا رعب دیا تھا) اس رعب پر اور ہماری در گزر اور عنایت پر ان لوگوں کی یہ کیفیت تھی کہ نہ عنایت سے متاثر ہوتے تھے نہ رعب سے۔

فائدہ: 1- روح المعانی میں روایت ہے کہ یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے براہ عناد یہ درخواست کی کہ ہم آپ کو اس وقت مانیں گے جب آپ ہم میں سے ہر یہودی کے نام بنام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تحریر منگوادیں جس کا یہ مضمون ہو کہ از جانب خدا تعالیٰ بنام فلاں یہودی یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں۔

2- اللہ تعالیٰ کی رویت کی درخواست تحریر کی درخواست سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ کتب الٰہی تو دنیا میں نازل ہوتی آئی ہیں گو غیر نبی کے پاس نہیں آئیں مگر رویت الٰہی تو کبھی دنیا میں واقع نہیں ہوئی۔

3- گوسالہ پرستی رویت الٰہی کے مطالبہ سے بڑھ کر اس لئے ہے کہ رویت الٰہی تو دنیا میں نہیں مگر آخرت میں تو مومنین کو ہو گی لیکن غیر اللہ کا معبود ہونا تو محال عقلی ہے۔

ربط: آگے یہود کی بعض اور جہالتوں کا ذکر ہے جس سے ان کی تشنیع بھی مقصود ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اور زیادہ تسلی بھی مطلوب ہے۔

وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾

ترجمہ: اور اٹھایا ہم نے ان کے اوپر (پہاڑ) طور کو ان سے عہد لینے کے واسطے اور اور ہم نے کہا ان سے داخل ہو دروازہ میں عاجزی کرتے ہوئے اور ہم نے کہا ان سے کہ زیادتی مت کرو ہفتہ کے دن میں اور لیا ہم نے ان سے عہد مضبوط۔

تفسیر: (اور) جب انہوں نے تورات کی شریعت کو ماننے سے صاف انکار کر دیا تو (ہم نے ان لوگوں سے) تورات پر عمل کرنے کے (قول و قرار لینے کے واسطے کوہ طور کو اٹھا کر ان کے اوپر) محاذات میں (معلق کر دیا تھا) کہ شریعت کو ماننا ہی ہو گا ورنہ پہاڑ کے نیچے کچل دیئے جاؤ گے (اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ) جب شہر ایلیا میں داخل ہو تو (دروازہ میں عاجزی سے) اطاعت خداوندی کے جذبہ کے ساتھ (داخل ہونا اور ہم نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ ہفتہ کے دن کے بارے میں) جو حکم تم کو ملا ہے کہ شکار نہ کرو اس میں شرع کی حد سے (تجاوز مت کرنا اور ہم نے ان سے) ان احکام پر عملدرآمد کے بارے

میں (قول و قرار نہایت شدید لیا) لیکن ان لوگوں نے اس قدر اہتمام کے باوجود پھر اپنے عہد کو توڑ ڈالا۔

یہود کی مزید قباحتیں

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۱۵۵﴾ وَّبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ﴿۱۵۶﴾ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ﴿۱۵۷﴾ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿۱۵۸﴾ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ﴿۱۵۹﴾

ترجمہ: (ان کو جو سزا ملی) تو بسبب ان کے توڑنے کے اپنے عہد کو اور ان کے انکار کرنے کے اللہ کے احکام کا اور ان کے قتل کرنے کے پیغمبروں کا ناحق اور ان کے اس کہنے کے کہ ہمارے دل محفوظ ہیں۔ (ان کے دل محفوظ نہیں) بلکہ مہر کر دی اللہ نے ان کے دلوں پر بسبب ان کے کفر کے سو ایمان نہیں رکھتے مگر تھوڑا، اور بسبب ان کے کفر کے اور ان کے کہنے کے مریم پر بڑا بہتان اور ان کے اس کہنے پر کہ ہم نے قتل کیا مسیح عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول کو۔ اور انہوں نے نہ قتل کیا اس کو اور نہ سولی پر چڑھایا اس کو اور لیکن شبہ ڈال دیا گیا ان کے لئے۔ اور جن لوگوں نے اختلاف کیا ان کے بارے میں تو وہ لوگ اس بارے میں غلط خیال میں ہیں۔ نہیں ہے ان کے پاس اس کی کوئی دلیل سوائے انکل کی پیروی کے اور نہیں قتل کیا اس کو یقیناً بلکہ اٹھالیا اس کو اللہ نے اپنی طرف اور اللہ ہے زبردست حکمت والا اور نہیں کوئی شخص اہل کتاب سے مگر یہ کہ وہ ضرور ایمان لے آئے گا عیسیٰ پر اپنی موت سے پہلے اور قیامت کے دن وہ ہوگا ان پر گواہ،

تفسیر: (سو ہم نے) ان کی حرکتوں کی وجہ سے لعنت و غضب اور ذلت و مسخ وغیرہ کی (سزا میں مبتلا کیا) یعنی (ان کی عہد شکنی کی وجہ سے اور ان کے کفر کی وجہ سے احکام الٰہیہ کے ساتھ اور ان کے قتل

کرنے کی وجہ سے انبیاء) علیہم السلام (کو) جو ان کے نزدیک بھی (ناحق) تھا (اور ان کے اس قول کی وجہ سے کہ ہمارے قلوب) ایسے (محفوظ ہیں) کہ ان میں مخالف مذہب یعنی اسلام کا اثر نہیں ہوتا تو اپنے مذہب پر ہم خوب پختہ ہیں، حق تعالیٰ اس پر رد فرماتے ہیں کہ یہ مضبوطی اور پختگی نہیں ہے (بلکہ ان کے کفر کے سبب ان کے قلوب پر اللہ تعالیٰ نے بند لگادیا ہے) کہ حق بات کی ان پر تاثیر نہیں ہوتی (سو ان میں ایمان نہیں مگر قدرے قلیل،) اور قدرے قلیل ایمان مقبول نہیں پس کافر ہی ٹھہرے (اور) ہم نے ان کو سزائے لعنت وغیرہ میں ان وجوہ سے بھی مبتلا کیا یعنی (ان کے) ایک خاص (کفر کی وجہ سے اور) تفصیل اس کی یہ ہے کہ (حضرت مریم علیہا السلام پر ان کے بڑا بھاری بہتان دھرنے کی وجہ سے) جس سے عیسیٰ علیہ السلام کی تکذیب بھی لازم آتی ہے، کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام اپنے معجزہ سے ان کی براءت ظاہر فرما چکے ہیں (اور) نیز بطور تفاخر کے (ان کے اس کہنے کی وجہ سے کہ ہم نے مسیح عیسیٰ ابن مریم کو جو کہ رسول ہیں اللہ تعالیٰ کے قتل کردیا) یہ کہنا خود دلیل ہے عداوت کی، اور عداوت انبیاء کے ساتھ کفر ہے (حالانکہ) علاوہ کفر ہونے کے خود ان کا یہ دعویٰ بھی غلط ہے کیونکہ (انہوں نے) یعنی یہود نے (نہ ان کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (قتل کیا اور نہ ان کو سولی پر چڑھایا، لیکن ان کو) یعنی یہود کو (اشتباہ ہو گیا اور جو لوگ) یعنی یہود و نصاریٰ (ان کے) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کے (بارے میں اختلاف کرتے ہیں) بعض یہود کہتے ہیں کہ نعوذ باللہ مسیح جھوٹے تھے اس لئے ہمارا ان کو قتل کرنا بالکل برحق ہے، بعض یہودی تردد میں ہوئے کہ جس کو سولی دی گئی اس کا چہرہ تو مسیح کی طرح کا ہے لیکن باقی بدن کسی دوسرے آدمی کا ہے۔ بہت سے عیسائیوں نے کہا کہ ان کے مادی جسم کو سولی دی گئی لیکن ان کے اندر کا خدا آسمان کی طرف چلا گیا۔ (وہ غلط خیال میں مبتلا (ہیں، ان کے پاس اس پر کوئی صحیح دلیل) موجود (نہیں، بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے اور انہوں نے) یعنی یہود نے (ان کو) یعنی عیسیٰ علیہ السلام کو (یقینی بات ہے کہ قتل نہیں کیا) جس کا وہ دعویٰ کرتے ہیں (بلکہ ان کو خدا تعالیٰ نے اپنی طرف) یعنی آسمان پر (اٹھالیا) اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پوچھنے پر کہ آج کون اپنے آپ کو مجھ پر قربان کرتا ہے اور اپنی جان کے بدلہ جنت خریدتا ہے، ایک جوان حواری نے اس کے لئے اپنے آپ کو پیش کیا تو وہ حضرت عیسی علیہ السلام کا ہمشکل بنادیا گیا اور وہی مصلوب و مقتول ہوا، اور یہی سبب ہوا یہود کے اشتباہ کا اور اس اشتباہ نے اہل کتاب میں اختلاف پیدا کیا (اور اللہ تعالیٰ بڑے زبردست) یعنی قدرت والے (حکمت والے ہیں) کہ اپنی قدرت و حکمت سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بچالیا اور اٹھالیا، اور یہود کو بوجہ تشبیہ کے پتہ بھی نہ لگا (اور) یہود کو اپنا کذب اور حضرت عیسیٰ کی نبوت کے انکار کا بطلان بہت جلد دنیا ہی میں ظاہر ہو جائے گا کیونکہ نزول آیت کے وقت سے لے کر کسی زمانہ میں (کوئی شخص اہل کتاب) یعنی یہود میں (سے) باقی (نہ رہے گا، مگر وہ عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کی اپنے مرنے سے) ذرا (پہلے) جب کہ عالم برزخ نظر آنے لگتا ہے (ضرور تصدیق کرے گا) گو اس وقت

کی تصدیق نافع نہیں مگر ظہور بطلان کے لئے تو کافی ہے تو اس کے بجائے اگر اب ہی ایمان لے آئیں تو نافع ہو جائے (اور) جب عالم دنیا اور عالم برزخ دونوں ختم ہو چکیں گے یعنی (قیامت کے روز وہ) یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام (ان) منکرین کے انکار (پر گواہی دیں گے)،

فائدہ: 1- حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نام کے ساتھ جو رسول اللہ آیا ہے یہ یہود کا قول نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے کہ دیکھو ایسی عظیم ہستی کے بارے میں ایسا کہتے ہیں۔

2- وَ اِنْ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ کی ایک دوسری تفسیر کے مطابق بہ اور موتہ دونوں میں ضمیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف لوٹتی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قیامت کے قریب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان سے نازل ہونے کے بعد ان کی وفات سے پہلے جتنے بھی اہل کتاب یعنی نصاری دنیا میں ہوں گے وہ ان کے بارے میں اپنے عقیدے کی اصلاح کریں گے اور صحیح عقیدہ کے ساتھ ان کو مانیں گے۔ یہود میں سے جو ان پر ایمان لائے وہ بھی اس زمرے میں داخل ہو گا باقی تمام یہودی ان کی وفات سے بہت پہلے دجال کے ساتھ نیست و نابود کر دیئے جائیں گے۔

ربط: گذشتہ آیات میں یہود کی شرارتوں کا اور ان شرارتوں کی وجہ سے ان کی سزا کا ذکر تھا، ان آیات میں بھی ان کی کچھ اور قباحتوں کا بیان ہے، اور سزا کی ایک اور نوعیت کا بھی ذکر ہے، وہ یہ کہ قیامت میں تو انہیں عذاب ہو گا ہی، اس دنیا میں بھی ان کی گمراہی کا یہ نتیجہ ہوا کہ بہت سی پاکیزہ چیزیں جو پہلے سے حلال تھیں بطور سزا کے ان پر حرام کر دی گئیں،

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿١٦٠﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿١٦١﴾

ترجمہ: سو یہود کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے حرام کیں ان پر بہت سے پاک چیزیں جو حلال کی گئی تھیں ان کے لئے اور ان کے روکنے کی وجہ سے اللہ کی راہ سے بہت لوگوں کو اور ان کے سود لینے کی وجہ سے حالانکہ وہ اس سے روکے جا چکے تھے اور ان کے لوگوں کے مال کھانے کی وجہ سے باطل طریقوں سے اور تیار کر رکھا ہے ہم نے کافروں کے واسطے جو ان میں سے ہیں عذاب دردناک،

تفسیر: (سو یہود کے انہی بڑے بڑے جرائم کے سبب) جن میں سے بہت سے امور سورہ بقرہ

میں ذکر کئے (ہم نے بہت سی پاکیزہ) یعنی حلال و نافع اور لذیذ (چیزیں جو) پہلے سے (ان کے لئے) بھی (حلال تھیں) جیسا آیت (كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِىٓ اِسْرَاۗءِيْلَ میں ہے (ان پر) شریعت موسویہ میں (حرام کردیں) جن کا بیان سورۃ انعام کی آیت وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ الخ میں ہے اور وہاں بھی یہ بتایا گیا ہے کہ ان حلال پاک چیزوں کو ان پر حرام کرنا ان کے گناہوں اور نافرمانیوں کی بنا پر ہوا تھا جیسا کہ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ الخ اور جب تک شریعت موسویہ رہی اس میں وہ سب حرام ہی رہیں کوئی حلال نہ ہوئی (بسبب اس کے کہ) وہ آئندہ بھی ایسی حرکتوں سے باز نہ آئے، مثلاً یہی کہ (وہ) احکام میں تحریف کر کے یا حکم خداوندی کو چھپا کر (بہت آدمیوں کو اللہ تعالیٰ کی راہ) یعنی دین حق کے قبول کرنے (سے مانع بن جاتے تھے) کیونکہ ان کی اس کارروائی سے عوام کو خواہ مخواہ التباس ہو جاتا تھا، گو تحقیق کرنے سے وہ التباس دور ہو جانا ممکن تھا (اور بسبب اس کے کہ وہ سود لیا کرتے تھے، حالانکہ انکو) توریت میں (اس سے ممانعت کی گئی تھی اور بسبب اس کے کہ وہ لوگوں کے مال ناحق طریقہ) یعنی غیر مشروع ذریعہ (سے کھا جاتے تھے) پس اس طریق حق میں رکاوٹ بننے، سود لینے اور ناجائز طریقوں سے دوسروں کا مال کھا جانے کی وجہ سے جب تک شریعت موسوی باقی رہی تخفیف نہ ہوئی، البتہ شریعت عیسویہ میں کچھ احکام بدلے تھے، جیسا آیت وَلِاُحِلَّ لَكُمْ بَعْضَ الَّذِيْ حُرِّمَ عَلَيْكُمْ سے معلوم ہوتا ہے، پھر شریعت محمدیہؐ میں بہت تخفیف ہوگئی جیسا يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ الخ سے ثابت ہے، یہ تو دنیوی سزا تھی (اور) آخرت میں (ہم نے ان لوگوں کے لئے جو ان میں سے کافر ہیں دردناک سزا کا سامان کر رکھا ہے) البتہ جو قاعدہ شرعیہ کے موافق ایمان لے آئے اس کے پچھلے جرائم سب معاف ہو جائیں گے۔

فائدہ: شریعت محمدیہؐ میں بھی بعض چیزیں حرام ہیں، لیکن وہ کسی جسمانی یا روحانی ضرر کی وجہ سے حرام رکھی گئیں، بخلاف یہود کے کہ ان پر جو طیبات حرام کردی گئی تھیں ان میں کوئی جسمانی یا روحانی ضرر نہیں تھا، بلکہ ان کی نافرمانیوں کی سزا کے طور پر حرام کردی گئی تھیں۔

ربط: اوپر کی آیات میں ان یہود کا ذکر تھا جو اپنے کفر پر قائم تھے، اور مذکورہ بالا منکرات میں مبتلا تھے، آگے ان حضرات کا بیان ہے جو اہل کتاب تھے، اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی اور وہ صفات جو ان کی کتابوں میں خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق موجود تھیں آپؐ میں پوری پوری دیکھیں تو ایمان لے آئے، جیسے حضرت عبداللہ بن سلام و اسید و ثعلبہ رضی اللہ عنہم، ان آیات میں انہی حضرات کی تعریف و توصیف مذکور ہے۔

لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ

اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ

الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾

ترجمہ: لیکن جو پختہ ہیں علم میں ان میں سے اور ایمان والے سو (یہ سب) مانتے ہیں اس کو جو نازل کیا گیا تیری طرف اور جو نازل کیا گیا تجھ سے پہلے اور آفریں ہے نماز قائم کرنے والوں کو اور جو دینے والے ہیں زکوٰۃ کو اور یقین رکھنے والے ہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر (سو) ایسوں کو ہم دیں گے بڑا ثواب۔

تفسیر: (لیکن ان) یہود (میں جو لوگ علم) دین (میں پختہ) یعنی اس کے موافق عمل کرنے پر مضبوط (ہیں) اور اسی آمادگی نے ان پر حق کو واضح اور قبول حق کو سہل کر دیا (اور جو) ان میں (ایمان لے آنے والے ہیں کہ اس کتاب پر بھی ایمان لاتے ہیں جو آپؐ کے پاس بھیجی گئی اور اس کتاب پر بھی) ایمان رکھتے ہیں (جو آپ سے پہلے) نبیوں کے پاس (بھیجی گئی) جیسے توریت وانجیل (اور آفرین ہے ان پر جو) ان میں (نماز کی پابندی کرنے والے ہیں، اور جو) ان میں (زکوٰۃ دینے والے ہیں اور جو) ان میں (اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر اعتقاد رکھنے والے ہیں) سو (ایسے لوگوں کو ہم ضرور) آخرت میں (ثواب عظیم عطا فرمائیں گے،)

فائدہ: آیت میں جن حضرات کے لئے کامل اجر کا وعدہ ہے وہ ان کے ایمان اور اعمال صالحہ کے ساتھ متصف ہونے کی وجہ سے ہے، اور جہاں تک نفس نجات کا تعلق ہے وہ ضروری عقائد کی تصحیح پر موقوف ہے، بشرطیکہ خاتمہ بالایمان کی سعادت نصیب ہو،

ربط: یَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے یہودیوں کا ایک احمقانہ سوال نقل کر کے تفصیل سے اس کا الزامی جواب دیا گیا، یہاں ایک دوسرے عنوان سے اسی سوال کو باطل کیا جارہا ہے کہ تم جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کے لئے یہ شرط لگاتے ہو کہ آپؐ آسمان سے لکھی ہوئی کتاب لاکر دکھائیں تو بتاؤ کہ یہ جلیل القدر انبیاء جن کا ذکر ان آیات میں ہے ان کو تم بھی تسلیم کرتے ہو، اور ان کے حق میں تم اس طرح کے مطالبات نہیں کرتے، تو جس دلیل سے تم نے ان حضرات کو نبی تسلیم کیا ہے، یعنی معجزات سے، تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھی معجزات ہیں لہٰذا ان پر بھی ایمان لے آؤ، لیکن بات یہ ہے کہ تمہارا یہ مطالبہ حق کے لئے نہیں بلکہ عناد پر مبنی ہے۔

اس کے ضمن میں بعثت انبیاء کی حکمت بھی بیان کر دی گئی، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو خطاب کر کے بتادیا گیا کہ یہ لوگ اگر آپ کی نبوت پر ایمان نہیں لاتے تو اپنا انجام خراب کرتے ہیں۔ آپؐ کی نبوت پر تو خدا بھی گواہ ہے، اور خدا کے فرشتے بھی اس کی گواہی دیتے ہیں۔

إِنَّآ أَوْحَيْنَآ إِلَيْكَ كَمَآ أَوْحَيْنَآ إِلَىٰ نُوحٍ وَٱلنَّبِيِّـۧنَ مِنۢ بَعْدِهِۦ ۚ وَأَوْحَيْنَآ إِلَىٰٓ إِبْرَٰهِيمَ وَإِسْمَـٰعِيلَ وَإِسْحَـٰقَ وَيَعْقُوبَ وَٱلْأَسْبَاطِ وَعِيسَىٰ وَأَيُّوبَ وَيُونُسَ وَهَـٰرُونَ وَسُلَيْمَـٰنَ ۚ وَءَاتَيْنَا دَاوُۥدَ زَبُورًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنَـٰهُمْ عَلَيْكَ مِن قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۚ وَكَلَّمَ ٱللَّهُ مُوسَىٰ تَكْلِيمًا ﴿١٦٤﴾ رُّسُلًا مُّبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ لِئَلَّا يَكُونَ لِلنَّاسِ عَلَى ٱللَّهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ ٱلرُّسُلِ ۚ وَكَانَ ٱللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا ﴿١٦٥﴾ لَّـٰكِنِ ٱللَّهُ يَشْهَدُ بِمَآ أَنزَلَ إِلَيْكَ ۖ أَنزَلَهُۥ بِعِلْمِهِۦ ۖ وَٱلْمَلَـٰٓئِكَةُ يَشْهَدُونَ ۚ وَكَفَىٰ بِٱللَّهِ شَهِيدًا ﴿١٦٦﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَصَدُّوا۟ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِ قَدْ ضَلُّوا۟ ضَلَـٰلًۢا بَعِيدًا ﴿١٦٧﴾ إِنَّ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَظَلَمُوا۟ لَمْ يَكُنِ ٱللَّهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيقًا ﴿١٦٨﴾ إِلَّا طَرِيقَ جَهَنَّمَ خَـٰلِدِينَ فِيهَآ أَبَدًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا ﴿١٦٩﴾

ترجمہ: ہم نے وحی بھیجی تیری طرف جیسے وحی بھیجی نوح علیہ السلام پر اور ان نبیوں پر جو ان کے بعد ہوئے اور وحی بھیجی ہم نے ابراہیمؑ پر اور اسمٰعیلؑ پر اور اسحٰقؑ پر اور یعقوب پر اور اس کی اولاد پر اور عیسیٰؑ پر اور ایوبؑ پر اور یونسؑ پر اور ہارونؑ پر اور سلیمانؑ پر اور دی ہم نے داؤدؑ کو زبور اور (بھیجے) ایسے رسول کہ احوال سنائے ہم نے جن کے تجھ کو اس سے پہلے اور ایسے رسول کہ احوال نہیں سنائے ہم نے ان کے تجھ کو اور باتیں کیں اللہ نے موسیٰؑ سے بول کر۔ (بھیجے) پیغمبر خوش خبری دینے والے اور ڈرانے والے تاکہ باقی نہ رہے لوگوں کے لئے اللہ پر الزام رسولوں کے بعد اور ہے اللہ زبردست حکمت والا۔ لیکن اللہ گواہی دیتا ہے اس پر جو اس نے نازل کیا تجھ پر کہ نازل کیا ہے اس کو اپنے علم کے ساتھ اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ (حق کی) گواہی دینے والا۔ بے شک جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے روکا اللہ کی راہ سے وہ بہک گئے دور کی گمراہی میں۔ جو لوگ کافر ہوئے اور انہوں نے (دوسروں کا) نقصان کیا نہیں ہے اللہ کہ بخشے ان کو اور نہ یہ کہ دکھائے ان کو راہ مگر راہ دوزخ کی رہیں گے اس میں ہمیشہ اور ہے یہ اللہ پر آسان۔

تفسیر: (ہم نے) کچھ آپ کو انوکھا رسول نہیں بنایا جو ایسی واہی تباہی فرمائش کرتے ہیں بلکہ (آپؐ کے پاس) بھی ایسی ہی (وحی بھیجی ہے جیسی) حضرت (نوح) علیہ السلام (کے پاس بھیجی تھی اور ان کے بعد اور پیغمبروں کے پاس) بھیجی تھی (اور) ان میں سے بعضوں کے نام بھی بتا دیتے ہیں کہ (ہم نے) حضرات (ابراہیم اور اسماعیل اور اسحٰق اور یعقوب اور اولاد یعقوب) میں جو نبی گذرے ہیں (اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان) علیہم الصلوٰۃ والسلام (کے پاس وحی بھیجی تھی اور) اسی طرح (ہم نے داؤد) علیہ السلام کے پاس بھی وحی بھیجی تھی، چنانچہ ان (کو) کتاب (زبور دی تھی، اور) ان کے علاوہ اور بعضے (ایسے پیغمبروں کو) بھی صاحب وحی بنایا (جن کا حال اس کے قبل) سورہ انعام وغیرہ مکی سورتوں میں (ہم آپ سے بیان کر چکے ہیں اور) بعضے (ایسے پیغمبروں کو) صاحب وحی بنایا (جن کا حال) ابھی تک (ہم نے آپ سے بیان نہیں کیا اور) حضرت (موسیٰ) علیہ السلام کو بھی صاحب وحی بنایا، چنانچہ ان (سے اللہ تعالیٰ نے خاص خاص طور پر کلام فرمایا) اور ان سب کو ایمان پر نجات کی (خوش خبری دینے والے اور کفر پر عذاب کا (خوف سنانے والے پیغمبر بنا کر اس لئے بھیجا تا کہ لوگوں کے پاس اللہ تعالیٰ کے سامنے ان پیغمبروں کے) آنے کے (بعد کوئی عذر) ظاہراً بھی (باقی نہ رہے) ورنہ قیامت میں یوں کہتے کہ بہت سی باتوں کا حسن وقبح یعنی ان کا قابل عذاب یا ثواب ہونا عقل سے معلوم نہ ہو سکتا تھا، پھر ہماری کیا خطا (اور) یوں (اللہ تعالیٰ پورے زور) اور اختیار (والے ہیں) کہ رسولوں کو بھیجے بغیر بھی سزا دیتے تو اس وجہ سے کہ مالک حقیقی ہونے میں منفرد ہیں ظلم نہ ہوتا اور حقیقی عذر کا حق کسی کو نہ تھا لیکن چونکہ (بڑے حکمت والے) بھی (ہیں) اس لئے ان کی حکمت ہی رسولوں کو بھیجنے کی مقتضی ہوئی تا کہ ظاہری عذر بھی نہ رہے، یہ بیان حکمت درمیان میں تبعاً آ گیا تھا، آگے نبوت محمدیہ کا اثبات کر کے جواب کی تکمیل فرماتے ہیں کہ گو وہ اپنے اس شبہ کے رفع ہونے پر بھی نبوت کو تسلیم نہ کریں لیکن واقع میں تو ثابت ہے اور اس کے ثبوت پر صحیح دلیل قائم ہے، چنانچہ (اللہ تعالیٰ بذریعہ اس کتاب کے جس کو آپؐ کے پاس بھیجا ہے اور بھیجا بھی) کس طرح (اپنے علمی کمال کے ساتھ) جس سے وہ کتاب عظیم معجزہ ہو گئی جو کہ نبوت کی دلیل قاطع ہے، ایسی معجز کتاب کے ذریعہ سے آپ کی نبوت کی (شہادت دے رہے ہیں) یعنی دلیل قائم کر رہے ہیں جیسا کہ ابھی معلوم ہوا کہ کتاب معجز نازل فرمائی اور اعجاز دلیل نبوت ہے، پس دلیل سے تو واقع میں نبوت ثابت ہے، رہا کسی کا ماننا نہ ماننا تو اول تو اس کا خیال ہی کیا (اور) اگر طبعاً جی ہی چاہتا ہو کہ یہ بھی مان لیں اور تصدیق کریں تو ان سے افضل مخلوق یعنی (فرشتے) آپ کی نبوت کی (تصدیق کر رہے ہیں،) اور مومنین کی تصدیق کا تو مشاہدہ ہی تھا، پس اگر چند احمقوں نے نہ مانا نہ سہی (اور) اصل بات تو وہی ہے کہ (اللہ تعالیٰ ہی کی شہادت) جو کہ واقع میں دلیل قائم کرنا ہے (کافی ہے) کسی کی تصدیق و تسلیم کی آپ کو

حاجت ہی نہیں (جو لوگ) ان قطعی دلائل کے بعد بھی (منکر ہیں اور) طرہ یہ کہ اوروں کو بھی (خدائی دین سے مانع ہوتے ہیں وہ) حق سے (بڑی دور کی گمراہی میں جاپڑے ہیں) یہ تو دنیا میں ان کے مذہب کا حاصل ہے، اور اس کا ثمرہ آخرت میں آگے سنو کہ (بلاشبہ جو لوگ) حق کے (منکر ہیں اور) حق سے مانع بن کر (دوسروں کا بھی نقصان کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشیں گے اور نہ ان کو سوائے جہنم کی راہ کے اور کوئی راہ) یعنی جنت کی راہ (دکھلائیں گے اس طرح پر کہ اس) جہنم (میں ہمیشہ ہمیشہ کو رہا کریں گے، اور اللہ کے نزدیک یہ سزا معمولی بات ہے) کچھ سامان نہیں کرنا پڑتا۔

ربط: یہودیوں کے اعتراضات کے جواب اور نبوت محمدیہ علیٰ صاحبہا السلام کے اثبات کے بعد اب تمام جہان کے انسانوں کو خطاب فرماتے ہیں کہ تمہاری نجات اسی میں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت پر ایمان لے آؤ۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۚ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۷۰﴾

ترجمہ: اے لوگو! آچکا تمہارے پاس رسول ٹھیک بات لے کر تمہارے رب کی طرف سے تو مان لو یہ بہتر ہوگا تمہارے لئے اور اگر انکار کرو گے تو اللہ تعالیٰ کا ہے جو کچھ ہے آسمانوں میں اور زمین میں اور ہے اللہ سب کچھ جاننے والا حکمت والا۔

تفسیر: (اے تمام) جہان کے (لوگو تمہارے پاس یہ رسول) صلی اللہ علیہ وسلم (سچی بات) یعنی سچا دعویٰ سچی دلیل (لے کر تمہارے پروردگار) جل شانہٗ (کی طرف سے تشریف لائے ہیں سو) صحیح دلیل سے دعویٰ ثابت کرنے کا تقاضا یہ ہے کہ (تم) ان پر اور جو جو یہ فرمائیں سب پر (یقین رکھو)۔ جو پہلے سے یقین لائے ہوئے ہیں وہ اس پر قائم رہیں، اور جو نہیں لائے اب اختیار کرلیں (یہ تمہارے لئے بہتر ہوگا) کیونکہ نجات ہوگی (اور اگر تم منکر ہو گئے تو) تمہارا ہی نقصان ہے، خدا تعالیٰ کا کوئی نقصان نہیں، کیونکہ (خدا تعالیٰ کی) تو (ملک ہے یہ سب جو کچھ) بھی (آسمانوں میں اور زمین میں) موجود (ہے) تو ایسے بڑے عظیم الشان مالک، قادر کو کیا نقصان پہنچا سکتے ہو، مگر اپنی خیر منالو (اور اللہ تعالیٰ) سب کے ایمان وکفر کی (پوری اطلاع رکھتے ہیں) اور دنیا میں جو پوری سزا نہیں دیتے تو اس لئے کہ (کامل حکمت والے) بھی (ہیں) وہ حکمت اس کو مقتضی ہے۔

ربط: آگے نصاریٰ سے خطاب ہے اور ان کے باطل عقائد کی تردید ہے۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِىْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

ترجمہ: اے کتاب والو مت غلو کرو اپنے دین میں اور مت کہو اللہ تعالیٰ کی شان میں مگر حق بات۔ مسیح عیسیٰ بن مریم محض اللہ کا رسول ہے اور اس کا کلام ہے جس کو ڈالا مریم کی طرف اور روح ہے اللہ کی طرف سے سو مانو اللہ کو اور اس کے رسولوں کو اور نہ کہو کہ (خدا) تین ہیں۔ باز آجاؤ یہ بہتر ہو گا تمہارے واسطے صرف اللہ معبود ہے اکیلا وہ پاک ہے اس سے کہ اس کی اولاد ہو، اس کا ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے اور کافی ہے اللہ کارساز،

تفسیر: (اے اہل کتاب) یعنی انجیل والو (تم اپنے دین) کے بارہ (میں) عقیدہ حق کی (حد سے مت نکلو اور خدا تعالیٰ کی شان میں غلط بات مت کہو) کہ نعوذ باللہ وہ صاحب اولاد ہے جیسا بعض کہتے تھے کہ اَلْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ یا وہ مجموعہ اِلٰہ کا ایک جزو ہے جیسا بعض کہتے تھے اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ یعنی اللہ تین کے مجموعہ کا تیسرا جز ہے اور بقیہ دو میں سے ایک جزو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو کہتے تھے اور دوسرا جزو پھر بعض تو حضرت جبرئیل علیہ السلام کو کہتے تھے جیسا کہ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض حضرت مریم علیہا السلام کو کہتے تھے جیسا اِتَّخِذُوْنِىْ وَ اُمِّىَ سے معلوم ہوتا ہے اور بعض خدا کو عین مسیح مانتے تھے جیسا ان کے قول اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ سے معلوم ہوتا ہے۔ غرض یہ سب عقیدے باطل ہیں۔ (مسیح عیسیٰ بن مریم تو اور کچھ نہیں البتہ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ) کن کے سبب سے پیدا ہوئے (ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے) حضرت (مریم تک) حضرت جبرئیل علیہ السلام کے واسطہ سے (پہنچایا تھا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک روح) یعنی جاندار (ہیں) باقی نہ وہ ابن اللہ ہیں نہ تین میں کے ایک ہیں (سو) جب یہ سب باتیں غلط ہیں تو سب سے توبہ کرو اور (اللہ پر اور اس کے سب رسولوں پر) ان کی تعلیم کے مطابق (ایمان لاؤ) اور وہ موقوف ہے توحید پر، پس توحید کا عقیدہ رکھو (اور یوں مت کہو کہ) خدا (تین ہیں) مقصود منع کرنا ہے شرک سے اور وہ ان کے سب مذکورہ اقوال

میں مشترک ہے، اس شرک سے (باز آجاؤ تمہارے لئے بہتر ہوگا) اور توحید کے قائل ہو جاؤ کیونکہ (معبود حقیقی تو ایک ہی معبود ہے) اور (وہ صاحب اولاد ہونے سے منزہ ہے) کیونکہ اگر اس کی اولاد ہو تو وہ بھی خدا ہوگی اور آسمانوں اور زمین میں اس کی بھی ملکیت ہوگی اس لئے کہ ملکیت کے بغیر خدا متصور نہیں حالانکہ (جو کچھ آسمانوں اور زمین میں موجودات ہیں سب اس کی ملک ہیں) کوئی اور اس میں شریک نہیں لہذا کوئی اور خدا بھی نہیں اور نتیجۃً خدا کی کوئی اولاد نہیں۔ یہ دلیل ہوئی توحید کی (اور) ایک دلیل یہ ہے کہ (اللہ تعالیٰ کارساز ہونے میں کافی ہیں) اور ان کے سوا سب کارسازی میں ناکافی، دوسروں کے محتاج بلکہ ایک حد پر جاکر عاجز ہو جاتے ہیں۔ یہ کفایت صفات کمال میں سے ہے اور صفات کمال الوہیت و خدائی کے لوازم میں سے ہے۔ جب خدا کے غیر میں یہ کفایت موجود نہیں تو اس میں ایک صفت کمال کی نفی ہوئی جس کی وجہ سے خدائی کی نفی ہوتی ہے لہذا توحید ثابت ہوئی۔

ربط: اوپر حق تعالیٰ کی تنزیہہ کا اثبات اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی الوہیت کا ابطال کیا ہے۔ آگے اسی مضمون کی تائید و تاکید کے لئے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور فرشتوں کا خود عبدیت و بندگی کا اقرار کر: ذکر کرتے ہیں۔ اس کے ساتھ منکرین پر وعید اور ماننے والوں کے لئے وعدہ بھی سناتے ہیں۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۙ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

ترجمہ: ہرگز عار نہیں مسیح کو اس سے کہ وہ بندہ ہو اللہ کا اور نہ مقرب فرشتوں کو۔ اور جس کو عار آئے اللہ کی بندگی سے اور تکبر کرے سو وہ جمع کرے گا ان سب کو اپنے پاس اکٹھا، پھر جو لوگ ایمان لائے اور عمل کئے انہوں نے اچھے تو ان کو پورا دے گا ان کے ثواب اور زیادہ دے گا ان کو اپنے فضل سے اور جنہوں نے عار کی اور تکبر کیا سو ان کو عذاب دے گا عذاب دردناک اور نہ پائیں گے اپنے واسطے اللہ کے سوا کوئی حمایتی اور نہ مددگار

تفسیر: نصاریٰ خواہ مخواہ حضرت مسیح علیہ السلام کو الٰہ یا جزو الٰہ بنا رہے ہیں، خود حضرت (مسیح)

کی یہ کیفیت ہے کہ جب وہ زمین پر تھے تو اس وقت میں ان کا اقرار عبدیت جو ان کی الوہیت کو باطل کرتا ہے مشہور ہے اور سب ہی کو معلوم ہی ہے لیکن اب بھی جب کہ وہ آسمانوں پر ہیں اور ایک قسم کی رفعت و بلندی ان کو حاصل ہے، یا قیامت تک وہ جس حالت میں ہوں ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے اس حالت میں بھی (ہرگز خدا کا بندہ بننے سے عار) اور انکار (نہیں کریں گے اور نہ مقرب فرشتے) کبھی عار کریں گے جن میں حضرت جبرئیل علیہ السلام بھی ہیں، جن کو خدا کا ایک جزو مانتے ہیں خود ان سے کوئی پوچھ کر دیکھے (اور) وہ عار کریں کیسے، اس عار کرنے کا ایسا برا انجام ہے کہ (جو شخص خدا تعالیٰ کی بندگی سے عار کرے گا اور تکبر کرے گا تو) اس کا انجام سن لو (خدا تعالیٰ ضرور سب لوگوں کو اپنے پاس) یعنی حساب کے موقع پر (جمع کریں گے پھر جو لوگ) دنیا میں (ایمان لائے ہوں گے اور انہوں نے اچھے کام کئے ہوں گے) یعنی عبد بنے رہے ہوں گے کیونکہ عبدیت کا حاصل یہی ایمان اور اعمال ہیں (تو ان کو تو ان کا پورا ثواب) بھی (دیں گے) جو کہ ایمان اور اعمال پر منصوص ہے (اور) اس کے علاوہ (ان کو اپنے فضل سے اور زیادہ بھی دیں گے) جس کی تفصیل منصوص نہیں (اور جن لوگوں نے) عبد بننے سے (عار کیا ہوگا اور تکبر کیا ہوگا تو ان کو سخت دردناک سزا دیں گے اور وہ لوگ کسی غیر اللہ کو اپنا یار اور مددگار نہ پائیں گے)۔

فائدہ: بظاہر ایک شبہ یہ ہوتا ہے کہ نصاریٰ کو خدا تعالیٰ کی عبادت سے نہ عار تھا نہ تکبر تھا بلکہ ان کو خود مذکور مضمون کے جزو عبادت اور من جانب اللہ ہونے میں کلام تھا۔ جواب یہ ہے کہ ان کے مجموعی حالات سے یہ بات ثابت ہے کہ ان پر حق واضح ہو گیا تھا جیسا کہ قرآن پاک میں ہے وہ رسول اللہ صلی علیہ وسلم کو ایسے پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں مگر آپ کا اتباع ان کو ناگوار تھا حالانکہ آپ کے اتباع کا حکم ہے اور ایک حکم سے انکار یا عار گویا سب ہی احکام سے انکار و عار ہے۔

ربط: نصاریٰ کے عقائد کے بطلان مع جزا و سزا کے بیان کے بعد آگے خطاب عام سے ان مضامین کا اور ان مضامین کے تعلیم فرمانے والے رسول اور قرآن کے صدق کا بیان کرتے ہیں اور تصدیق کرنے والوں کی فضیلت بیان فرماتے ہیں۔

يَاۤ اَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَاَنْزَلْنَاۤ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

ترجمہ: اے لوگو آچکی تمہارے پاس دلیل تمہارے رب کی طرف سے اور اتارا ہم نے

تمہاری طرف نور صاف۔ سو جو لوگ ایمان لائے اللہ پر اور مضبوط پکڑا اس کو تو داخل کرے گا ان کو اپنی رحمت میں اور فضل میں اور بتادے گا ان کو اپنی طرف سیدھا راستہ۔

تفسیر: (اے) تمام (لوگو یقیناً تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے ایک) کافی (دلیل آچکی ہے) جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مبارکہ ہے (اور ہم نے تمہارے پاس ایک صاف نور بھیجا ہے) وہ قرآن مجید ہے پس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کے ذریعہ سے جو کچھ تم کو بتایا جائے وہ سب حق ہے جن میں یہ مذکورہ مضامین بھی داخل ہیں (سو جو لوگ اللہ پر ایمان لائے) جس کے لئے توحید و تنزیہ کا اعتقاد لازم ہے (اور انہوں نے اللہ) کے دین (کو) یعنی اسلام کو (مضبوط پکڑا) جس کے لئے رسول اور قرآن کی تصدیق لازم ہے (سو ایسوں کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت میں) یعنی جنت میں (داخل کریں گے اور اپنے فضل میں) لے لیں گے یعنی دخول جنت کے علاوہ اور بھی عظیم نعمتیں دیں گے جن میں دیدار الٰہی بھی داخل ہے (اور اپنے تک) پہنچنے کا (ان کو سیدھا راستہ بتادیں گے) یعنی دنیا میں ان کو اپنی رضا کا رستہ دکھائیں گے اور ان کو اس پر قائم و ثابت رکھیں گے۔ اسی سے ایمان و اعمال صالحہ کے تارک کی حالت معلوم ہوگئی کہ ان کو یہ ثمرات نہ ملیں گے۔

ربط: شروع سورت کے ذرا بعد میراث کے احکام مذکور تھے، پھر وہاں سے تقریباً ایک پارہ کے بعد دوسرے احکام کے ساتھ میراث کے حکم کو بیان فرمایا اب ختم سورت پر پھر میراث کا ایک حکم ذکر کرتے ہیں۔ شاید تین جگہ اس کے متفرق کر دینے میں حکمت یہ ہو کہ اسلام سے پہلے میراث کے باب میں بہت ظلم تھا، پس سورت کے اول میں، وسط میں، آخر میں اس کے ذکر فرمانے سے مخاطبین کو اندازہ ہوگا کہ ان احکام کا بہت اہتمام کیا گیا ہے جس سے وہ بھی ان پر عمل کرنے میں زیادہ اہتمام کریں گے۔

يَسْتَفْتُوْنَكَ ؕ

قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ؕ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ؕ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ؕ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَآءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۷۶﴾

ترجمہ: حکم پوچھتے ہیں تجھ سے، کہہ دے اللہ حکم بتاتا ہے تم کو کلالہ کا۔ اگر کوئی مرد مر

جائے اور جو ہو اس کی اولاد اور اس کی ایک بہن ہو تو اس کے لئے آدھا ہوگا اس کا جو چھوڑ مرا اور وہ بھائی وارث ہوگا اس بہن کا اگر نہ ہو اس کی اولاد۔ پھر اگر دو بہنیں ہوں تو ان دونوں کے لئے ہوگا دو تہائی اس مال کا جو چھوڑ مرا۔ اور اگر وارث چند بھائی بہن ہوں مرد اور عورتیں تو ایک مرد کے لئے ہوگا برابر دو عورتوں کے حصہ کے۔ بیان کرتا ہے اللہ تمہارے واسطے تاکہ تم گمراہ نہ ہو اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

تفسیر: (لوگ آپ سے) کلالہ کا یعنی جس کی نہ اولاد ہو نہ ماں باپ ہوں میراث کے بارے میں (حکم دریافت کرتے ہیں آپؐ) جواب میں (فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ تم کو کلالہ کے بارے میں حکم دیتا ہے) وہ یہ ہے کہ (اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ ہو) یعنی نہ مذکر نہ مونث اور نہ ماں باپ ہوں (اور اس کے ایک) سگی یا باپ شریک (بہن ہو تو اس) بہن (کو اس کے تمام ترکہ کا نصف ملے گا) یعنی مقدم حقوق جیسے قرض اور وصیت کے بعد اور بقیہ نصف اگر کوئی عصبہ ہو اس کو دیا جائے گا ورنہ پھر اسی بہن پر رد یعنی لوٹا دیا جائے گا (اور وہ شخص اس) اپنی بہن (کا وارث) کل ترکہ کا (ہوگا اگر) وہ بہن مر جائے اور (اس کی اولاد نہ ہو) اور اس کے والدین بھی نہ ہوں۔ (اور اگر) ایسی (بہنیں دو) یا زیادہ (ہوں تو ان کو اس کے کل ترکہ میں سے دو تہائی ملیں گے) اور ایک تہائی عصبہ کو ورنہ بطور رد کے انہی کو مل جائے گا (اور اگر) ایسی میت کے جس کے نہ اولاد ہے نہ والدین خواہ وہ میت مذکر ہو یا مونث (وارث چند) یعنی ایک سے زیادہ ایسے ہی (بھائی بہن ہوں مرد اور عورت تو) ترکہ اس طرح تقسیم ہوگا کہ (ایک مرد کو دو عورتوں کے حصہ کے برابر) یعنی بھائی کو دو حصہ بہن کو ایک حصہ (اللہ تعالیٰ تم سے) دین کی باتیں (اس لئے بیان کرتے ہیں کہ تم) ناواقفی سے (گمراہی میں نہ پڑو) یہ تذکیر واحسان ہے (اور اللہ تعالیٰ ہر چیز کو خوب جانتے ہیں) پس احکام کی مصلحتوں سے بھی مطلع ہیں اور احکام میں ان کی رعایت کی جاتی ہے، یہ حکمت کا بیان ہے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ

کی مشہور

تفسیر بیان القرآن

کی تسہیل اور اختصار بنام

تفسیرِ فہم قرآن

(حصہ اوّل)

سورۂ فاتحہ تا سورۂ نساء

تالیف

ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)

مفتی جامعہ مدنیہ لاہور

مجلس نشریاتِ قرآن

۱۔ کے۔ ۳۰ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد نمبر ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

یہ کتاب
محترم جناب ڈاکٹر مفتی عبدالواحد صاحب (ایم بی بی ایس)
مفتی جامعہ مدنیہ لاہور کی
اجازت سے شائع کی جارہی ہے

نام کتاب ——— تفسیر فہم قرآن
تصنیف ——— ڈاکٹر مفتی عبدالواحد (ایم بی بی ایس)
طباعت ———
اشاعت ——— سنہ ۲۰۰۱ء
ضخامت ——— ۴۶۸ صفحات

ٹیلیفون
۶۶۰۰۸۹۶ ـ ۶۶۰۱۸۱۷

ناشر
فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن، ناظم آباد، کراچی ۳۶

اسٹاکسٹ : مکتبۂ ندوۃ ـ قاسم سینٹر اُردو بازار کراچی
فون : ۲۶۳۸۹۱۷

مختصر تعارف

مؤلف کتاب: **حافظ عبد الواحد**

سن ولادت: ۱۹۵۰ء

تعلیمی کوائف: ۱۔ ایم بی بی ایس ۱۹۷۴ء میں کنگ ایڈورڈ میڈیکل کالج لاہور سے پاس کیا۔

۲۔ درس نظامی۔ جامعہ مدنیہ لاہور وفاق المدارس کے عالمیہ کا امتحان ۱۹۸۳ء میں پاس کیا۔

۳۔ تخصص و افتاء۔ جامعہ مدنیہ لاہور میں حضرت مولانا عبد الحمید صاحب مدظلہ اور حضرت مولانا قاری عبد الرشید رحمۃ اللہ علیہ سے کیا۔

تدریسی معمولات: جامعہ مدنیہ میں ۱۹۸۳ء سے تاحال۔

افتاء: دار الافتاء۔ جامعہ مدنیہ۔ لاہور

تصنیفات:

۱۔ اسلامی عقائد

۲۔ اصول دین

۳۔ مسائل بہشتی زیور مکمل دو حصوں میں نئی ترتیب اور اضافوں کے ساتھ

۴۔ مریض و معالج کے اسلامی احکام

۵۔ سونا چاندی اور ان کے زیورات کے اسلامی احکام

۶۔ ڈاکٹر اسرار احمد کے افکار و نظریات تنقید کی میزان میں (نایاب)

۷۔ تحفہ اصلاحی: جناب امین احسن اصلاحی صاحب کی کتابوں مبادی تدبر قرآن اور مبادی تدبر حدیث پر تبصرہ و تحقیق حق۔ (غیر مطبوعہ)

۸۔ تحفہ غامدی۔ جناب جاوید احمد غامدی صاحب کے مغالطوں کی نشاندہی اور انکا جواب

۹۔ تحفہ خیر خواہی بجواب مغالطات کیپٹن عثمانی۔

۱۰۔ قرآن و حدیث سے عداوت کیوں؟ منکر حدیث ڈاکٹر قمر زمان کے افکار کا محاسبہ اور جواب

۱۱۔ "جاگیرداری اور اسلام" مولانا طاسین صاحب کے مضمون پر تبصرہ اور انکے مغالطوں کا جواب

۱۲۔ متفرق مقالہ جات جو ماہنامہ انوار مدینہ اور سہ ماہی منہاج میں شائع ہوئے۔

۱۳۔ تفسیر فہم قرآن۔ (جلد اوّل) حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل و اختصار۔

۱۴۔ فہم حدیث (جلد اوّل) تقریباً ہر موضوع پر مشتمل احادیث کا مجموعہ

۱۵۔ شرح احادیث حروف سبعہ اور تاریخ قرأت متواترہ۔

۱۶۔ مروجہ مجالس ذکر و درود شریف کی شرعی حیثیت۔

۱۷۔ دین کا کام کرنے والوں کے لئے چند ضروری باتیں۔

کسب معاش: ۱۔ دو سال فوج کے میڈیکل کور میں بطور کیپٹن ملازمت۔

۲۔ ۱۹۷۹ء سے تاحال محکمۂ اوقاف کے ہسپتال میں ملازمت بطور میڈیکل افسر۔

عرض مؤلف

الحمد لله الذی ھدانا لھذا و ما کنا لنھتدی لولا ان ھدانا اللہ و صلی اللہ تعالی علی من ارسلہ بالھدی و دین الحق لیظھرہ علی الدین کلہ ولو کرہ المشرکون و علی آلہ و صحبہ اجمعین

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے دنیوی تعلیم یافتہ طبقہ کے لئے اردو زبان میں دینیات کا مکمل نصاب ترتیب دینے کی توفیق عطا فرمائی۔ یہ نصاب دو درجوں پر مشتمل ہے عام درجہ یعنی O`Level جو فہم دین کورس کے نام سے مشہور ہے تین کتابوں پر مشتمل ہے جو ہماری اپنی ترتیب و تالیف کردہ ہیں۔ یعنی اسلامی عقائد، اصول دین اور مسائل بہشتی زیور (مکمل دو حصوں میں)

اعلیٰ درجہ یعنی A` Level پورے قرآن پاک کی رواں مختصر تفسیر یعنی فہم قرآن اور حدیث کے ایک مجموعہ یعنی فہم حدیث پر مشتمل ہے۔

درجہ عام یعنی فہم دین کورس کی کتابیں پہلے ہی شائع ہو چکی ہیں۔ فہم قرآن کی پہلی جلد جو پہلے سوا پانچ پاروں پر مشتمل ہے آپ کے سامنے ہے۔ یہ تفسیر درحقیقت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی مشہور تفسیر بیان القرآن کی تسہیل ہے۔ اگرچہ حضرت مولانا مفتی محمد شفیع رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس کی کسی قدر تسہیل کی تھی لیکن ہم نے اس سے فائدہ اٹھاتے ہوئے تسہیل میں خوب اہتمام کیا ہے اور زبان و ترکیب میں موجودہ ذوق کو پیش نظر رکھا ہے۔

تفسیر بیان القرآن میں جو مسائل ذکر کئے گئے ہیں ان کو ہم نے عام طور سے شامل نہیں کیا کیونکہ وہ ہماری ترتیب کردہ مسائل بہشتی زیور میں آگئے ہیں۔ البتہ اس تفسیر میں موجود اہم فوائد و نکات کو ہم نے آسان کر کے شامل رکھا ہے اور جہاں کہیں ضرورت ہوئی وہاں مزید فوائد کا اضافہ کیا ہے۔

ترتیب ہم نے یوں رکھی ہے کہ پہلے آئندہ ذکر کی جانے والی آیات کا ماقبل سے ربط لکھا ہے پھر آیات لکھی ہیں پھر ان کا ترجمہ پھر ان کی تفسیر اور آخر میں کچھ ضروری فوائد۔ تفسیر کی عبارت میں آیات کے اصل الفاظ کا ترجمہ بریکٹ میں ظاہر کیا ہے۔ اس کے بعد اگرچہ ترجمہ علیحدہ سے دینے کی ضرورت تو نہ تھی لیکن چونکہ یہ ترجمہ بامحاورہ ہے اور اس میں عربی الفاظ کی ترتیب کی رعایت کا اہتمام نہیں ہو اجب کہ بہت سے طالب علموں کو شوق ہوتا ہے کہ وہ عربی لفظ کے اصل ترجمہ کو بھی جان لیں۔ اس وجہ سے ہم

نے فائدہ دیکھتے ہوئے ایسے ترجمہ کا اضافہ کیا ہے جس میں الفاظ اور ان کی ترکیب کی رعایت رکھی گئی ہو۔
ترجمہ اگرچہ بنیادی طور پر شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا ہے لیکن مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تفسیر سے موافقت حاصل کرنے کے لئے اور علیحدہ علیحدہ الفاظ کے ترجمہ کی رعایت کی خاطر اس میں بہت کچھ تصرف کیا گیا ہے۔ اتنے تصرف کے بعد اب ہم اس ترجمہ کی نسبت حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کی طرف نہیں کر سکتے اگرچہ رنگ انہی کا ہے۔

عوام کے ساتھ ساتھ اہل علم حضرات سے بھی ہم درخواست کرتے ہیں کہ وہ اس نصاب کی درس و تدریس میں دلچسپی لیں اور از خود دلچسپی لے کر لوگوں کو یہ نصاب پڑھائیں۔ یہ ان کی دینی و تبلیغی خدمت کا اہم ذریعہ ہے۔ یہ تو بڑے حضرات کے کام ہیں جو اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ہم نے یکجا کر دیئے ہیں۔

اگر ایک گھنٹہ روزانہ لگایا جائے تو فہم دین کورس چھ مہینے میں پڑھا جا سکتا ہے اور فہم قرآن اور فہم حدیث کو ایک سال میں پڑھا جا سکتا ہے۔

ہم جامعہ مدنیہ میں اپنے ساتھی مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب کے بے انتہا مشکور ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ ان کتابوں کی تالیف و ترتیب میں خاصی حد تک شریک ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو اپنی حفاظت میں رکھیں اور ان سے اپنے دین کا خوب خوب کام لیں۔ مولوی قاسم صاحب اور مولوی مختار احمد صاحب کے بھی ہم احسانمند ہیں۔ اور آخر میں مجلس نشریات اسلام کے جناب فضل ربی ندوی کے بھی شکر گزار ہیں جو ان کتابوں کی نشر و اشاعت میں ذاتی دلچسپی لیتے رہے ہیں اور اچھے سے اچھے معیار کے لئے کوشاں رہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان سب حضرات کو اپنے پاس سے بیش از بیش اجر عطا فرمائیں اور ہماری کوششوں کو قبول فرما کر ان کا ثواب ہمارے اساتذہ اور ہمارے والدین کو عطا فرما دیں۔ آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

عبد الواحد

جامعہ مدنیہ، لاہور

ربیع الاول 1422 ھجری